حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ
مترجمین
محمد اشفاق خان، سید فیصل ہاشمی

مکمل تین جلدیں

المیہ مشرقی پاکستان کے سیاسی اور فوجی اسباب

سید فضیل ہاشمی، محمد اشفاق خاں، مرتضیٰ انجم

دارالشعور

37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

◈ نام کتاب : حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ (مکمل تین جلد)

◈ مترجم : سید فضیل ہاشمی، محمد اشفاق خاں، مرتضٰی انجم

◈ اشاعت : 2012ء

◈ مطبع : طیب شمشاد پرنٹرز، لاہور

◈ برائے : دارالشعور

37- مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

فون:042-37239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com
www.darulshaour.com

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ

جلد سویم

المیہ مشرقی پاکستان کے سیاسی اور فوجی اسباب

ترجمہ، ترتیب وتہذیب

سید فضیل ہاشمی، محمد اشفاق خان

دارالشعور

37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

فہرست مضامین

835

3 سے 17 دسمبر 1971ء تک جنگ کے احوال

انٹیلی جینس رپورٹوں سے یہ بات سامنے آئی تھی کہ بھارتی فوج کی سینٹرل اور کمانڈ ریزرو فارمیشن ستمبر 1971ء میں مشرقی اور مغربی دونوں حصوں کی سرحدوں کی طرف روانہ کردیئے گئے ہیں جس سے مشرقی پاکستان میں کھلی جارحیت کے بھارتی عزائم میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا۔ یہ اطلاعات بھی پہنچی تھیں کہ بھارت نے کچھ فوجیں چین کی سرحد پر بھیج دی ہیں جس کا مقصد سرحد پر بھارت کی فوجی قوت کو مزید استحکام دینا تھا۔

بھارت کی بحریہ اور فضائیہ نے بھی جنگ کی تیاری شروع کر رکھی تھی۔ بھارتی بحریہ نے آگے بڑھ کر خلیج بنگال میں اپنی سرگرمیاں مرکوز کر رکھی تھیں جبکہ بھارتی طیارہ بردار جہاز وشاکاپٹنم بھیج دیا گیا تھا۔ بھارتی فضائیہ نے بھی مشرقی اور مغربی پاکستان کی سرحد سے قریب ہوائی اڈوں سے پروازیں شروع کردی تھیں۔

25 مارچ 1971ء سے ہم نے بھی مشرقی پاکستان میں اضافی فوج بھیج کر اپنی قوت کو 4 ڈویژنوں تک بڑھالیا جس میں ایک ایڈہاک ڈویژن بھی شامل تھا جو زیادہ تر ای پی سی اے ایف کے جوانوں پر مشتمل تھا۔ تمام ڈویژن توپ خانے کے حوالے سے انتہائی کمزور تھے جبکہ ٹینکوں کی صرف ایک رجمنٹ موجود تھی۔ یہ تمام افواج ستمبر 1971ء کے بعد سے سرحدوں پر بری طرح مصروف تھیں۔ انہیں مسلسل بھارت کی جانب سے بھارتی گولہ باری کا سامنا رہتا تھا جو وہ بنگالی گوریلوں کی کارروائیوں میں مدد کے طور پر کرتا تھا۔

یہ بات پہلے ہی بیان کی جاچکی ہے کہ مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے پاس کسی بھی فارمیشن کی سطح پر ریزرو فوج موجود نہ رہی تھی۔

مغربی پاکستان کی سرحد پر 20 جنوری 1971ء کو ہائی جیکنگ کے واقعے کے بعد دونوں فوجوں میں کشیدگی پائی جاتی تھی؛ تاہم بعد ازاں کشمیر میں اقوام متحدہ کے فوجی مبصر کی کوششوں سے دونوں فوجوں کے درمیان کشیدگی کا خاتمہ ہوگیا۔ سرحد، سیز فائر لائن اور جموں کشمیر کے علاقوں سے فوجیں پیچھے ہٹالی گئیں۔ بہرحال دونوں جانب سے ایک حد تک چوکسی برقرار رکھی گئی اور فوجوں کو سرحدوں سے ہٹانے کے بعد انہیں سرحد کے قریبی علاقوں ہی میں رکھا گیا۔ جب بھارت نے ستمبر 1971ء کو سرحدوں پر فوجیں بھیجنا شروع کردیں تو جواب میں ہم نے بھی اپنی فوجوں کو اگلی پوزیشنوں کی طرف بھیج دیا سوائے 7 ڈویژن کے جو اس وقت تک پشاور ہی میں مقیم رہا۔

1967ء میں ترتیب دی جانے والی ہماری عسکری حکمت عملی بنیادی طور پر دفاعی نوعیت کی تھی۔ لیکن مشرقی پاکستان میں پیدا ہونے والی صورتحال نے اس بات کا احساس دلایا کہ اس حکمت عملی پر نظر ثانی کی جانی چاہیے۔ سروس ہیڈ کوارٹرز سے کہا گیا کہ وہ اس ضمن میں تجاویز پیش کرے ان کی تجاویز کو" جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے" کوئی اہمیت نہ دی گئی اور 1967ء میں عسکری حکمت عملی پر نظر ثانی اور اس میں تبدیلی نہ ہوسکی اور جنگ تک یہی حکمت عملی زیر عمل تھی۔

اس مفروضے کو بنیاد بنا کر کہ"مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کیا جائے گا" اگست ستمبر 1971ء میں ایک فوجی حملے کے خدوخال واضح کیے گئے۔ یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ بھارت کی طرف سے مشرقی پاکستان پر کسی حملے کی صورت میں پاکستان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ وہ مغربی پاکستان کی طرف سے بڑا حملہ کرکے بھارت کے زیادہ سے زیادہ اہم ترین علاقوں کو قبضہ میں لے لے۔

اس جوابی حملے کے منصوبے کا ایک پچھلے باب میں ناقدانہ تجزیہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس کا دوبارہ تذکرہ ضروری نہیں۔ جی ایچ کیو کی طرف سے آنے والے اس ہدایت' جسے ہدایت نمبر 7/71 کے نام سے جانا جاتا ہے' کا مقصد مشرقی پاکستان میں بھارتی جارحیت کا مناسب جواب دینا تھا۔ معتبر ذرائع کے حوالے سے اس بات کا بھی پتہ چل چکا تھا کہ بھارتی حملہ 20 نومبر 1971ء کو متوقع ہے۔ ان اطلاعات کی روشنی میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ متعلقہ فوجی فارمیشنز کو ان کے ریزرو سمیت اگلے علاقوں میں بھیج دیا جاتا تاکہ دشمن کے علاقے میں انتہائی کم

وقت میں حملہ کرکے قبضہ کیا جاسکتا۔ لیکن یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہماری ہائی کمان مغربی محاذ کھولنے سے ہچکچا رہی تھی۔

اس بات کا ثبوت اس حقیقت سے ملتا ہے کہ بھارت کی طرف سے حملہ کردینے کے بعد بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا گیا کہ 23 نومبر کو ہنگامی حالت کا اعلان کردیا گیا۔ دراصل کمانڈر ان چیف اور صدر پاکستان نے یہ زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ وہ اس تاریخ تک ایک دفعہ بھی ملٹری آپریشن روم کا دورہ کرلیتے اور نہ ہی انہیں مشرقی پاکستان میں دن بدن بگڑتی ہوئی صورتحال کی کوئی پرواہ تھی۔

چیف آف جنرل اسٹاف اور کمانڈر ان چیف فضائیہ 23 نومبر 1971ء کو صدر کو چکلالہ ائیر بیس سے زبردستی آپریشن روم لے گئے تھے جہاں وہ سیالکوٹ کے فوجی تربیتی علاقے کے معمول کے دورے کے بعد اترے تھے۔ صدر اس نازک موقع پر اصرار کررہے تھے کہ معاملہ کل تک کے لئے ملتوی کردیا جائے۔ لیکن چیف آف جنرل اسٹاف اور کمانڈر ان چیف فضائیہ نے کہا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں۔

آپریشن روم میں صدر کو مشرقی پاکستان کی تیزی سے بگڑتی ہوئی صورتحال کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی گئی۔ صدر نے بریفنگ کے بعد اعلان کیا کہ وہ مجوزہ حملے کا پلان بعد میں دیں گے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ 27 نومبر کو اس آرمی پلان کی منظوری دے دی جس میں یہ تبدیلی کی گئی تھی کہ ریزرو افواج کا کلیدی حملے کا فیصلہ آرمی فارمیشنز کی صوابدید پر ہوگا اور اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ دشمن کس حد تک جارحانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ دوسرا محاذ کھولنے کا فیصلہ 29 تاریخ کو کیا گیا اور یہ فیصلہ بھی ہچکچاہٹ سے کیا گیا کیونکہ اس میں حملے کی حتمی تاریخ طے نہیں کی گئی تھی۔

جو بات طے کی گئی وہ محض یہ تھی کہ اگلے دو تین روز میں حملہ کردیا جائے گا۔ حملے کی حتمی تاریخ 3 دسمبر کا 30 نومبر 1971ء تک کسی کو پتہ نہ تھا۔ سرحدوں پر دفاع پر مامور ڈویژنوں کو یہ بات 2 دسمبر کو بتائی گئی اور کمانڈر ان چیف بحریہ کو اس بات کی اطلاع کمانڈر ان چیف فضائیہ نے ایک کوڈ کے ذریعے دی جو پہلے سے طے شدہ تھا۔ کھلے سمندر میں موجود بحریہ اور دیگر کم اہم بری فوج کی فارمیشنز کو یہ اطلاع اس وقت ملی جب ریڈیو پر 3 دسمبر کو 4 بجے یہ اعلان ہوا کہ بھارت نے مغربی محاذ پر حملہ کردیا ہے۔ لہٰذا ڈی ڈے 3 دسمبر کو 4 بجے قرار پایا۔ ہماری فضائیہ نے

بھارت کے قریبی ہوائی اڈوں سری نگر' پٹھان کوٹ' آدم پور امرتسر' ہلواڑہ' سرسہ اور انبالہ پر حملے کئے جبکہ جیسلمیر کے ہوائی مستقر پر حملہ کم روشنی کی وجہ سے نہ کیا جا سکا۔ ان حملوں کو فضائیہ نے ممکنہ بھارتی حملوں کے خلاف پہل کاری قرار دیا۔

مشرقی پاکستان میں فضائی معرکے

اسی رات سرحدوں پر موجود پاک فوج کی فارمیشنز نے آگے بڑھ کر چھوٹے پیمانے پر حملے کئے جن کا مقصد اپنی دفاعی پوزیشنوں کو بہتر بنانا تھا اور یہ کام پہلے سے طے شدہ تھا۔ اس وقت تک مشرقی پاکستان میں پاک فوج پچھلے 13 روز سے دشمن کا زبردست دباؤ برداشت کر رہی تھی اور دشمن پوری سرحد کے ساتھ ہمارے علاقے میں گھس آیا تھا۔ جبکہ مغربی پاکستان سے جوابی حملے کا مقصد مشرقی پاکستان میں دشمن کو ایسا کرنے سے روکنا تھا۔ مغربی محاذ کھلنے کے ساتھ ہی دشمن نے مشرقی پاکستان میں اپنی پیش قدمی کو اور وسعت دی اور دباؤ مزید بڑھا دیا۔ بھارتی بحریہ نے مشرقی پاکستان کی مکمل بحری ناکہ بندی کر دی اور بھارتی فضائیہ نے جنگ میں مصروف اپنی فوجوں کی مدد کے لئے مشرقی پاکستان پر بمباری شروع کر دی۔ 3 اور 4 دسمبر کی درمیانی رات بھارت کے مشرقی پاکستان پر حملوں کے لئے متعین 11 اسکوارڈنوں نے ڈھاکہ' نارائن گنج چٹا گانگ اور چاند پور کو نشانہ بنایا۔ جس میں ان کے کلیدی اہداف ہوائی اڈے' تیل ذخیرہ کرنے کے ٹینک' دریاؤں میں چلنے ولی کشتیاں' ساحلی تنصیبات اور گودیاں تھیں۔ پہلی ہی رات نارائن گنج کا پیٹرول پمپ اور چٹا گانگ کی آئل ریفائنری کے تیل کے ٹینک برباد کر دیئے گئے۔ ڈھاکہ میں صرف ایک ایئر فیلڈ اور محض ایک لڑاکا اسکواڈرن ہونے کے باجود ہماری فضائیہ نے انتہائی دلیرانہ جنگ لڑی۔ ہمارے لڑاکا طیاروں اور طیارہ شکن توپوں کے صحیح نشانوں پر فائر کی بدولت ڈھاکہ کی فضاؤں میں دشمن کے بہت سے طیارے مار گرائے گئے۔ لیکن 4 دسمبر 1971ء کو ہمارے چار F-86 سیبر جہاز تباہ ہو گئے۔ دشمن کے طیارے ہمارے جہازوں میں پھر تیل بھرنے اور انہیں لڑائی کے لئے تیار کرنے سے پہلے ہی دوبارہ حملہ آور ہو گئے تھے جس کے باعث تیج گاؤں کے رن وے کو بری طرح سے نقصان پہنچا اور ہمارے طیارے یہاں سے پرواز کرنے کے قابل نہ رہے۔ ہماری فضائیہ گراؤنڈ ہو گئی۔ رن وے کو مرمت کرنے کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں کیونکہ جیسے ہی رن وے مرمت کیا جاتا دشمن کے طیارے حملہ آور ہو کر

اسے توڑ پھوڑ جاتے۔ دشمن کا دباؤ اس قدر شدید تھا کہ 7 دسمبر کے بعد ڈھاکہ ایئر پورٹ سے پروازیں ممکن نہ رہیں۔ جس کے باعث بھارت کو مشرقی پاکستان کی فضاؤں میں مکمل اجارہ داری حاصل ہو گئی۔

مشرقی پاکستان کا جنگی احوال

دشمن کی بری فوج کی پیش قدمی میں فضائیہ کی بر وقت مدد اور مکتی باہنی کے تعاون کے باعث مزید تیزی آ گئی۔ ہماری اپنی فوج تمام تر مشکلات' فضائیہ اور توپ خانے کی عدم دستیابی اور ٹینکوں کی شدید قلت کے باعث اپنی دفاعی پوزیشنوں میں پھنس کر رہ گئی۔ وہ پوری جدوجہد کر رہے تھے کہ علاقے کی ٹیکنیکل صورتحال کے پیش نظر خود کو قلعہ بندیوں کی حکمت عملی کے تحت دوبارہ منظم کر لیں۔ انتہائی تیزی سے دفاعی حکمت عملی کے تحت پسپائی اختیار کرتے ہوئے اپنی دفاعی حکمت عملی کو موجودہ صورتحال کے مطابق دوبارہ ترتیب دینے کی کوشش نہ کی گئی نہ ایسی کوئی کوشش ممکن تھی۔ مختلف سیکٹروں میں پیدا ہونے والی جنگی صورتحال کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) جیسور سیکٹر۔

5- دسمبر کو دشمن نے چوا گچا اور بینا پول کی جانب سے جیسور پر چڑھائی کی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جیسور پر قبضے کے بارے میں رپورٹیں واضح نہیں۔ اگلے ایک دو روز میں مشرقی کمان کی جانب سے آنے والی رپورٹوں میں محض یہ بتایا گیا تھا کہ وہاں صورتحال انتہائی خراب ہے۔ تاہم یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہاں نبرد آزما دو بریگیڈوں میں سے 107 بریگیڈ کھلنا کی طرف پسپا ہو گیا اور 57 بریگیڈ نے میر پور اور درسنا میں خونریز لڑائی کے بعد 6 دسمبر کو جنیدا کے علاقے میں پوزیشن لے لی۔

12 دسمبر کو اس پوزیشن کو برقرار رکھنا بھی مشکل ہو گیا۔ 12 دسمبر کو 57 بریگیڈ اپنے عقب میں دشمن کا گھیرا توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئی اس نے دریائے گنگا کے پاکسی پل کو عبور کیا اور نٹور راجشاہی ضلع میں قلعہ بند 16 ڈویژن سے آ ملی۔ 9 ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر اپنے ڈویژنل ٹروپس کے ساتھ پہلے جیسور سے ماگھورا آیا اور بعد ازاں 8 دسمبر کو مزید پیچھے ہٹ کر مادھوکھلی اور 9 دسمبر کو فرید پور پہنچ گیا۔

بوگرا رنگ پور سیکٹر

یہاں بھارت کے 20 ماؤنٹین ڈویژن نے دو طرف سے حملہ کیا۔ ایک نو پورا سے دیناج پور کی طرف اور دوسرا ہیچا گڑھ کی طرف سے دشمن کی اس فوج نے جو پہلے ہی ہیچا گڑھ سے ٹھاکر گاؤں کی طرف بڑھ رہی تھی، رنگ پور اور بوگرا کو ملانے والی سڑک کو کاٹنے کے لئے پیر گنج کی طرف حملہ کر دیا۔ ٹھاکر گاؤں 5 دسمبر کو بھارت کے قبضہ میں آ گیا اور دشمن کی فوج نے 20 ڈویژن سے ملنے کے لئے پیر گنج کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ دشمن نے ہمارے دفاع کو توپ خانے کی شدید بمباری اور فضائی حملوں سے مسلسل نشانہ بنائے رکھا اور نیپام بموں کا بھی استعمال کیا۔

8 اور 9 دسمبر کو دشمن کے اگلے دستے رنگ پور اور بوگرا کے درمیان پیر گنج پہنچ گئے۔ اس دن یا اگلے روز پلاس باڑی پر بھی دشمن کا قبضہ ہو گیا۔ شمال کی جانب سے دشمن 8 دسمبر کو دریائے تیستہ پر پہنچ گیا اور اس نے انگلش بازار کی جانب سے نواب گنج کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ 13 اور 15 دسمبر کے درمیان خبر آئی کہ بوگرا پر شمال کی جانب سے دشمن کا شدید دباؤ ہے۔ تاہم اس کے بعد اس بارے میں مشرقی کمان سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔

مومن شاہی......ڈھاکہ سیکٹر

بھارت نے توپ خانے کی شدید گولہ باری اور ہوائی حملوں کے ذریعے شمالی محاذ پر دباؤ برقرار رکھا۔ دشمن نے پالوا گھاٹ اور درگا پور میں ہماری اگلی پوزیشنوں پر جہاں پر سول آرمڈ فورسز کے جوان تعینات تھے مسلسل حملے جاری رکھے۔ ہمارے دستے پسپا ہوئے اور انہوں نے جمال پور سے لے کر پھول پور تک نئی دفاعی لائن ترتیب دی لیکن انہیں 8 دسمبر کو وہاں سے بھی پسپا ہونا پڑا۔ 10 دسمبر کو ہمارے اپنے 93 ایڈہاک بریگیڈ نے مومن شاہی کے علاقے میں جمع ہونا شروع کیا لیکن 11 دسمبر کو غالباً مشرقی کمان کے حکم پر واپس ڈھاکہ کی طرف پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ واپس آتے ہوئے 11 دسمبر کو انہوں نے تنگائل کے علاقے میں بھارت کے 50 پیرا بریگیڈ گروپ کے دستوں کو پیرا شوٹ کے ذریعے اترتے دیکھا۔ انہوں نے پیرا بریگیڈ گروپ سے نمٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ کیونکہ اس علاقے میں مکتی باہنی بڑی فعال تھی۔

خبر ملی کہ 93 ایڈہاک کا کمانڈر، سیکنڈ ان کمانڈ اور چند جوان دشمن کے ہتھے چڑھ گئے ہیں لیکن اس بریگیڈ کے 900 کے قریب افسر اور جوان 12 دسمبر کو ڈھاکہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ مشرقی کمان کی طرف سے اس علاقے کے بارے میں موصول ہونے والی آخری رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ دشمن دریائے ترگ کے راستے کشتیوں کے ذریعے ڈھاکہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سلہٹ......کومیلا سیکٹر

اس علاقے میں کئے جانے والے بھارتی حملے میں 57 ماؤنٹین ڈویژن کے علاوہ 8 اور 23 ماؤنٹین ڈویژن کے کچھ دستے بھی شامل تھے اس حملے کو 4 کور کے توپ خانے کی اضافی مدد بھی حاصل تھی۔ بھارت کی مشرقی کمان کے ریزرو دستے پہلے ہی 3 دسمبر 1971ء کو اکھورا اور سلہٹ کے درمیان ریلوے لائن کو کاٹ چکے تھے۔ ہماری فوج اس حملے کو روکے رکھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی لیکن دشمن نے 5 اور 6 دسمبر کو ہمارے 27 بریگیڈ کی پوزیشن پر انتہائی شدید حملہ کر دیا۔ دشمن اکھورا میں ہماری گن پوزیشنز کو روندتا ہوا نکل گیا اور 27 بریگیڈ سخت مزاحمت کے بعد ٹیاٹس نہر تک پسپا ہو گیا۔ دشمن نے یہاں اپنی گرفت کمزور نہ پڑنے دی اور 9 دسمبر کو ٹیاٹس نہر پر ہماری اگلی پوزیشنوں کو روند ڈالا۔

اس کے بعد 27 بریگیڈ پسپا ہو کر اشو گنج بھیراب بازار پہنچ گیا۔ یہاں سے بریگیڈ کو نکال باہر کرنے کی دشمن کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ اس صورتحال پر دشمن نے 4 دسمبر کو 14 ڈویژن اور 27 بریگیڈ کے بھیراب بازار میں ہیڈ کوارٹرز کے پیچھے نرسنگھ دی ملیشیا کے علاقے میں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے 2 بٹالین فوج اتار دی۔ بعد ازاں اس فورس کو ہیلی کاپٹروں کے ذریعے تیزی سے آگے بڑھایا گیا۔ اگلے تین چار روز میں دشمن نے یہاں ایک بریگیڈ کی قوت جمع کر لی۔

سلہٹ کے علاقے میں ہمارے 202 (اے) بریگیڈ اور 303 بریگیڈ نے پسپا ہو کر سلہٹ میں مورچہ بندی کر لی تھی لیکن 8,7 اور 9 دسمبر کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے دشمن کے فوج اتارنے کے بعد صورتحال انتہائی تشویشناک ہو گئی تھی تاہم 16 دسمبر کو ہتھیار ڈالنے تک سلہٹ پر ہمارا قبضہ برقرار رہا۔

سب سیکٹر کومیلا میں بھارت نے مین بازار پر کئی حملے کئے اور 4 دسمبر کو اس پر قبضہ کرلیا۔ 7 اور 8 دسمبر کو لال مائی پر حملہ ہوا لیکن اسے روک لیا گیا۔ 6 اور 7 دسمبر کی رات دشمن نے جعفر گنج پر قبضہ کرلیا اور دریائے میگھنا کے ساتھ ساتھ داؤد کنڈی کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ دشمن اس پیش قدمی میں کومیلا گیریزن کو ایک طرف چھوڑ کر آگے نکل گیا جس کے باعث وہ تمام سمتوں سے کٹ کر رہ گیا۔ لیکن اس کے باوجود کومیلا گیریزن ڈٹا رہا حالانکہ دشمن نے یہاں شدید دباؤ ڈالے رکھا اور انہیں دھمکیاں بھی دیں کہ اگر ہتھیار نہ ڈالے تو انہیں مکتی باہنی کے حوالے کردیا جائے گا۔

فینی......چٹاگانگ سیکٹر

یہاں پاکستان کا 39 (اے) ایڈہاک ڈویژن تعینات تھا جس کی کمان میجر جنرل ایم رحیم خان کے پاس تھی۔ اس علاقے کے حوالے سے ہم پچھلے باب میں یہ جان چکے ہیں کہ دشمن یہاں بیلونیا کے دفاعی حصار کی طرف سے دباؤ بڑھا رہا تھا اور دوسری طرف کسالونگ کھل کے ساتھ ساتھ پہاڑی علاقے کی طرف بڑھ رہا تھا 3 دسمبر کے بعد بھارت کے 23 ڈویژن نے چدھاگرام میں ہماری پوزیشن پر حملہ کردیا۔ یہاں پر ہماری 63 بریگیڈ کی صرف ایک بٹالین تعینات تھی دشمن نے اپنی غیر معمولی عددی برتری کے باعث اس پوزیشن کو گھیرے میں لے لیا دشمن نے مظفر گنج پر بھی قبضہ کرلیا اس کے بعد اس نے لکشم پر قبضہ کیا اور اپنی تمام قوت چاند پور پر مرکوز کردی جو ہمارا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر تھا۔ ڈویژن کے کمانڈر نے ہیڈ کوارٹرز پر مامور دستوں سمیت چاند پور چھوڑ دیا اور ایک گن بوٹ کے ذریعے 6 دسمبر 1971ء کو ڈھاکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے یہ اقدام دن کے وقت کیا تھا اس لئے بھارتی فضائیہ نے انہیں نشانہ بنایا جس سے کمانڈر معمولی زخمی ہوگئے۔

اس بارے میں کچھ زبانی شہادتیں ملتی ہیں کہ پورے کا پورا 53 بریگیڈ سلہٹ کے علاقے کی جانب بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا تاہم اس کی کوئی دستاویزی شہادت موجود نہیں جس سے اس کی تصدیق ہوسکے۔ بھارت کا وہ بریگیڈ جو کسالونگ کھل کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا رنگامتی کے قریبی علاقے میں بغیر کسی مزاحمت کے پہنچ گیا لیکن رنگامتی پر قبضہ کرنے یا اس سے آگے پیش قدمی کرنے کے بارے میں کوئی شہادت موجود نہیں۔ ممکن ہے

کپتائی جھیل کے کنارے پہنچ کر دشمن نے آگے پیش قدمی نہ کی ہو۔

چٹاگانگ سے فرار ہونے والوں نے اس بارے میں شہادت دی کہ چٹاگانگ کی بندرگاہ پر 16 دسمبر 1971ء تک دشمن کا نام ونشان تک نہ تھا۔ مزید برآں بھارتی بحریہ نے چٹاگانگ بندرگاہ کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی اور 11 اور 12 دسمبر کی رات بندرگاہ پر شدید بمباری ہوئی تھی۔ بھارت کے طیارہ بردار جہاز سے طیاروں نے چٹاگانگ پر حملے کئے تھے جن میں سے بہت سے طیارے ہمارے توپچیوں نے مار گرائے تھے۔

چٹاگانگ میں صورتحال کے بارے میں ہمیں ملنے والی شہادت کچھ اس طرح ہے

"اگر برما کے ساتھ ہمارا کوئی ایسا معاہدہ ہوتا جس کے تحت ہماری فوج کے وہاں جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی تو چٹاگانگ میں موجود ساری کی ساری فوج ہتھیار ڈالنے سے پہلے ہی برما کے راستے نکل جاتی۔" پاک بحریہ کے بہت سے افسر اور جوان بحری اور بری راستے سے فرار ہونے میں کامیاب بھی ہوئے۔ اگر ہماری کچھ گن بوٹس تباہ نہ ہوجاتیں تو زیادہ لوگ بھارتی ناکہ بندی کو توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہوجاتے۔

اسی طرح کی ایک گن بوٹ فضل القادر چوہدری کے حوالے کی گئی تھی جنہوں نے ایک ماہی گیر کو رقم دے کر پورٹ سے باہر نکالنے پر آمادہ کیا لیکن ماہی گیر نے غداری کرتے ہوئے انہیں کاکسس بازار اتار دیا جہاں انہیں قیدی بنالیا گیا۔

چٹاگانگ کا سقوط

یہ بات پتہ چلتی ہے کہ ہتھیار ڈالنے کے احکامات چٹاگانگ میں پاک افواج کے افسروں اور جوانوں کے لئے بالکل غیر متوقع تھے اور یہاں اس سلسلے میں اقدامات کے حوالے سے بڑی کنفیوژن پائی جاتی تھی۔ پہلے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہاں موجود تمام جہازوں کو غرق کردیا جائے لیکن بعد ازاں اس خیال کو ترک کردیا گیا اور مسلح افواج سے تعلق رکھنے والے تمام افراد سے کہا گیا کہ وہ ہتھیار ڈالنے کے لئے بحریہ کے ہیڈ کوارٹر میں جمع ہوجائیں۔ ان میں سے کچھ 15 دسمبر کی رات اور 16 دسمبر کی صبح کے درمیان فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اس وقت تک ہتھیار ڈالنے کے احکامات سرکاری طور پر ان تک نہیں پہنچے تھے۔ بھارتی سمندر کے راستے چٹاگانگ میں داخل ہونے سے ہچکچا رہے تھے کیونکہ سمندری راستوں میں بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں۔

سب سیکٹر ڈھاکہ

مانک گنج، منشی گنج، نارائن گنج، نرسنگھ دی ٹنگی جوئے ریو پور، ڈھاکہ شہر اور ڈھاکہ کنٹونمنٹ کے علاقے پر مشتمل ڈھاکہ سب سیکٹر نہ صرف صوبائی دارالحکومت تھا بلکہ مشرقی کمان کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔ ڈھاکہ پوری مشرقی کمان کا لاجسٹک بیس یا رسد کا مرکز بھی تھا۔ مشرقی حصے میں پاکستان ایئر فورس کا واحد ایئر بیس بھی ڈھاکہ کے علاقے تیج گاؤں میں واقع تھا جہاں پی اے ایف کا ایک اسکوارڈرن تعینات تھا۔ ڈھاکہ کے علاقے غازی پور میں آرڈننس فیکٹری تھی جبکہ نارائن گنج میں تیل ذخیرہ کرنے کے ٹینک نصب تھے۔ اس کے مشرق کی جانب دریائے میگھنا جبکہ مغرب اور جنوب کی جانب دریائے جمنا اور دریائے پدما ہیں۔ دریائے دھالیشواری، دریائے تورگ، بوڑھی گنگا، بلولکھیائے اور دریائے ٹونگی جیسے نسبتاً چھوٹے دریا علاقے کے جنوبی اور جنوب مشرقی حصوں میں بہتے ہیں۔ ان تمام دریاؤں کو ڈھاکہ کے دفاع کے لئے قدرتی رکاوٹوں کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا خاص طور پر مشرق، مغرب اور جنوب کی جانب سے کسی حملے کی صورت میں یہ اہم دفاعی حصار ثابت ہوتے۔ حتیٰ کہ شمال کی جانب سے بھی کسی حملے کی صورت میں چھوٹے دریاؤں کے بالائی علاقے میں اسے روکا جا سکتا تھا۔

ڈھاکہ کو آنے والے اہم راستوں کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

(1) تنگائل: ڈھاکہ روڈ...... یہ سڑک دریائے تورگ کو عبور کر کے چھاؤنی سے گزرتی ہے۔

(2) بھیراب...... ڈھاکہ یہ راستہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ڈھاکہ آتا ہے۔

(3) بھیراب...... نرسنگھ دی ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ بعد ازاں نواپرا سے سڑک ڈھاکہ آتی ہے۔

(4) داؤدکنڈی ڈھاکہ دریائے میگھنا پار کر کے نارائن گنج، بیدیا بازار اور وہاں سے سڑک ڈھاکہ آتی ہے۔

(5) چاند پور...... ڈھاکہ براستہ دریا پانچ گھنٹے میں طے ہونے والا یہ راستہ دریائے میگھنا سے دھالشیواری وہاں سے بوڑھی گنگا سے ہوتا ہوا ڈھاکہ پہنچتا ہے۔

ڈھاکہ میں موجود ذرائع کے بارے میں ہمارے پاس موجود شہادتیں مکمل طور

پر واضح نہیں ہیں۔ لیکن جی او سی ون (ٹریننگ) مشرقی کمان لیفٹیننٹ کرنل میاں حفیظ احمد جو 16 دسمبر 1971ء کو 4 بجے ڈھاکہ سے واپس آ گئے تھے ان کی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی کمان ڈھاکہ کے دفاع کے لئے پولیس سول آرمڈ فورسیز رضا کاروں اور مجاہدوں سمیت 30 ہزار افراد کو جمع کرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔

ڈھاکہ کے دفاع کی ذمہ داری ڈائریکٹر جنرل ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسز جنرل جمشید پر تھی ان کے زیر کمان 36 ریڈ پاک ڈویژن تھا جس کا ہیڈ کوارٹر ڈھاکہ ہی میں تھا۔ جنرل جمشید کے زیر کمان 30 ہزار جوانوں میں سے 900 پاک فوج کے وہ ریگولر جوان اور افسر تھے جو 12 اور 13 دسمبر کو مومن شاہی سے ڈھاکہ پہنچے تھے۔ 800 ایسٹ پاکستان پولیس کے جوان ای پی سی اے ایف کی 4 بٹالینیں۔ مجاہدین کی 4 کمپنیاں 5000 رضا کار پاک فضائیہ کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے 500 افراد ایک اینٹی ایئر کرافٹ (طیارہ شکن) رجمنٹ انڈسٹریل سیکورٹی فورس کی 4 یا 5 کمپنیاں ان کمپنیوں میں تمام بھرتی مغربی پاکستان سے کی گئی تھی اور ان میں زیادہ تر قبائلی اور ریٹائرڈ فوجی شامل تھے۔ پولیس، مجاہد اور رضا کار محض رائفلوں سے لیس تھے اور انہیں خودکار ہتھیار چلانے کی بھی کوئی تربیت حاصل نہ تھی۔

جہاں تک توپ خانے کا تعلق ہے تو ڈویژن کے پاس ایک طیارہ شکن رجمنٹ تھی جس کے پاس 44 طیارہ شکن توپیں تھیں جنہیں زمینی دفاع میں بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ 4 ہیوی مارٹر اور 4 چھ پونڈ کا گولہ (سکس پونڈر) پھینکنے والی توپیں تھیں۔

آٹومیٹک ہتھیاروں راکٹ لانچرز اور ری کوائل لیس رائفلوں کی تعداد کے بارے میں تفصیلات میسر نہیں۔

چھوٹے ہتھیاروں کے ایمونیشن کی کمی نہیں تھی لیکن طیارہ شکن توپوں کا ایمونیشن صرف 15 دن کے لئے تھا اس گواہ کے مطابق ڈھاکہ گیریزن کے لئے 45 دن کا راشن بھی موجود تھا۔

ڈیفنس سروس کے نمائندے کی جانب سے ڈھاکہ میں اس وقت پاکستان کے پاس میسر نفری کے بارے میں فراہم کردہ اعداد و شمار درج ذیل ہیں۔

(اے) فوج (افسر جوان اور غیر لڑاکا عناصر سمیت) 4 سے 5 ہزار

(بی) بحریہ تقریباً...... 150

(سی) فضائیہ (افسر اور جوان) تقریباً...... 500

(ڈی) سول آرمڈ فورسز

(1) ای پی سی اے ایف...... 4000

(2) رضا کار...... 7000

(3) مجاہد...... 5000

(4) ایسٹ پاکستان پولیس...... 2,500

(5) انڈسٹریل اینڈ وی پی سیکورٹی پولیس...... 1500

(ای) ان کے علاوہ 12 اور 13 دسمبر کے درمیان 93 ریڈ پاک بریگیڈ کے 900 افسر اور جوان مومن شاہی سے نکل کر ڈھاکہ گیریزن سے آن ملے تھے۔

غیر لڑاکا شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو صرف ہنگامی حالت میں ہتھیار چلانے کی اجازت تھی۔

ڈھاکہ کے دفاع کی ابتدائی منصوبہ بندی 7 اور 8 دسمبر کو کی گئی۔ یہ منصوبہ ڈھاکہ کے گرد دو دفاعی حصار بنانے پر مبنی تھا۔

بیرونی حصار میں جوئے ریو پور نرسنگھ دی، گھورا سال، نارائن گنج اور دریائے دھالیشواری کے ساتھ جنگیرہ جزیرے کی دوسری طرف کا علاقہ تھا اس حصار میں مانک گنج آریچا مرزاپور اور منشی گنج کے علاقے بھی شامل تھے۔

شہادتوں کے مطابق ان دونوں حصاروں کے ساتھ ساتھ زمین کھود کر مورچے بنائے گئے اور وہاں دستوں کو تعینات کر دیا گیا۔ 13 دسمبر 1971ء کو مشرقی کمان سے موصول ہونے والی صورتحال کے بارے میں رپورٹ میں بھی بتایا گیا تھا کہ ڈھاکہ کے دفاعی انتظامات انتہائی منظم طریقے سے کئے گئے اور وہاں موجود فوج لڑائی آخر تک جاری رکھنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے اس رپورٹ کی تصدیق ہمارے سامنے اب آنے والی شہادت سے بھی ہوتی ہے۔

✿✿✿

بھارتی فضائیہ کا سرکاری عمارت اور یتیم خانہ پر حملہ

7 دسمبر 1971ء کو تیج گاؤں پر پی اے ایف کا ائیر بیس استعمال کے قابل نہ رہا اور ہمارے طیارے اڑنے کے قابل نہ رہے۔ اس کے نتیجے میں دشمن کی فضائیہ کو ڈھاکہ کی فضاؤں میں تو مکمل اجارہ داری حاصل ہو گئی؛ تاہم اس کی بری افواج ابھی ڈھاکہ سے کافی دور تھیں۔ بھارتی فضائیہ نے اس دوران مسلسل حملے جاری رکھے۔ اس کی زیادہ توجہ سٹیمروں (چھوٹے جہازوں) کی گودیوں اور سڑکوں پر تھی بھارتی فضائیہ نے ان حملوں میں ڈھاکہ میں موجود بہت سی سرکاری اور نجی عمارتوں سمیت ایک یتیم خانہ بھی نشانہ بنایا۔

اب تک سامنے آنے والی اطلاعات کی بنیاد پر حالات کی یہ تصویر سامنے آئی ہے۔

10 دسمبر: یہ خبر ملی کہ نرسنگھ دی میں بھارت نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ایک بٹالین اتار دی ہے۔ اس بٹالین کو ڈھونڈنے کے لئے فوج روانہ کی گئی لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اسی دن میجر جنرل راؤ فرمان علی کا پیغام اقوام متحدہ پہنچا جس میں مشرقی پاکستان میں جنگ بندی اور سیاسی تصفیے کی اپیل کی گئی تھی۔

11 دسمبر: خبر ملی کہ تنگائل کے جنوب میں دشمن کا پیرا بریگیڈ اتر گیا ہے۔ ہمارے 93 بریگیڈ کو حکم دیا گیا کہ وہ مومن شاہی سے ڈھاکہ کی طرف پسپا ہو جائے نرسنگھ دی میں ای پی سی اے ایف کی پوری ایک کمپنی کا بھارتی فوج نے صفایا کر دیا۔ اس دن ڈھاکہ کے اندرونی دفاعی حصار میں فوجوں کی تعیناتی کو آخری شکل دی گئی۔

12 دسمبر: بھارتی فضائیہ کے ڈھاکہ پر حملوں میں شدت آ گئی۔ بھارتی ریڈیو نے بھی نفسیاتی جنگ کا آغاز کر دیا۔ اسی دن پاک فوج کے چیف آف جنرل اسٹاف کی طرف سے مشرقی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں یہ پیغام موصول ہوا کہ سفید اور پیلی امداد (اشارہ امریکہ اور چین کی طرف ہے) جلد پہنچنے والی ہے۔

13 دسمبر: اقوام متحدہ نے بھارت کے ساتھ معاملہ طے کر کے ڈھاکہ سے غیر ملکیوں کو نکال لیا۔ اس دن ساڑھے تین بجے تک ڈھاکہ پر کوئی ہوائی حملہ نہیں ہوا۔ بھارت کے 93

بریگیڈ گروپ نے ڈھاکہ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ مشرقی کمان نے رپورٹ بھیجی کہ ڈھاکہ کا دفاع انتہائی منظم ہے اور آخر دم تک لڑا جائے گا۔ امریکہ کے فوجی اتاشی نے مشرقی کمانڈ ہیڈ کوارٹرز سے رابطہ کیا۔

14 دسمبر: جوئے یو پورا ایمونیشن ڈپو کو بھارتی فضائی حملے سے نقصان پہنچا۔ گورنر کے گھر کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ دشمن نے اعلان کیا کہ وہ تنگائل' نرسنگھ دی اور چاند پور کی جانب سے ڈھاکہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ بھارتی ہوائی حملے انتہائی شدید ہو گئے۔ پاک فوج کے چیف آف اسٹاف نے اپنے پیغام نمبر (ای 140035) میں مشرقی کمان پر زور دیا کہ وہ کسی طرح اقوام متحدہ میں فائر بندی کی قرارداد منظور ہونے تک لڑائی جاری رکھے۔

لیکن صدر کے پیغام نمبر 141332 میں مشرقی کمان کو حکم دیا گیا کہ انسانی جانیں بچانے کی خاطر جنگ بندی کے لئے تمام اقدامات کئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

ہتھیار ڈالنے کا مشورہ

15 دسمبر: بی بی سی نے اعلان کیا کہ بھارت لیفٹیننٹ جنرل نیازی کی درخواست پر 16 دسمبر کو 4 بجے سے لے کر 9 بجے تک فائر بندی پر آمادہ ہو گیا ہے۔ پاک فوج کے چیف آف اسٹاف نے مشرقی کمان کو پیغام نمبر (ای 152350) میں تجویز کیا کہ وہ بھارت کے چیف آف آرمی اسٹاف کی شرائط مان لیں۔

16 دسمبر: مشرقی کمان کے کمانڈر نے امریکہ کے ملٹری اتاشی کے وائرلیس سیٹ کے ذریعے بھارتی حکام سے رابطہ کیا جس کے بعد بھارتی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ڈھاکہ میں اترنے لگے اور 4 بجے سہ پہر ہتھیار ڈالنے کی تقریب ہوئی۔

اس رپورٹ کے دیگر حصوں میں ہم نے مشرقی کمان اور صدر پاکستان یا جنرل ہیڈ کوارٹرز کے درمیان پیغامات کا تجزیہ کیا ہے لیکن اس وقت یہ سوال درپیش ہے کہ بیان کردہ فوجی صورتحال میں ہتھیار ڈال دینا کس حد تک درست اقدام تھا۔ کمانڈر مشرقی کمان گورنر مشرقی پاکستان اور دیگر اہم فوجی کمانڈروں کی غیر موجودگی میں کیونکہ وہ اس وقت جنگی قیدی ہیں حتمی رائے دینا تو ممکن نہیں؛ تاہم فوجی صورتحال کے مشاہدے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دشمن کی فوج اس وقت تک ہمارے دفاعی حصار تک نہیں پہنچی تھی۔ ہمارے ساتھ ان کی قریب ترین مڈھ

بھیڑ نرسنگھ دی کے مقام پر ہوئی جو وہاں سے 17/15 میل دور تھا۔

جنرل نیازی نے سنہری موقع کھو دیا

موجود شہادتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈھاکہ میں صورتحال اس قدر مایوس کن نہ تھی کہ فوری طور پر ہتھیار ڈال دیئے جاتے۔ یہ ممکن تھا کہ بھارتی فوج کو چند روز تک روکے رکھا جاتا لیکن پورے مشرقی پاکستان میں پاک فوج کی حالت ایسی نہ تھی کہ اسے شکست سے بچایا جا سکتا۔ مکتی باہنی پاک فوج کے عقب میں انتہائی متحرک ہو چکی تھی حتیٰ کہ سول آبادی کو بھی یہ یقین ہو چلا تھا کہ پاک فوج کو شکست ہونے والی ہے جس کے نتیجے میں ان کا رویہ فوج کی طرف جارحانہ ہو چکا تھا۔ پاک فوج کے پاس اس پھندے سے بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا جو بڑھتی ہوئی بھارتی فوج اگلے چند روز میں اس کے گلے میں ڈال دیتی۔ سرحدوں پر موجود افواج پسپا ہو کر قلعہ بند ہو چکی تھیں اور بھارتی فوج نے ان کے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے ڈھاکہ گیریزن کے ساتھ بھی اس سے مختلف سلوک نہ ہوتا۔ اس صورتحال میں کمانڈر مشرقی کمان کے پاس صرف دو راستے تھے' یا تو وہ آخری سپاہی اور آخری گولی تک لڑتے اور تاریخ میں نام رقم کروا لیتے یا پھر شکست تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیتے۔

پہلا فیصلہ یقیناً انتہائی باعزت اور آبرومندانہ ہے اور یہی ہماری ماضی کی روایات بھی ہیں۔ لیکن کمانڈر مشرقی کمان نے دوسرا راستہ کیوں اختیار کیا؟ اس بارے میں ان کی اپنی شہادت سنے بغیر کوئی رائے قائم کر لینا مناسب نہیں۔ اس بات میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ کمانڈر مشرقی کمان کی فوج پچھلے کئی مہینوں سے دشمن سے نبرد آزما تھی اور تھک کر چور ہو چکی تھی اس حقیقت کے زیر اثر کہ انہیں نہ تو مقامی آبادی کی تائید وحمایت حاصل تھی اور نہ ہی دنیا کا کوئی ملک ان کی مدد کرنے کو تیار تھا۔ وہ بیرونی دنیا سے مکمل طور پر کٹ چکے ہیں۔ ان کا مورال بری طرح سے متاثر ہو چکا ہوگا۔ اس وقت آخری سپاہی تک لڑنے کا فیصلہ کیا جاتا تو اس کا نتیجہ مکمل تباہی کی صورت میں نکلتا۔ ہتھیار ڈال کر انہیں زندہ رہنے کا ایک موقع مل گیا۔ کیا کمانڈر نے درست فیصلہ کیا؟

اخبارات نے اور ہمارے سامنے آنے والے گواہوں نے جنرل نیازی کے ذاتی کردار اور بحیثیت جنرل ان کی لیاقت کے حوالے سے بہت سے الزامات لگائے۔ لیکن ہم ان

کے بارے میں ان کا موقف جانے بغیر کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتے۔ ان کے بارے میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے صرف مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والی فوجی صورتحال کو دیکھتے ہوئے بروقت کر سکتے تھے۔ قطع نظر اس بات کے کہ ان کے اور صدر پاکستان جنرل ہیڈکوارٹرز یا چیف آف اسٹاف کے درمیان کن پیغامات کا تبادلہ ہوا ان کے پاس یہ جاننے کا کوئی اور ذریعہ موجود نہ تھا کہ اس وقت اقوام متحدہ میں کیا ہو رہا تھا اور یہ کہ آیا امریکہ کی مداخلت سے جلد ہی فائر بندی ہونے کی امید تھی یا نہیں اس معاملے پر ایک اگلے باب میں ناقدانہ بحث کی جائے گی۔ اس موقع پر ہمیں اس بارے میں اور کچھ نہیں کہنا چاہئے۔

(بی) مغربی پاکستان میں جنگ:

آیئے اب اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ مغربی پاکستان میں 3 دسمبر 1971ء سے جنگی صورتحال میں کیا تبدیلیاں آئیں۔ ہر سیکٹر کا الگ الگ احوال بیان کیا جاتا ہے ہم شمالی علاقے سے شروع کرتے ہیں۔

(1) کارگل ایریا

یہ گلگت اور بلتستان ایجنسی کے زیر انتظام ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ اسے دریائے گلگت، دریائے ہنزہ اور دریائے سندھ نے تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ علاقہ اس حوالے سے زیادہ اہم ہے کہ یہ چین کے سنکیانگ ریجن اور چین اور پاکستان کو ملانے والی قراقرم ہائی وے کے ساتھ منسلک ہے۔ بھارت کی انتہائی اسٹریٹجک نوعیت کی سری نگر، لداخ روڈ جہاں اس نے چین کے خلاف ایک ڈویژن تعینات کر رکھا ہے بھی اسی علاقے میں سیز فائر لائن کے قریب سے گزرتی ہے۔ 1965ء کی جنگ کے دوران بھی بھارت نے اس علاقے کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے یہاں ہماری ان پہاڑیوں چوکیوں پر قبضہ کر لیا تھا جن پر ہم نے زیادہ دفاعی انتظامات نہیں کر رکھے تھے۔ اس کے باوجود 1971ء میں بھی انہی چوکیوں پر مناسب دفاعی انتظامات نہ کئے گئے اور بھارت نے پھر ان پر قبضہ کر لیا۔ اس علاقے میں دفاع کے لئے ناردرن اسکاؤٹس (3 ونگ) قراقرم اسکاؤٹس (2 ونگ) اور گلگت اسکاؤٹس (1 ونگ) تعینات تھے ان کی کمان ڈی آئی جی (ایف سی) کے پاس تھی جن کا ہیڈکوارٹر گلگت میں ہے۔ آپریشنل مقاصد کے لئے ڈی آئی جی (ایف سی) ہدایات براہ راست جی ایچ کیو سے حاصل کرتے ہیں۔ اس

علاقے کے دفاع کے لئے ریگولر فوج کا ایک بھی یونٹ فراہم نہیں کیا گیا۔ اسکاؤٹس کے پاس امدادی فائر کے لئے صرف 3.7 انچ اور 75 ملی میٹر دہانے کی توپیں اور 3 انچ دہانے کے مارٹر موجود تھے۔ اپنی چوکیوں پر ڈیوٹی دینے کے علاوہ گلگت اور اسکردو ائیر پورٹس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسکاؤٹس ہی کے سر تھی۔

ڈی آئی جی (ایف سی) کو یہ مشن سونپا گیا کہ وہ شمالی علاقے کا دفاع کرتے ہوئے سیز فائر لائن کے اندر تک کارروائی کریں اور دشمن کو زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچائیں۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے انہیں محدود نوعیت کے حملے کرنے کے لئے بھی کہا گیا تھا تا کہ ان کی اپنی دفاعی صورتحال بہتر ہو جائے۔ ان حملوں کے ذریعے دشمن کے علاقے میں اس کی کیمونیکیشن لائنز کو تباہ و برباد کرنا شامل تھا۔ تاہم اس تک ایسا کوئی ایکشن نہیں کیا گیا تھا اور اسکاؤٹس کا کردار پوری جنگ کے دوران دفاعی نوعیت کا رہا۔

اس علاقے میں دشمن کی صلاحیت ہم سے کہیں بہتر تھی۔ دشمن نے اس علاقے میں دو بریگیڈ گروپ تعینات کر رکھے تھے ان میں سے ایک کارگل میں تھا جہاں بھارت کا ایک اہم ہوائی اڈہ بھی تھا جبکہ دوسرا کپواڑہ میں تعینات تھا۔ یہاں پر بھارت کی 5 بارڈر سیکورٹی فورس کی بٹالینیں بھی تعینات تھیں جبکہ ایک پورا آرٹلری بریگیڈ بھی لیہ سے کارگل منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہ علاقہ بھارت کے سری نگر اور اونتی پورا کے ہوائی اڈوں کی پہنچ میں تھا۔

جنگ کے دوران دشمن نے اولڈنگ اور نوپارہ سب سیکٹروں میں حملہ کیا جہاں قراقرم اسکاؤٹس تعینات تھے یہاں پر قراقرم اسکاؤٹس کو مسلسل ہوائی اور زمینی حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اسکاؤٹس ان حملوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور دشمن ہمارے علاقے میں کافی اندر تک گھس آیا اور تقریباً 220 مربع میل کے علاقے پر قابض ہو گیا۔ دریائے شیوخ کے ساتھ واقع چلمکا اور ترتک کے دیہات پر بھی بھارتیوں نے قبضہ کر لیا۔ نوپارہ اور اولڈنگ سب سیکٹروں میں قائم کچھ ایسی پوسٹوں پر جہاں سے کارگل نشیب میں نظر آتا تھا دشمن نے حملہ کیا اور ان پر قبضہ کر لیا۔ اس سب سیکٹر میں بھی ہم نے 5 مربع میل کا علاقہ کھو دیا۔

17 دسمبر کو بھارتی فضائیہ نے اسکردو ائیر فیلڈ کو بھی نشانہ بنایا۔ اور یہ اڈہ عارضی طور پر استعمال کے قابل نہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قراقرم اسکاؤٹس کی مدد کے لئے آنے والی ایک کمپنی بذریعہ جہاز یہاں نہ اتر سکی اور اسے واپس گلگت بھیجنا پڑا۔

اس علاقے میں فوجی آپریشنز مجموعی فوجی صورتحال پر کوئی زیادہ اثر تو نہیں ڈالتے، تاہم اس علاقے کے دفاع کا مناسب انتظام نہ کرنا اور اسے نامناسب ہتھیاروں سے لیس اسکاؤٹس کے سپرد کر دینا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قراقرم ہائی وے کھل جانے کے بعد بھی اس علاقے کی اہمیت کا ٹھیک ادراک نہیں کیا گیا۔ اس علاقے میں دفاعی انتظامات کو مستحکم بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس علاقے کی اہمیت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ 1965ء اور 1971ء کی دونوں جنگوں میں دشمن نے حملے کر کے یہاں علاقے پر قبضہ کیا اور اس طرح لداخ میں اپنے ذرائع رسل و رسائل کو محفوظ تر بنا لیا۔

آزاد کشمیر کا دفاع

اس ڈویژن کے زیر کنٹرول سوائے بھمبر اور میرپور کے آزاد کشمیر کے تمام علاقے تھے اس علاقے کا پھیلاؤ سیز فائر لائن سے 186 میل تک تھا۔ آزاد کشمیر کے کچھ اہم علاقے مقبوضہ کشمیر کے ساتھ واقع تھے ان علاقوں میں دریائے نیلم کا جورا بلگ' وادی لیپہ' بادوری بلگ (درہ حاجی پیر) اور تحصیل نکیال کھوئی کے جنگلات والے علاقے شامل تھے جبکہ بھارت کے اہم علاقے جو آزاد کشمیر کے ان علاقوں سے ملتے تھے ان میں ٹھوال' اوڑی' پونچھ' مندھر اور جھنگر درم سال شامل تھے یہ علاقے دریائے جہلم کی طرف سے بہت سے حصوں میں تقسیم تھے جس میں دریائے نیلم اور دریائے پونچھ بھی شامل تھے اور ان کی حدود میں تنگ راستے' پہاڑی سلسلے اور کھائیاں بھی تھیں اس کے شمال کی طرف سے 15 سو سے لے کر جنوب تک دس ہزار فٹ بلندی تک پہاڑی سلسلے بھی ہیں ان پہاڑی سلسلوں کے اوپر والے حصے میں چیڑ کے درختوں کا بھی ایک سلسلہ ہے جو جنوب کی طرف جاتا ہے۔

ہماری 12 ڈویژن میں 6 انفنٹری بریگیڈ گروپس' (5) آزاد کشمیر بریگیڈ اور ایک پاک آرمی بریگیڈ (6) فرنٹیئر کور ونگ اور مجاہدین کی کمپنی کی ایک بڑی تعداد شامل تھی اس ڈویژن کو فضائی مدد حاصل تھی اور مواصلات کا رابطہ صرف دریا کے ساتھ ساتھ کچی سڑکیں تھیں۔ محاذ کے علاقوں سے صرف چھوٹے چھوٹے راستے آتے تھے۔

اس تنظیم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ ذمہ داری والے علاقوں کی حفاظت کریں سیز فائر لائن کے قریبی علاقوں پر نظر رکھیں اور دشمن کو زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچائیں۔

اس کے ذمہ یہ بات بھی تھی کہ وہ دشمن کے مواصلاتی نظام کو تباہ کرے' اس کو یہ پلاننگ بھی دی گئی کہ وہ پونچھ پر قبضہ کرے اور اس کے لئے پونچھ کے کچھ اہم حصوں پر دو بریگیڈ کے ذریعے بادوری بلگ کے راستے حملہ کرے۔

دشمن نے اس ڈویژن کے خلاف جو اپنی حکمت عملی تیار کی وہ درج ذیل ہے۔

(اے) 19 ڈویژن (چار بریگیڈ گروپس) کا بارہ مولہ میں ہیڈ کوارٹر قائم کرنا۔ (بی) 25 ڈویژن (3 بریگیڈ گروپ) کا راجوری میں ہیڈ کوارٹر قائم کرنا۔ (سی) بارڈر سیکورٹی فورسز (14 بٹالینیں)۔

12 ڈویژن نے 3 دسمبر کو رات 8 بجے پونچھ سیکٹر پر حملہ کر دیا جس میں 20 منٹ تک آرٹلری نے گولہ باری کی۔ دشمن کی آرٹلری نے رات کافی دیر تک بمباری کا کوئی جواب نہ دیا' حملہ آور یونٹ نے رات کو رپورٹ دی کہ دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچایا گیا ہے لیکن صبح کے وقت اس قسم کی تمام اطلاعات غلط ثابت ہوئیں' دشمن محاذ پر ہی رہا اور اپنا دفاع کرتا رہا' دوسری آزاد کشمیر رجمنٹ سے کہا گیا کہ وہ رات کے وقت دوبارہ حملہ کرے لیکن اس مرتبہ بھی اسے ہی جانی نقصان اٹھانا پڑا اس دوران دشمن نے دوسرے سیکٹرز میں بھی جوابی حملے کرنے شروع کر دیئے اس ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے حملہ کرنے سے اجتناب کیا' دشمن نے تاہم حملہ کرنے میں پہل کر لی' مغربی پونچھ کے اہم علاقوں پر دشمن نے حملہ کیا جن میں بٹال کا علاقہ بھی شامل تھی اور وادی لیپہ کا کچھ علاقہ بھی اس میں شامل تھا' بٹال کا علاقہ پونچھ اور بھیرا کے درمیان رابطے کا کام دیتا تھا اور باغ اور کوٹلی کے درمیان بھی ایک سڑک تھی دشمن نے 10 اور 11 دسمبر 1971ء کو اس پر قبضہ کر لیا تاہم اس کی مزید پیش قدمی کو روک دیا گیا۔

ناقص قیادت' غلط معلومات

وادی لیپہ میں کامرخان کے علاقوں پر صاف موسم ہونے کے باعث دشمن نے تابڑ توڑ حملے کئے اور کاٹیاں کے علاقے کے 11 مربع میل کے رقبے پر قبضہ کر لیا جس وقت اس وادی پر قبضہ کیا گیا اس وقت ایک ریگولر انفنٹری کمپنی' مجاہدین کی دو کمپنیاں اور سول آرمڈ فورسز کی ایک کمپنی موجود تھی جنرل آفیسر کمانڈنگ 9 دسمبر کو اپنی فوج کو دوبارہ یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور 16 دسمبر کو ریزرو سے مزید کمک پہنچنے کے باعث حالات نے نیا رخ اختیار کر لیا اور بٹال

کے علاقے سے سیز فائر لائن تک تین مربع میل کے علاقے پر ہمارے جوانوں نے قبضہ کرلیا۔

13 اور 14 دسمبر کو دشمن نے ہمارے علاقے دروچن چمبا اور جنوب مشرقی علاقے کا کی تر کی پر دوبارہ حملہ کردیا تاہم اسے مار بھگایا گیا اور دشمن کو جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

پونچھ پر قبضہ کرنے میں ناکامی کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہماری لیڈر شپ غلط تھی اور ہم نے دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا اس پر ستم یہ کہ ہماری افواج کی ناقص لیڈر شپ کی طرف سے غلط معلومات فراہم کرنے پر ہمیں ناکامی ہوئی اور اگر یہ معلومات غلط نہ دی جاتیں تو یقینی حملے بروقت اور صحیح مقام پر کئے جاتے جس سے نتائج مختلف ہوتے تاہم اس سے ہٹ کر یہ کہ وادی لیپہ میں 12 ڈویژن کا آپریشن آرمی کے آپریشن پر اثر انداز نہ ہوا اگر یہاں ہماری کامیابی ہوجاتی تو ہماری فوج کا حوصلہ یقیناً بلند ہوتا۔ 12 انفنٹری کی طرف سے حملوں کی کوشش اور پونچھ پر حملہ پلاننگ سے نہ تھا اور اس کا فائدہ دشمن نے بروقت اٹھایا اور جوابی حملے کئے۔

(3) چھمب سیکٹر 23 ڈویژن کے زیر کنٹرول

23 ڈویژن کی ذمہ داریوں کے علاقے چناب سے لے کر کالی دھار ینج کے جنوبی نشیبی حصے اور سیز فائر لائن سے شمال کی طرف سے کچھ رینج کے پورے جنوبی حصے شامل تھے یہ محاذ کا 75 میل کا حصہ بنتا تھا۔ یہ مقابلتاً چھوٹا حصہ تھا تاہم دریائے چناب سے مرالہ ہیڈ ورکس تک کا علاقہ اس میں شامل تھا۔ اس علاقے کو عام طور پر منور گیپ کہا جاتا ہے۔

اس تکون کو "منور گیپ" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا کھلا ہوا قطعہ زمین ہے جو پہاڑوں کے دامن اور دریائے چناب کے درمیانی حصے میں واقع ہے جہاں سے لالہ موسیٰ' گجرات براہ راست پہنچا جاسکتا ہے۔ بھارتی نقطہ نظر سے یہ خاصی فوجی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس علاقے میں دشمن کی جانب سے کی جانے والی کوئی بھی پیش قدمی' لاہور اور راولپنڈی کے درمیان مواصلاتی رابطوں کے لئے سنگین خطرے کا سبب بن سکتی ہے۔ چنانچہ بھارتی افواج' اس علاقے میں پیش قدمی کرنے کے ساتھ ساتھ دوسری جانب سیالکوٹ' شکر گڑھ' نارووال کے علاقے میں بھی داخل ہوکر وزیرآباد میں واقع پلوں تک بھی پہنچ سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے علاقوں سے چناب کے دونوں اطراف سے حملہ کرتے ہوئے مرالہ ہیڈ ورکس تک پہنچنے میں بھی کامیاب ہوسکتی تھیں۔ جو پاکستان کے نزدیک دفاعی اعتبار سے غیر معمولی

اہمیت کا حامل ہے کیونکہ مرالہ' راوی لنک' بی آر بی لنک اور لاہور...... قصور سیکٹر کا تمام تر انحصار مرالہ ہیڈ ورکس پر ہی ہے! چنانچہ پاکستانی افواج کے نقطہ نظر سے یہ بے حد اہم تھا کہ اس علاقے میں اپنی دفاعی پوزیشن کو مستحکم بناتے ہوئے دریائے توی تک پہنچ جائیں' جو ایک قدرتی رکاوٹ ہے۔ 1971ء کی مجموعی جنگی حکمت عملی کے پیش نظر "منور گیپ" کے دفاع کی غرض سے تیئسویں ڈویژن کے درج ذیل فرائض تھے۔

(الف) جارحیت کے آغاز پر فوری طور سے دریائے توی تک پہنچا جائے۔

(ب) چناب کے شمالی علاقے سے مرالہ ہیڈ ورکس کی جانب دشمن کی پیش قدمی کے خطرے کا سدباب کیا جائے اور اگر دشمن کسی طرح اس پر قابض ہوجائے تو اس پر دوبارہ قبضے کی غرض سے کور 1 کو پوری مدد اور تعاون فراہم کیا جائے۔ ان فرائض کی تکمیل کے لئے تیئسویں ڈویژن نے متعدد امکانی منصوبے تیار کئے تھے جن میں سے درج ذیل منصوبے کو عملدرآمد کے لئے آخری شکل دی گئی۔

"تیئسواں ڈویژن' پوائنٹ 1494 اور منور 5656 کے درمیان دریائے توی کے علاقے پر مکمل قبضہ کرلے گا۔"

اس جارحانہ منصوبے کے براہ راست اثرات پاکستان آرمی کے مجموعی دفاعی منصوبوں پر مرتب ہوسکتے تھے کیونکہ اس پیش قدمی کا بنیادی مقصد دشمن کے منور گیپ پر جارحانہ حملے کو روکتے ہوئے عقبی دروازے کو بند کردینا تھا' تاکہ پاکستانی افواج جنوبی علاقے میں آزادی کے ساتھ اپنی طے شدہ کارروائی جاری رکھ سکیں اور اسے کسی عقبی حملے کا خطرہ بھی لاحق نہ ہو۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے تیئسویں ڈویژن کو درج ذیل فورسز فراہم کی گئی تھیں۔

(1) چار انفنٹری بریگیڈ گروپس۔

(2) ایک نو تشکیل آرمرڈ ہیڈ کوارٹر بریگیڈ۔

(3) 66 بریگیڈ گروپ ایکس۔ 17 ڈویژن (نیا بریگیڈ)۔

(4) آرٹلری 17 ڈویژن۔

(5) 11 کیولری ایکس۔ 6 آرمرڈ ڈویژن (T59) ٹینک۔

تین دسمبر کو تیئسویں ڈویژن نے دو بریگیڈ گروپس کی مدد سے دشمن پر حملہ کردیا۔ 4 دسمبر کی صبح گیارھواں کیولری گروپ منصوبے کے مطابق منڈیالہ پہنچ گیا جس کے دوران 20 بریگیڈ

گروپ نے جنوبی سمت سے دشمن پر چھوٹے چھوٹے حملوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

اپنے مشن کو تیزی سے مکمل کرنے کے لئے 4,3 دسمبر کی درمیانی شب 23 ڈویژن کو جی ایچ کیو سے ایک اور ٹینک رجمنٹ (28 کیولری) فراہم کی گئی لیکن 4 دسمبر کو تیسرے پہر جی او سی نے چوتھی آزاد کشمیر بریگیڈ کو حکم دیا کہ وہ 5,4 دسمبر کی شب منڈیالہ میں دریائے توی پر عارضی پل تعمیر کرے اور دوسرا آرمرڈ بریگیڈ گروپ اس پل کے ذریعے علی الصبح پیش قدمی کرتے ہوئے پلن والا اور اس سے بھی آگے جہاں تک ممکن ہو قبضہ کرلے‘ یہ اس مشن سے انحراف تھا جو پہلے طے کیا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جی او سی دریائے توی کے اس پار دور تک اندر جانے کی پلاننگ کر رہا تھا قبل اس کے کہ دشمن خود کو منظم کرلے۔ 14 اے کے بریگیڈ نے راتوں رات دریائے توی پر ایک چھوٹا سا پل تعمیر کرلیا لیکن وہ اس پل کو مطلوبہ وسعت دینے میں ناکام رہا اور سیکنڈ آرمرڈ گروپ پیش قدمی نہ کرسکا۔ دشمن نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فضائیہ اور توپخانے کی مدد سے جوابی حملہ کردیا۔ ہمارے آرمرڈ گروپ کو شدید نقصان اٹھانا پڑا اور دریائے توی کو پار کرنے کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔

5 دسمبر کو بارہ بجے جی او سی نے اپنے پلان میں ایک اور تبدیلی کی اس نے آرمرڈ گروپ کا بڑا حصہ اگلی شب واپس بلانے اور چھمب اور مناور کے درمیان مرکزی علاقے (باکان‘ چک پنڈت) پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا۔ 6 دسمبر کو یہ حملہ سست رفتاری سے آگے بڑھا چک پنڈت چھ بجے کے قریب فتح ہوگیا اور ہماری فوجیں دریائے توی کے مغربی کنارے پر پہنچ گئیں۔

7 دسمبر کو جی او سی میجر جنرل افتخار خان نے سیکنڈ آرمرڈ بریگیڈ اور 11 بریگیڈ کو چھمب پر دھاوا بولنے اور 20 بریگیڈ کو مناور پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ دونوں علاقے کسی خاص مزاحمت کے بغیر فتح ہوگئے اور دشمن دریائے توی کے مغربی کنارے پر بھی رکنے میں ناکام رہا۔ اس طرح 23 ڈویژن کو جو مشن سونپا گیا تھا وہ مکمل ہوگیا اگرچہ پلاننگ میں ردوبدل سے اس میں کچھ تاخیر ضرور ہوئی۔

جی او سی نے 7 دسمبر کو ساڑھے چار بجے دریائے توی کے مشرق میں پلن والا‘ کھوڑ اور جوڑیاں پر قبضہ کرنے کا تازہ حکم جاری کیا لیکن 10,9 دسمبر کی رات تک اس حکم پر عملدرآمد نہ ہوسکا کیونکہ فوج تھک چکی تھی اور اس کی فارمیشن درہم برہم ہوگئی تھی۔ اس وقفے کے دوران جی او سی جو خود ایک انتہائی باصلاحیت اور بے مثال کمانڈر تھے اور 1965ء کی جنگ کے دوران اس

علاقے میں فوجی کارروائی کا مشاہدہ کرچکے تھے بدقسمتی سے ہیلی کاپٹر کے حادثہ میں بری طرح جھلس گئے اور بعد میں سی ایم ایچ کھاریاں میں انتقال کرگئے۔

اصل منصوبے میں ترمیم

نویں اور دسویں دسمبر کی شب نائب کمانڈر نے کامیابی کا صحیح صحیح اندازہ لگائے بغیر محض توقعات کی بنیاد پر پلن والا پر حملہ کیا لیکن دشمن نے اس حملے کو پسپا کردیا۔ جس کے بعد رات آٹھ بجے تک دریائے توی کے مغربی کنارے سے فوج واپس بلالی گئی۔ جی ایچ کیو نے 10 دسمبر کو گیارہویں کیولری چھٹے آرمرڈ ڈویژن میں واپس بھیج دی لیکن 17 ویں ڈویژن کا توپخانہ 16 دسمبر تک 23 ویں ڈویژن کے پاس رہنے دیا گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھمب کی تسخیر میں غیر معمولی تاخیر روا رکھی گئی۔ کیونکہ جی او سی 23 ڈویژن نے اپنی اصل پلاننگ میں تبدیلی کرلی تھی اور وہ سونپے گئے مشن کے برعکس دریائے توی کے اس پار زیادہ سے زیادہ علاقہ فتح کرنا چاہتے تھے اپنے اصل مشن سے انحراف کے نتیجے میں فوج کے تمام منصوبے متاثر ہوئے اور شمال میں ریزرو فوج سے 23 ڈویژن کو اضافی نفری فراہم کرنا پڑی۔ یہ لوگ اتنی دیر سے واپس آئے کہ آرمی ریزرو نارتھ کے لئے ان کی افادیت باقی نہ رہی اگر 23 ڈویژن اپنے اصل منصوبے کے مطابق مشن پر ڈٹا رہتا تو 5 دسمبر کو طلوع صبح تک مشن مکمل ہوجاتا اور اسے مزید نفری کی ضرورت نہ پڑتی۔ ہمارے خیال میں جی ایچ کیو کو چاہئے تھا کہ وہ جی او سی کو اس بات کا پابند کرتا کہ اسے جو مینڈیٹ دیا گیا ہے وہ اس سے تجاوز نہ کرے۔ نہیں معلوم کہ ایسا کیوں نہیں کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی کا صحیح اندازہ لگائے بغیر اضافی فوج اس کی کمان میں دے دی گئی جس سے دریائے توی کے مشرق میں پیش قدمی کے لیے اس کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

سیالکوٹ شکرگڑھ‘ نارووال سیکٹر

یہ علاقہ ون کور کی ذمہ داری تھی۔ اس علاقے کا محاذ 180 میل پر پھیلا ہوا تھا جو

دریائے چناب پر مرالہ ہیڈ ورکس سے میرووال کے قریب دریائے راوی تک تھا۔ یہ کم وبیش ایک ہموار علاقہ ہے اور بڑے پیمانے پر فوجی نقل وحرکت کے لئے موزوں ہے' مشرقی پنجاب اور جموں کی سرحد کے ساتھ ہے اور بھارت اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان مواصلات کی اہم لائنیں اس راستے سے گزرتی ہیں اور ہماری سرحد کے متوازی وہ بڑی سڑک ہے جو کٹھوعہ سانبہ' جموں اور اکھنور سے گزرتی ہے اور مقبوضہ کشمیر کو بھارت سے ملاتی ہے۔

یہ بھارت کے نقطۂ نظر سے بہت حساس علاقہ ہے اس لئے بھارت اس علاقے کا بڑی قوت سے دفاع کرتا ہے۔ وہ دو مرتبہ ہمارے علاقے پر بڑے حملے کر چکا ہے تا کہ مزید علاقہ ہتھیا کر مقبوضہ کشمیر سے اپنے مواصلاتی رابطوں کو زیادہ مستحکم بنائے

اس علاقے میں کسووال پر بھارتی علاقے کی ایک پٹی ہماری جانب دریائے راوی پر واقع ہے جبکہ اس طرح جسڑ کو جانے والا ہمارا راستہ بھارت کی جانب دریائے راوی سے گزرتا ہے۔ دریائے راوی اگرچہ ایک بڑا دریا ہے لیکن سندھ طاس معاہدے پر عملدرآمد کے بعد یہ دریا فوجی کارروائی کی راہ میں کوئی مؤثر رکاوٹ نہیں رہا۔ اس کا پانی بھارت میں مادھو پور ہیڈ ورکس کے ذریعے نہروں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے اور بھارت جسڑ کے علاقوں میں دریائے راوی کے اس پار سے بڑا حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہے اس طرح وہ شکرگڑھ پسرور کے علاقوں کو پاکستان سے کاٹ سکتا ہے۔ (یہ صورت حال 1970ء کے عشرے میں تھی)۔

انٹیلی جنس رپورٹوں سے معلوم ہوا تھا کہ جب تک مشرقی پاکستان میں بھارت کا مقصد حاصل نہیں ہو جاتا وہ مغربی پاکستان اور آزاد کشمیر میں اپنی دفاعی پوزیشن برقرار رکھے گا۔ اس کے بعد وہ اپنی فوجی طاقت کا کچھ حصہ مشرق سے مغرب کی جانب منتقل کر دے گا اور ایک طے شدہ فیصلے کے تحت پاکستان کو مجبور کرنے کے لئے تمام اطراف سے حملہ کرے گا جو معلومات دستیاب ہوئیں ان کے مطابق یہ بھی توقع کی جا رہی تھی کہ بھارت گوجرانوالہ اور وزیرآباد پر قبضہ کرنے کے لئے سانبہ کٹھوعہ کی جانب سے ون کور پر حملہ کرے گا جبکہ دریائے راوی کے پار سے بھی جنوب کی جانب مزید حملے کئے جائیں گے۔

دشمن کے اس ارادے کی توثیق ان اطلاعات سے بھی ہوئی جن کے مطابق اس علاقے میں بھارتی فوجیں بھاری تعداد میں جمع ہو رہی تھیں سوائے ون آرمرڈ ڈویژن اور چودہ ڈویژن کے جو بکتر فیروزپور لالہ باد کے علاقے میں جمع تھیں اس کے علاوہ چودھواں انڈیپنڈنٹ

آرمرڈ بریگیڈ گروپ اور چودھویں ڈویژن کا بریگیڈ گروپ امرتسر کے شمال میں اجنالہ فتح گڑھ چوریاں کے علاقے میں موجود تھا۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ جی ایچ کیو نے ون کور کو جو مشن سونپا تھا اس کا مقصد دشمن کی ریزرو فارمیشنز کو مصروف رکھنا تھا تا کہ وہ جنوب میں ہماری فوج کے بڑے حملے کا دفاع نہ کر سکے اگر دشمن کی فوج ہمارے علاقے پر حملہ آور ہو تو وہ اسے زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچا سکے اور سازگار صورت حال میں دشمن کے علاقے میں جا کر لڑے۔

اس مقصد کے تحت ون کور کو جو فرائض سونپے گئے تھے وہ درج ذیل تھے۔

(1) راوی کے اس پار مرالہ ہیڈ ورکس' سیالکوٹ' نارووال' پسرور' جسڑ اور دریا کا دفاع کرنا۔

(2) دشمن کی جارحیت شروع ہونے پر دریائے راوی کے پاکستانی اطراف میں دھرمنامی بھارت کی چھوٹی سی پٹی کو ملیامیٹ کر دینا۔

(3) مقامی دفاعی پوزیشنوں کو بہتر بنانا اور دشمن کے کمزور مقامات کا فائدہ اٹھانا۔

(4) کور ایریا سے ریزرو فوج کی نقل وحرکت میں آسانی پیدا کرنا۔

شمال میں آرمی ریزروز کو یہ ٹاسک دیا گیا کہ اگر ضروری ہو تو درج ذیل اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔

(الف) دشمن کی مواصلاتی لائن کٹھوعہ' سانبہ' جموں کو کاٹ دیا جائے۔

(ب) جسڑ نارووال کے علاقے میں دریائے راوی پر دشمن کا پل تباہ کر دیا جائے۔

(ج) وزیرآباد کے پلوں کے علاقے میں دشمن کی پیرالینڈنگ کو ناکام بنا دیا جائے۔

(د) دشمن پر جوابی حملہ کر کے یا اس کے علاقے میں گھس کر اس کے ٹھکانوں کو نشانہ بنا کر مرالہ راوی لنک کے علاقے میں صورت حال کو معمول پر رکھا جائے۔

اس مقصد کے لئے ون کور کی تحویل میں جو فوج دی گئی تھی اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1- ہولڈنگ رول میں آٹھویں ڈویژن اور تین بریگیڈز۔

2- پندرہ ڈویژن' چار بریگیڈز' ایک انٹرل آرمرڈ رجمنٹ۔

3- آٹھویں انڈیپنڈنٹ آرمرڈ بریگیڈ۔

4-ایم 47/48 ٹینک کور ریزرو کی رجمنٹ۔

5- کور آرٹلری اور کور آرمرڈ رجمنٹ۔

اس کے علاوہ یہ بھی طے پایا تھا کہ اگر ضروری ہوا تو آرمی ریزرو نارتھ سے مزید مدد بھی طلب کی جاسکتی تھی جو درج ذیل تھی۔

1- چھٹی آرمرڈ ڈویژن۔

2- سترھویں انفنٹری ڈویژن۔

یہ ریزرو فوج مرالہ راوی لنک کے پیچھے موجود تھی اور کور ایریا میں جوابی حملوں کے لئے اسے ون کور کی کمان میں دیا جاتا تھا۔

پاک فوج کی اس پوزیشن کے مقابلے میں دشمن کی فارمیشنز درج ذیل تھیں۔

1-26ویں ڈویژن (چار بریگیڈز)

2- 39ویں ڈویژن (چار بریگیڈز)

3- تھرڈ یونٹ آرمرڈ بریگیڈ (جو جموں سانبہ کٹھوعہ سیکٹر میں تعینات تھا)

4-ایک بریگیڈ گروپ (جو ڈیرہ بابا نانک کے علاقے میں تعینات تھا)

5- 36ڈویژن

6- 34ویں ڈویژن

7- سیکنڈ انڈیپنڈنٹ آرمرڈ بریگیڈ گروپ

8- 26انڈیپنڈنٹ آرمرڈ بریگیڈ گروپ

اس کے علاوہ بھی اجنالہ فتح گڑھ چوڑیاں کے علاقے میں بھارت کے پاس 14th انڈیپنڈنٹ آرمرڈ گروپ اور ایک بریگیڈ گروپ بھی موجود تھا۔ یہ بھارتی فورس ایک ایسی جگہ تعینات تھی کہ وہ ہماری ون کور یا 4 کور کے خلاف کہیں بھی استعمال کی جاسکتی تھی۔

اس مشن کی تکمیل کے لئے ون کور کے کمانڈر نے پھوکلیاں کے علاقے میں ڈیک ندی کی لائن اور شکر گڑھ کے علاقے میں ظفروال شکر گڑھ نور کوٹ لائن کا مضبوطی سے دفاع کرنے کا فیصلہ کیا جبکہ ان دونوں علاقوں کے دوسرے حصوں پر کم توجہ دی گئی حکمت عملی یہ تھی کہ اگر دشمن ان علاقوں میں پیش قدمی کرتا ہے تو اسے ہلکی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ پھوکلیاں کے علاقے میں کوئی بارودی سرنگ نہیں بچھائی گئی تھی البتہ شکر گڑھ کے علاقے میں بارودی سرنگ

کی دو تہیں بچھائی گئی تھیں۔

ڈیک ندی کی لائن سے اوپر پھوکلیاں بارڈر کی حفاظت کے لئے رینجرز کی چار کمپنیاں تعینات تھیں اور صرف ایک ریگولر انفنٹری کمپنی 15 ڈویژن کے ماتحت تھی۔ آٹھویں ڈویژن کی پوزیشن سانبہ اکھنور کی جانب سے سرحد سے آٹھ دس میل اور دریائے راوی کی جانب سے سرحد سے گیارہ میل دور تھی۔

اس فوج کے ساتھ 3 دسمبر کو دھرم کے علاقے میں 115 بریگیڈ کے گروپ پر ساڑھے 9 بجے حملہ کیا گیا توقع تھی کہ اس علاقے کا دشمن نے نہایت مضبوطی کے ساتھ تحفظ کیا ہوا ہے۔ مگر توقعات کے برعکس دشمن نے اس علاقے کو بہت جلد خالی کر دیا اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ یہ علاقہ فتح ہو گیا۔

آئندہ دو دن تک اس علاقے میں کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا البتہ 5 دسمبر کی رات کو 7 بجے دشمن کی آرٹلری اور آرمرڈ دستے ڈیک ندی اور بین دریا کے درمیان سانبہ کٹھوعہ کی طرف سے آٹھویں ڈویژن کے علاقے میں پہنچنا شروع ہو گئے۔ چنگیز فورس کے 20 لانسرز نے دشمن کا مقابلہ کیا مگر دشمن بارودی سرنگوں کی پہلی قطار کے پیچھے چلا گیا اسی رات کو بھارتیوں نے 15 ڈویژن کے علاقے پھوکلیان پر بھی حملہ کر دیا۔ اور ان چوکیوں پر قبضہ کر لیا جن پر رینجرز تعینات تھے۔ بھارتی حملہ ڈیک ندی کے ساتھ شمال اور مشرق کی طرف سے کیا گیا۔ 15 ڈویژن نے فوراً چپراڑ اور پھوکلیان کے سامنے واقع گوندل اور سندھرا چوکیوں کو مستحکم کیا لیکن دشمن نے اس طرف کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ اس کے بجائے دشمن نے اپنی فتوحات کو مستحکم کیا اور مرالہ ہیڈورکس کے قریب آ گیا۔

شکر گڑھ کے علاقے میں چنگیز فورس سے مقابلے کے بعد دشمن نے اپنی کارروائی جاری رکھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے آگے بڑھنے کی جلدی ہے۔ وہ نہایت احتیاط کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا اور ان علاقوں پر قبضہ کر رہا تھا جو ہماری فوج نے خالی کر دیئے تھے اور لڑائی سے پہلوتہی کر رہا تھا۔

اس نقل و حرکت سے معلوم ہوتا تھا کہ دشمن کو اپنے ریزروز کو 1 کور کے علاقے میں لانے کی جلدی نہیں ہے۔ چنگیز فورس نے 5 سے 11 دسمبر تک دشمن کے خلاف اپنے تاخیری حربے جاری رکھے۔ ادھر دشمن ظفروال شکر گڑھ لائن پر 8 ڈویژن کے دفاعی مورچوں تک آ

گیا تھا۔ دشمن بارودی سرنگوں کے درمیان سے گزر کر وہاں پہنچا تھا اور یہاں پر پانچ روز تک رہا لیکن جوابی حملہ کر کے اسے ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی کسی کارروائی کی کور یا ڈویژن کے ہیڈکوارٹر کی طرف سے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی جب کہ چنگیز فورس کو یہ کام دیا گیا تھا کہ وہ اس علاقے میں دشمن کو روکے۔ اس حکمت عملی کا مقصد یہ ہونا چاہیے تھا کہ دشمن کو قتل گاہ میں کھینچ کر لایا جاتا اور اسے تباہ کر دیا جاتا۔

دریائے بین کے مشرق سے لے کر دریائے راوی تک کے علاقے میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی۔ یہ علاقے دشمن نے فتح کر لئے۔ ہمارے رینجرز اور دیکھ بھال والے دستے دشمن کے داخل ہونے پر شکرگڑھ نورکوٹ لائن کے ساتھ دریائے بین کے مغرب میں چلے گئے۔ صرف 10 دسمبر کو آٹھویں آرمرڈ بریگیڈ نے دن کے ساڑھے چار بجے نین کوٹ پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ دشمن کو دریائے بین کے مشرق میں تین میل اندر تک دھکیل دیا گیا لیکن جب رات ہوئی تو جوابی حملہ یکایک ملتوی کر دیا گیا۔ کیونکہ دشمن شکرگڑھ ظفروال کے علاقے میں دباؤ بڑھا رہا تھا۔ مگر یہ واپسی اس قدر جلدی میں کی گئی کہ ٹینکوں کا ایک دستہ جو ابھی تک دریائے بین کے مشرق میں تھا افراتفری میں اسے روک دیا گیا کیونکہ بارودی سرنگوں کے درمیان محفوظ راستے بند کر دیئے گئے تھے یہ دستہ دشمن کا قیدی بن گیا۔

11 دسمبر کی شام تک چنگیز فورس ظفروال شکرگڑھ کی دفاعی لائن کے عقب میں پہنچ گئی مگر 12 سے 15 دسمبر کے درمیان کچھ نہیں ہوا۔ اس عرصے میں دشمن کو یہ موقع مل گیا کہ وہ ظفروال شکرگڑھ کے سامنے اپنی قوت میں اضافہ کرے اور پھر 15-14 دسمبر کی شب اس نے شکرگڑھ پر حملہ کر دیا مگر اس حملے کو پسپا کر دیا گیا۔

لیکن دشمن کا بڑا حملہ 15, 16 دسمبر کی درمیانی رات آٹھ بج کر پچیس منٹ پر ہوا۔ رات بھر جنگ ہوتی رہی اور صبح 4 بجکر 45 منٹ پر دشمن بڑا پنڈ چارپال غازی پور کے علاقے میں پاؤں جمانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ علاقہ ظفروال کی لائن پر 24 بریگیڈ کی خاص چوکیوں کے اندر تھا یہاں پر دوسری قطار کی بارودی سرنگیں پار کر کے دشمن پہنچ گیا تھا۔ آخرکار کور نے فیصلہ کیا کہ دشمن نے جو پیش قدمی کی ہے اسے پیچھے دھکیل دیا جائے۔ آرمرڈ بریگیڈ نے ساڑھے چھ بجے حملہ کر دیا اور 13 لانسرز نے 8 بجے حملہ کیا۔ خوفناک جنگ ہوئی جس میں 13 کیولری بھی شامل ہو گئی مگر اس کے سامنے کے اسکواڈرن کو بھی نقصان پہنچا۔

معلوم یہ ہوا کہ دشمن کے پاس دو آرمرڈ رجمنٹس اور دو آرٹلری بٹالینیں ہیں اس کے علاوہ اس علاقے میں بہت بڑی تعداد میں اینٹی ٹینک گائیڈیڈ میزائلز بھی ہیں بڑا پنڈ کو واپس لے لیا گیا مگر آٹھویں آرمرڈ بریگیڈ کو بھی رکنا پڑا۔ ہمارے نقصانات بہت زیادہ تھے چارپال۔ غازی پور کے علاقے سے دشمن کا جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اسے ختم نہیں کیا جا سکا اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ جوابی حملہ جاری رکھا جائے اور 17 دسمبر کی پہلی کرن کے ساتھ ٹینکوں اور انفنٹری کے حملے کا حکم دیا گیا۔

اس حملے کے بارے میں کافی الجھاؤ ہے 35 ایف ایف جو 15 دسمبر کو رعیہ کے علاقے میں پہنچ گئی تھی۔ اسے پہلے دھام تال اور پھر جاپرال پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا 13 لانسرز کو اس حملے میں مدد کرنا تھی 16 دسمبر کو دھام تال میں جو بٹالین دن کے 4 بجے پہنچی تھی اسے حکم دیا گیا کہ وہ 7 بجے پنڈی پوراں میں پہنچ جائے۔ جب یہ وہاں پہنچی تو آٹھویں آرمرڈ بریگیڈ اور 24 بریگیڈ کے درمیان حملے کے منصوبے میں ربط پیدا نہ ہو کا کیونکہ آرمرڈ بریگیڈ کا خیال تھا کہ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ مربوط حملہ ممکن نہیں تھا جب کہ 24 بریگیڈ نے حکم دے دیا تھا کہ 35 ایف ایف صبح ہی حملہ کر دے۔ 8ویں آرمرڈ بریگیڈ کے ہیڈکوارٹرز کو یہ اطلاع نہیں دی گئی تھی۔ 17 دسمبر کی صبح 30-5 بجے بٹالین (13 لانسرز) نے ٹینک دستوں کی مدد کے بغیر کارروائی شروع کر دی۔ دشمن نے ٹینکوں' آرٹلری اور چھوٹے اسلحہ سے بھاری فائرنگ شروع کر دی۔ بٹالین کو بہت نقصان پہنچا' اس کا کمانڈنگ آفیسر شہید ہو گیا۔ دو کمپنی کمانڈر' ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر اور 53 دوسرے فوجی بھی شہید ہو گئے۔ اس کے علاوہ 73 فوجی زخمی ہو گئے۔ ایک بجے باقی ماندہ فوج بغیر کچھ حاصل کئے پنڈی پوراں واپس آ گئی۔ دشمن پورے دن اپنا دباؤ بڑھاتا رہا اور اپنا حلقہ وسیع کرتا رہا لیکن خوش قسمتی سے پاکستان فضائیہ کی بروقت مدد اور زمینی مدد نے انہیں روک دیا پاکستان فضائیہ نے دھرسان کے علاقے میں دشمن کی بعد کی کارروائی کا خاتمہ کر دیا۔

اس علاقے میں لڑائی کے نتیجے میں 50 مربع میل زمین 534 دیہات دشمن کے قبضے میں چلے گئے۔

کوئی بھی شخص یہ بات محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ 1 کور نے دیئے گئے مشن کے بارے میں غلط اندازہ لگایا اور بے عملی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے یہ کوشش نہیں کی کہ جارحانہ دفاع کا

تاثر قائم کیا جائے اور نہ ہی علاقہ خالی کرتے ہوئے کوئی مضبوط مزاحمت کی اور نہ ہی حملہ آور فوج کو اس وقت کوئی خاص نقصان پہنچانے کی کوشش کی جب کہ جنگ کے دوران انہیں ایسا موقع ملا تھا۔ ایک مرحلے پر یہ بھی محسوس کیا گیا کہ دشمن نے اپنے زیادہ تر ریزرو دستوں کو جو سانبہ، کٹھوعہ، پٹھان کوٹ، گورداس پور کے علاقوں میں تعینات تھے اس علاقے میں بلا لیا تھا مگر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن نے شکر گڑھ کے علاقے میں جو کامیابی حاصل کی وہ پاکستانی فوج کے ممکنہ جوابی حملے کے خلاف کارروائی کرنے کی اپنی اہلیت بگاڑے بغیر کی تھی۔

اگرچہ اس کور کو دستیاب فوج کی طاقت اور دشمن کی طاقت کے درمیان کم ہی فرق تھا مگر یہ کور ان مواقع سے فائدہ نہیں اٹھا سکی جو اسے لڑائی کے دوران اپنی حیثیت بحال کرنے کے لئے ملے تھے۔ ہمارے سامنے جو جونیئر افسران پیش ہوئے انہوں نے اس کور کی کارکردگی پر تنقید کی ہے کچھ افسران نے کہا کہ اس کور کا پورا منصوبہ غلط تھا۔ اس کو جو مشن دیا گیا تھا اس نے اسے غلط سمجھا۔ اس نے یہ سمجھا کہ خاص دفاع ان علاقوں کے قریب کیا جائے گا جنہیں ہر قیمت پر دشمن سے بچانا ہے جب کہ باقی علاقوں کا ہلکے انداز میں دفاع کرنا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بھی غلط تھا کہ مرالہ ہیڈ ورکس پر ایک پوری بٹالین تعینات کر دی گئی اور پھوکلیاں کو رینجرز کے حوالے کر دیا گیا جن کے پاس نہ تو اچھے ہتھیار تھے اور نہ انہیں اچھی تربیت حاصل تھی۔

جوابی حملہ کرنے میں اعلیٰ کمان کا پس و پیش

اسی طرح چنگیز فورس کی کامیاب کارروائی سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ اس کا فالو اپ نہیں کیا گیا جیسا کہ کیا جانا چاہئے تھا کیونکہ یہ دشمن پر اس وقت حملہ کر رہے تھے جب وہ دو بارودی سرنگوں کے درمیان آ گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کور اور ڈویژن کے کمانڈرز کو بار بار تجویز دی گئی کہ وہ دشمن کے خلاف آرٹلری فائر مرکوز کریں مگر انہوں نے جونیئر افسران کی تجاویز پر توجہ نہیں دی۔ جس طریقے سے 13 لانسرز کو تباہی کی طرف دھکیل دیا گیا اس پر بھی کافی تنقید کی گئی ہے۔ اس کور کی کارکردگی پر سینئر افسران نے بھی تنقید کی ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس علاقے میں موجود افراتفری کی وجہ بڑے پیمانے پر جوابی حملہ کرنے میں اعلیٰ کمان کا پس و پیش تھا۔

یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اگر کور لڑائی کے آغاز سے ہی دشمن کے علاقے میں محدود جنگ کرتی تو دشمن کے ریزرو دستوں کو الجھایا جا سکتا تھا۔ ساتھ ہی آرمی کے ریزرو دستے کور کی

ڈیفنس لائن کے پیچھے شمال میں موجود تھے۔ اس قسم کی کارروائی میں کسی قسم کا کوئی غیر ضروری خطرہ کسی قیمت پر مول لینا نہیں پڑتا بلکہ اس کی وجہ سے ہم اپنے علاقوں کے نقصان اور ہم اپنے شہریوں کو بڑے پیمانے پر دربدر ہونے سے بچا سکتے تھے۔

اس معاملے کا کوئی اور ایسا پہلو نہیں ہے جس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ علاقہ جنرل ہیڈ کوارٹر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کوروں کی کارروائی پر اثر انداز ہونے کے لیے یا تو منصوبہ بندی کے مرحلے کے دوران یا پھر ان پر عمل درآمد کے دوران زیادہ چھان بین نہیں کی گئی۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کور کمان اپنے ہی منصوبے کے نقائص دریافت کرنے کی پوزیشن میں کیوں نہیں تھی۔ جی ایچ کیو بھی کور کمانڈر کو ان نقائص کی نشاندہی نہیں کر سکا۔ اس علاقے میں ناکامی کا جزوی ذمہ دار جی ایچ کیو بھی ہے۔ ہمارے سامنے پیش کی گئی شہادت سے ظاہر ہوتا ہے کہ چیف آف اسٹاف پاکستان آرمی نے کارروائیوں کے دوران اس علاقے کا ایک سے زائد بار دورہ کیا۔

لاہور، قصور، بہاولپور سیکٹر

یہ علاقہ کور 4 کی ذمہ داری تھا۔ یہ علاقہ مقبول پور کے شمال مشرق سے مرالہ۔ راوی لنک سے نکلنے والی شاخ سے شروع ہوتا ہے اور بہاولپور کے جنوب مشرق میں صحرا تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ سرحد کے ساتھ تقریباً 375 میل پر محیط ہے۔

دفاعی نقطہ نظر سے اس انتہائی اہم علاقے میں سڑکوں اور ریلوے مواصلات کا نظام بہت بہتر ہے جہاں بین الاقوامی سرحد کے ساتھ ساتھ راوی اور ستلج بھی بہتے ہیں اور ان کی وجہ سے بڑی رکاوٹیں بھی بنتی ہیں۔

اگرچہ بھارت میں ستلج اور راوی کے بالائی حصے آ گئے ہیں جن کی وجہ سے اس کی اثر پذیری اب کسی حد تک کم ہو گئی ہے لیکن پھر بھی بی آر بی لنک کینال دشمن کے لئے بڑی رکاوٹ ہے۔ دیپالپور کینال اور مشرقی صادقیہ کینال سرحد کے متوازی بہتی ہیں۔ لاہور سیکٹر میں سرحد کے قریب بی آر بی کینال کے آگے واہگہ کینال کی شکل میں ایک رکاوٹ موجود ہے۔ شاہرہ اور

بلوکی کے مقام پر دریائے راوی پر پل موجود ہیں اور ہمارے سرحدی علاقے سلیمانکی اور اسلام پور کے مقام پر دریائے ستلج پر بھی پل بنے ہیں۔

یہ کاشت کاری کے علاقوں میں دریائی زمین پر مشتمل بنیادی طور پر رہائشی علاقہ ہے جو دائیں جانب دریائے ستلج تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے پیچھے ستلج کے جنوب میں سرحد کے ساتھ نیم صحرائی بنجر علاقہ فوجی مقصد کے لئے موزوں ہے۔ دریائے ستلج کے شمال کا علاقہ صرف خشک مہینوں کے دوران فوجی نقل وحرکت کے لئے موزوں ہے لیکن لاہور اور قصور کے درمیان کا علاقہ فوجی نقل وحرکت کے لئے زیادہ بہتر نہیں ہے۔

اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ فوج کے بنیادی جنگی منصوبے کا بوجھ براہ راست اس کور پر تھا۔ اس کی ذمہ داری میں جو بہت بڑا علاقہ تھا اس سے اس پر بھاری دباؤ پڑا۔ اگرچہ کور 2 کے تحت اہم حملہ آور فورس ایک بکتر بند ڈویژن اور دو انفنٹری بٹالینوں پر مشتمل تھی جو اپنی ذمہ داری کے علاقے ملتان میں موجود تھی۔ بہرحال کور 4 کا علاقہ پی اے ایف اور اس کے ہوائی اڈوں سرگودھا' رسالپور اور شورکوٹ کی فضائی حدود میں تھا۔ فوج کی درخواست اور اسے فضائی مدد کی سہولت میں اضافے کے لئے اوکاڑہ میں ایک اور ائربیس تعمیر کی گئی لیکن بدقسمتی سے جنگ کے دوران یہ چالو نہ ہوسکی۔

اس کور کو سازگار حالات میں دشمن کے علاقے میں جنگ کرنے' دشمن پر شدید ضرب لگا کر زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچا کر اس کی صلاحیت کو غیر مؤثر کرنے اور اپنی ذمہ داری کے علاقے کا دفاع کرنے کا بنیادی مشن سونپا گیا تھا۔ اس کے اہداف یہ تھے۔

1- مقبول پور' لاہور' قصور' رنگ پور اور بہاولپور کا ہر قیمت پر دفاع کرنا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو لاہور' قصور اور بہاولپور کا قلعے کے طور پر دفاع کرنا۔

2- مقامی دفاعی انداز کو بہتر بنانا اور جن پوزیشنوں پر دشمن نہیں ہے ان کمزور مقامات سے فائدہ اٹھانا۔

3- کور ایریا سے آرمی ریزرو شروع کرنے کی سہولت دینا۔

4- حسینی والہ کے بھارتی علاقے پر قبضہ کرنا اور ستلج پار کر کے دشمن کے علاقہ میں مورچہ بند ہونا۔

بعد ازاں کور 4 کی اہم جنگی منصوبہ بندی کے دوران اسے حسب ذیل اضافی اہداف

بھی دیئے گئے۔

1- مقبول پور کے علاقے سے دریائے راوی کے پار اجنالہ کے علاقے میں بڑی لڑائی ظاہر کر کے دشمن کے آرمرڈ اور انفنٹری ریزرو کو الجھانا اور اس مقصد کے لئے جی ٹی روڈ اور راوی کے درمیان چانگن وان نالے کے قریب تر ہونا۔

2- فیروز پور اور جلال آباد کے درمیان دشمن کی مواصلاتی لائن کاٹنے کے لئے دریائے ستلج کے پار ایک انفنٹری بٹالین اور ایک ایس ایس جی کمپنی کو حرکت میں لانا۔

3- بڑی لڑائی شروع کرنے کے لئے بہاول نگر ہارون آباد' فورٹ عباس کے علاقے میں کور 2 کی مدد سے ایک مضبوط فوجی مرکز قائم کرنا۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ اس کور کی ذمہ داری میں جو بڑا علاقہ دیا گیا تھا وہ بذات خود اس کے لیے ایک رکاوٹ بن گیا۔ اس بڑے علاقے کے برخلاف اس کے فوجیوں کا راشن بہت کم تھا۔ اس کے باوجود اس کی تمام فارمیشنوں کو بغیر ریزرو کے پابند کردیا گیا۔ اسے مناسب فائر سپورٹ بھی نہ ملی اور اس کے ضرورت سے زیادہ پھیلے ہوئے دفاع کی وجہ سے اس کے آرٹلری کے وسائل منتشر ہوگئے۔ اس کا بڑا علاقہ لاجسٹک اور سروس یونٹس سپورٹ میں بھی کچھ غیر متوازن ہونے کا سبب بنا۔

ان نقائص کے باوجود کور 4 نے اپنی کارروائیوں کے لئے جارحانہ دفاع کا منصوبہ بنایا اور اپنے زیر انتظام فارمیشنوں کو ذمہ داریاں تفویض کیں جس کے اہداف حسب ذیل ہیں۔

-10 ڈویژن جو 4 بریگیڈ گروپ اور ایک آرمرڈ رجمنٹ (شرمن ٹینک) پر مشتمل تھی جی ٹی روڈ اور دریائے راوی کے درمیان چانگن وان نالے کے قریب پہنچ گئی جسے دریائے راوی کے پار مقبول پور کے علاقے سے بڑا حملہ ظاہر کر کے اجنالہ کے علاقے پر زد ڈالنا اور دشمن کی فوجی نقل وحرکت اور انفنٹری کو الجھانا تھا۔

3 بریگیڈ گروپس اور ایک آرمرڈ رجمنٹ ایم۔ 147 پر مشتمل 11 ڈویژن کو حسین آباد کے مقام پر بھارتی علاقے پر قبضہ کرنے اور فیروز پور ممدوٹ علاقے کو خطرے سے دوچار کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

105 انڈیپنڈنٹ بریگیڈ ایک آرمرڈ اسکوارڈن (شرمین) کے ساتھ سلیمانکی برج ہیڈ سے جہانگیر۔ پکا چشتیہ تک پھیلی ہوئی تھی۔

212 بریگیڈ ایک نیا بریگیڈ تھا جس میں ایک انفنٹری اور ایس ایس جی کی ایک کمپنی شامل تھی اور گشت کے لئے بھی دستہ تھا۔ یہ پوری جمیعت رنگن پور کے جنوب میں بٹالین دریائے ستلج کے پار فیروز پور اور جلال آباد کے درمیان دشمن کی کمیونیکیشن لائن کاٹنے کے لئے سرگرم ہوگئی۔

5- جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اس بریگیڈ گروپ نے بہاول نگر۔ ہارون آباد۔ فورٹ عباس کے علاقے میں بڑے۔ حملے شروع کرنے کے لئے کور 2 کی مدد سے ایک مضبوط مرکز قائم کرلیا۔

لاہور اور دیگر علاقوں پر مشتمل اس کور کے علاقے پر اسٹریٹیجک ایریا کی حیثیت سے غور کیا گیا تو ایسی قطعی حد بندی بھی کردی جس سے آگے دشمن نہ بڑھ سکے۔

اس فورس کے مقابل دشمن کی حسب ذیل فارمیشنز تھیں۔

(اے) ایک آرمرڈ ڈویژن۔ مکیسر' کوٹ کپورہ (ریزرو)

(بی) 15 ڈویژن امرتسر (4 بریگیڈ اور ایک آرمرڈ رجمنٹ) اس کی ایک بریگیڈ کو ایک کور کے مقابلے کے لئے ڈیرہ بابا نانک میں تعینات کیا گیا تھا۔

(سی) ساتواں ڈویژن۔ بٹی ہر یکے (3 بریگیڈز اور اس سے وابستہ ایک آرمرڈ رجمنٹ)

(ڈی) 14 ڈویژن۔ فیروز پور جلال آباد (اجنالہ اور فتح گڑھ کے علاقے میں تین میں سے ایک بریگیڈ)

(ای) 14 انڈیپنڈنٹ آرمرڈ بریگیڈ اجنالہ۔ فتح گڑھ ریزرو)

(ایف) 67 انڈیپنڈنٹ بریگیڈ۔ فاضلکا (ایک آرمرڈ رجمنٹ کے ساتھ)

(جی) 163 بریگیڈ ابوہر۔

(ایچ) 51 انڈین پیرا بریگیڈ۔ صورت گڑھ۔ انوپ گڑھ۔

(آئی) سابق فوجیوں کا ایک انڈیپنڈنٹ آرٹلری بریگیڈ گروپ۔

(جے) تمام سرحد کے ساتھ بی ایس ایف کی کئی بٹالینیں۔

بھارتی فضائیہ اپنے اڈوں پٹھان کوٹ' احمد پور' امرتسر' ہلواڑہ' انبالہ اور سرسہ سے اپنی فوج کی بھرپور مدد کرسکتی تھی۔

جب حملہ شروع ہوا تو کور 4 نے کور 2 کے ساتھ مل کر کارروائی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی 105 اور 25 بریگیڈ بڑا حملہ شروع ہونے سے پہلے کور 2 کی کمانڈ میں آگئی تھی۔ بڑا حملہ شروع ہونے کے بعد کور 4 خود جڑواں نہروں کے مغرب میں فیروز پور' جلال آباد' ملکا سار کے علاقے میں حملے کے لئے چلی گئی۔ اس طرح دشمن کے علاقے پر قبضہ کرنے کی کارروائی کی ذمہ داری بھی کور 2 پر عائد ہوگئی۔

بڑے حملے کی منصوبہ بندی میں اہم کردار ادا کرنے کے نقطہ نظر سے کور 4 کو 2 دسمبر کو ڈی ڈے سے آگاہ کیا گیا اور اس کی جانب سے حملہ کرنے کے لئے 6 بجے کا وقت منتخب کیا گیا۔ ڈویژن اور 105 انڈیپنڈنٹ بریگیڈ کو 3 دسمبر کو 3 بجے آگاہ کیا گیا کہ وہ اپنے مقاصد کے لئے طے شدہ وقت پر حملے کریں گے۔ بریگیڈ 212 کو اگلے روز طلوع آفتاب کے ساتھ اپنا دفاع مکمل کرنے کی ہدایت کی گئی جبکہ وہ اس علاقے میں کچھ ہی دیر پہلے پہنچی تھی۔ بریگیڈ 25 کو مزید احکامات ملنے تک حملہ نہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔

3 دسمبر کو 6 بجے حملہ ہوا ماسوائے 10 ڈویژن کی 88 بریگیڈ کے جسے احکامات تاخیر سے ملے تھے پھر وہ 8 بجے حملے میں شریک ہوئی 4 دسمبر کی صبح کور نے شدید مزاحمت کے باوجود دریائے راوی کے پار دوسی بند' واہگہ اور برکی سیکٹرز میں کچھ دیہات' حسینی والا ہیڈ ورک کا کنارہ اور قلعہ قصر ہند سمیت حسینی والا کے کچھ حصے پر قبضہ کرلیا۔ بریگیڈ 105 نے پکا سمیت اپنے علاقے کے متعدد دیہات پر قبضہ کرلیا اور کم و بیش پہلی رات کے دوران ہی اپنا مشن پورا کرلیا۔

دشمن اگلے دو روز تک تمام سیکٹرز میں اپنے علاقوں پر دوبارہ قبضے کے لئے کوششیں کرتا رہا لیکن جوابی حملے پسپا کردیئے گئے اور ڈویژن 105 نے دیہات پل کانجری پر قبضہ کرلیا اور ڈویژن 11 نے حسینی والا کا بقیہ حصہ بھی قبضہ میں لے لیا۔ (تقریباً سات اسکوائر میل) جبکہ بریگیڈ 105 نے خانیوالا گاؤں سمیت مزید کامیابیاں حاصل کیں۔ اس سیکٹر کے تقریباً 40 اسکوائر میل کے علاقے پر قبضہ کیا گیا۔ لیکن اسی اثناء میں دشمن نے دفاعی نقطہ نظر سے باہر نکلے ہوئے علاقے شاجرا پر قبضہ کرلیا (25 اسکوائر میل) جس پر 6 دسمبر 1971ء کو رینجرز کا معمولی سا قبضہ تھا اور ہماری فوج کو دریا پار دوسی بند سے پیچھے دھکیل دیا۔ بہرکیف بریگیڈ 105 نے ایک اور گاؤں گورکھ کھیڑا پر قبضہ کرلیا۔ ہماری فوج حسینی والا سب سیکٹر سے مزید آگے پیش رفت نہیں کرسکی کیونکہ بھارتی فوج نے اپنی جانب کے پل کے آخری حصے کو اڑا دیا تھا۔

اس کے بعد 4 کور کا محاذ مستحکم ہو گیا چونکہ دشمن پر بڑا حملہ نہیں کیا گیا تھا اور بھارتی فضائیہ نے 4 کور کے علاقے پر مسلسل حملوں کے ذریعے ریلوے' مواصلات' فوجی ٹرینوں' کنال ہیڈورکس اور سڑکوں کو ملانے والے پلوں کو خاصا نقصان بھی پہنچایا تھا' دشمن کی جانب سے' شدید جوابی حملے کئے گئے تھے جن کی مدد سے وہ دریائے ستلج کے پار 212 بریگیڈ کے علاقے میں' رینجرز کی کچھ چوکیوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا؛ تاہم 15 دسمبر کو دشمن کی جانب سے گورکھ کھیڑا پر دوبارہ قبضے کی کوشش کو' 105 بریگیڈ نے مکمل طور پر ناکام بنادیا۔ 4 کور نے 88 بریگیڈ ایریا میں شاہدرہ کے شمال میں خاصی بڑی تعداد میں فوجی ساز وسامان کا ذخیرہ کر رہا تھا اور دریائے راوی کے پار مقبول پور کے علاقے میں دشمن پر بڑے حملے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔

4 کور نے تفویض کئے گئے تمام منصوبے کامیابی کے ساتھ مکمل کر لیے؛ تاہم وہ دریائے ستلج کے پار' اپنے بٹالین گروپ کو نہ اتار سکی جس کے نتیجے میں فیروز پور اور جلال آباد کے درمیان' مواصلاتی رابطے منقطع کئے جاسکتے تھے۔ اپنے جارحانہ اقدام اور پیش قدمی کے نتیجے میں وہ ابتدا ہی سے کامیابی حاصل کرتی جارہی تھی جسے اس نے جنگ بندی تک برقرار رکھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے ان اقدامات کی بدولت ہی دشمن کی محفوظ افواج اپنے ہی علاقے تک محصور ہو کر رہ گئی تھیں کیونکہ بھارت کا آرمرڈ ڈویژن 14 انڈیپنڈنٹ آرمرڈ بریگیڈ اور 14 ڈویژن ان دنوں کے دوران کوئی اہم اور قابل ذکر کردار ادا نہیں کر سکا حالانکہ ایک آرمرڈ ڈویژن سلیمانکی برج ہیڈ کی توسیع کے موقع پر اپنے ردعمل کا اظہار کر سکتا تھا۔

4 کور اپنی ان کامیابیوں کے نتیجے میں اس قدر پر اعتماد ہو چکی تھی کہ اس نے جنرل ہیڈ کوارٹر کو تجویز پیش کی کہ ایک نئے حملے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے ہر یکے ہیڈ ورکس اور دریائے بیاس کے آگے کے علاقے پر کھیم کرن کے برج ہیڈ کے راستے قبضہ کر لیا جائے۔ جنرل ہیڈ کوارٹر کے لیے یہ تجویز خاصی پر کشش تھی تاہم اسے مسترد کر دیا گیا اور پہلے سے بنائے گئے منصوبے پر ہی عمل درآمد کیا گیا۔

جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے' یہ تذبذب کی ایک اور مثال ہے جس کا مظاہرہ بڑے حملے کے سلسلے میں فوج کی ہائی کمانڈ کی جانب سے کیا گیا تھا حالانکہ اس حملے کی منصوبہ سازی میں کئی ماہ صرف ہوئے تھے جس پر عمل درآمد کر لیا جاتا تو متبادل اور محدود نوعیت کے

منصوبوں پر غور کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

یہ واحد علاقہ تھا جس میں تمام آپریشن کم وبیش منصوبہ بندی کے عین مطابق کئے گئے تھے اور کور نے تفویض کردہ مشن کامیابی کے ساتھ مکمل کر لیے تھے تاہم یہ خیال کہ کور اس سے بھی زیادہ بڑی کامیابی حاصل کر سکتی تھی' دشمن کی جانب سے متوقع ردعمل کے پیش نظر کافی مشکوک تھا! بہرکیف اس بات میں بھی کوئی وزن نہیں ہے کہ کور 4 کو ہائی کمانڈ نے مزید پیش قدمی کرنے سے روک دیا تھا تاہم ہمارے پاس اس کے کوئی واضح شواہد موجود نہیں جیسا کہ عام طور پر کہا جارہا تھا کہ کور 4 بھارتی علاقوں فیروز پور' کھیم کرن' امرتسر اور چند دیگر علاقوں پر قبضہ کر سکتی تھی؛ جنگ کی مجموعی منصوبہ بندی کے پیش نظر' کور 4 ایک بڑی غلطی کا ارتکاب کرتی اگر وہ 2 کور کی مدد کے بغیر تنہا ہی اس بڑے آپریشن کو اپنے طور پر انجام دیتی۔

سندھ سیکٹر

یہ اٹھارویں ڈویژن کی ذمے داری کا علاقہ تھا جو بہاول پور ڈویژن کے جنوبی حصے سے شروع ہو کر دریائے سندھ کے مشرق تک پھیلا ہوا ہے اور سات سو پچاس میل کے سرحدی علاقے پر مشتمل ہے۔ یہ ایک نہایت دشوار گزار علاقہ ہے جو صحرائے تھر سے لے کر سندھ' بہاول پور کے مشرقی علاقوں سے' بھارتی صوبے راجھستان تک پھیلا ہوا ہے۔ جنوب کی طرف' یہ سرحدی علاقہ متوازی انداز میں سندھ کو رن آف کچھ سے علیحدہ کرتا ہے۔ فوجی آپریشن کے نقطہ نظر سے اس لق ودق صحرائی علاقے اور رن آف کچھ دونوں میں وسیع پیانے پر فوجی نقل وحرکت بے حد دشوار ہے خاص طور پر ہلکی گاڑیوں کے لیے کیوں کہ اس صحرائی علاقے میں پکی سڑکوں کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

تاہم فوجی حکمت عملی کے اعتبار سے یہ علاقہ بھی خاصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ہماری اہم مواصلاتی لائن یعنی ڈبل ٹریک ریلوے اور مغربی پاکستان کی واحد بندرگاہ کراچی کو جانے والی نیشنل ہائی وے' جو اسے ملک کے دیگر حصوں سے ملاتی ہے اور مشرقی جانب سے دریائے سندھ کے متوازی واقع ہے۔ سکھر اور رحیم یار خان ضلعوں کے علاقوں سے دشمن بآسانی یہاں داخل ہو سکتا ہے۔ ریتی ریلوے اسٹیشن' سرحد سے تقریباً پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اس علاقے کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اور یہاں سے گزرنے والی مواصلاتی لائنوں کی غیر معمولی

اہمیت' ملکی معیشت اور جنگی کاوشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے' اٹھارویں ڈویژن کو سونپے گئے مشن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کے علاقے کا ہر ممکن تحفظ کرتے ہوئے بالخصوص اہم مواصلاتی لائنوں کے دفاع کو یقینی اور مؤثر بنائے۔ عام طور پر یہ دیگر فارمیشن ہی کی طرح تھا کہ اگر حالات موافق ہوں تو دشمن کے علاقے تک جنگ کو لے جانے کی تیاریاں بھی مکمل رکھی جائیں اس مشن کے مطابق' اس ڈویژن کو تفویض کردہ فرائض کی تفصیل یوں تھی......

(1) فوجی اعتبار سے' حتمی الامکان ذمے داری کے علاقوں کا دفاع کرنا:۔

(2) درج ذیل علاقوں کو دشمن کی پہنچ سے باہر رکھنا:۔

(الف) ریتی......رحیم یار خان (روہڑی اور رحیم یار خان کے درمیان مواصلاتی رابطوں کا ہر قیمت پر دفاع)۔

(ب) کھوکھراپار:

(ج) رحیکے بازار (رن آف کچھ کی سرحد پر)

(3) مختلف سیکٹرز میں پیش قدمی کے ذریعے دفاع کی پوزیشن کو بہتر بنانا۔

(4) جارحانہ اقدامات کے ذریعے' دشمن کی کمزور دفاعی پوزیشنوں کا فائدہ اٹھانا۔

(5) ڈویژنل علاقوں میں' آرمی ریزروز کی تعیناتی کے لیے مواقع فراہم کرتے ہوئے' ان کی جانب سے حملوں کی مضبوط بنیادوں کو یقینی بنانا!

حالانکہ' اس ڈویژن کو محض ایک دفاعی کردار ہی سونپا گیا تھا' اس کے باوجود اس نے بھارتی علاقے رام گڑھ پر ایک بڑے حملے کے ذریعے قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ' راجستھان کے علاقے جیسلمیر کی طرف پیش قدیم کی منصوبہ بندی بھی کر لی تھی۔ اٹھارواں ڈویژن' بنیادی طور پر ایک معیاری انفنٹری ڈویژن ہے جو T-59 آرمرڈ ٹینک رجمنٹ پر مشتمل ہے تاہم اس کی تحویل میں وسیع ذمے داری کے علاقوں کے پیش نظر مندرجہ ذیل اضافی ریزرو بھی شامل ہیں:

(1) شرمن ٹینکس پر مشتمل' ایک نوتشکیل شدہ' آرمرڈ رجمنٹ:

(2) 9 مجاہد بٹالین:

(3) 36 اور MM-85 کی ٹینک شکن توپیں:

(4) سرحد پر متعین ویسٹ پاکستان رینجرز کے چار ونگز:

(5) 2 ہزار حروں پر مشتمل لشکر:

اسے واحد فضائی معاونت' کراچی کے مسرور بیس یا پھر جیکب آباد کے فضائی اڈے سے ہی فراہم ہو سکتی تھی' بشرطیکہ وہ متحرک ہوتا۔

اس فورس کے مقابلے میں' بھارت کے پاس' دو انفنٹری ڈویژن تھے جن میں سے ایک بارمیٹر رن آف کچھ کے علاقے اور دوسرا جیسلمیر رام گڑھ کے علاقے میں اپنے اپنے آرمرڈ رجمنٹس کے ساتھ موجود تھے۔ ان کے علاوہ' بھارت کے پاس اس کی جنوبی کمان کے تحت ایک تیسرا ڈویژن اور ایک انڈیپنڈنٹ آرمرڈ بریگیڈ بھی تھا جس کا تعلق آرمی ریزروز سے تھا جنہیں ریتی' رحیم یار خان سیکٹر میں بھارت کی جانب سے کسی جارحانہ اقدام کے نتیجے میں استعمال کیا جانا تھا۔ بھارت کے پاس بارہ بی ایس ایف بٹالین ایک پیرا کمانڈو بٹالین اور دو کیمل بٹالین مزید جنوبی کمان کے تحت تھیں جہاں تک ضروری فضائی معاونت کا تعلق ہے تو وہ بھارتی فوج کو جیسلمیر' انزلائی' جودھپور' بھج اور جام نگر کے فضائی اڈوں سے مکمل طریقے سے فراہم کی جا رہی تھی۔

پاکستانی افواج کے مجموعی جنگی پلان کے مطابق اٹھارویں ڈویژن کو ایک مؤثر دفاعی کردار تک ہی محدود رکھا گیا تھا چنانچہ اس کی جانب سے دشمن پر کسی بڑے حملے کا کردار جنگی پلان میں شامل نہیں تھا کیونکہ اس ڈویژن کی ذمہ داری کے علاقے میں دشمن کے علاقے کا حصول ہماری مواصلاتی لائنوں میں تو گہرائی پیدا کر دیتا؛ تاہم اس سے فوج کے اصل منصوبے کی مادی پیش رفت میں کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس ڈویژن کے پاس ایسی مناسب گاڑیاں بھی نہیں تھیں جن کی مدد سے وہ صحرا میں کوئی بڑی جنگ لڑ سکتا۔ اس کے فارمیشن اور یونٹس' مناسب طور پر تربیت یافتہ نہیں تھے اور انہیں صحرائی جنگ کا بھی کوئی تجربہ یا تربیت حاصل نہیں تھی۔

اس ڈویژن کے دفاعی منصوبے کے مطابق اس کی فارمیشن کا ایک خاصا بڑا حصہ' شمالی سیکٹر میں رکھا جانا تھا جب کہ جنوبی سیکٹر کے لیے صرف ایک بریگیڈ اور ایک اضافی بٹالین رکھی گئی تھی۔ یہ منصوبہ بھی تھا کہ اہم دفاعی پوزیشنیں ''گرین بیلٹ'' پر لی جائیں گی یعنی شمالی اور جنوبی سیکٹر میں نہروں کے ذریعے آب پاشی والے علاقوں کے دہانوں پر جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے اہم دفاعی مقامات شمال سیکٹر میں' سرحد کے آٹھ دس میل اندر جب کہ وسطی سیکٹر میں سرحد سے پچیس سے تیس میل کے فاصلے پر تھے' اہم دفاعی پوزیشنوں اور سرحد کے درمیان واقع علاقوں کا دفاع رینجرز' مجاہد اور حر لشکر کے ذمہ تھا جب کہ باقاعدہ فورسز کی تعداد نہ ہونے کے

برابر تھی اس طرح جنوبی سیکٹر میں جس کے دفاع کے لئے صرف ایک باقاعدہ انفنٹری بٹالین موجود تھی' اہم دفاعی پوزیشنیں رحیکے بازار کے اردگرد واقع تھیں تاکہ بدین میں دشمن فوج کو داخل ہونے سے روکا جاسکے جب کہ بقیہ سرحدی علاقے کو رینجرز اور مجاہدین کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

اس ڈویژن کا جارحانہ حملے کا منصوبہ اچانک ہی تیار کیا گیا تھا جنرل ہیڈ کوارٹر کا کہنا ہے کہ اس منصوبے کی تفصیلات کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا کیونکہ اس مقصد کے لیے چیف آف اسٹاف کی پیشگی منظوری ضروری تھیں۔ شاید یہی سبب ہے کہ اس قسم کی جارحانہ منصوبہ بندی کی غرض سے ضروری رابطوں کے طریقہ کار کی تکمیل نہیں کی گئی تھی۔ کوارٹر ماسٹر جنرل نے شکایت کی کہ اس منصوبہ بندی کے دوران اسے اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا۔ اسی قسم کی شکایت فضائیہ کے سربراہ نے بھی کی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہ سرے سے منصوبے کا حصہ ہی نہیں تھا؛ تاہم اٹھارویں ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کا کہنا ہے کہ یکم دسمبر 1971ء کو جنرل ہیڈ کوارٹرز نے ضروری جانچ پڑتال کے بعد اس منصوبے کی منظوری دے دی تھی بلکہ اس نے 2 دسمبر 1971ء کو اس جارحانہ منصوبے کو عملی شکل دینے کے رسمی احکامات بھی جاری کر دیئے تھے۔

''آپریشن لبیک'' نہایت عجلت میں کی گئی ناقص منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا

یہ آپریشن جسے ''آپریشن لبیک'' کا نام دیا گیا تھا' نہایت عجلت میں کی گئی ناقص منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا جس پر یہ ڈویژن مکمل طور پر عمل درآمد کے سلسلے میں دشواریاں اور مشکلات ابتدا ہی سے محسوس کی جارہی تھیں کیونکہ مطلوبہ ٹرانسپورٹ کی عدم دستیابی مناسب لاجسٹک ذرائع کا فقدان فضائیہ سے کسی بھی قسم کا رابطہ نہ ہوتا حتی کہ جس علاقے میں جنگ لڑی جانی تھی' اس کے بارے میں بھی کسی قسم کی ضروری معلومات حاصل نہیں کی گئی تھیں...... اس کے علاوہ یہ آپریشن چوبیس گھنٹوں کی تاخیر سے شروع کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا جن دوسرے محاذوں پر جنگ شروع ہو چکی تھی وہاں بھارتی فضائیہ پہلے ہی حرکت میں آچکی تھی چنانچہ جونہی ڈویژن کا 51 بریگیڈ کالم دشمن کے علاقے میں داخل ہوا' بھارتی فضائیہ نے اس پر شدید حملے شروع کردیئے جس کے نتیجے میں اس کے سترہ اٹھارہ ٹی۔59 ٹینکس تباہ ہوگئے' کھلے صحرا میں کسی فضائی معاونت کے موجود نہ ہونے کے سبب نہ صرف یہ ٹینک بھارتی فضائیہ کے طیاروں کا

آسانی نشانہ بن گئے بلکہ پاکستانی افواج بھی منتشر ہوکر پسپا ہونے پر مجبور ہوگئیں۔ 6 دسمبر کی صبح جنرل آفیسر کمانڈنگ نے خود ہیلی کاپٹر کے ذریعے وہاں پہنچنے کی کوشش کی تاہم بھارتی فضائیہ کی جانب سے کئے جانے والے شدید حملوں کے پیش نظر انہیں واپس آنا پڑا۔ اسی اثنا میں بھارتی فوجوں نے جوابی حملہ شروع کر دیا جس کے بعد جنرل ہیڈ کوارٹر نے نہایت عجلت میں اٹھارویں ڈویژن کو احکامات جاری کئے کہ فوجی طور پر پسپائی اختیار کرتے ہوئے گرین بیلٹ کے علاقے میں واقع دفاعی پوزیشنوں پر واپس آجائے۔ جنرل آفیسر کمانڈنگ کے بجائے دوسرے افسر کو روانہ کیا گیا جس نے دس دسمبر کو فورسز کی ازسرنو تشکیل کرتے ہوئے چند معمولی سی تبدیلیوں کے بعد انہیں دفاعی پوزیشنوں پر تعینات کر دیا۔

اس اقدام کے نتیجے میں دشمن نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے' جنوب کی طرف مزید پیش قدمی کرتے ہوئے' سرحد اور دفاعی پوزیشنوں کے درمیان واقع بڑے علاقے پر قبضہ کرلیا' دس دسمبر کو دشمن نے ہمارے اہم دفاعی مورچوں تک پہنچنے کی کوشش کی جس میں رحیکے بازار کا علاقہ شامل تھا' جس نے جنرل ہیڈ کوارٹر کو شدید پریشانی میں مبتلا کر دیا کیونکہ اس ڈویژن کی مدد کرنے والے محفوظ فوجی دستے شمالی سیکٹر میں موجود تھے جن کے سبب وہ جنوبی اور وسطی سیکٹرز میں اس اکیلے بریگیڈ کو کسی قسم کی مدد فراہم کرنے سے قاصر تھا۔

اہم مواصلاتی رابطوں کو سنگین خطرہ لاحق ہو چکا تھا' چنانچہ جنرل ہیڈ کوارٹر نے فیصلہ کیا کہ علاقے میں مزید کمک روانہ کی جائے۔ 33 ڈویژن کو جو 2 کور کا حصہ تھا' منتشر کر کے ایک بریگیڈ گروپ' ریتی' رحیم یار خان اور (دو بریگیڈ گروپ کو علیحدہ کر کے) ایک ڈویژن چور' کچھ سیکٹر کو روانہ کر دیا گیا' جس کے بعد 55 بریگیڈ کے تحت علاقہ 33 ڈویژن کی ذمہ داری کا علاقہ بن گیا اور اٹھارہ ڈویژن کو صرف شمالی سیکٹر کی ذمہ داری سونپ دی گئی' چور سیکٹر پہنچنے میں 33 ڈویژن کو دو تین دن لگ گئے کیونکہ دشمن ہماری مواصلاتی لائنوں اور تنصیبات پر شدید حملے کر رہا تھا تاہم وہاں پہنچنے کے بعد اس نے اپنی پوزیشن مستحکم کرلی کیونکہ خوش قسمتی سے دشمن کی زمینی افواج نے سنجیدگی سے کوئی ایسی کوشش نہیں کی تھی جس کے ذریعے وہ ہماری دفاعی پوزیشنوں پر حملہ کر دیتا اگر وہ ایسا کرتا تو نتائج کافی حد تک سنگین بھی ہو سکتے تھے...... کمک پہنچنے کے بعد 33 ڈویژن ابھی ان تیاریوں میں مصروف تھا کہ دشمن سے چھینا ہوا علاقہ واپس حاصل کرلیا جائے کہ اسی اثنا میں ، جنگ بندی کا اعلان ہوگیا تاہم یہ ڈویژن دشمن کے قبضے سے خاصا بڑا علاقہ واپس

لینے میں کامیاب ہوگیا جو یا تو اس نے خالی کر دیا تھا یا جس پر جنگ بندی کے بعد اس نے قبضہ کر لیا تھا......

کراچی سیکٹر

مغربی پاکستان کی دفاعی پلاننگ میں یہ سیکٹر ٹھٹھہ' کھوبر' سونمیانی کے درمیان ایک تکونی پر مشتمل تھا' خیال کیا جا رہا تھا کہ اس علاقے کو سمندر کی سمت سے زیادہ خطرہ ہے اس لیے اس سیکٹر کا سمندر کی جانب سے دفاع کا ابتدائی ٹاسک پاکستانی نیوی اور فضائیہ کے سپرد کیا گیا۔ یہ محسوس کیا گیا تھا کہ نیوی کے غیر مؤثر ہونے اور دشمن کی جانب سے کمانڈو طرز کے چھوٹے گروپ حملے کی غرض سے زمین پر اتارنے کی کوشش کی صورت میں فوج اپنا کردار ادا کرنے آئے گی' اس لیے فوجی نقطہ نظر سے اس علاقے کا دفاع کم اہمیت کا حامل تھا اسی لیے ایک ریگولر انفنٹری بٹالین اور ایک نیشنل سروس بٹالین ایک بریگیڈیئر کے ماتحت کر کے اسے ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔ اس سے یہ توقع تھی کہ وہ انتہائی ایمرجنسی کی صورت میں مقامی اسٹیبلشمنٹ میں موجود بحریہ' فضائیہ اور بری فوج کے ان ریگولر سپاہیوں سے بھی استفادہ کر سکتا ہے جو اپنے کام سے فارغ ہوں اس کے علاوہ 14 مجاہد کمپنیاں 3 اینٹی ایئر کرافٹ مجاہد کمپنیاں اور سول پولیس اور رضا کار بھی موجود تھے۔

کراچی سیکٹر کے کمانڈر کو دفاعی نقطہ نظر سے کمزور مقامات کے تحفظ' پیرا لینڈنگ یا حملے کے ممکنہ مقامات کے استعمال پر مزاحمت اور اگر ضرورت ہوئی تو ایک قلعے کی حیثیت سے کراچی شہر اور اس سے ملحقہ علاقوں کے مقامی دفاع کے لیے ہدایت اور رابطے کو یقینی بنانے کا ٹاسک دیا گیا تھا۔ بہرحال اس کا بنیادی کام علاقے کی داخلی سلامتی پر نظر رکھنا اور دشمن کے ایجنٹوں یا سبوتاژ کرنے والوں کی طرف سے مداخلت کے خلاف کراچی شہر میں آنے والے مواد کا تحفظ کرنا تھا۔

جب اس علاقے میں واقعات رونما ہوئے تو دشمن کراچی پر پہلی بار فضائی اور دوسری بار سمندر سے حملے کے لیے متوجہ ہوا مگر اس دوران فوج نے کچھ زیادہ کارروائی نہیں کی' جب ہم فضائی اور سمندری جنگ کا تذکرہ کریں گے تو ہم اسے علیحدہ علیحدہ زیر بحث لائیں گے' دشمن نے زمینی حملہ کرنے یا اپنے فوجیوں کو زمین پر اتارنے کی کوشش نہیں کی' کراچی سیکٹر کے کمانڈر نے

اپنے دستیاب محدود وسائل کے ساتھ کمزور مقامات کا تحفظ کیا اور مواصلاتی لائنوں کو کھلا رکھا اگرچہ سمندر سے میزائل داغنے اور فضا سے شدید بمباری کے باوجود جنگ کے دوران اس سیکٹر میں بڑی تنصیبات سبوتاژ نہیں ہوئیں۔

آرمی ریزرو

ہم مغربی پاکستان میں فوجی کارروائیاں بیان کرنے سے قبل کچھ آرمی ریزرو کے اس کردار کے بارے میں بھی کہیں گے جو ان کارروائیوں میں ان کی جانب سے ادا کئے جانے کی توقع تھی اور ان ریزرو کے آپریشنل پلان پر عمل درآمد کیوں نہیں ہو سکا۔

ریزرو بنیادی طور پر علاقے پر قبضہ برقرار رکھنے اور دوران جنگ آزادی عمل کے لیے مجموعی توازن برقرار رکھنے کے لیے قائم کی گئی تھی تاکہ دوسری فورسز کسی علاقے پر قبضہ کریں تو وہ اسے برقرار رکھیں اور اگر دشمن کسی علاقے پر قبضہ کرے تو اس سے بزور طاقت حاصل کر لیں' دفاع کے طور پر دشمن کے رکنے کے بعد اپنے منتخب علاقے میں دشمن کی فوجوں کو تباہ کرنے یا بڑے علاقے پر دوبارہ قبضے کی غرض سے جوابی حملے کئے اور جس سیکٹر کو خطرہ ہو وہاں ان ریزرو کو تعینات کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا' جارحانہ کردار ادا کرنے کے لیے ریزرو فورس دشمن کے علاقے میں گھس کر حساس علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے استعمال کی جا سکتی تھی تاکہ دشمن کی فورس کو تباہ یا غیر متوازن کیا جا سکے' ان مقاصد کے لیے آرمر کو ریزرو کا لازمی حصہ ہونا ضروری ہے لیکن آرمر اس وقت تک آزادانہ طور پر کام نہیں کر سکتی جب تک اسے اس مقصد کے لیے انفنٹری کی سپورٹ حاصل نہ ہو۔

کوئی بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اٹھارویں ڈویژن کا یہ منصوبہ فوجی نقطہ نظر سے ناقص اور بڑی افراتفری میں تشکیل دیا گیا تھا جسے بالآخر ناکامی سے دوچار ہونا ہی تھا۔ یہ بات تعجب خیز ہے کہ اس قسم کے آپریشنل پلان کو جنرل ہیڈ کوارٹر نے بھی بغیر کسی چھان بین اور جانچ پڑتال کے منظور کر لیا......! یہ وضاحت کہ' چونکہ اس پلان کی منظوری چیف آف دی اسٹاف سے حاصل کر لی گئی تھی' جس کے بعد کسی تنقیدی جائزے یا تجزیئے کی قطعاً ضرورت نہ تھی' کسی صورت میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ جنرل ہیڈ کوارٹر کی جانب سے کسی بھی منصوبے کی منظوری دیئے جانے کا عام طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسے جنرل آفیسر کمانڈنگ پیش کرتا ہے جس کے بعد اس پر

ضروری بحث ومباحثہ کرتے ہوئے تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے اور اتفاق رائے ہونے کے بعد ہی اسے بالآخر منظوری دی جاتی ہے...... جنرل آفیسر کمانڈنگ نے ہمیں یہ تاثر دیا ہے کہ یہ منصوبہ چیف آف اسٹاف کی جانب سے ان پر زبردستی مسلط کیا گیا تھا چنانچہ انہیں اپنی مرضی کے خلاف اس پر عمل درآمد کرنا پڑا' صرف اس لیے کہ ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتے ہوئے کسی بھی قسم کا خطرہ مول لیتے تاہم جنرل ہیڈ کوارٹر اور دیگر افسران نے جنرل آفیسر کمانڈنگ کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے ان پر الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے منصوبے پر عمل کیا جسے بہرصورت ناکام ہونا تھا' اگر ایسا ہی تھا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جنرل ہیڈ کوارٹر نے اس منصوبے کو منسوخ کیوں نہیں کر دیا جب کہ اس کی تمام تر خامیاں اور نقائص اس کے آغاز سے ایک دن قبل ہی واضح ہو کر سامنے آ چکے تھے' شروع ہی سے اس منصوبے کی ناکامی کے تمام تر آثار اور وجوہات ظاہر ہو چکی تھیں جن میں مطلوبہ ٹرانسپورٹ کی عدم دستیابی اور دیگر لاجسٹک مسائل شامل تھے جو اس بات کی بخوبی نشاندہی کرتے تھے کہ یہ منصوبہ کسی بھی طور کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا لہٰذا ہم اس بات کو کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتے کہ جنرل ہیڈ کوارٹر کو اس پورے معاملے سے قطعاً بری الذمہ قرار دے دیا جائے......

اس کے علاوہ گرین بیلٹ کے علاقوں میں اپنی دفاعی پوزیشنوں کا قیام بھی ہمارے لیے باعث حیرت ہے' خاص طور پر اس لیے بھی کہ یہ علاقہ ہماری سرحدوں سے خاصا اندر کی طرف واقع ہے اپنی دفاعی پوزیشنوں کو سرحد سے اتنی دور کیوں قائم کیا گیا جب کہ 1965ء کی جنگ کے دوران ہماری اہم دفاعی پوزیشنیں سرحد سے کافی نزدیک تھیں ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرحد سے اتنی دور اندر کی طرف دفاعی پوزیشنوں کے قیام اور سرحد کی حفاظت کے لیے نیم تربیت یافتہ رینجرز' مجاہد اور حر لشکر پر انحصار کر کے ہماری فوج نے انتہائی سنگین خطرے کو دعوت دی تھی کیونکہ چھینے گئے علاقے کی اہمیت سے قطع نظر' اس کے نتیجے میں ہماری مواصلاتی لائنیں اور تنصیبات دشمن کے زمینی حملوں کی زد پر آسانی سے آ سکتی تھیں اور وہ انہیں غیر مؤثر بنا سکتا تھا۔

فوج صحرائی جنگ لڑنے کے فوجی ساز وسامان سے محروم تھی

یہ واقعہ بھی ہمارے لیے پریشانی کا باعث ہے کہ ہمارے سرحدی علاقوں کا ایک بڑا حصہ ریگستان پر مشتمل ہے جب کہ ہماری فوج صحرائی جنگ لڑنے کے لیے مطلوبہ تربیت اور

ضروری فوجی ساز وسامان سے بھی یکسر محروم ہے۔

جیکب آباد کے فضائی اڈے کو متحرک کرنے کے حوالے سے پیدا ہونے والا کنفیوژن بھی خاصا تشویش انگیز ہے ہمیں اس کا کوئی سبب نظر نہیں آتا کہ اس اگلے فضائی اڈے یا اوکاڑہ کے نوتعمیر شدہ اڈے کو جارحیت کے آغاز سے قبل ہی متحرک کیوں نہیں کیا گیا؟ یہ کہنا تا کہ جارحیت کے آغاز کے بعد بھی اگر ضرورت ہوئی تو ان فضائی اڈوں کو متحرک کرنے کے لیے خاصا وقت موجود تھا' اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ ہمارے جنگی منصوبہ سازوں نے اس سلسلے میں انتہائی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اس کے باوجود پاکستان آرمی کبھی بھی ایک موزوں ریزرو فورس رکھنے کے قابل نہیں رہی' 1965ء کی جنگ میں اس کی افسوسناک کارکردگی نمایاں ہو کر سامنے آئی' اس کے بعد صورت حال کو بہتر بنانے کی کوششیں کی گئیں لیکن 1970ء کے وسط تک آرمی ریزرو صرف ایک آرمرڈ ڈویژن اور ایک انفنٹری ڈویژن پر مشتمل تھی' 1970ء میں ایک مزید اسٹڈی کے بعد ریزرو کی تنظیم نو کی گئی اور آرمی ریزرو کے حسب ذیل 2 آرمرڈ ڈویژن اور 3 انفنٹری ڈویژن گروپ تک بڑھائے گئے۔

ریزرو اے: 6 آرمرڈ ڈویژن بشمول 9 انفنٹری ڈویژن' آرمی ریزرو (نارتھ)

ریزرو بی: ایک آرمرڈ ڈویژن پر مشتمل 2 کور بشمول 16 انفنٹری ڈویژن۔

ریزرو سی: 7 انفنٹری ڈویژن

بعد ازاں ساتویں ڈویژن کو علیحدہ رکھا گیا تا کہ وہ ریزرو نارتھ یا ریزرو ساؤتھ کو سونپے گئے کاروائی کے مقاصد کے مطابق کسی ایک کے ساتھ شریک ہو سکے۔

جولائی 1971ء تک دشمن کا مجموعی توازن بگاڑنے کے نقطہ نظر سے آرمی ریزرو فارمیشن کا کردار محدود کر دیا گیا کہ آیا وہ بڑے علاقے پر دوبارہ قبضے کے لیے جوابی حملہ کرے' بڑے دریاؤں کے پار دشمن کے برج ہیڈ ختم کرے اور اہم دفاعی لائنوں کو بحال کرے یا بھارتی علاقے میں محدود خطوں پر قبضے کے لیے متعدد جوابی حملے کرے' اس مقصد کے لیے دریائے راوی کے شمالی علاقے میں عمومی طور پر آرمی ریزرو نارتھ کو اور جنوب کی جانب کے علاقوں میں کور 2 کو استعمال کیا گیا۔

مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات کے نتیجے میں 9 ویں اور 16 ویں

ڈویژنوں کو کم آرٹلری کے ساتھ مشرقی پاکستان بھیجا گیا اور ان کی جگہ نئی 17 ویں اور 33 ویں ڈویژنوں کو قائم کیا گیا۔ نئی ڈویژنوں کو کور 2 کے سپرد کیا گیا لیکن بعد والی ڈویژن کو ابتدائی طور پر دریائے چناب کے شمال یعنی دریائے توی تک استعمال کیا گیا جس کے بعد اسے کمانڈر انچیف کی فائنل ریزرو کے طور پر شیخوپورہ لایا گیا۔

133- جولائی 1971ء کے بعد جب مشرقی پاکستان پر بھارتی حملے کا امکان بڑھا تو مغربی پاکستان سے بھارتی علاقے میں زبردست جوابی حملے کی منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس کی گئی لیکن قابل ذکر غور وخوض کے بعد صرف دو متبادل منصوبے بنائے گئے لیکن دشمن کی فوج کی تعیناتی اور اس کی ریزرو کے مقام پر انحصار کر کے صرف ایک منصوبے پر عمل درآمد کیا گیا پہلے منصوبے کو ''آپریشن گرے والف'' کا نام دیا گیا جس کے تحت اکھنور' جموں' کھیتو' باسائی' رام کوٹ علاقے پر حملے کے لیے غور کیا گیا' اس کا مقصد بھارت سے متنازع ریاست جموں وکشمیر کو جانے والی مواصلاتی لائنوں کو کاٹنا تھا ضروری تھا کہ یہ حملہ کورون کے علاقے دریائے راوی اور چناب کے درمیان سے شروع ہو اس کے لیے ٹاسک نارتھ ریزرو کو سونپ دیا گیا' کور 2 دشمن کے کسی جوابی حملے سے نمٹنے کے لیے دریائے راوی کے دونوں جانب تذبذب کے عالم میں کھڑی رہیں۔

دوسرے منصوبے کو ''آپریشن چنگیز خان'' کا نام دیا گیا جس کا مقصد دریائے ستلج کے جنوب کے بڑے علاقے ابوہار' بھنڈا' لدھیانہ) پر کور 2 کے ذریعے قبضہ کرنا تھا جس کی کمانڈ میں 7 ڈویژن کو بھی دے دیا گیا جب اس علاقے میں حملہ شروع ہوا تو کور 4 کے 2 بریگیڈ گروپ کو بھی کور 2 کی کمان میں دیا گیا نتیجتاً آرمی ریزرو نارتھ کو بھی کور کے ساتھ جا کر ملنا پڑا۔

بعد میں جب اطلاع ملی کہ بھارتی فوج کی نقل وحرکت شروع ہو گئی ہے تو آپریشن گرے ولف پر عمل درآمد رد کر دیا گیا کیونکہ یہ محسوس کیا گیا کہ دشمن نے اپنے آرمر اور انفنٹری کے ریزرو دستے قریب ہی رکھے ہیں تاکہ کسی حملے کو پسپا کرنے کے لئے انہیں استعمال کیا جا سکے' اسی لئے ستمبر 1971ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ دوسرے منصوبے آپریشن چنگیز خان پر عمل کیا جائے اور ساتویں ڈویژن کو مستقل طور پر دوسری کور کی کمانڈ میں دے دیا جائے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو کور ٹ کا اپنا ہیڈ کوارٹر تھا جب کہ شمالی ریزرو کا کوئی ہیڈ کوارٹر نہیں تھا ان کے پاس مربوط آرٹلری اور کور کے دستے بھی نہیں تھے۔ اس کے علاوہ شمالی ریزرو بار

بار کمزور بھی ہوتی رہی تھی کیونکہ اس کے دستوں کو دوسری ڈویژنوں میں کسی خاص مقصد کے لئے اس امید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا تھا کہ جب یہ مقصد پورا ہو جائے گا تو یہ دستے واپس شمال کے آرمی رزرو میں آ جائیں گے۔ اس کی انفنٹری جس کا نام سترھویں ڈویژن تھا نئی بھرتی کی گئی تھی اور اس کی تیاری ابھی زیادہ موثر نہیں تھی۔ اس کے چھ بریگیڈ میں سے صرف 2 موثر تھے۔ تیسرا ابھی کھاریاں میں بھرتی کیا جا رہا تھا اس کی آرٹلری کو ڈویژن 23 کی مدد کے لئے تعینات کیا جا رہا تھا۔ اس طرح شمال کے آرمی ریزرو کی حربی صلاحیت کافی کم ہو گئی تھی اور ایسی صورت میں اسے تنہا کسی بڑے آپریشن کی ذمہ داری نہیں دی جا سکتی تھی لہٰذا حتمی فیصلہ یہ کیا گیا اگر بھارت کی طرف سے مشرقی پاکستان پر حملہ ہوتا ہے تو آپریشن چنگیز خان پر عمل کیا جائے۔ فضائیہ انجینئر اور لاجسٹک کی تفصیلات طے کی گئیں اور عارضی منصوبہ بندی بھی کی گئی جنگ شروع ہونے پر مندرجہ ذیل نقل وحرکت وقوع پذیر ہوئی۔

(a) 3 دسمبر: ساتویں ڈویژن دیپال پور' چونیاں اور ساہیوال کے علاقوں میں پیش قدمی کرنے لگی۔ 475 آرمی انجینئر گروپ نے بھی چک جھمرا سے ساہیوال کے جنوب کی طرف جانے کے لئے نقل وحرکت شروع کر دی۔ 104 بریگیڈ گروپ کی بھی عارف والا' پاک پتن جانے کا حکم دیا گیا۔

(b) 4 دسمبر: کور 2 آرٹلری حویلی' سلیمانکی کی طرف روانہ ہو گئی تاکہ 105 بریگیڈ گروپ کے سلیمانکی برج ہیڈ کی توسیع کے لئے کئے گئے آپریشن میں مدد کر سکے' 124 بریگیڈ خان پورے عارف والا پہنچ گئے۔ ساتویں ڈویژن کے دستے بھی اپنے جمع ہونے کی جگہ پر پہنچنے لگے۔

(c) 5 دسمبر: ساتویں ڈویژن نے اپنی نقل وحرکت مکمل کر لی اور اپنے جمع ہونے کے علاقے میں پہنچ گئی' بریگیڈ 124 وہاڑی پہنچ گیا 51 لانسرز بہاولنگر کے علاقے میں پہنچ گئے تاکہ 25 بریگیڈ کی پوزیشن مستحکم کر سکیں۔

(d) 124 بریگیڈ کو ہارون آباد فورٹ عباس کے علاقے میں بھیجنے کی ضرورت ہوئی۔

(e) 7 دسمبر: کور کمانڈر جی ایچ کیو گئے 1 انجینئر بٹالین ٹبی لال باگ کی طرف حرکت کرنے لگی تاکہ دریا کے پار راستہ بنا سکیں بریگیڈ 1 کی ڈویژن 33 کو ہدایت کی گئی کہ وہ بریگیڈ 206 کی دفاعی پوزیشن سنبھال لے جو لونگے والا کی لڑائی میں مصروف ہو گیا تھا کیونکہ ڈویژن

18 کو دشمن کی فضائی کارروائی کی وجہ سے سخت نقصان پہنچا تھا۔

(f) 8 دسمبر: 1 انفنٹری بٹالین اور ڈویژن 33 کی 1 مارٹر بیٹری کو چھور کے علاقے میں بھیجنے کے احکام جاری کئے گئے لیکن یہ نقل و حرکت 9 اور 10 دسمبر کی رات میں واقع ہوئی، اس دوران ساتویں بریگیڈ ایکس سیون ڈویژن ستلج کو پار کر کے بہاول نگر میندھانا آباد کے علاقے میں پہنچ گئے۔

(g) 10 دسمبر: جی ایچ کیو نے حکم دیا کہ بریگیڈ 33 کو توڑ دیا جائے دو بریگیڈ چھور بھیج دیے گئے ایک بریگیڈ 1 کور کے علاقے میں اور ایک 18 ڈویژن میں بھیج دیا گیا۔ ڈویژن 33 کا ہیڈ کوارٹر جنرل ہیڈ کوارٹرز کی کمان میں دے دیا گیا اور بریگیڈ 55 کے ساتھ چھور کے علاقے کے لئے ذمہ دار بنا دیا گیا ہے۔ ساتویں آرمرڈ بریگیڈ کو بھی علیحدہ کر دیا گیا اور اسے واپس چھٹے آرمرڈ ڈویژن میں بھیج دیا گیا۔ گائیڈز' کیولری ڈویژن 33 میں بھیج دی گئی۔

(h) 11 دسمبر: ساتویں آرمرڈ بریگیڈ کو چھٹے آرمرڈ ڈویژن (شمال کا آرمی ریزرو) میں دوبارہ شامل کر دیا گیا۔

(i) 12 دسمبر: ساتویں ڈویژن کی ایک انفنٹری بٹالین کو عارضی طور پر بریگیڈ 105 کی کمان میں دے دیا گیا یہ وسیع شدہ برج ہیڈ کی حیثیت کو مستحکم کرنے کے لئے کیا گیا تھا جس پر دشمن کے شدید جوابی حملے ہو رہے تھے۔

(j) 13 دسمبر: کور 4 کے ہیڈ کوارٹر میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں کور 2 اور 4 کے کمانڈرز' چیف آف جنرل اسٹاف اور کوارٹر ماسٹر جنرل شامل ہوئے اور کھیم کرن کے راستے حملے کرنے کے امکان پر غور کیا گیا۔ بعد میں اس تجویز کو ختم کر دیا گیا بریگیڈ 124 ایکس 33 ڈویژن کور ا کے علاقے میں پہنچ گیا۔

(k) 14 دسمبر: 2 کور کو حملہ کرنے سے پہلے جمع ہونے کے علاقے کی طرف آگے بڑھنے کا حکم دیا گیا 1 آرمرڈ ڈویژن کی آگے جانے والی پارٹیاں اور رجمنٹ نے 14 اور 15 دسمبر کی درمیانی رات میں اجتماع کے علاقے کی طرف پیش قدمی کی۔

(L) 15 دسمبر: ناگزیر حملوں کے لئے 2 کور کو دوبارہ منظم کیا گیا۔ بریگیڈ 102 سابق ساتویں ڈویژن منڈی صادق گنج کے علاقے میں پہنچ گئی۔ 1 آرمرڈ ڈویژن کے ٹینکوں کو لوڈ کر دیا گیا اور گزشتہ رات ان کی نقل و حرکت شروع ہو گئی تھی لیکن ٹرین کے حادثے کی وجہ سے

نقل و حرکت بند کر دی گئی۔ 5 دن کے بعد گائیڈز کیولری چھور کے علاقے میں پہنچی کیونکہ رحیم یار خان کے جنوب میں ذرائع نقل و حمل میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔

(M) 16 دسمبر 1 آرمرڈ ڈویژن کی گاڑیاں ستلج کے جنوب میں وہاڑی اور کنورا کے علاقے میں پہنچ گئیں۔ 2 کور کو آگے کے کنسنٹریشن مکمل کرنے کے لئے فضائی کور بھی دیا گیا لیکن 18:45 بجے جی ایچ کیو سے حکم آیا کہ تمام نقل و حرکت بند کر دی جائے۔ 7 بجے اسلحہ سے بھری ہوئی 9 گاڑیاں روانہ ہونے والی تھیں۔ ان کا سامان اتار لیا گیا اور انہیں منتشر کر دیا گیا۔ شمال کے آرمی ریزرو کو حکم دیا گیا کہ وہ مرالہ۔ راوی لنک کے مشرقی علاقے میں آ جائے۔ بریگیڈ 315 سابق 17 ڈویژن کو 1 کور کی کمان میں دے دیا گیا اور یہ دشمال کی طرف روانہ ہو گیا۔

(N) 17 دسمبر: شمال کی ریزرو آرمی کے دستوں اور یونٹوں کو منتشر کر دیا گیا اور انہیں چھپا دیا گیا۔ 19:30 بجے جنگ بندی مؤثر ہو گئی۔

ڈویژن 33 کی تقسیم کی وجہ سے جو کچھ تو شکر گڑھ کے علاقے کے حالات کی وجہ سے ہوئی اور کچھ چھور کے علاقے کے حالات کی وجہ سے ہوئی کسی بڑے حملے کے منصوبے میں تبدیلی کرنا پڑی لیکن اب بھی اس بات کا امکان تھا کہ محدود پیمانے پر مقصد حاصل کرنے کے لئے دشمن کے علاقے میں داخل ہوا جائے۔ اس لئے 14 دسمبر کو احکامات جاری کئے گئے کہ شمال کی ریزرو آرمی گنگ نہر تک کے بھارتی علاقے کو فتح کرے اور اس کے بعد شمال میں چھان بھان کے علاقے اور مشرق میں ٹوئین کنالز تک کے علاقے کو محفوظ کرنے کے لئے تیاری کرے۔

2 کور نے اپنا منصوبہ تبدیل کر دیا اور اس مقصد کے لئے ضروری تنظیم نو کی لیکن جب یہ 18:45 بجے حرکت میں تھی تو جی ایچ کیو سے پاکستانی فوج کے چیف آف اسٹاف کے حکم سے یہ نقل و حرکت یکایک روک دی گئی۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ منصوبے میں تبدیلی کرنے کے باوجود نقل و حرکت منجمد کرنے کے احکامات کیوں صادر کئے گئے جبکہ چھٹا بریگیڈ اور ساتواں ڈویژن دریائے ستلج کو پہلے ہی عبور کر چکے تھے اور 1 آرمرڈ ڈویژن 14 اور 15 دسمبر کی درمیان شب آگے کے کنسنٹریشن کے علاقے میں پہنچ چکی تھی۔ اگر منجمد کرنے والا یہ حکم جاری نہ ہوتا تو کور 2 بھی 16 اور 17 دسمبر کی درمیانی شب اپنی نقل و حرکت مکمل کر لیتی اور 17 دسمبر کی صبح کو روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ دشمن کے علاقے پر حملہ کر دیا جاتا۔

بھارت نے سمندر اور فضا سمیت زمین پر بھی اپنی بالا دستی قائم کر لی تھی

جو کمانڈر اور متعلقہ اسٹاف ہمارے سامنے پیش ہوا ان میں سے اکثر کا خیال تھا کہ تبدیلی کے بعد حملے کے اس منصوبے کا اس آخری مرحلے میں بھی کامیابی کا بہت امکان تھا مگر ہائی کمان مسلسل پس وپیش کا شکار رہی جبکہ یہ ہر منصوبے کی منظوری میں شامل تھی۔ کوئی اس بات کا جواب نہیں دے سکا کہ جب اس حملے کی تمام تفصیلات طے ہو چکی تھیں تو ہائی کمان نے اس کے لئے شرائط کیوں عائد کیں اگر یہ کہا جائے کہ پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف اور چیف آف اسٹاف کور 1 کے فارمیشن بنا کے یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ دشمن اپنے کتنے ریزرو فوجی میدان میں لا سکتا ہے تو ان کی توقعات حد سے زیادہ تھیں۔ شروع ہی سے دشمن اپنی ریزرو فوج نکالنے میں نہایت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ مشرقی پاکستان کو ختم کرے پھر مغربی پاکستان پر حملہ کرے گا۔ وہ اس غلطی کا ارتکاب کرنا نہیں چاہتا تھا جس کی کمانڈر انچیف اور چیف آف آرمی اسٹاف توقع کر رہے تھے اور پاکستان کی طرف حملے کی دھمکی کی نہ تو ضرورت تھی اور نہ اس کی وجہ بھارتی ریزرو فوج باہر لائی جاسکتی تھی۔ دوسری فوجیں جو تعینات تھیں وہ کافی تھیں اور انہوں نے اپنا کام نہایت اچھی طرح انجام دیا جس سے پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف اور چیف آف اسٹاف کے اندازے مٹی میں مل گئے۔ بھارت کی فوجوں کو اس وقت تک کوئی مزید کارروائی کرنے کی ضرورت نہیں تھی جب تک کہ مشرقی پاکستان کو فتح کرنے کا کام مکمل نہیں ہو جاتا۔ اگر پاکستان کی فوج بھارتی فوج کے مشرقی پاکستان سے فارغ ہونے سے پہلے کوئی فیصلہ کن جنگ لڑنا چاہتی تھی تو ضروری تھا کہ وہ زیادہ جارحانہ رویے کا مظاہرہ کرتی۔ اس حقیقت کے علاوہ کہ دوسرے فرنٹ کو نہایت پس وپیش کے بعد کھولا گیا جنگ بھی نہایت تذبذب اور ہچکچاہٹ کے ساتھ لڑی گئی۔ مشرقی پاکستان پر بھارت کے کھلے حملے کے فوراً بعد دوسرا محاذ کھولنے سے جو فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا وہ یہ محاذ 12 دن کی تاخیر سے کھولنے سے ضائع ہو گیا اس کے بعد بھی جو حملے کا منصوبہ بنایا گیا تھا اس کی کامیابی کے جو امکانات تھے انہیں بھی دیر سے حملہ کر کے ضائع کر دیا گیا۔ ہر گزرنے والا دن حملے کی کامیابی کے امکانات کم کرتا جاتا تھا ہر گزرتا

دن دشمن کی صلاحیت کو مستحکم کرتا جاتا تھا۔ حیرت زدہ کرنے کا موقع گزر گیا تھا اور بھارت نے نہ صرف سمندر اور فضا میں بلکہ زمین پر بھی اپنی بالا دستی قائم کر لی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی ہائی کمان کے اندر یا تو بھارتی علاقے میں بڑا حملہ کرنے کے ارادے کی کمی تھی یا پہلے سے منظور شدہ منصوبے پر عملدر آمد کرنے کے لئے ایک جنرل کی خوبیوں کا فقدان تھا۔ ہر تجزیے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ منصوبہ بندی اور عمل درآمد میں بہت بڑا فرق تھا جبکہ ان دونوں کاموں کے ذمہ دار ایک ہی لوگ تھے۔ ہماری ہائی کمان کی اس پس وپیش کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم نے نہ صرف مشرقی پاکستان کا صوبہ کھو دیا بلکہ مغربی پاکستان میں بھی تقریباً 6356 کا مربع علاقہ بھی کھو دیا اور مذاکرات کے نتیجہ میں 73000 سے 93000 تک ہر رینک کے نہایت تربیت یافتہ فوجی جن میں افسران کی بہت بڑی تعداد شامل تھی مع تین ڈویژن کے اسلحہ اور سامان حرب کے ان کے حوالے کرنا پڑے۔

یہ المناک کہانی ہے جس کے لئے ہمیں اپنی فوج کی اعلیٰ کمان کا مشکور ہونا چاہئے جو اس وقت ملک پر حکمرانی کر رہی تھی۔ جنگ افرادی قوت یا اسلحہ یا چھوٹے درجے کے فوجیوں میں لڑنے کے ارادے کی کمی کی وجہ سے نہیں ہاری گئی۔ یہ جنگ اعلیٰ سطح پر خراب جنرل شپ کی وجہ سے ہاری گئی۔

یہ جنگ اعلیٰ سطح پر خراب جنرل شپ کی وجہ سے ہاری گئی

بھرپور جنگ کے دوران (3 دسمبر سے 17 دسمبر تک) فوج کی طرف سے کئے گئے آپریشن کا جائزہ لینے کے بعد ہم تجویز کرتے ہیں کہ اس جنگ میں ایئر فورس کے کردار کا اور اگر اس نے کوئی کامیابی حاصل کی تو اس کا جائزہ لیا جائے۔

ہماری فضائیہ کا کردار جو ہماری مجموعی منصوبہ بندی کا ایک حصہ ہے 9 اگست 1967 کی ہدایت نمبر 4 میں اس طرح دیا گیا ہے۔

(a) فضائی جنگ جارحانہ طور پر لڑی جائے اور ایک ایسی صورتحال پیدا کی جائے جس میں فوج کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ دشمن کی فضائیہ کی رکاوٹ کے بغیر اپنا کام انجام دے سکے۔

(b) آرمی اور نیوی کو قریبی اور خفیہ معلومات کی محدود مدد پہنچائے لیکن سپریم کمانڈر کی ہدایت پر کسی بھی اہم جنگ میں زیادہ سے زیادہ فضائی مدد دینے کے لئے تیار رہے۔

(c) جب بھی صورتحال اجازت دے تو آرمی اور نیوی کو نقل وحمل میں محدود پیمانے پر مدد دے۔

(d) ملک میں شروع میں دیئے جانے والے وارننگ سسٹم کو مربوط کرے۔

(e) جب ضرورت ہو تو دونوں بازوؤں کے درمیان محدود پیمانے پر اہم نوعیت کی پے لوڈ کی ٹرانسپورٹیشن کرے۔

(f) اپنے چارٹرڈ طیاروں کے ذریعے ملک کے کسی بھی بازو میں باہر سے ضروری سپلائی کو لانے کا انتظام کرے۔

143- یہ کردار ہمارے دفاع کی پلاننگ کے بارے میں بنیادی مفروضات پر قائم تھا۔ یہ مفروضات مندرجہ ذیل تھے۔

(i) خاص خطرہ بھارت کی طرف سے ہے۔ جبکہ افغانستان کی طرف سے حملے کے خطرے کو سفارتی اور دوسرے اقدامات سے حل کر لیا جائے گا لیکن دفاع کی منصوبہ بندی دونوں فرنٹس پر آپریشن کے لئے کی جائے۔

(ii) جنگ کے بارے میں وارننگ تقریباً 7 دن پہلے مل سکتی ہے۔

(iii) جنگ کے دوران باہر سے کسی خاص مدد کی امید نہیں ہے۔

(iv) جنگ سنگین ہوگی اور نہایت شدت کے ساتھ لڑی جائے گی ہمیں اسے جلدی اور کامیابی کے ساتھ ختم کرنا چاہیے۔

(v) جنگ کے زمانے میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان عام روابط منقطع ہو جائیں گے۔

(vi) اگر جنگ مشرقی پاکستان میں شروع ہو تب بھی بڑی اور فیصلہ کن لڑائی مغربی پاکستان میں لڑی جائے گی۔

ان ہدایات اور مفروضات کی بنیاد پر پاکستان کی فضائیہ نے جو بھارت کی فضائیہ کے مقابلے میں ہمیشہ چھوٹی رہی ہے خود اپنے آپریشن کا تصور تیار کرنے کی کوشش کی۔ یہ تصور 1965ء کی جنگ کے بعد کے خطرات کی روشنی میں قائم کیا گیا تھا۔ 1965 کے بعد سے بھارت نے اپنی فضائیہ میں اضافہ بھی کر لیا تھا اور اسے جدید بھی بنایا تھا اور اس طرح اس نے پاکستانی فضائیہ اور بھارتی فضائیہ کے درمیان فرق کو مزید بڑھا لیا تھا۔ 1965ء کی جنگ میں

ہماری فضائیہ نے اپنے 19 اسکواڈرن سے ان 29 اسکواڈرن کا مقابلہ کیا لیکن دسمبر 1971ء میں دشمن کی فضائی قوت بڑھ کر مندرجہ ذیل ہوگئی تھی۔

مندرجہ بالا کے علاوہ بھارتی نیوی کے پاس 88 طیارے تھے جن میں 50 سی ہاک تھے اور سول ایوی ایشن کے پاس 100 طیارے تھے۔ حالیہ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق بھارتی فضائیہ نے بھارت روس سمجھوتے کے بعد روس سے مزید 70 مگ 21 یا ایس یو 7 لڑاکا طیارے اصل کر لئے ہیں۔

1965ء کے بعد بھارتی فضائیہ نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ کئی نئے ہوائی اڈے بنالئے ہیں۔ انہوں نے 22 گراؤنڈ کنٹرول انٹرسیپشن اسٹیشن بھی قائم کر لئے ہیں جن میں زیادہ تر روسی اور امریکی ریڈار کے آلات نصب ہیں۔ یہ اپنے علاقے کے لئے ریڈار کا مکمل کور مہیا کرتے ہیں۔ بھارت کی فضائیہ کے آپریشن کا تمام نظام علاقائی بنیادوں پر منظم کیا گیا ہے اور اس کے آپریشن کی تین فضائی کمان ہیں۔ مغربی' وسطی اور مشرقی کمان جو بھارتی فوج کی علاقائی کمانوں کے مطابق ہیں اور انکا ہیڈکوارٹر پاتم الہ آباد اور شیلانگ ہیں۔

انہوں نے بھارتی آرمی کو مشترکہ فضائی مدد کے نظام کے تحت ٹیکنیکل فضائی مدد دینے کا مربوط منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ یہ نظام ترقی یافتہ ہیڈکوارٹرز رابطے کے سیل اور مشترکہ آپریشن کے مراکز کی بنیاد پر قائم تھا۔ مشترکہ آپریشنز کے مراکز آرمی کور کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور یہ مدد کے آپریشنز کے بھی ذمہ دار تھے۔ یہ مراکز متعلقہ کور یا کمان کے ساتھ اور نچلے درجے کے یونٹس کے ساتھ بھی آرمی کی طرف سے مہیا کئے ہوئے آرمی کے فضائی مدد کے کمیونی کیشن نیٹ ورک کے ذریعے براہ راست رابطے میں رہتے ہیں۔ یہ پہلے سے طے کی گئی اور فوری نوعیت کی فضائی مدد کی ضروریات کے درمیان ترجیحات کا تعین کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ٹیکنیکل مراکز قائم کر رکھے ہیں جو آرمی کور کے ہیڈکوارٹرز کے ساتھ ساتھ ہیں اور کچھ ایسی آرمی ڈویژنز جو فرنٹ کے آگے کے مورچوں پر تعینات ہیں۔ ان فائٹر فورسز پر پورا کنٹرول رکھتی ہیں جنہیں فوج کو منصوبہ بندی کی اور فوری نوعیت مدد دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ یہ آزادی سے حرکت کر سکتے ہیں' آرمی کیمونی کیشن نیٹ ورک کے ساتھ مربوط ہیں اور اس آرمی کے ساتھ اگلے علاقوں میں جا سکتے ہیں۔

کمان کی سطح پر ائرفورس کے دفاعی ہیڈکوارٹرز / رابطے کے سیل ہیں۔ یہ متعلقہ آرمی کمان کے ہیڈکوارٹرز کی عمارت میں واقع ہیں اور فضائیہ کے ان یونٹوں کو کنٹرول کرتے ہیں جو آرمی کو فضائی مدد دینے کے لئے مقرر ہیں۔ بھارتی فضائیہ عارضی طور پر نچلے درجے کی آرمی فارمیشنز کو اور ان یونٹوں کو جو آگے کے مورچوں پر تعینات ہیں ائر کنٹرولز مہیا کرتے ہیں تا کہ دشمن کے نشانوں پر فضائی سپرٹ کے لئے حقیقی کنٹرول اور ہدایت مہیا کی جاسکے۔ 1965ء کے بعد سے بھارتی فضائیہ نے آپریشن کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ کرلیا ہے جو وسیع بنیاد پر مشترکہ عملی مشقیں کرنے اور اسلحہ کے نشانوں کو پہچان لینے کی پائلٹس کی تربیت سے حاصل ہوئی ہے۔

اس قدر طاقت کے ساتھ بھارتی فضائیہ پاکستان کے خلاف روزانہ 150 حملے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کی اس روزانہ کی صلاحیت کی تقسیم کا اس طرح اندازہ لگایا جاتا ہے۔

(1) مغربی پاکستان کے خلاف 660 سارٹیز۔

(2) مشرقی پاکستان کے خلاف 200 سارٹیز۔

اس میں فضائی دفاع کے آپریشن شامل نہیں ہیں جن کے لئے بھارت کے پاس 400 طیارے ریزرو میں ہیں ان کے ذریعے مزید 460 سارٹیز اور 200 سارٹیز بالترتیب کرنے کی صلاحیت حاصل ہے۔

بھارتی فضائیہ کی حملہ کرنے اور دفاع کرنے کی صلاحیت کے اس اندازے کے بعد ہماری فضائیہ نے اس بات کا مطالعہ کیا تھا کہ جنگ کی صورت میں پاکستان کے خلاف بھارتی فضائیہ کس طرح کی کارروائی کرسکتی ہے اور نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ خاص مقصد پاکستانی حملوں کے اثرات کو اتنی تیزی سے زائل کرنا ہوگا تا کہ وہ اپنی فوج کو بڑے پیمانے پر مدد دے سکیں تا کہ وہ پاکستان میں تیزی سے علاقے فتح کرسکیں۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ان کے خیال میں بھارت مندرجہ ذیل تین متبادل طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کرے گا۔

(1) اپنے ہوائی اڈوں اور تنصیبات کا مضبوطی کے ساتھ دفاع کرتے ہوئے پاکستان کی فضائیہ کے خلاف بڑے پیمانے پر حملے کرے گا۔

(2) اپنے ہوائی اڈوں اور تنصیبات کا مضبوطی سے دفاع کرتے ہوئے اپنی زیادہ تر

صلاحیتوں کو اپنی فوج کو سپورٹ کرنے میں صرف کرے گا۔

(3) اپنی فضائی صلاحیتوں کو فضائی دفاع پاکستان کی فضائیہ کے خلاف حملے کرنے اور اپنی فوج کو سپورٹ دینے کے لئے تقسیم کردے گا۔

بھارتی کیریئر کے لڑاکا طیاروں کی طرف سے مغربی پاکستان کے لئے ممکنہ خطرے پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا تھا۔ اس پر پاکستان کی بحریہ کے نقطہ نظر سے بھی غور نہیں کیا گیا تھا۔ یہ محسوس کیا گیا تھا کہ اگر کیریئر رینج کے اندر بھی آجاتا ہے تو ہمارے بی۔57 بمبار فائٹرز کے ساتھ اس سے نمٹ لیں گے۔ بھارت کا طیارہ بردار جہاز مشرقی پاکستان کے خلاف تعینات کیا گیا جہاں پاکستانی فضائیہ کو اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کم سے کم تھی۔

1971ء میں اس بھارتی خطرے سے نمٹنے کے لئے پاکستانی فضائیہ کے پاس مندرجہ ذیل وسائل موجود تھے۔

(a) مغربی پاکستان میں:-

بمبار اسکواڈرن	1
سب سونک (ایف۔86 ایف) اسکواڈرن	2
سب سونک (ایف آر 86 ای) اسکواڈرن	3
سپر سونک (ایف 104) اسکواڈرن	1/2
سپر سونک (میراج) اسکواڈرن	1
سپر سونک (مگ 10) اسکواڈرن	10 1/2 -3--

(b) مشرقی پاکستان میں:-

سب سونک (ایف 86 ای) اسکواڈرن	1
کل فائٹر اسکواڈرن	11 1/2

پاکستانی فضائیہ کو دستیاب وسائل دشمن کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہیں اس لئے فضائیہ کی منصوبہ بندی کے تصور کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جن سے اپنا نقصان کم سے کم ہو جب کہ دشمن کا زیادہ سے زیادہ نقصان کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے طیارے غیر ضروری طور پر دشمن کے ہلکے ہتھیاروں کا شکار نہ ہوسکیں جیسے اک اک، سام اور دوسرا دفاعی اسلحہ لیکن اگر نقصان ہو تو وہ حاصل کردہ نتائج

کے لحاظ سے جائز قرار دیا جاسکے۔ اس مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نتائج حاصل کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی گئی۔

(a) مسلسل جنگ پاکستان فضائیہ کے حق میں نہیں ہوگی لہٰذا یہ اصول اختیار کیا جائے کہ جہاں بھارت کی فضائیہ سب سے زیادہ کمزور ہو وہاں اس پر حملہ کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو پاکستانی فضائیہ موافق حالات میں کام کرے۔

(b) فضائی دفاع کے لئے اعلیٰ درجے کی تیاری بہت ضروری ہے تاکہ پچوریشن قسم کے حملوں کے اثرات کو کم سے کم کیا جاسکے اور دن میں ہمارے ہوائی اڈوں اور تنصیبات پر حملوں کے دوران دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکے۔ پاک فضائیہ کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ دشمن کے لڑاکا طیاروں کو اپنے علاقے میں لے آئے اور یہاں ان سے جنگ کرے کیونکہ یہاں حالات ہمارے موافق ہیں یعنی یہاں ریڈار کا کور زیادہ مناسب ہوگا۔ اینڈھن کی کمی بھی اثر انداز نہیں ہوگی اور زمین پر اترنے والے پائلٹوں کو بھی وہ سہولت حاصل ہوگی جس سے دشمن محروم ہوگا۔

(c) بھارت کے آگے کے چار ہوائی اڈوں امرتسر، پٹھان کوٹ، سری نگر اور اوانتی پور پر حملہ کرنا تاکہ ان ہوائی اڈوں سے ہمارے علاقوں اور جنگ کے میدان میں کئے جانے والے حملوں کا بوجھ کم ہوجائے۔ شروع کے حملوں کے بعد بھی بار بار حملے کرکے دباؤ جاری رکھا جائے۔

(d) دشمن کے آگے کے دور ریڈارز پر تاکہ انہیں دشمن کے ان جہازوں کو کور دینے کے نااہل بنادیا جائے جو جنگ کے میدان میں اور اندر آکر پاکستان میں حملے کریں گے۔

(e) بھارت کی فضائیہ کے ان جہازوں کو نقصان پہنچایا جائے جو ہمارے ہوائی اڈوں پر حملے کررہے ہوں۔ اس سے دشمن حملے کرنے کے اپنے منصوبے کو ترک کردے گا۔ جیسے ہی ایسا ہو پاکستان کی فضائیہ اپنی آرمی کو کور دینا شروع کردے گی لیکن ایک مؤثر دفاعی حکمت عملی بھی قائم رکھی جائے تاکہ بھارت کی فضائیہ پاکستان کی فضائیہ کے خلاف پچوریشن حملوں کی سطح پر پہنچ جائے۔

(f) مشرقی پاکستان میں بھی اس طریقے سے فضائی آپریشن کرے کہ ہماری قوت زیادہ سے زیادہ عرصے تک برقرار رہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ 1969ء میں پاکستانی فضائیہ نے اپنے مقاصد کے پیش نظر اپنی ضروریات انٹرسروسز ڈیفنس ایوی ایشن کمیٹی کے ذریعے حکومت کو پیش کی تھیں۔ اس ضرورت میں چھ اضافی لڑاکا اسکواڈرن، دو اضافی ہوائی اڈے (ایک مشرقی پاکستان میں اور ایک مغربی پاکستان میں) آلات کو جدید بنانا جس میں ایف 86 متروک لڑاکا طیاروں اور بی۔57 بمباروں کو تبدیل کرنا اور طیاروں اور آلات کی کمی کو دور کرنا شامل تھا۔ جب تینوں سروسز کے سربراہوں نے یہ رپورٹ دیکھ لی تو ایک وسائل کا اعلیٰ اختیاراتی بورڈ تشکیل دیا گیا جس کے سربراہ وزیر خزانہ تھے تاکہ اس کے مضمرات کا جائزہ لیا جاسکے۔ بورڈ کا اجلاس 15 جنوری 1970ء کو منعقد ہوا اور وزیر خزانہ نے اس ضرورت سے مکمل اتفاق کیا کہ سروسز کی ضروریات پر فوری توجہ دی جائے لیکن اس کے بعد بورڈ کی کوئی میٹنگ نہیں ہوئی اور نہ ان ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔

بھارتی فضائیہ کی اعدادی برتری کا توڑ کرنے کے لئے پاکستان کی فضائیہ نے اپنی منصوبہ بندی میں مندرجہ ذیل دفاعی اور جارحانہ حکمت عملیاں تجویز کیں۔

(1) بھارت کے چار آگے کے ہوائی اڈوں کے خلاف حملوں کی کارروائی کی جائے تاکہ ان کے رن وے تباہ ہوجائیں اور ان کے جہازوں پر زمین پر ہی سے حملہ کیا جاسکے۔ اس حکمت عملی کا مقصد یہ تھا کہ بھارتی فضائی بیڑے کا ایک بڑا حصہ بے اثر ہوجائے کم از کم عارضی طور پر ہی ایسا ہوجائے تاکہ فوری طور پر یہ پاکستان کی فضائی کارروائیوں میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

(2) دشمن کے لڑاکا جہازوں سے اس وقت مقابلہ کرنا جب وہ اپنے ہوائی اڈے سے دور ہوں اور ہمارے لڑاکا دور نہ ہوں۔ ان جہازوں کا اپنے علاقے پر مقابلہ کیا جائے کیونکہ اگر کوئی جہاز گرادیا جائے تو بھارت کو نہ صرف ایک جہاز کا نقصان ہو بلکہ ایک پائلٹ بھی کم ہوجائے۔

(3) مشرقی پاکستان میں جہاں صرف ایک اسکواڈرن موجود تھا نظریہ یہ تھا کہ اپنی قوت کو اس وقت تک قائم رکھا جائے جب تک یہ ممکن ہوسکے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے اپنے اندازے کے مطابق بھی مشرقی پاکستان میں فضائی قوت 24 گھنٹے سے زیادہ برقرار نہیں رکھی جاسکتی تھی مگر پھر بھی یہ 72 گھنٹے تک برقرار رہی۔

مغربی پاکستان میں فضائی جنگ

1965ء کے بعد پاکستانی فضائیہ نے مرید، چندر، رسال والا، رفیق، ملتان، جیکب آباد اور تاجھر کے مقامات پر بھی ہوائی اڈے قائم کرائے تھے اور آرمی نے بڑی تیز رفتاری سے اوکاڑا میں ایک اور سڑک کا رن وے تیار کرلیا تھا لیکن جنگ میں نہ تو اوکاڑا نہ ملتان اور نہ جیکب آباد کو استعمال کیا جاسکا۔ چندر کو جزوی طور پر قابل استعمال بنالیا گیا تھا' کہا جاتا ہے کہ فضائیہ میں اتنی اہلیت تھی کہ صرف چار دن کے نوٹس پر ان میں سے ایک دو ہوائی اڈوں کو قابل استعمال بنادیتی۔

اپنے محدود وسائل کی وجہ سے پاکستان کی فضائیہ نے کچھ غیر ممالک کے ساتھ باہمی تعاون کے معاہدے کرلئے تھے۔ ایران کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ تھا جس کے تحت جنگ کے دوران ایران کو ایف 5 طیاروں کے دو اسکواڈرن اور دوسرے سامان کے ساتھ ہماری مدد کرنا تھی۔ اس طرح باقاعدہ معاہدہ کسی اور ملک کے ساتھ نہیں تھا لیکن ہمارے بہت سے پائلٹ مشرق وسطی کے کچھ ممالک میں کام کررہے تھے۔ ان ممالک کو برطانیہ اور روس سے طیارے ملے تھے۔ ہمارے پائلٹ ان ملکوں کو تربیت دے رہے تھے اور وہاں پر ان طیاروں کے استعمال کا تجربہ حاصل کررہے تھے جیسے مگ 21 ایس یو۔7 اور ہنٹرز جنہیں بھارت بھی اڑا رہا تھا۔

ہماری صلاحیتوں کے مقابلے میں بھارت کو عددی برتری سے جو فائدہ حاصل تھا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پائلٹوں کی تربیت کو بہتر بنایا گیا۔ اسلحہ کے معاملے میں بھی اور لڑائی کی ٹیکنیک میں بھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب دوسرا فرنٹ کھولا جارہا تھا تو فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے دشمن کے آگے کے ہوائی اڈوں پر پیشگی حملہ کرنے کے ایک موقع کے لئے درخواست کی تاکہ پاکستان آرمی اور فضائیہ کے اڈوں پر حملہ کرنے کی ان کی صلاحیت کو کم کیا جاسکے جنگ کے شروع ہوتے ہی ایسے حملوں کی توقع تھی۔

اس مقصد کے لئے سپریم کمانڈر نے 3 دسمبر کو 5 بجے شام کا وقت مقرر کیا اور ہماری فضائیہ نے امرتسر' پٹھان کوٹ' سری نگر اور اوانتی پور کے خلاف کارروائی کی۔ اس مقصد کے لئے 32 لڑاکا طیارے استعمال کئے گئے لیکن ہمارے منصوبے کے نظریے کے مطابق یہ کارروائی نہایت محدود تھی یعنی بلندی کی سطح سے ہر جہاز نے ایک ایک حملہ کیا۔ یہ حکمت عملی اس لئے

استعمال کی گئی تھی کہ دشمن کے جہاز راستے میں ان کو انٹرسیپٹ نہ کرلیں یا ان پر طیارہ شکن یا زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل حملہ نہ کردیں۔

اس حکمت عملی کو اختیار کرنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے طیارے حفاظت کے ساتھ بغیر کسی نقصان کے واپس آ گئے لیکن اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ رن ویز پر صرف کچھ گڑھے پڑ گئے اب تک کی حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق زمین پر دشمن کے جہاز تباہ نہیں ہو سکے کیونکہ 1965ء کے بعد بھارت نے اپنے جہاز محفوظ رکھنے کے لئے کنکریٹ کے ہینگر بنالئے تھے۔ یہ گڑھے بھی معمولی سے تھے ان سے بھارت کے ردعمل کے اظہار میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

اسی رات کو انبالہ' پٹھان کوٹ' ہلواڑا' امرتسر' اترلائی' جیسلمیر' جودھپور' بیکانیر' جام نگر' سرسا' سری نگر اور آگرہ کے ہوائی اڈوں پر بھی بمباری کی گئی۔ اس بار بھی وہی حکمت عملی اختیار کی گئی اور ان تمام مشنز سے ہمارے تمام جہاز بحفاظت واپس آ گئے۔

بھارتی فضائیہ نے آدھی رات کو اپنے ردعمل کا مظاہرہ کیا اور مسرور' سرگودھا' میانوالی چندر اور رسال والا کے ہوائی اڈوں پر حملے کئے۔ یہ ردعمل متوقع تھا اور ہمارے ہوائی جہاز اپنے اڈوں پر حفاظتی پرواز کررہے تھے۔ دشمن ان ہوائی اڈوں کو کچھ نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوگیا خاص طور پر چندر' سرگودھا' رفیق اور مسرور کو۔ بھارتی اپنے آگے والے ہوائی اڈے استعمال کررہے تھے جن پر ہم پہلے ہی بمباری کرچکے تھے۔ انہوں نے گڑھوں کی مرمت کرلی تھی جو ہماری بمباری سے پڑے ہوں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بھارتیوں کے اندر مرمت کرنے کی بڑی اچھی صلاحیت ہے اور معمولی نقصان کو وہ تین چار گھنٹوں میں درست کرلیتے ہیں۔ اس لیے ہمارے پیشگی حملے کا کوئی اثر نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے کسی طرح بھارت کی صلاحیت پر اثر ڈالا۔

بھارتی 4 اور 5 دسمبر کو بھی اپنا دباؤ بڑھاتے رہے اور ہمارے ہوائی اڈوں پر حملوں میں شدت پیدا کرتے رہے اس عرصے میں دشمن نے دن میں 27 اور رات میں 53 حملے کئے لیکن اس دشمن کی فضائی لڑائی میں اور طیارہ شکن گنوں سے 32 جہاز تباہ ہوئے جبکہ پاکستان فضائیہ کا ایک ایف 104 طیارہ امرتسر کے راڈار پر حملے کرتے ہوئے تباہ ہوا۔

دشمن ہمارے ہوائی اڈوں کو اس لئے نقصان نہیں پہنچا سکا کہ ہمارے ہوائی جہاز اپنے

اڈوں کی کیپنگ کر رہے تھے جن میں سے کچھ کی طیارہ شکن گنوں سے حفاظت کی جا رہی تھی اس لئے بھارتیوں نے 5 دسمبر کے بعد حملوں کی اپنی حکمت عملی تبدیل کر دی۔ اب ان کا نشانہ ریلوے اسٹیشن اور ذرائع مواصلات تھے جو کہ ہمارے ہاں سرحد سے قریب تھے ہمارے طیاروں کو اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ وہ دشمن کے طیاروں کو انٹرسیپٹ کر سکیں کیونکہ نہایت نیچی اور تیز پرواز کرتے اور آگے کے ہوائی اڈوں سے اڑان کرتے تھے ہمارے طیاروں کو اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ وہ اڑان کرتے اور دشمن کے طیاروں کو روکتے۔

دشمن کے جہاز جب چاہتے ہمارے علاقے میں گھس آتے

دشمن کے طیارے اپنی آرمی کی مدد کرنے کے لئے بھی کافی دور تک آتے۔ ہماری فضائیہ کو چھمب، شکر گڑھ اور سلیمان کی علاقوں میں بھی ہماری آرمی کی مدد کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ ہماری اٹھارویں ڈویژن نے جو بھارتی فوج کے ساتھ ان کے علاقے میں لونگے والا کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی اور جس کو بھارتی فضائیہ سے سخت نقصان پہنچ رہا تھا پاکستان فضائیہ کی بار بار مدد طلب کی مگر اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکا کیونکہ جس ہوائی اڈے سے اس کی مدد کی جا سکتی تھی وہ جیکب آباد تھا مگر اسے ابھی تک قابل استعمال نہیں بنایا جا سکا۔

اگرچہ اٹھارویں ڈویژن کے جی او سی نے کہا کہ اس حملے کے لئے جی او سی نے ائرکور کا وعدہ کیا تھا مگر فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے انکار کر دیا کہ اسے اس حملے کی کوئی اطلاع ہی نہیں ہے اور نہ ہی یہ حملے اس کے مشورے سے شروع کیا گیا۔

دشمن نے کراچی کے علاقے پر اور مسرور کے ہوائی اڈے پر بار بار حملے کئے اور مسرور بیس میں ہمارے ایک بمبار پر زمین ہی پر حملہ کر دیا گیا۔ فضائیہ کور کے لئے نیوی نے بھی شدید درخواست کی لیکن اسے بھی پورا نہیں کیا جا سکا کیونکہ ان میں سے زیادہ تر درخواستیں یا تو رات میں کور دینے کے لئے کی گئیں یا اس وقت کی گئیں جب دشمن کے جہاز کراچی اور مسرور پر حملے کر رہے تھے۔ ایف 104 کا جو اسکوارڈ مسرور بیس پر موجود تھا وہ رات میں لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

پبلک کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دشمن کے جہاز جب چاہتے ہمارے علاقے میں گھس آتے اور جس جگہ چاہتے بغیر ہماری فضائیہ کی مزاحمت کے بمباری کرتے رہتے تھے۔ فضائیہ

کے کچھ نوجوان پائلٹس بھی فضائیہ کی کارکردگی سے مایوس تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر انہیں سخت ہدایات دی جاتیں وہ زیادہ ہلاکتیں کر سکتے تھے۔ ان کو یہ بھی شکایت ہے کہ ہمارے بمباری کے زیادہ تر نشانے اس لئے ناکام رہے کیونکہ ہم نے صحیح قسم کے بم استعمال نہیں کئے یا ہم نے بمباری کے صحیح طریقے اختیار نہیں کئے۔ ہم نے جو بم استعمال کئے وہ عام قسم کے بم تھے وہ تاثیر نہیں رکھتے تھے جو نیپام بم یا دوسرے قسم کے اعلیٰ درجے کے بموں کی ہوتی ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے پاس اعلیٰ درجے کے بم نہیں تھے اور نہ ہی ہمیں مقامی طور پر بنے ہوئے فیوزمل سکے تاکہ ہمارے عام قسم کے بموں کے پھٹنے کی صلاحیت میں اضافہ ہو جاتا لیکن ہم ان نوجوان افسروں کی اس بات سے متفق نہیں ہیں کہ بمباری کے لئے استعمال کئے گئے طریقے غلط تھے یہ طریقے اس لئے استعمال کئے گئے تھے کہ ہمارا تصور یہ تھا کہ بھارت کی فضائیہ کو اس قدر بڑی تعداد میں نقصان پہنچانا چاہتے تھے کہ ہم اپنی فضائیہ پر ان کی اعدادی برتری کو ختم کر دیں۔ ہم نے جہازوں کو مشن کے بعد بہ حفاظت واپس لانے کے لئے جو احتیاط اختیار کی تھی وہ کامیاب رہی اس لئے یہ احتیاط نامناسب نہیں تھی۔ ہماری دونوں کی فضائیہ کے درمیان وسیع فرق ہونے کی وجہ سے ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے لیکن ہم محسوس کرتے ہیں اس وسیع فرق کی وجہ سے احتیاط کے باوجود انفرادی طور پر پائلٹس کو یہ آزادی دی جانی چاہئے تھی کہ وہ اپنے نشانے منتخب کرتے اور جہاں بغیر کسی خطرے کے حملہ کرنا ممکن تھا حملہ کرتے۔ یہ کہا جا سکتا تھا کہ پائلٹس اپنے جوش میں چاہتے تھے کہ وہ غیر ضروری خطرات مول لے کر مہارت میں اپنی برتری ثابت کرتے یا زیادہ ہلاکتیں کرتے۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ کبھی کبھی ہمارے طیاروں کو ان سخت ہدایات کی وجہ سے اپنے بموں کا وزن کم کئے بغیر واپس آ جانا پڑتا تھا۔

بعض اعتبار سے فضائیہ حد سے زیادہ محتاط تھی خاص طور پر اس صورت میں جب طیاروں کو آرمی کی مدد کیلئے بھیجا جاتا تھا ایسی صورت میں عام مقصد کے اسلحہ کے علاوہ دوسرے اسلحہ کے استعمال پر پابندی غیر معمولی معلوم ہوتی ہے۔ عام مقصد کے لئے استعمال کئے جانے والے بم دشمن کی آرمر یا ٹینکوں کی منتشر قطاروں پر صحیح طور پر استعمال کرنے مشکل تھے توپ کے گولے اور نیپام بم زیادہ مناسب تھے اگرچہ اس میں یہ خطرہ موجود تھا کہ ان پر زمین سے چھوٹے اسلحہ سے بھی حملہ ہو سکتا تھا۔ قریب سے مدد کرنے کے مشن میں یہ خطرہ مول لیا جا سکتا تھا۔ عام استعمال کے بموں سے۔ بمباری صرف اس صورت میں سودمند ہو سکتی تھی جب دشمن کے

فوجیں ایک جگہ جمع ہوں یا آرمر ایک جگہ جمع ہو۔

ہماری فضائیہ نے بھی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اگر اس مقصد سے کوئی بنیادی ڈھانچہ اسے میسر تھا تو اسے چاہئے تھا کہ آپریشن شروع کرنے سے قبل وہ بطور احتیاط تمام اگلے فضائی اڈوں کو بھی متحرک کر دیتی۔ چونکہ ہماری فضائیہ اپنی قوت اور صلاحیت کا کچھ حصہ پاکستان آرمی کی جانب سے کئے جانے والے بڑے حملے کے لئے بچا کر رکھنا چاہتی تھی لہٰذا اسے اس بات کا پیشگی اندازہ بھی ہونا ضروری تھا کہ اوکاڑہ، ملتان اور جیکب آباد کے اگلے فضائی اڈے لازمی طور پر استعمال کئے جائیں گے۔ اس اہم پہلو کو اتنی آسانی سے نظر انداز کر دینا ہرگز قابل معافی نہیں ہے، بالخصوص اس لئے کہ فضائیہ نے خود ہی جنگ کے آغاز کی تاریخ اور وقت کا تعین کیا تھا۔

ہماری فضائیہ نے انتہائی شاندار اور قابل قدر کارروائی کا مظاہرہ کیا

کمانڈر انچیف اور فضائیہ کے دیگر سینئر افسران نے جو اس کمیشن کے روبرو پیش ہوئے ہیں سبھی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں اپنے محدود وسائل اور تعداد و صلاحیت میں سنگین عدم مساوات کے باوجود بھی ہماری فضائیہ نے انتہائی شاندار اور قابل قدر کارروائی کا مظاہرہ کیا جس کا بنیادی سبب اس کی غیر معمولی طور پر مؤثر اور مستحکم منصوبہ بندی تھی۔ بتایا گیا ہے کہ جنگ کے دوران پاک فضائیہ نے 35 دنوں تک حملے کا مشن جاری رکھتے ہوئے دشمن کے فضائی اڈوں اور ریڈار اسٹیشنوں کو ایک سو پچپن مرتبہ اچانک حملوں کا نشانہ بنایا۔ اس کے علاوہ پاک فضائیہ نے دشمن کے سری نگر، اوانتی پورا، پٹھان کوٹ اور امرتسر کے فضائی اڈوں پر بھی مسلسل حملے جاری رکھے۔

15`16 اور 17 دسمبر کی درمیانی رات میں پاک فضائیہ کے حملے

تاہم یہ نہیں بتایا گیا کہ فضائیہ کے اس مشن کا کیا نتیجہ برآمد ہوا نہ ہی ہمیں اس نقصان کا کوئی اندازہ ہے جو ان حملوں کے نتیجے میں دشمن کے فضائی اڈوں اور تنصیبات کو پہنچا حتیٰ کہ فضائیہ نے کبھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے دشمن کے کسی طیارے کو زمین پر ہی تباہ کر دیا تھا۔

15 ,16 اور 17 دسمبر کی درمیانی راتوں میں پاک فضائیہ کے دعوے کے مطابق ایک سو تیرہ مرتبہ دشمن کے فضائی علاقے میں اچانک یلغار کی گئی تا کہ ان ٹرینوں کو دشمن سے تحفظ دیا جا سکے جو پاکستانی فوج اور اسلحے کو جنوب کی جانب منتقل کرنے جا رہی تھیں۔ فضائیہ نے اپنی

عمدہ کارکردگی کے ذریعے ان ٹرینوں کو مکمل طور پر دشمن کے ہوائی حملوں سے محفوظ رکھتے ہوئے ان کی منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

پاک فضائیہ کے دعوے کے مطابق اگرچہ بحریہ کو فضائیہ کی جانب سے امداد کی کوئی واضح یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی، اس کے باوجود اس نے متعدد بار پاک بحریہ کو فضائی چھتری فراہم کرتے ہوئے اس کی مدد کی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پاک بحریہ کو مطلع کیا گیا تھا کہ فضائیہ کے پاس رات کے دوران کارروائی کرنے کی کوئی صلاحیت موجود نہیں ہے چنانچہ اگر دشمن طیاروں کی جانب سے پاکستانی بحریہ کے جہازوں پر شب خون مارا گیا تو ایسی صورت میں اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ فضائیہ فوری طور پر ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کر سکے۔ تاہم اس کے برعکس 5 دسمبر کی صبح جب میری ٹائم ہیڈ کوارٹرز نے سی او سی کو یہ اطلاع دی کہ پاک بحریہ کے دو جہازوں کو گزشتہ رات او ایس اے کلاس بوٹس نے غرق کر دیا ہے تو مسرور ائربیس سے دو ایف 86 طیاروں کو بھیجا گیا تا کہ وہ ان بوٹس کو تلاش کر کے تباہ کر دیں تاہم ان میزائل بوٹس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اسی شام ساڑھے چھ بجے میری ٹائم ہیڈ کوارٹر نے دوبارہ اطلاع دی کہ کراچی سے 36 میل دوران میزائل بوٹس کی موجودگی کا پتہ چلا لیا گیا ہے جس کے بعد دو ٹی 33 ٹرانسپورٹ طیاروں پر بم لاد کر روانہ کیا گیا ان میزائل بوٹس کو تلاش نہ کیا جا سکا لیکن اس علاقے میں بم ضرور گرائے گئے اسی رات ایک بی 57 بم بار طیارے کے ذریعے، اوکھا کی میزائل بوٹ بار پر حملہ کیا گیا جس نے مشن کی تکمیل کرتے ہوئے اطلاع دی کہ ہاربر کی تنصیبات میں آگ لگی ہوئی ہے۔ 6 دسمبر 1971ء کو سی او سی کو دوبارہ مطلع کیا گیا کہ پانچ او ایس اے کلاس میزائل بوٹس کراچی بندرگاہ کے قریب پہنچ چکی ہیں اور ساحل سے دور کھڑے دیگر تجارتی بحری جہازوں کے درمیان چھپی ہوئی ہیں۔ یہ میزائل بوٹس پاکستانی بحریہ کے پورے بیڑے کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی لہٰذا فوری طور پر پاک فضائیہ کی مدد ضروری تھی۔ صورتحال کو دیکھتے ہوئے پہلے دو ایف 86 طیاروں کو روانہ کیا گیا تا کہ وہ بحریہ کی نشاندہی کے نتیجے میں ان میزائل بوٹس کو تلاش کر کے ان پر حملہ کر سکیں ان طیاروں کو ایک جہاز دکھائی دیا جو کیپ مونزے کے مغرب میں کھڑا تھا۔ جس کی اطلاع میری ٹائم ہیڈ کوارٹرز کو دی گئی۔ اس نے تصدیق کر دی کہ اس علاقے میں اس جہاز کے علاوہ کسی دوست ملک کا کوئی جہاز آس پاس موجود نہیں ہے جس کے بعد پاک فضائیہ کے

طیاروں نے اس جہاز پر حملہ کر دیا تاہم بعد میں یہ پتہ چلا کہ وہ جہاز ہمارا اپنا تھا اگر اس جہاز کا کمانڈر سبز رنگ کی روشنی کا سگنل نہ دیتا تو عین ممکن تھا کہ یہ طیارے اسے غرق کر کے ہی دم لیتے بہرکیف طیاروں کی فائرنگ کے نتیجے میں اس جہاز کا ایک افسر اور عملے کے متعدد ارکان ہلاک ہو گئے۔ 9 دسمبر 1971ء کو دو ایف۔ 104 طیارے دوبارہ اوکھا کی بندرگاہ پر حملے کی غرض سے روانہ کئے گئے جہاں انہیں کوئی میزائل بوٹ دکھائی نہیں دی تاہم انہوں نے تیل کے دو ٹینکوں پر حملہ کر کے انہیں آگ لگا دی جہاں اس سے قبل 5 اور 6 دسمبر کو تباہ کئے جانے والے تیل کے ٹینکوں سے اب تک دھواں برآمد ہو رہا تھا۔ 10 دسمبر کو اوکھا کی بندرگاہ پر ایک اور فضائی حملے کی منصوبہ بندی کی گئی لیکن اس علاقے سے 54 میل کے فاصلے پر تجارتی بحریہ کا آبدوز شکن 'الائز طیارہ دکھائی دیا جسے پاکستانی طیاروں نے مار گرایا تاہم تیل کی کمی کے باعث انہیں واپس آنا پڑا۔

مشرقی پاکستان میں فضائی جنگ

مشرقی پاکستان میں پاکستان ائرفورس کے پاس صرف ایک اسکواڈرن اور ایک ہی فضائی اڈہ تھا (کرمی ٹولہ کا رن وے اضافی تھا) جبکہ بھارت کے پاس جنگی طیاروں کے گیارہ اسکواڈرن تھے جو ڈھاکہ کے شمال مشرقی اور مغربی علاقوں میں واقع ہوائی اڈوں سے کارروائیاں کرتے تھے ان کے علاوہ طیارہ بردار جہاز سے اڑ کر آنے والے بھارتی جنگی طیارے بھی مسلسل خطرے کا سبب بنے ہوئے تھے۔ مارچ 1971ء کے آرمی ایکشن کے دوران پیشگی خبردار کرنے والا نظام جو گشتی آبزرور یونٹس پر مبنی تھا مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں ڈھاکہ میں موجودہ فضائیہ کے اسکواڈرن کو سنگین مشکلات کا سامنا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ دشواری بھی اپنی جگہ موجود تھی کہ ڈھاکہ سے وہ ریڈار بھی ہٹا لیا گیا تھا جو فضائی حدود میں داخل ہونے والے بھارتی طیاروں کی نشاندہی کر سکتا تھا۔ ان تمام خامیوں اور نقائص کے باوجود پاک فضائیہ کے اسکواڈرن لیڈر نے ستاسی مرتبہ آرمی کو فضائی تحفظ فراہم کیا۔ 4 دسمبر کو جب بھارتی فضائیہ نے تیج گاؤں اور کرمی ٹولہ کے ہوائی اڈوں پر بھرپور حملہ کر دیا تو پاک فضائیہ کے اسکواڈرن لیڈر نے بڑی بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے تین طیاروں کو مار گرایا۔

فضائی دفاع

فضائی دفاع کا بنیادی مفہوم یہ ہوتا ہے کہ فضائی حملوں کے ذریعے ملک کا دفاع کیا جائے تاہم تکنیکی نقطہ نظر سے یہ دفاع کی ان مختلف صورتوں تک محدود ہے جو دشمن کے فضائی حملوں سے بچاؤ کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔ اس مفہوم میں فضائی دفاع کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دشمن کو اپنی سرزمین پر فضائی حملوں سے باز رکھا جائے عموماً جنگ میں یہ عمل تین بنیادی صورتوں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی فضائی معرکے' دشمن کو مغالطے میں رکھنا اور حملوں سے بچاؤ۔ طیاروں کے نقصان کے جواب میں دشمن کے نو طیارے مار گرائے۔ 5 دسمبر کو یہ طیارے پھر فضا میں بلند ہوئے تاکہ دشمن کے جہازوں کو للکارا جائے تاہم کوئی فضائی معرکہ پیش نہیں آیا۔ 6 دسمبر کی صبح چار طیاروں کو بھارتی طیاروں کا مقابلہ کرنے کے لئے کومیلا روانہ کیا گیا جہاں ہماری فوج بڑے سخت دباؤ میں دشمن کی فوج کا مقابلہ کرنے میں مصروف تھی۔ اس فضائی جنگ کے دوران ایک بھارتی طیارہ گرا لیا گیا اور ہمارے طیارے بحفاظت تیج گاؤں واپس پہنچ گئے؛ تاہم اس سے قبل کہ وہ وہاں سے ایندھن لے کر دوبارہ پرواز کے لئے تیار ہوتے بھارتی طیاروں نے تیج گاؤں اور کرمی ٹولہ کے ہوائی اڈوں پر شدید بمباری شروع کر دی چنانچہ رن وے کی مرمت کے پیش نظر کوئی طیارہ پرواز نہ کر سکا' دوسری طرف بھارتی طیارے مسلسل بم باری کر رہے تھے۔ آخر 9 دسمبر کو پاکستانی فضائیہ کے کمانڈر آپریشن سینٹر نے مشرقی پاکستان کے اے او سی کو ہدایات جاری کیں کہ تمام پائلٹس کو برما روانہ کر کے بقیہ طیاروں اور تنصیبات کو تباہ کر دیا جائے۔

پاک فضائیہ کے دعوئی

اس تمام عرصے کے دوران بھارتی فضائیہ کے طیاروں نے مشرقی پاکستان پر مجموعی اعتبار سے دو ہزار پروازیں کیں جس کے دوران اس کے کل اٹھائیس طیارے فضائی معرکے کے دوران اور طیارہ شکن توپوں کی فائرنگ سے تباہ ہوئے جبکہ پاکستانی فضائیہ کو صرف پانچ طیاروں کا نقصان ہوا؛ تاہم ہمارے گیارہ لڑاکا طیارے ڈھاکہ ائرپورٹ پر گراؤنڈ کئے جانے کے بعد تباہ کر دیئے گئے اور بارہ پائلٹوں کو مشرقی پاکستان سے نکال کر برما کے راستے پاکستان بھیج دیا گیا۔

عمومی واقعات:

پاک فضائیہ کی جانب سے تین اور سترہ دسمبر 1971ء کے درمیانی عرصے میں مجموعی طور پر بھیجے گئے فضائی حملوں کے مشن کی تفصیلات ضمیمہ ''الف'' میں درج ہیں۔

پاک فضائیہ نے اپنی کامیابی کے ثبوت میں دعویٰ کیا ہے کہ اپنے چوبیس طیارں کے جواب میں اس نے دشمن کے ایک سو چار طیارے تباہ کئے ان نقصان کی تفصیل ضمیمہ ''ب'' میں درج ہیں۔

ان مشنز کی تفصیلات جو پاکستان آرمی کو فضائی تحفظ کی غرض سے روانہ کئے گئے 4 سے 17 دسمبر 1971ء تک تاریخ وار ضمیمہ ''ج'' میں درج ہیں۔

پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے ائرفورس کے خلاف کی جانے والی تنقید اور نکتہ چینی کو لاعلمی اور غیر حقیقت پسندانہ رویے پر مبنی قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا کی کسی بھی ائرفورس کے لئے خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دشمن کو اپنی فضائی حدود میں داخل ہونے سے روک سکے نہ ہی اس کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ حملہ آور طیاروں کو للکار سکے خاص طور پر اس وقت جب یہ طیارے کسی قریبی ہوائی اڈے سے پرواز کر کے آ رہے ہوں جیسا کہ بھارتی فضائیہ کے طیاروں کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے۔ کمیشن کی توجہ اس طرف بھی دلائی گئی ہے کہ ہماری بڑی مواصلاتی لائنیں مثال کے طور پر پاکستان ریلوے' بھارتی سرحد کے بے حد نزدیک اور تقریباً متوازی گزرتی تھی جس کے سبب دشمن کے اگلے ہوائی اڈوں سے نیچی پرواز کر کے آنے والے جیٹ طیارے پانچ سے سات منٹ کے اندر اندر اپنے نشانے کے مقام تک بآسانی پہنچ جایا کرتے تھے جس کے نتیجے میں پاک فضائیہ کے طیاروں کو اتنا وقت نہیں مل پاتا تھا کہ وہ فوری طور پر اڑان بھرتے ہوئے ان طیاروں پر جوابی حملہ کر سکیں۔ بالخصوص سرگودھا سے جو ہمارا ایک اہم ائربیس تھا۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ ناممکن اور فضول ہی تھا اگر پاک فضائیہ اپنی محدود تعداد کا ایک چھوٹا سا حصہ بھی ان دشمن طیاروں کے تعاقب کے لئے وقف کر دیتی جو ہماری طیاروں کے فضا میں بلند ہوتے ہی جوابی مقابلہ کرنے کے بجائے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ فرار ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ 1965ء اور 1971ء کی جنگوں کے دوران حالات کا رخ بالکل مختلف تھا لہٰذا ان دو جنگوں کے مابین کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ 1971ء کی جنگ کے دوران دونوں فریقین فضائی دفاع کی نئی تکنیک پر عمل پیرا تھے جس کا تعلق فضائی اڈوں کے

مابین باہمی مدد اور تعاون کے نیٹ ورک سے تھا۔ دونوں جانب سے بڑی خوبی اور احتیاط کے ساتھ ان ہوائی اڈوں پر اپنے اپنے جنگی طیاروں کو کیموفلاج کر کے یا انہیں دشمن طیاروں کی نظروں سے چھپا کر اس طرح محفوظ کر دیا گیا تھا کہ کسی بھی فریق کے لئے جنگی طیاروں کو زمین پر ہی بہت بڑی تعداد میں تباہ کر دینا کسی بھی طور پر ممکن نہ رہا جیسا کہ 1965ء کی جنگ کے موقع پر پٹھان کوٹ اور کلائی کنڈا میں ہوا تھا اس کے علاوہ بھارت کو مقابلتاً یہ صلاحیت حاصل تھی کہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے ائربیس کی ہوائی پٹیوں اور اہم تنصیبات کو پہنچنے والے نقصان کی فوراً مرمت کر لیتا تھا۔ اس کے ٹریننگ اور وارننگ سسٹم میں بھی 1965ء کے مقابلے میں کافی بہتری آ چکی تھی۔

پاک فضائیہ کی دشمن پر برتری

پاک فضائیہ کو اس بات کا پورا یقین ہو چلا تھا کہ روس کی مدد سے بھارت نے ایک خاص قسم کا وارننگ اور فضائی معرکے کی رہنمائی کرنے والا سسٹم ڈیزائن کیا ہے' چنانچہ ایک بھارتی ہوائی جہاز جو الیکٹرونک آلات سے لیس تھا فوری طور پر اس کی فضائیہ کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کر دیا کرتا تھا۔ اس سسٹم نے بھارتی حملہ آور طیاروں کی بڑی مؤثر اور قابل قدر مدد اور تعاون فراہم کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جونہی ہمارا کوئی طیارہ دشمن کے کسی طیارے پر لپکتا اسے فوری طور پر اس مخصوص جہاز سے اس کی پیشگی اطلاع مل جاتی اور اس طرح وہ اپنے تئیں پاکستانی طیارے کی فائرنگ رینج سے بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو جاتا۔ اکثر اوقات یہ بھارتی جہاز پاکستانی طیاروں کو بھیجے جانے والے سگنلز موصول کرنے کے بعد بھارتی حملہ آور طیاروں کی ان علاقوں کی طرف رہنمائی بھی کیا کرتا تھا جہاں پاکستانی طیارے موجود نہ ہوں۔

ہماری مواصلاتی لائنیں پشاور سے کراچی تک ایک ہزار میل کے فاصلے پر پھیلی ہوئی تھیں جن کے سبب پاک فضائیہ کے مطابق یہ ممکن نہ تھا کہ اس طویل لائن کے ہر سیکٹر کو مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا۔ دریں حالات کسی خاص علاقے میں پاکستانی طیارے کی عدم موجودگی کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ فضائیہ اپنا فرض انجام نہیں دے رہی جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اپنی صلاحیتوں کے محفوظ دائرے سے خود کو بہت زیادہ پھیلا کر رکھا تھا۔ بالخصوص اس لئے بھی اسے اپنی قوت کا خاصا حصہ آرمی کے حملہ میں بھرپور مدد دینے کی غرض سے محفوظ رکھنا پڑتا تھا جو کسی

وقت اور کسی بھی لمحہ کئے جا سکتے تھے۔ ان دشواریوں اور مشکلات کے باوجود پاک فضائیہ نے اپنے سے کئی گنا زیادہ بڑی اور طاقتور فضائیہ کا نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ کم نقصان کے عوض دشمن کو زیادہ نقصان پہنچانے میں بھی کامیاب رہی۔

موازنہ یا مقابلہ ہمیشہ سے ایک ناپسندیدہ عمل رہا ہے اور ہم نہیں چاہتے تھے کہ 1965ء اور 1971ء کی جنگوں کے دوران پاک فضائیہ کی کارکردگی کا کوئی موازنہ کریں کیونکہ ان دونوں جنگوں کے مروجہ حالات کسی بھی صورت میں ایک سے نہیں تھے تاہم ملکی دفاعی کی مجموعی ضروریات کے پیش نظر ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ فضائی دفاع کی منصوبہ بندی پر ازسرنو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم اس دلیل سے قائل نہیں ہو سکتے جو 1965ء کی جنگ کے بعد تیار کئے جانے والے چند اگلے فضائی اڈوں کو غیر متحرک رکھنے کے سلسلے میں پیش کی گئی ہے نہ ہی ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ملک کی مخصوص نوعیت کی ضروریات کے پیش نظر پاک فضائیہ کوئی ایسا دفاعی منصوبہ تشکیل دینے کی پوریشن میں نہیں تھی جو زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ ہمارے ملک کے گنجان آبادی والے اہم علاقے بھارتی سرحد کے قریب واقع ہیں اور ہماری اہم مواصلاتی لائنیں مثال کے طور پر ریلوے اور پبلک ہائی ویز بھی بھارتی سرحد کے قریب اور متوازی واقع ہیں جو ہمیشہ دشمن کے فضائی حملوں کی زد پر رہتے ہیں۔ یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ جس رفتار سے جدید جیٹ طیارے اپنے نشانے پر پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' اسی رفتار سے اتنے کم وقت میں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے فوری طور پر تیاری کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے ایسے حالات میں یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں اگلے مقامات پر ایسے فضائی اڈے معقول تعداد میں کیوں تعمیر نہیں کئے گئے جہاں سے ہماری اہم مواصلاتی لائنوں کے ساتھ ساتھ اہم صنعتی مراکز کا بھی دفاع کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ دشمن طیاروں کے اس طرح بلا کسی روک ٹوک کے ہماری فضائی حدود میں داخل ہو جانے سے شہری آبادی کے ذہن پر بھی حوصلہ شکن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ہماری رائے میں اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ایسے دیگر ذرائع بروئے کار لائے جائیں جن کی مدد سے ہوائی حملوں کی صورت میں شہری علاقوں' اہم تنصیبات اور مواصلاتی رابطوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے پلوں کا بھی دفاع کیا جا سکتا ہو۔ اس مقصد کے لئے ان مقامات پر طیارہ شکن توپوں کے انتظام کو بھی مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

ہم پاک فضائیہ کے موجودہ پیشگی وارننگ سسٹم کی کارکردگی سے بھی مطمئن نہیں ہیں۔ موبائل آبزرور یونٹ کی پہلی لائن کی جانب سے دشمن کے طیارے کو دیکھنے اور فضائی آپریشن مرکز تک اس کی اطلاع پہنچنے کے دوران کافی طویل وقفہ ہوتا ہے اس تاخیر کے نتیجے میں ہمارے طیاروں کو بروقت کارروائی کا موقع نہیں مل پاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موبائل آبزرور یونٹ پہلے ایس او سی سے رابطہ کرتا ہے جس کے بعد ایس او سی اے او سی سے رابطہ کر کے اسے اطلاع فراہم کرتا ہے جس کے بعد ہی طیارے حرکت میں آتے ہیں اس عدم مستعدی کے سبب اسٹیشن آفیسرز کمانڈنگ کے ذہنوں میں بھی کافی کنفیوژن پایا جاتا تھا۔ جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ پیشگی وارننگ سسٹم پر عملدرآمد کے سلسلے میں متعلقہ اداروں کے درمیان ضروری مشق اور رابطوں کا شدید فقدان تھا۔ اس قسم کی مشقیں وقتاً فوقتاً نہایت ضروری ہوتی ہیں تاکہ کارکردگی کے معیار کو ہمیشہ بلند رکھا جا سکے۔

مشترکہ منصوبہ بندی اور جنگ کی مشترکہ سمت کا سوال بھی ہمارے لئے خاصا باعث تشویش رہا ہے کیونکہ ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نظام کی کارکردگی کسی بھی طور اطمینان بخش نہیں تھی۔ فضائیہ اور بحریہ کے درمیان کسی قسم کی مشترکہ منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی حتیٰ کہ فضائیہ اور آرمی کے درمیان بھی رابطے اور اشتراک کی صورتحال کچھ زیادہ تسلی بخش نہ تھی چنانچہ پورا نظام شکست سے دوچار ہو گیا کیونکہ یا تو طیاروں کے پائلٹ نے آرمی کے ساتھ مل کر مطلوبہ مشقیں نہیں کی تھیں یا وہ آرمی افسران جنہیں فارورڈ ائر کنٹرولر کی حیثیت سے تربیت دی گئی تھی نشانے کی طرف سے فضائیہ کے طیاروں کی صحیح رہنمائی نہ کر سکے تھے۔ ہم معاملے کے اس پہلو پر ایک دوسرے باب میں تفصیل سے گفتگو کریں گے' جو خصوصی طور پر جنگ کی بلند تر سمت اور مشترکہ منصوبہ بندی سے متعلق ہو گا۔

یہاں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ایران کے علاوہ ہمارا کسی اور ملک سے کوئی خفیہ معاہدہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود سعودی عرب' اردن' لیبیا اور چین نے طیاروں' اسلحہ' گولہ بارود اور اسپیئر پارٹس کی شکل میں ہماری خاصی مدد کی اور اگر یہ جنگ مزید طول اختیار کر لیتی تب بھی ہم اس بے چارگی کی صورتحال سے ہرگز دوچار نہ ہوتے جس کا نقشہ امریکی سفیر نے سابق صدر کے روبرو کھینچا تھا۔ کیونکہ بھارتی فضائیہ کے اختیار کردہ طریقہ کار کو دیکھتے ہوئے ہم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ وہ ایسی حکمت عملی پر بھی عمل کر سکتی تھی جس کے نتیجے میں ہماری فضائیہ

ایک دودنوں ہی میں قطعاً بے جان اور غیر مؤثر ہوکر رہ جاتی۔ اس کے علاوہ ہم جنرل یحییٰ خان اور جنرل عبدالحمید خان کے اس مؤقف کی بھی تائید نہیں کر سکتے کہ ہماری مواصلاتی لائنوں کے تحفظ اور دفاع میں فضائیہ کی ناکامی ایک بنیادی عنصر تھا جس کے نتیجے میں پاکستان آرمی کو بھارت کے خلاف اپنا بڑا حملہ منسوخ کرنا پڑا تاہم ہم پاکستانی فضائیہ کے کمانڈرانچیف سے اتفاق کرتے ہیں کہ اگر 14 دسمبر کو آرمی بڑا حملہ شروع کر دیتی تو فضائیہ اس پوزیشن میں تھی کہ کم از کم بھٹنڈہ تک تو اس کی بھرپور مدد کرتی اور اس سے آگے بھی کر سکتی تھی اگر پاکستان آرمی سرسا کے بھارتی فضائی اڈے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔

اس کے علاوہ ایک نکتہ اور بھی ہے جس پر توجہ دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ پاک فضائیہ نے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کرتے ہوئے پورے جنوبی علاقے یعنی کراچی سے لے کر رحیم یار خان تک کے دفاع کو ایف 104 لڑاکا طیاروں کے صرف ایک اسکواڈرن اور بی۔57 بم بار طیاروں کے نصف اسکواڈرن کے سپرد کر دیا تھا جو پاکستان ایرفورس کے مسرور بیس میں تعینات تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کراچی ملک کا انتہائی اہم مقام ہے اور ہماری بحریہ اتنی طاقتور نہیں تھی کہ بھارت کی ایک بالادست اور بڑی بحریہ کے خطرے کا سامنا کر سکتی یہ حقیقت بھی نہیں سمجھی گئی کہ بھارتی بحریہ کو یہ صلاحیت بھی حاصل تھی کہ وہ کراچی کی ناکہ بندی کر سکے اور اگر مغربی پاکستان کی واحد بندرگاہ کی ناکہ بندی کر دی جاتی تو اس کے سنگین اثرات تیل کی سپلائی اور دیگر ضروری ساز و سامان کی ترسیل پر مرتب ہو سکتے تھے۔ جو مشرق وسطیٰ کے ممالک سے ہمیں فراہم کیا جا رہا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضائی منصوبہ بندی کے دوران اس جانب ضروری توجہ نہیں دی گئی اور سمندر کی جانب سے کراچی شہر کو لاحق خطرات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا گیا ہمیں امید ہے آئندہ اس معاملے پر مناسب غور و خوض کیا جائے گا۔

ملک کی جغرافیائی اور سیاسی صورتحال کی روشنی میں پاکستان نیوی اپنے محدود وسائل کی وجہ سے ہماری دفاعی تنظیم کے ساتھ کمزور ترین تعلق رکھتی تھی۔ بھارتی نیوی کی توسیع اور اسے جدید تر بنانے کی وجہ سے ہماری بندرگاہ اور سمندری راستوں کو درپیش مسائل کا علم ہونے اور بھارتی خطرے کے احساس کے باوجود نیوی کو بہتر بنانے کی طرف یا تو بالکل ہی توجہ نہ دی گئی یا انتہائی کم توجہ دی گئی جب آرمی کے کمانڈرانچیف ریاست کے سربراہ بھی بن گئے تو وہ زمینی فوج کی طرفداری کرتے نظر آئے اور جو حکمت عملی وضع کی گئی اس میں زمینی فوج کا پہلو غالب تھا۔

اس تصویر کے نتیجے میں نہ صرف نیوی کی ضروریات پوری کرنے میں مکمل ناکامی ہوئی بلکہ ملکی دفاعی منصوبہ بندی میں نیوی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اس طرح تینوں مسلح افواج کے مابین مشترکہ منصوبہ بندی میں آرمی موجود نہ تھی جس کی وجہ جنگ کی صورت میں نیوی کی اہمیت کو تسلیم نہیں کرنا ہے بلکہ اعلیٰ دفاعی تنظیم کا کام بھی مکمل طور پر مفلوج ہو گیا جو مارشل لاء کے نفاذ سے قبل ملک میں موجود تھی۔

ذمہ داری کی نوعیت کو تسلیم کرنے میں ناکامی کے بارے میں کوئی بہانہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ مارچ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن شروع ہونے کے بعد آخرکار نیوی کو مدد کیلئے بلایا جاتا تھا یا پھر بھارت کی طرف سے اس علاقے میں مکمل حملے کے بعد مشرقی پاکستان سے فوجوں کا خلاء یا فوجیوں کی واپسی کے مشترکہ ہنگامی منصوبہ کی تشکیل کیلئے نیوی کو مدد کیلئے بلانا تھا لیکن مغربی محاذ پر جنگ کی منصوبہ بندی کے حوالے سے نیوی کو جس طرح استعمال کیا گیا اس بارے میں کوئی عذر قابل قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ بھارتی نیوی کی طرف سے کراچی کے محاصرے کے امکان کے بارے میں کوئی سوچ نہیں سوچی گئی تھی اور نہ ہی نیوی اور اوایس ایس اے کی طرف سے کراچی کو شدید خطرے کے بارے میں سوچا گیا تھا۔ درحقیقت نیوی مشترکہ منصوبہ میں عدم رابطہ کے باوجود اضافی حملہ آور فورسز کو زیادہ سے زیادہ فائدہ کیلئے استعمال کرنے کیلئے تیار تھی۔ اگرچہ نیوی کو حملے کے دن اور حملے کے وقت کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں بھی تاخیر سے کام لیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 1971ء کی جنگ کے تمام بڑے فیصلوں میں نیوی سے مشاورت نہ کی گئی۔ جنگ کی اعلیٰ سمت کے ان پہلوؤں کا جائزہ ایک دوسرے باب میں کیا جائے گا لیکن یہاں پر مشرقی اور مغربی پاکستان میں جنگی آپریشن میں نیوی نے جو کردار ادا کیا ہے اس کا تجزیہ کریں گے۔

مشرقی پاکستان میں نیول ایکشنز

پاکستان نیوی کا بنیادی جنگی منصوبہ مغربی پاکستان کی میری ٹائم کا دفاع اور بھارت کی دہ تیز رو جنگی جہاز، 18 تباہ کرنے والے جہاز، 8 اوایس ایس اے کشتیاں اور بحیرہ عرب میں ممکنہ سب میرین پر مشتمل فورس کے مقابلے میں دفاع کرنا تھا۔ بھارت کی اس نیول فورس کے مقابلے میں ایک تیز رو جنگی جہاز 5 تباہ کرنے والے جہاز، ایک ٹینکر، چار گشتی کشتیاں، دو

موثر پیڈ وبوٹس (جو اپریل 1970ء میں سعودی عرب سے مستعار لی گئی تھیں) اور چار سب میرین پر مشتمل تھیں۔ ہمارا بحری بیڑہ شروع ہی سے اپنے موثر پن کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھا۔ یہ مختصر فوج دونوں بازوؤں کی حفاظت نہ کرسکتی تھی۔ اس لئے تصور یہ تھا کہ نیوی میں جس قدر افرادی قوت اور اسلحہ و آلات میں ممکنہ اضافہ کیا جائے۔ پاکستان نیوی کا بنیادی بیس کراچی تھا لیکن کموڈور کے تحت چٹاگانگ میں کھولا گیا تھا جو چھوٹے پیمانے پر مرمت کی تنظیم، ساز و سامان کا ڈپو، سٹور اور ایمونیشن وغیرہ پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مشرقی اور مغربی پاکستان اور چٹاگانگ اور سمندر اور دریاؤں کے دوسرے یونٹوں کے مابین کمیونیکیشن سنٹر بھی تھا۔ نیوی نے کھلنا میں بھی ایک چھوٹا سا دفتر قائم کیا جہاں پر کچھ نیول آفیسر اور سیلرز تعینات کئے گئے۔ 1971ء میں مشرق پاکستان کے ساحلی علاقے کے گشت کیلئے کموڈور کے پاس چار گشتی طیارے تھے۔ وقتاً فوقتاً ایک تباہ کن جہاز مختصر عرصے کیلئے مشرقی پاکستان جایا کرتا تھا۔ باقی کی نیوی کراچی میں موجود تھی۔

مارچ 1971ء میں فوجی ایکشن اور چٹاگانگ اور اندرونی علاقوں کے مابین ریلوے کے رابطے گوریلا فوجوں کی سرگرمیوں کے نتیجے میں ختم ہونے کی وجہ سے ضرورت محسوس کی گئی کہ دریائی راستوں کو کھلا رکھنے کیلئے فوج بلائی جائے اور فائر سپورٹ کے ساتھ جہازوں کے ذریعے ساز و سامان پہنچانے کیلئے راستے کھلے رکھے۔

واٹر ٹرانسپورٹ اتھارٹی کی درخواست پر مشرقی پاکستان میں گشتی طیاروں میں اضافے کا فیصلہ عجلت میں کیا گیا اور ان تین گشتی طیاروں کو گن بوٹس میں تبدیل کر دیا گیا بعد ازاں تین مزید گن بوٹس چین سے لینے کے انتظامات کئے گئے اور دریائی اور ساحلی علاقوں پر دشمن کے حملے کے خطرے سے نمٹنے کیلئے نیوی کی بٹالین کا اضافہ کیا گیا اور خشکی اور تری پر حملے کا کام چاندپور کے اضافی بیس کیلئے تشکیل دیا گیا۔

مشرقی پاکستان کے کموڈور کے عہدے کو بڑھا کر مشرقی پاکستان کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ بنا دیا گیا جس کا ہیڈکوارٹر ڈھاکہ میں تھا اور مشرقی کمانڈ کے ساتھ کام کیلئے ریئر ایڈمرل کو فلیگ آفیسر کے طور پر تعینات کیا گیا۔

اس طرح پاکستان میں تخلیق کردہ فورس نے مشرقی پاکستان میں گوریلا فوجوں کی سرگرمی کے باوجود دریائی اور دوسرے علاقوں کے رستوں کو کھلا رکھنے کیلئے اہم کام سرانجام دیا۔

تمام دفاعی اور بنیادی نوعیت کے سامان کی ترسیل کا کام بحری جہازوں نے بحریہ کے مسلح اہلکاروں کے ساتھ گن بوٹس کے قافلے کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد گوریلا فوجوں اور بھارت کے تیراکوں کی جانب سے تباہ کن اقدامات کے جواب میں زیر آب خصوصی اقدامات کئے گئے۔ بحریہ نے چلنا کے علاقے میں بھی جوابی سرنگوں سے نمٹنے کیلئے کام کئے۔ نومبر کے اختتام تک گوریلا اور مکتی باہنی کے غنڈوں کی سرگرمی کی وجہ سے بحریہ کے 397 اہلکار (جن میں دس آفیسرز اور 387 سی پی اوز) مشرقی پاکستان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مشرقی پاکستانی کی نیوی کی تعداد کو 550 سے بڑھا کر 1511 کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ آرمی کے دریائی امدادی یونٹ کی مدد کیلئے نیوی نے 30 کشتی جہازوں کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس میں ایک نیول لینڈنگ کرافٹ ٹینک اور تین میکنائزڈ نیول لینڈنگ کرافٹس تھے۔

مارچ 1971 میں ایک تباہ کن جہاز پی این ایس جہانگیر کو بھی چٹاگانگ میں فوج کی مدد کیلئے بھیجا گیا اور کاکس بازار اور سینٹ مارٹین جزیرے پر لینڈنگ آپریشن میں مدد دینے کیلئے 5 اور 6 مئی 1971ء کو بھیجا گیا۔ 9 مئی کو پی این ایس جہانگیر ٹینکر پی این ایس کے ساتھ کراچی واپس آ گیا۔ پی این ایس مدر اگست 1971ء تک چٹاگانگ میں رہا تاکہ بھارت کے بحری بیڑے کے بڑے حملے کے خطرے کا مقابلہ کیا جا سکے۔

نومبر پاکستان کے مختصر بحری بیڑے کو بھارتی فوجوں اور مکتی باہنی کے غنڈوں کو جو کشتیوں اور لانچوں کے ذریعے مشرقی پاکستان میں داخل ہونا چاہتے تھے مشرقی پاکستان کے دریائی علاقوں میں داخل ہونے سے روکنا تھا۔ مشرقی پاکستان کے گن بوٹ کے پورے بحری بیڑے کو 24 گھنٹے کام میں مصروف رہنا پڑا لیکن اس کے باوجود دشمن نومبر کے دوسرے ہفتے میں دریائے پسر کے بارودی سرنگ کے علاقہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ بارودی سرنگوں کے علاقے کو سول ایئر کرافٹ کی مدد سے صاف کیا گیا اور ٹریفک دوبارہ شروع ہو گئی۔ لیکن دشمن 12 نومبر کو ایک غیر ملکی جہاز کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو گیا جبکہ 17 نومبر کو دشمن نے ایک اور جہاز کو نقصان پہنچایا۔ اس واقعہ کے بعد چلنا کی بندرگاہ عملی طور پر بند ہو گئی۔

اس کلی آپریشن کے دوران نیوی کے چھ سیلرز اور دو سویلین ڈرائیورز ہلاک ہوئے تین افسران اور ایک سیلر زخمی ہوا اور 3 دسمبر تک صرف ایک گن بوٹ کو نقصان پہنچا تھا۔ مشرقی پاکستان میں نیوی نے اپنی محدودیتوں کے باوجود جو کامیابی حاصل کی ان آپشنز سے اس بات کا

اظہار ہوتا ہے۔

چار دسمبر 1971ء کو بھارت کی طرف سے کھلی جنگ شروع کرنے کے بعد سے مشرقی پاکستان میں تمام بندرگاہیں اور دریائی رستے اور ٹریفک بھارت کے شدید فضائی حملوں کی زد میں تھے اور مشرقی پاکستان کے سارے ساحلی علاقے کا محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ چٹا گانگ پر نہ صرف زمین سے کینبرا اور ہنٹرز طیاروں کے ذریعے سے حملہ کیا گیا جس کی وجہ سے چٹا گانگ میں تیل کی تنصیبات کو شدید نقصان پہنچا اور نیوی کا گشتی طیارہ (جو کامیلا میں تھا) ڈوب گیا جبکہ راج شاہی میں موجود جہاز کو شدید نقصان پہنچا۔ چٹا گانگ اور مونگلا کی بندرگاہوں پر کھڑے تجارتی جہاز بھی کچھ ڈوب گئے اور کچھ کو نقصان پہنچا۔ نیوی نے بارودی سرنگیں بچھا کر چٹا گانگ پہنچنے والے راستے مسدود کر دیئے تھے اور ہتھیار پھینکنے کے بعد تک یہ راستے مسدود ہی رہے اور بھارت اس علاقے میں کوئی لینڈنگ نہ کر سکا۔

17 دسمبر 1971ء کو ہتھیار پھینکنے کے بعد آخرکار بھارتی کاکس بازار میں اترے۔

جب آٹھ دسمبر کو فوج پسپا ہوئی تو کھلنا کو خالی کر دیا گیا۔ کھلنا نیول بیس کا کمانڈر کنفیوژن کی وجہ سے 7 دسمبر کی صبح کو غلطی سے سنگار جانے والے جہاز میں سوار ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ دریا کنارے اتر جائے گا، لیکن دشمن کے مسلسل حملوں کی وجہ س جہاز کا کمانڈر انہیں اتارنے پر راضی نہ ہوا اور وہ انہیں اپنے ساتھ سنگاپور لے گیا۔

9 دسمبر کو فلیگ آفیسر کمانڈنگ مشرقی پاکستان نے نیوی کے کمانڈر انچیف کو درج ذیل پیغام بھیجا۔ ان کے بیان کا خلاصہ مشرقی پاکستان کی صورتحال کی عکاسی کرتا ہے اور یہاں یہ خلاصہ نقل ہونے کے قابل ہے، جس میں کہا گیا ہے وہ 16 دسمبر تک مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ان کا یہ اندازہ اب درست ثابت ہوا ہے۔ یہ پیغام درج ذیل ہے۔

''اب جبکہ بھارتیوں نے فضائی برتری مکمل طور پر کر لی ہے اور 5 دسمبر کے بعد آسمان ان کیلئے کھلا ہے، ہماری زمینی فوج بدقسمتی سے توقع سے قبل پسپا ہو گئی ہے۔ مشرقی سیکٹر میں دشمن کے فوجی دستے چاند پور تک پہنچ چکے ہیں۔ اینٹی ایئر کرافٹ رجمنٹ نے گزشتہ رات علاقے کو خالی کر دیا۔ مغربی سیکٹر میں دشمن فرید پور تک پہنچ چکا ہے، جبکہ باری سال کا مکمل علاقہ باغیوں کے کنٹرول میں ہے۔ شمال کی طرف سے دشمن رنگ پور کے راستے بوگرا تک پہنچ چکا ہے۔ شمال مشرقی علاقے میں ہمارے فوجی دستے دشمن کے مقابلے میں جمیرب بازار تک سکڑ گئے ہیں۔''

پیرا نمبر 2= ساحلی وائرس سروس، ٹرین اور آبی گزرگاہوں کا مواصلاتی نظام گزشتہ رات دشمن کے مسلسل فضائی حملوں کی زد میں رہا۔ دشمن کو باغیوں کی بڑے پیمانے پر حمایت حاصل تھی۔ اس وجہ سے ذرائع نقل و حمل کا نظام جامد ہو کر رہ گیا، یعنی جب بحری جہاز نے بھالوک اور باریسل کے درمیان 25 سمندری میل پر بوٹس کو منتشر کیا تو گن بوٹس کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کا تناسب بھی بہت زیادہ رہا۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی لسٹ تیار کی جارہی ہے۔ نیول فورسز کے 60 فیصد نے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیئے۔ بھارتی اپنے ہیلی کاپٹرز کی صلاحیت کو پوری طرح استعمال کر رہے ہیں اور ابھی تک سلہٹ، جلی اور برہمن باریا کے علاقے میں تین ہیلی کاپٹر گر رہے ہیں۔

پیرا نمبر 5= مشرقی کمانڈ مختلف سیکٹروں سے فوجی دستوں کو واپس بلا رہی ہے تا کہ ان فوجی دستوں کو پھر سے ڈھاکہ میں تعینات کیا جا سکے، اگر فوجی دستے حرکت کے قابل ہوں تو ڈھاکہ کو آخری پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

پیرا نمبر 6= ناقص ہتھیاروں سے لیس ڈویژنز، جن کے پاس مناسب آرٹلری اور آرم بھی نہیں تھا، ان کے پاس محدود فضائی فورس تھی جبکہ نیول فورس کو ہنگامی طور پر ترتیب دی گئی تھی۔ یہ ساری فوج دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی سے جمی رہی، لیکن انسانی برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ماند پڑتی جاتی ہے۔ موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس وقت محدود مقدار میں اسلحہ موجود ہے اور اس کی سپلائی بھی محدود ہے اس لئے اس کا مزید ذخیرہ بھی ممکن نہیں ہے۔ بھارت کی جارح فوج تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے ڈھاکہ کی طرف بڑھ رہی ہے، انہیں فضائیہ اور باغیوں کا مکمل تعاون حاصل ہے، ایسی صورت میں، ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

14 دسمبر کو بحریہ کے ہیڈکوارٹر کراچی سے مشرقی پاکستان کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ اور چٹا گانگ کے کموڈور کو جو پیغام بھیجا گیا اس میں امریکہ کے ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت اور بھارت کی شمال مغربی اور شمال مشرقی سرحدوں پر چینیوں کی نقل و حرکت کی اطلاعات بھیجی گئیں اور مشرقی کمان کو اس سے متعلق بتانے کی ہدایت کی گئی، ہمیں یہاں بتایا گیا ہے اس پیغام کی بنیاد ریڈیو رپورٹس اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے جمع کردہ اطلاعات تھی، اگر حقیقتاً ایسی بات ہے تو یہ انتہائی غیر دانشمندانہ فعل تھا۔ یہ پیغام اس وقت نہیں بھیجنا چاہئے تھا جب تک اس پیغام کی

باقاعدہ تصدیق نہ کرلی جاتی۔ ازاں بعد مشرقی پاکستان کے فلیگ آفیسر نے ہتھیار ڈالنے سے متعلق آخری پیغام مشرقی کمانڈ کی جانب سے بھیجا جو اس طرح سے ہے۔

''صدر کی ہدایت کے مطابق مشرقی کمانڈ نے مشرقی پاکستان میں جنگی کارروائیوں کو روکنے کیلئے جنرل مانگ سے مختلف شرائط پر بات چیت کی اور صدر کی درخواست پر 16 دسمبر کو میں حکم بجالایا۔'' ان کی طرف سے اس پیغام کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ پی این ای مشرقی کمانڈ کے فیصلے کی پابندی کرے، اس کے بعد مشرق پاستان میں بحری جنگ ختم ہوگئی۔

اس کے باوجود 10 افسران وار 111 سیلرز 17 دسمبر کی صبح کو چٹاگانگ سے کشتی جہازوں، لانچز اور کشتیوں کے ذریعے برما پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان جہازوں میں سے معروف پی این ایس راجشاہی ہے۔ وہ افسران بورس بحری جہاز کو چٹاگانگ سے راجشاہی لائے اور بعد ازاں اسے پانانگ حفاظت سے پہنچادیا۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہ کوشش اس امر کے باوجود کی گئی حالانکہ سینئر افسران نے ایسی کوششوں سے منع کیا تھا۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ چٹاگانگ میں موجود سینئر افسران نے بحری جہازوں کے پیندے میں سوراخ کر کے انہیں ڈبونے کا حکم دیا تھا لیکن راجشاہی جہاز کو بچالیا گیا۔ جبکہ مذکورہ افسر کا خیال ہے کہ چونکہ دشمن کا چٹاگانگ سے کوئی رابطہ نہ تھا اس لئے بہت سے اور جہاز بھی بچائے جاسکتے تھے لیکن سینئر افسران کا رویہ مختلف تھا۔

بنوں ہیڈکوارٹر کے مطابق مشرقی پاکستان میں نیوی کے 95 افسران، 1378 سیلرز اور نیول سروس کے 104 سویلین نے ہتھیار ڈالے۔

مغربی پاکستان میں نیوی وار

جہاں تک مغربی پاکستان کا تعلق ہے پاکستان نیوی نے ان اطلاعات کے بعد کہ بھارتی فوج نے اپنے ایئر کرافٹ کیریئر (طیارہ بردار بحری جہاز) دو آبدوزیں، پانچ گشتی کشتیاں، ایک تباہ کن جہاز، 3 چھوٹے جنگی جہاز (فریگیٹ) اور تین بارودی سرنگیں بچھانے والے جہاز خلیج بنگال منتقل کردیئے ہیں۔ طیارہ بردار جہازوں کو ڈبونے کا جرات مندانہ سوچ سوچی۔ اس مقصد کیلئے ہماری امریکی طرز کی آبدوز جس کی رینج بہت طویل تھی یعنی پی این ایس غازی 14 نومبر 1971ء کو کراچی سے اس مقصد کے تحت بھیجی گئی کہ وہ طیارہ بردار جہاز ''ورنت'' کو

تلاش کرے اور ویشاکاپٹنم بندرگاہ کے باہر بارودی سرنگیں بچھائے۔ توقع تھی کہ پی این ایس غازی 25 یا 26 نومبر کو ویشاکاپٹنم پہنچ جائے گی اور اپنی آمد کی اطلاع دیگی لیکن پی این ایس غازی کے روانہ ہونے کے بعد اس سے متعلق کوئی اطلاع موصول نہ ہوں۔ اس لئے بھارتی ویشاکاپٹنم سے پرے آبدوز کو ڈبونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پی این ایس غازی کے ڈوبنے کی تصدیق کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ نیوی کا قیاس ابھی تک یہی ہے کہ پی این ایس غازی کسی اور مقام پر کسی اور وجہ سے ڈوبی ہے اور ہرگز، ہرگز دشمن کے حملے کے نتیجے میں نہیں ڈوبی ہے۔

مشرقی پاکستان میں بھارت کی کھلی مداخلت اور اس کے نتیجے میں صورتحال کی بدتری کی وجہ سے نیوی اپنے آپ کو جنگی تیاری کے مقام پر لایا۔ نیوی نے کھلے سمندر میں مشقیں شروع کردیں۔ 27 نومبر کو پاکستان نیوی کے کمانڈر انچیف اپنے جہاز سے جنگی مشقوں کا معائنہ کررہے تھے کہ انہیں پاکستان آرمی کے چیف آف سٹاف نے راولپنڈی بلالیا اور 28 نومبر کو پاکستان آرمی کے چیف آف سٹاف نے فضائیہ کے کمانڈر انچیف کی موجودگی میں انہیں صدر کے دوسرا محاذ کھولنے کے فیصلے سے آگاہ کیا۔

اس تاریخ کے بارے میں کچھ کنفیوژن پائی جاتی ہے کیونکہ سی جی ایس اور فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے اپنے اپنے بیان میں کہا کہ جنرل یحییٰ نے یہ فیصلہ 29 نومبر کو کیا اور حملے کا دن 30 نومبر مقرر کیا گیا لیکن نیوی کے کمانڈر انچیف کی اپنی شہادت کے مطابق انہیں حملے کی واضح تاریخ اور وقت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ بلکہ انہیں کہا گیا کہ فضائیہ کے کمانڈر انچیف پہلے سے طے کردہ کوڈ ورڈ (خفیہ لفظ) کے ذریعے سے انہیں ٹیلی فون پر حملے کے بارے میں بتائیں گے کہ حملے کی ابتدا دشمن کے فضائی اڈوں پر حملے سے کی جائے گی۔

بھارت کا بحری بیڑا 21 نومبر کو بمبئی کی بندرگاہ سے باہر آیا اور 8 سے 10 بحری جہاز (بڑی کشتیاں) ہماری ''ہنگور'' آبدوز کے پاس سے گزرے جو اس وقت بمبئی کے ساحل کے گشت پر متعین تھی۔ اس آبدوز سے کوئی ایکشن نہ لیا گیا کیونکہ ابھی جنگ کا اعلان نہیں کیا گیا تھا اور کسی بھی قسم کے بحری جہازوں پر حملے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ نیوی کے کمانڈر انچیف دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان فضایہ کے سربراہ نے انہیں ٹیلی فون پر کوڈ ورڈ (CODE WORD) 3 دسمبر کو سہ پہر 3 بجکر 30 منٹ پر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے افسران کو نیول ہیڈکوارٹر میں طلب کیا اور اپنے یونٹوں کو جنگی منصوبے تشکیل دینے کیلئے سگنلز بھیجے جو اس

سے قبل انہیں شام 6 بجکر 45 منٹ پر بند لفافوں میں بھیجے گئے تھے۔ یہ بات معلوم نہیں کہ اس آبدوز تک سگنلز کب پہنچے لیکن بحری بیڑا سوائے ایک تباہ کن جہاز اور دو بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہازوں کے، جو پہلے ہی مشرقی پاکستان بھیج دیئے گئے تھے اور ایک دوسرا تباہ کن جہاز جس کی مرمت ہو رہی تھی پہلے ہی سے سمندر میں تھا۔ محولا بالا 2 تباہ کن جہاز اسی رات کو کراچی سے روانہ ہوا اور کمانڈ فلیگ آفیسر کمانڈنگ، پاکستان فلوٹلا کے تحت بحری بیڑے میں شامل ہو گیا۔ ان کا آپریشنز کا تصور حسب ذیل تھا۔

(اے)۔ دن کی روشنی میں مکران ساحل کے ساتھ ساتھ کراچی کے مغرب کی جانب پیچھے ہٹ جائیں گے لیکن رات کے وقت یہ جہاز گڈانی میں لنگر انداز ہونگے۔ (گڈانی کیپ مونز کے شمال میں کراچی سے 32 میل کے فاصلے پر ہے۔) آپریشن کے اس عمومی طرز پر او ایس اے کشتیوں کی طرف سے خطرے کو پاکستان فضائیہ کی مدد سے بے اثر کرنے تک عمل کیا جاتا رہا ہے۔

(بی)۔ دو موٹر ٹارپیڈو کشتیاں صداقت اور رفاقت جاسوسی اور دشمن کی فوجوں کے پہنچنے کے بارے میں پیشگی وارننگ کیلئے استعمال کئے جانے تھے۔

اس تصور کے مطابق فلوٹیلا کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ نے ایک تباہ کن جہاز کو بیرونی گشت کیلئے کراچی سے 60/50 میل دور بھیج دیا تھا جبکہ بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہاز کو اندرونی گشت کیلئے کراچی سے 25/30 میل دور بھیج دیا تھا۔ لیکن ڈپٹی چیف آف نیول سٹاف آپریشن سے مشاورت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان گشتی جہازوں کو او ایس اے کے خطرے کے پیش نظر بلا لیا جانا چاہئے۔ 3 دسمبر کو رات 11 بجکر 34 منٹ پر نیول ہیڈ کوارٹر نے اس فیصلے کے الٹ فیصلہ کیا اور فلیگ آفیسر کو ہدایت دی کہ اندرونی اور بیرونی گشتوں کو جاری رکھا جائے۔ یہ کہا جاتا ہے نیول سٹاف آپریشنز کے ڈپٹی چیف نے اس ایکشن کے خلاف فیصلہ دیا لیکن کمانڈر انچیف نے ڈپٹی چیف سے اختلاف کیا۔ اسی دن شام کو تقریباً 6 بجے ایک جاسوس سول طیارے نے بھارتی نیوی کے چھ تباہ کن جہازوں کا سراغ لگایا جو اپنے جلو میں 2 تجارتی جہازوں کو لے کر جا رہے تھے۔ سول جاسوس طیارے نے یہ اطلاع 7 بجکر 38 منٹ پر نیول ہیڈ کوارٹر کو پہنچا دی۔ کہا گیا کہ بھارتی تباہ کن جہاز کراچی سے 140 میل کے فاصلے پر تھے۔ پاکستان فضائیہ نے ایک مرتبہ پھر جاسوسی کرنے کے بعد رپورٹ دینے پر اصرار کیا۔ جاسوسی کی

دوسری رپورٹ 4 دسمبر کو رات 1 بج کر 50 منٹ پر موصول ہوئے لیکن اس کے باوجود کوئی حملہ نہ کیا گیا حالانکہ نیوی کے کمانڈر انچیف نے فضائیہ کے کمانڈر انچیف کے ساتھ رابطے کی کوششیں کی۔

✪✪✪

"ضمیمہ الف"

پاکستان ایئرفورس کے حملہ مشن کی تفصیلات

تاریخ	ایئر کرافٹ	جو اہداف استعمال کیا گیا۔
	دن کے وقت کئے گئے حملے	
3-12-71	4میراج	امرتسر ایئرفیلڈ
3-12-71	4میراج	پٹھان کوٹ ایئرفیلڈ
3-12-71	6ایف86ایف	سرینگر ایئرفیلڈ
3-12-71	6ایف86ایف	اونتی پورہ ایئرفیلڈ
3-12-71	8ایف86ایف	پٹھان کوٹ ایئرفیلڈ
3-12-71	2ایف104	امرتسر ریڈار
3-12-71	2ایف104	فرید کوٹ ریڈار
	رات کے وقت کئے گئے حملے	
3/4-12-71	2بی5	آگرہ ایئرفیلڈ
3/4-12-71	2بی57	امبالہ ایئرفیلڈ
3/4-12-71	2بی57	ہلواڑہ ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1بی57	سرسا ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1بی57	امرتسر ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1بی57	پٹھان کوٹ ایئرفیلڈ
3/4-12-71	2بی57	جودھ پور ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1بی57	جام نگر ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1بی57	اترلائی ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1بی57	جیسل میر ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1بی57	بیکانر ایئرفیلڈ

تاریخ	ایئر کرافٹ	اہداف
3/4-12-71	4ٹی33	اترلائی ایئرفیلڈ
3/4-12-71	1سی130	سرینگر ایئرفیلڈ
	دن کے حملے	
4-12-71	2ایف104	بانالا ریڈار
4-12-71	2ایف104	امرتسر ریڈار
4-12-71	2ایف104	امرتسر ریڈار
4-12-71	4میراج	پٹھان کوٹ ایئرفیلڈ
	رات کے حملے	
4/5-12-71	3بی57	پٹھان کوٹ ایئرفیلڈ
4/5-12-71	1بی57	آگرہ ایئرفیلڈ
4/5-12-71	2بی57	امرتسر ایئرفیلڈ
4/5-12-71	1بی57	سرسا ایئرفیلڈ
4/5-12-71	1ٹی33	بھوج ایئرفیلڈ
4/5-12-71	1سی130	سرینگر ایئرفیلڈ
	دن کے حملے	
5-12-71	4ایف86ایف	سرینگر ایئرفیلڈ
5-12-71	5ایف85ایف	سرینگر ایئرفیلڈ
5-12-71	3میراج	پٹھان کوٹ ایئرفیلڈ
5-12-71	2ایف104	امرتسر ریڈار
	رات کے حملے	
5/6-12-71	2بی57	امرتسر ایئرفیلڈ
5/6-12-71	2بی57	پٹھان کوٹ ایئرفیلڈ
5/6-12-71	1بی57	آدم پور ایئرفیلڈ
5/6-12-71	1بی57	جموں ایئرفیلڈ
5/6-12-71	1بی57	سرینگر ایئرفیلڈ

5/6-12-71	2بی57	بھوج ائیر فیلڈ
5/6-12-71	2بی57	جام نگر ائیر فیلڈ
5/6-12:71	1ٹی33	اترلائی ائیر فیلڈ
5/6-12-71	1ٹی33	بھوج ائیر فیلڈ
5/6-12-71	1سی130	جیسل میر ائیر فیلڈ
5/6-12-71	1سی130	جودھ پور ائیر فیلڈ
5/6-12-71	1سی130	بیکانیر ائیر فیلڈ

دن کے حملے

6-12-71	ایف86ایف	سرینگر ائیر فیلڈ
6-12-71	3میراج	امرتسر ائیر فیلڈ
6-12-71	4ایف6	جموں ائیر فیلڈ

رات کے حملے

6/7-12/71	2بی57	جموں ائیر فیلڈ
6/7-12/71	5بی57	پٹھان کوٹ ائیر فیلڈ
6/7-12/71	1بی57	بھوج ائیر فیلڈ
6/7-12/71	2بی57	جیسل ائیر فیلڈ
6/7-12/71	1بی57	اترلائی ائیر فیلڈ
6/7-12/71	6بی57	پٹھان کوٹ ائیر فیلڈ
6/7-12/71	2بی57	امرتسر ائیر فیلڈ
6/7-12/71	2بی57	بھوج ائیر فیلڈ
6/7-12/71	2بی57	جودھ پور ائیر فیلڈ
6/7-12/71	4ٹی33	اترلائی ائیر فیلڈ

دن کے حملے

8-12-71	6میراج	اونتی پورہ ائیر فیلڈ

رات کے حملے

8/9-12-71	4بی57	آدم پور ائیر فیلڈ
8/9-12-71	1بی57	امبالہ ائیر فیلڈ
8/9-12-71	4بی57	بھوج ائیر فیلڈ
8/9-12-71	2ٹی33	اترلائی ائیر فیلڈ

دن کے حملے

9-12-71	8ایف86ایف	سرینگر ائیر فیلڈ
9-12-71	6میراج	پٹھان کوٹ ائیر فیلڈ

رات کے حملے

9/10-12-71	1بی57	پٹھان کوٹ ائیر فیلڈ
9/10-12-71	3بی57	امرتسر ائیر فیلڈ
9/10-12-71	4بی57	جیسل میر ائیر فیلڈ
9/10-12-71	4ٹی33	اترلائی ائیر فیلڈ

دن کے حملے

10-12-71	6میراج	پٹھان کوٹ ائیر فیلڈ

رات کے حملے

10/11-12-71	3بی57	امرتسر ائیر فیلڈ
10/11-12-71	3بی57	پٹھان کوٹ ائیر فیلڈ
10/11-12-71	4بی57	جیسل میر ائیر فیلڈ
10/11-12-71	4ٹی33	اترلائی ائیر فیلڈ

دن کے حملے

11-12-71	6ایف86ایف	سرینگر ائیر فیلڈ
11-12-71	2ایف104	اترلائی ائیر فیلڈ
11-12-71	2ایف104	اترلائی ائیر فیلڈ

11-12-71 4ایف 86ایف جموں ایئر فیلڈ

11-12-71 2ایف 104 جام نگر ایئر فیلڈ

رات کے حملے

11/12-12-71 1بی 57 امرتسر ایئر فیلڈ

11/12-12-71 2بی 57 پٹھان کوٹ ایئر فیلڈ

11/12-12-71 1بی 57 جام نگر ایئر فیلڈ

11/12-12-71 1بی 57 بھوج ایئر فیلڈ

دن کے حملے

12-12-71 2ایف 104 جام نگر ایئر فیلڈ

12-12-71 8ایف 86ایف امرتسر ایئر فیلڈ

12-12-71 2میراج امرتسر ایئر فیلڈ

12-12-71 6ایف 86ایف سرینگر ایئر فیلڈ

رات کے حملے

13/14-12-71 2بی 57 پٹھان کوٹ ایئر فیلڈ

13/14-12-71 3بی 57 امرتسر ایئر فیلڈ

دن کے حملے

14-12-71 6ایف 86ایف سرینگر ایئر فیلڈ

رات کے حملے

14/15-12-71 2بی 57 امرتسر ایئر فیلڈ

14/15-12-71 2بی 57 پٹھان کوٹ ایئر فیلڈ

14/15-12-71 2بی 57 جیسلمیر ایئر فیلڈ

دن کے حملے

15-12-71 6ایف 86ایف سرینگر ایئر فیلڈ

15-12-71 4ایف 86ایف سرینگر ایئر فیلڈ

15-12-71 4ایف 86ایف اونتی پورہ ایئر فیلڈ

رات کے حملے

16/17-12-71 2بی 57 امرتسر ایئر فیلڈ

16/17-12-71 1بی 57 سرسا ایئر فیلڈ

16/17-12-71 2بی 57 بھوج ایئر فیلڈ

دن کے حملے

17-12-71 4ایف 6 امرتسر ایئر فیلڈ

17-12-71 2ایف 104 اترلائی ایئر فیلڈ

ضمیمہ "ب"

پاکستانی اور بھارتی طیاروں کو پہنچنے والے نقصانات

دشمن کے طیارے	تعداد	پاکستانی طیارے	
مجموعی طور پر تباہ ہوئے	104	مجموعی طور پر تباہ ہوئے	24
مجموعی طور پر نقصان پہنچا	20	مجموعی طور پر نقصان پہنچا	7

✪✪✪

ضمیمہ "ج"

حکمت عملی کے تحت فضائی کارروائیوں کا خلاصہ

تاریخ	دشمن کو روکنے کیلئے کیے جانے والے		آرمڈ ریکی (RECCE)		فوٹو ریکی		قریبی	
	مشن	اچانک حملے	مشن	اچانک حملے	مشن	اچانک حملے	مشن	اچانک حملے
5-12-71	4	12	1	6	-	-	3	16
6-12-71	10	49	1	6	-	-	1	3
7-12-71	16	61	2	4	-	-	7	27
8-12-71	13	26	5	23	-	-	2	7
9-12-71	8	27	1	4	1	2	5	22
10-12-71	9	22	1	4	1	1	3	10
11-12-71	13	34	1	4	2	2	5	23
12-12-71	5	11	3	12	2	4	4	16
13-12-71	3	3	3	15	2	4	5	26
14-12-71	22	85	-	-	1	2	9	39
15-12-71	5	12	1	4	1	1	2	4
16-12-71	7	18	1	4	3	6	8	24
17-12-71	9	28	-	-	3	6	8	24
ٹوٹل	129	401	21	92	16	28	66	257

تاریخ	فضائی معرکے اور فضائی مدد		فضائی معرکے / طیاروں کا گشت	
	مشن	اچانک حملے	مشن	اچانک حملے
4-12-71	-	-	6	19
5-12-71	-	-	8	34
6-12-71	1	3	13	61
7-12-71	-	-	25	92
8-12-71	-	-	20	56
9-12-71	-	-	15	55
10-12-71	-	-	14	37
11-12-71	-	-	21	63
12-12-71	-	-	14	43
13-12-71	8	10	21	58
14-12-71	-	-	32	126
15-12-71	27	52	36	73
16-12-71	19	40	33	92
17-12-71	19	36	43	110
ٹوٹل	74	141	301	919

بحری جنگ

ہمارے ملک کی جغرافیائی اور سیاسی صورت حال کی روشنی میں بحریہ اپنے بتاہ حال اور ناکافی وسائل کے ساتھ انتہائی کمزور تھی۔ ہمارے سمندری راستوں کو درپیش بڑھتے ہوئے خطرے اور مکمل طور پر دستیاب اطلاعات سے قطع نظر ہماری دفاعی تنظیم نے بحریہ کو ترقی دینے پر یا تو توجہ ہی نہیں دی یا پھر بہت معمولی سی توجہ دی۔ ہماری بندرگاہوں پر بھی بھارتی بحریہ کی وسعت اور جدیدیت کے اعتبار سے توجہ نہیں دی گئی۔ فوج کا کمانڈر انچیف ہمیشہ سے ریاست کا سربراہ

بھی کہا جاتا ہے وہ اس سلسلے میں متعصب نظر آیا اور اس نے زمین پر لڑی جانے والی لڑائی کو ترقی دینے کی حمایت کی اور اس پہلو سے بڑے پیانے پر حکمت عملی تیار کی گئی۔ اس تصور کے نتائج کے اعتبار سے بحریہ کی ترقی کی ضرورت کا اندازہ نہ صرف مکمل طور پر ناکام ہوا بلکہ دفاعی سروس کے اس ونگ کی تنزلی کا خطرہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ملک کی دفاعی منصوبہ بندی میں یا تو اہمیت ہی نہیں دی گئی تھی یا پھر بہت معمولی اہمیت دی گئی تھی۔ جنگ کی صورت میں بحریہ کے کردار کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے تینوں سروسز کے درمیان مجموعی طور پر مشترکہ منصوبہ بندی میں نہ صرف ایک فوج کی غیر حاضری رہی بلکہ ملک میں مارشل لاء کے نفاذ سے پہلے جو بھی اعلیٰ ترین دفاعی تنظیم موجود تھی وہ اپنی کارگزاری کے اعتبار سے مکمل طور پر مفلوج ہو گئی۔

ہوسکتا ہے کہ ذمہ داری کی نوعیت کا اندازہ لگانے میں ناکامی پر کچھ معذرت پیش کی جائے کہ مارچ 1971ء میں فوجی کارروائیوں کے آغاز کے بعد بحریہ کو از خود مدد یا بھارتیوں کی طرف سے اس علاقے میں بھرپور حملے کی صورت میں مشرقی پاکستان سے افواج کے فرار یا دست برداری کے کسی مشترکہ امکانی منصوبے کی تشکیل کے لئے بلایا گیا تھا لیکن جس طرح مغربی محاذ میں جنگ کی کارروائی اور دوسرے محاذ کی منصوبہ بندی میں بحریہ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس پر کوئی معذرت قبول نہیں کی جاسکتی۔ بھارتی بحریہ کی طرف سے کراچی کو بلاک ایڈ کرنے کے امکان کے سلسلے میں کوئی خیال سامنے نہیں آیا اور نہ ہی کراچی پورٹ کو او ایس ای اے خطرے سے متعلق کوئی سنجیدہ بات سامنے آئی لیکن بحریہ کو بھرپور اندازہ تھا' بے شک ہماری بحریہ نے مشترکہ منصوبہ بندی میں عدم ربط کے باوجود اپنی حملہ آور فورسز کو بہترین مواقع کے ساتھ استعمال کیا جبکہ اسے ایچ آر اور ڈی ڈے کی اطلاعات کی فراہمی میں بے حد تاخیر بھی کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ 1971ء کی جنگ کے کسی بڑے فیصلے میں بحریہ سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ جنگ کی اعلیٰ ڈائریکشن کے ان پہلوؤں کا ذکر ایک اور باب میں آئے گا لیکن ہم اس باب میں مشرقی اور مغربی پاکستان میں جنگی کارروائیوں میں بحریہ نے جو کردار ادا کیا اس کا جائزہ لیں گے۔

مشرقی پاکستان میں بحریہ کی کاروائیاں

پاک بحریہ کا بنیادی منصوبہ مغربی پاکستان کے میری ٹائم ڈیفنس اور بھارتیوں کی جانب سے درپیش خطرے کے تناظر میں تشکیل دیا گیا تھا اور اس کے پاس بحیرہ عرب میں دو بحری

جہازوں پر موجود فورس' 18 تباہ کرنے والے فریگیٹ 8 او ایس ایس اے بوٹس اور ممکنہ طور پر ایک سب میرین موجود تھی۔ بھارت کے بڑھتے ہوئے خطرے کے سامنے ہمارا نیول فلیٹ 1 بحری جہاز 5 تباہ کرنے والے فریگیٹ 8 سرنگوں کی صفائی کرنے والے' ایک ٹینکر (سامان لے جانے والے جہاز) 4 پیٹرول بوٹس' 2 موٹر تارپیڈو بوٹس (جو اپریل 1970ء میں سعودی عرب سے مستعار لی گئی تھیں) اور چار سب میرین پر مشتمل تھا۔ ہمارے فلیٹ کی اثر پذیری ابتدا سے ہی مشکوک تھی۔ یہ مختصر سی فورس اپنی مجموعی افادیت کو خراب کئے بغیر ملک کے دونوں حصوں کا دفاع نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے تصور یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو فورس کو منظم رکھا جائے۔ پاکستان بحریہ کی اصل بیس کراچی تھا' ایک اور بیس چٹا گانگ میں ایک کموڈور کی کمانڈ میں قائم کی گئی تھی جو چھوٹے پیمانے کی تعمیر و مرمت کی تنظیم' سامان کا ڈپو' اسٹورڈ اور ایمونیشن وغیرہ پر مشتمل تھی۔ مغربی اور مشرقی پاکستان' چٹا گانگ' دریاؤں اور سمندر میں موجود دوسرے یونٹوں کے درمیان مواصلاتی رابطے کے لئے ایک کمیونیکشن سینٹر بھی قائم کیا گیا تھا۔ بحریہ نے ایک چھوٹا دفتر کھلنا میں بھی قائم کیا تھا جو بحریہ کے افسران اور سیلرز پر مشتمل تھا۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان کے ساحلوں کی نگرانی کے لئے کموڈور کو صرف 4 پیٹرول کرافٹس کا فلیٹ بھی دستیاب ہوسکتا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے وقفے وقفے سے ایک تباہ کن بحری جہاز بھی مشرقی پاکستان بھیجا گیا۔ باقی بحریہ کراچی میں واقع تھی۔

مارچ 1971ء میں فوجی آپریشن کے بعد اور چٹا گانگ و داخلی علاقوں میں گوریلا سرگرمیوں کے نتیجے میں سڑک اور ریلوے کے مواصلاتی نظام میں گڑبڑ کے باعث یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ بحریہ دریاؤں کے ذریعے مواصلاتی نظام کو کھلا رکھے اور فائر سپورٹ کے ساتھ بحری جہازوں کے ذریعے ساز و سامان فراہم کرے۔ مشرقی پاکستان میں واٹر ٹرانسپورٹ اتھارٹی کی درخواست پر پیٹرول کرافٹس کی تعداد میں اضافے کے لئے عجلت میں منصوبے بنائے گئے جنہیں بعد میں گن بوٹس میں تبدیل کر دیا گیا۔ بعد ازاں چین سے مزید تین گن بوٹس حاصل کرنے کے انتظامات کئے گئے۔ ساحلی علاقوں اور دریاؤں سے خطروں سے نمٹنے کے لئے ایک میرین بٹالین کو حرکت میں لایا گیا اور اسے چاند پور کی اضافی بیس سے ساحلوں پر اتر کر حملوں کا ٹاسک سونپا گیا۔ اس کے بعد کموڈور ایسٹ پاکستان کا درجہ بڑھا کر فلیگ آفیسر کمانڈنگ ایسٹ پاکستان کو دیا گیا۔ جس کا ہیڈ کوارٹر ڈھاکہ میں قائم کیا گیا اور مشرقی کمانڈ چلانے کے لئے ایک

ریئر ایڈمرل کو فیلک آفیسر کی حیثیت سے تعینات کیا گیا۔

مشرقی پاکستان میں جو فورس تشکیل دی گئی تھی اس نے بڑھتی ہوئی گوریلا سرگرمیوں کے باوجود دریائی راستوں کو کھلا رکھنے کے لئے شاندار خدامات انجام دیں۔ بحری جہازوں نے تمام دفاع اور کارگو کی نقل و حمل فوج اور بحریہ کے مسلح اہلکاروں کے ساتھ گن بوٹس کے کانوائے کے ساتھ کی۔ بعدازاں بحریہ نے گوریلوں اور بھارتی تیراکوں کی جانب سے کئے جانے والے سبوتاژ کے اقدامات کے جواب میں زیرآب خصوصی اقدامات بھی کئے۔ بحریہ نے چالنا کے علاقے میں بھی جوابی سرنگوں کے لئے اقدامات کئے۔ گوریلوں اور مکتی باہنیوں کی سرگرمیوں کے نتیجے میں ماہ نومبر کے اختتام تک بحریہ کے 397 اہلکاروں (10 آفیسرز اور 387 سی پی اوز) پر مشتمل ایک اور نئی میرین بٹالین تشکیل دے کر مشرقی پاکستان بھیجی گئی اور مشرقی پاکستان میں بحریہ کے اہلکاروں کی تعداد 550 سے بڑھا کر 1,511 کردی گئی۔ بحریہ نے فوجی یونٹوں کو دریا سے مدد فراہم کرنے کے لئے 30 بحری جہازوں کا کنٹرول اضافی طور پر سنبھال لیا ان میں ایک نیوی کا لینڈنگ کرافٹ ٹینک اور 3 میکنائزڈ نیول لینڈنگ کرافٹس بھی شامل تھے۔

مارچ 1971ء میں چٹاگانگ میں بحالی امن کے لئے فوج کی مدد اور 5 اور 6 مئی 1971ء کو جزیرہ سینٹ مارٹن اور کاکس بازار میں ہونے والی زمینی کارروائیوں میں مدد کے لئے پی این ایس جہانگیر کو بھیجا گیا جسے پی این ایس بدر نے 9 مئی کو فارغ کیا اور وہ ٹینکر پی این ایس ڈھاکہ کے ساتھ واپس کراچی آیا۔ جبکہ پی این ایس بدر بھارت فلیٹ کے بڑے خطرے کے مقابلے کے لئے فوج کی اضافی مدد کی غرض سے اگست 1971ء تک چٹاگانگ میں رہا۔

مشرقی پاکستان میں نومبر سے ایک چھوٹے یونٹ نے بھارتی فوجیوں اور مکتی باہنیوں کو مشرقی پاکستان کے دریائی علاقوں میں کشتیوں اور لانچوں کے ذریعے مداخلت روکنے کا عظیم ٹاسک بھی انجام دیا۔ مشرقی پاکستان میں موجود تمام گن بوٹ فلیٹ نے دن رات کام کیا لیکن اس کے باوجود دشمن نومبر کے دوسرے ہفتے میں دریائے پوسور تک سرنگ بچھا کر رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا جسے سول طیاروں کی مدد سے صاف کر کے ٹریفک بحال کیا گیا لیکن دشمن 12 نومبر کو ایک غیر ملکی مرچنٹ شپ اور 17 نومبر کو ایک اور جہاز کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوگیا۔ ان واقعات کے بعد چالنا پورٹ عملی طور پر بند ہوگئی۔

3 دسمبر تک ان تمام کارروائیوں کے دوران بحریہ کو 6 سی پی اوز / سیلرز اور دو سویلین

ڈرائیوروں کا نقصان اٹھانا پڑا لیکن آفیسرز اور ایک سیلرز زخمی ہوا اور صرف ایک گن بوٹ کو نقصان پہنچا۔ مشرقی پاکستان کے محاذ پر محدود کن صورتحال کے باوجود پاکستان بحریہ کی کامیابیوں کا یہ تناسب ازخود عیاں ہے۔

4 دسمبر 1971ء سے بھارت کی جانب سے بھرپور جنگ شروع کرنے کے بعد مشرقی پاکستان کی تمام بندرگاہوں اور دریائی ٹریفک پر شدید فضائی حملے کئے گئے اور مشرقی پاکستان کے تمام ساحلی علاقوں کی ناکہ بندی کردی گئی۔ چٹاگانگ پر نہ صرف کینبراز اور ہوٹرز بلکہ بحری جہاز سے بھی حملہ کیا گیا جس سے چٹاگانگ پر میں تیل کی تنصیبات کو شدید نقصان پہنچا۔ بحریہ کا ایک پٹرول کرافٹ (کومیلا) ڈوب گیا اور ایک اور (راجشاہی) کو نقصان پہنچا۔ چٹاگانگ اور منگلہ میں مرچنٹ شپس بھی ڈوب گئے اور انہیں نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ بحریہ نے چٹاگانگ تک رسائی کے راستوں کا سرنگیں بچھا کر تحفظ کیا جو سرینڈر کرنے تک ان علاقوں میں بھارتیوں کو آنے سے بہتر طور پر روکتی رہیں۔ نتیجتاً سرینڈر کے بعد بھارتی 17 دسمبر 1971ء اور اس کے بعد کاکس بازار میں اترے۔

7 دسمبر کو جب فوج دست بردار ہوئی تو کھلنا خالی ہونا شروع ہوگیا۔ 7 دسمبر کی صبح افراتفری کی وجہ سے کھلنا میں موجود بحریہ کا کمانڈر سنگاپور جانے والے ایک تجارتی جہاز میں سوار ہوگیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ آگے جا کر وہ ساحل پر اتر جائے گا لیکن دشمن کے فضائی حملوں کے تسلسل کے باعث جہاز کا کپتان اسے ساحل پر اتارنے کے لئے رضامند نہ ہوا اور اسے سنگاپور لے گیا۔ 9 دسمبر کو مشرقی پاکستان کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ نے بحریہ کے کمانڈر انچیف کو پیغام بھیجا جو مشرقی پاکستان میں جاری مجموعی صورتحال پر ان کے نقطہ نظر کا خلاصہ تھا۔ یہاں ہم ان کے اندازے کا حوالہ دیں گے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مشرقی پاکستان میں افواج صورت حال کو 16 دسمبر تک سنبھال سکیں گے۔ ان کا یہ اندازہ اب پیش گوئی بن گیا۔ مشرقی پاکستان کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ کا پیغام حسب ذیل ہے۔

''بھارتیوں کو مکمل فضائی برتری حاصل ہوگئی ہے اور 5 دسمبر سے آسمان ان کے لئے بالکل کھلا ہوا ہے۔ ہمارا زمینی دفاع توقع سے کہیں پہلے افسوسناک طور پر تباہ ہوگیا ہے مشرقی سیکٹر میں دشمن کے فوجی چاند پور تک پہنچ گئے ہیں۔ گزشتہ شب طیارہ شکن رجمنٹ اپنی جگہ چھوڑ چکی ہے۔ مغربی سیکٹر میں دشمن فرید پور تک آگے بڑھنے کے لئے زور لگا رہا ہے جبکہ باریسل کا علاقہ

مکمل طور پر باغیوں کے زیر کنٹرول ہے۔ دشمن شمال میں رنگ پور سے ہوتا ہوا بوگرا تک گھس آیا ہے۔ شمال مشرق میں بہراب بازار میں دشمن نے ہماری افواج کو محدود کر دیا ہے۔

پیرا2:- ساحل کے ساتھ وائرلیس سروس ریل اور آبی گزرگاہ کا مواصلاتی نظام رات کے دوران نئی بھرپور باغیانہ سرگرمی کی مدد سے شدید اور مسلسل فضائی حملوں کی زد میں رہا جس کی وجہ سے مال و اسباب کی فراہمی کا نظام معطل رہا۔ جب بحری جہاز نے بھالوک اور باریسل کے درمیان 25 ناٹس پر بوٹس کو منتشر کیا تو ان گن بوٹس کو پہنچنے والے نقصان کا تناسب بہت زیادہ رہا۔ شہید اور زخمی ہونے والوں کا تناسب بھی زیادہ ہے جس کی فہرست تیار کی جا رہی ہے 60 فیصد بحری فوج بغیر لڑے بے بس ہو گئی ہے۔ بھارتی اپنے ہیلی کاپٹر بھرپور انداز سے استعمال کر رہے ہیں اور وہ اب تک تین مقامات سلہٹ، بلی اور برہمن باریہ کے علاقے میں اپنے فوجی اتار چکے ہیں۔

پیرا5:- مشرقی کمان مختلف سیکٹروں سے آنے والے فوجیوں کی واپسی میں مصروف ہے اگر نقل و حرکت کی اجازت ہوئی تو انہیں دوبارہ ڈھاکہ میں تعینات کیا جا سکے جو آخری مضبوط پناہ گاہ ہے۔

پیرا6:- ہمارے ناقص ہتھیاروں سے لیس اور مناسب آرٹلری یا آرمر کے بغیر ڈویژن، صرف ایک ائیر فیلڈ کے ساتھ محدود فضائیہ اور عجلت میں تیار ہونے والی بحری فوج سب بھارت کے تیز اور سخت حملوں کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں لیکن انسان کی ثابت قدمی کی بھی کچھ حدود ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ ماند پڑ جاتی ہیں۔ صورتحال کے حوالے سے مجھے ذاتی طور پر یہ خوش فہمی ہے کہ اس وقت ایمونیشن خرچ کرنے کے لئے بہت محدود سپلائی دستیاب ہے جس کا از سر نو ذخیرہ نہیں ہو سکتا۔ بھارت کی جارح افواج تیزی سے ڈھاکہ کی طرف منتقل ہو رہی ہیں اور انہیں فضائی تحفظ اور باغیوں کی پوری طرح مدد حاصل ہے اس صورت میں ہم دو ہفتوں سے زیادہ بہادری کا مظاہرہ نہیں کر سکیں گے۔

14 دسمبر کو بحریہ کے ہیڈکوارٹر کراچی سے مشرقی پاکستان کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ اور کموڈور چٹاگانگ کو بھیجے گئے پیغام میں خلیج بنگال میں امریکہ کے ساتویں بحری بیڑے کی نقل و حرکت اور بھارت کی شمال مغربی و مشرقی سرحدوں پر چینیوں کی نقل و حرکت سے متعلق بتایا گیا اور مشرقی کمان کو اس سے آگاہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اس پیغام کی بنیاد

خالصتاً ریڈیو رپورٹس اور ذرائع ابلاغ سے جمع کی گئیں اطلاعات پر تھی۔ اگر ایسا ہے تو یہ انتہائی غیر دانشمندانہ اقدام تھا اور یہ پیغام اس وقت تک نہیں بھیجا جانا چاہئے تھا جب تک کہ اس کی باقاعدہ طور پر تصدیق نہیں کر لی جاتی اس کے بعد مشرقی پاکستان کے فلیگ آفیسر نے اپنا آخری پیغام مشرقی کمانڈ کی جانب سے مجوزہ سرینڈر سے متعلق بھیجا۔ جو حسب ذیل ہے:-

"صدر کی ہدایت پر مشرقی کمانڈ نے مشرقی پاکستان میں جنگی کارروائیاں روکنے کے لئے جنرل مانک سے شرائط پر بات چیت کی۔ صدر کی ہدایات کی درخواست پر میں نے 16 دسمبر کو حکم کی بجا آوری کی۔"

اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ پی این ای مشرقی کمانڈ کے فیصلے کی بجا آوری کرے اور پھر اس کے بعد مشرقی پاکستان میں بحری جنگ ختم ہو گئی۔

اس کے باوجود 17 دسمبر کی صبح مجموعی طور پر 10 آفیسرز اور 111 سی پی اوز / سیلرز بحری جہازوں اور لانچوں کے ذریعے چٹاگانگ سے فرار ہو کر برما پہنچ گئے ان میں قابل ذکر پی این ایس راجشاہی تھا۔ ہمیں اس کوشش کے بارے میں ان افسروں نے بتایا جو چٹاگانگ سے راجشاہی کو لے گئے تھے اور راجشاہی کو بحفاظت پانگ لے آئے تھے ایسا اس حقیقت کے باوجود کیا گیا کہ سینئر افسران نے ایسی کوششیں کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چٹاگانگ میں موجود سینئر افسران نے بحری جہازوں کو صوبے کے احکامات دیئے تھے لیکن راجشاہی کسی نہ کسی طرح محفوظ رہا۔ اس کے آفیسر کا نقطہ نظر یہ تھا کہ چٹاگانگ میں بہت سے فوجی دشمن سے مقابلے کے بجائے سینئر افسران کے رویے کے باعث فرار ہوئے۔

بحریہ کے ہیڈکوارٹر کے مطابق مشرقی پاکستان میں سرینڈر کرنے والے 95 آفیسرز 1378 سی پی اوز / سیلرز اور 104 سویلین کا تعلق بحریہ سے تھا۔

مغربی پاکستان میں بحری جنگ

جہاں تک مغربی پاکستان کا تعلق ہے تو پاکستان نیوی کو یہ اطلاعات حاصل ہوئی تھیں کہ بھارتیوں نے اپنا ائیر کرافٹ کیریئر 2 سب میرین 5 پیٹرول بوٹس ایک تباہ کن جہاز 3 فریگیٹ اور 3 لینڈنگ شپ کو خلیج بنگال میں منتقل کیا ہے۔ جس پر اس طیارہ بردار بحری جہاز کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اس مقصد کے لئے 14 نومبر 1971ء کو دور تک مار کرنے کی صلاحیت

رکھنے والی امریکی طرز کی واحد سب میرین پی این ایس غازی کو کراچی سے بھیجا گیا اور اسے طیارہ بردار بحری جہاز ''وکرنت'' کو تلاش کرنے اور ویشا کا پٹنم ہاربر کے گرد سرنگیں بچھانے کا مشن سونپا گیا۔ توقع یہ تھی کہ غازی ویشا کا پٹنم پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع 25,26 نومبر تک کردے گی لیکن اس کے جانے کے بعد اس کی طرف سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی جبکہ بھارتیوں نے ویشا کا پٹنم کے قریب ایک سب میرین کو تباہ کرنے کا دعوی کیا۔ بہر حال اس کی تباہی کی تصدیق نہیں ہوئی اب تک بحریہ کا قیاس یہ ہے کہ غازی دشمن کی کسی کارروائی کے نتیجے میں نہیں بلکہ کسی اور مقام پر کسی اور بس سے تباہ ہوئی۔

مشرقی پاکستان پر کھلے حملے کے نقطہ نظر اور اپنی ابتر صورتحال کے باوجود بحریہ نے اپنے آپ کو جنگی تیاری کی سطح پر لانے کے لئے اقدامات کئے۔ بحریہ کو مشقوں کی غرض سے سمندر میں لایا گیا۔ 27 نومبر کو جب پاکستان نیوی کے کمانڈر انچیف مشقوں کا معائنہ کر رہے تھے تو انہیں چیف آف اسٹاف پاکستانی آرمی نے راولپنڈی میں طلب کر لیا اور 28 نومبر کو چیف آف اسٹاف پاکستان آرمی نے فضائیہ کے کمانڈر انچیف کی موجودگی میں انہیں صدر کے دوسرا محاذ کھولنے کے فیصلے سے آگاہ کیا۔

اس تاریخ سے متعلق کچھ الجھن پائی جاتی ہے کہ سی جی ایس آرمی اور فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے جنرل یحییٰ کی جاب سے کئے جانے والے 29 نومبر کے فیصلے کو برقرار رکھا اور ڈی ڈے 30 نومبر طے ہوا۔ بحریہ کے کمانڈر انچیف کی اپنی شہادت کے مطابق انہیں ایچ آور یا حتمی تاریخ نہیں دی گئی تھی۔ مگر انہیں بتایا گیا تھا کہ فضائیہ کے کمانڈر انچیف دشمن کی ایئر بیس پر حملے سے لڑائی شروع کر کے پہلے سے طے شدہ کوڈ ورڈ کے ذریعے ٹیلیفون پر انہیں آگاہ کریں گے۔

درحقیقت 8 سے 10 جہازوں پر مشتمل بھارتی فلیٹ نے 2 نومبر کو بمبئی ہاربر سے نقل و حرکت شروع کردی اور وہ ہماری سب میرین ''مہنگور'' (چھوٹے فاصلے پر مار کرنے والی میرین) کے قریب سے گزرا تھا۔ اس سب میرین کو پھر بمبئی سے دور نگرانی کے لئے تعینات کیا گیا تھا کیونکہ یہ سب میرین کوئی کارروائی نہیں کرسکتی تھی۔ اسے اب تک کسی بھی قسم کے جہاز پر حملہ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا تھا۔ نیوی کے کمانڈر انچیف کا دعویٰ ہے کہ انہیں فضائیہ کے کمانڈر انچیف نے 3 دسمبر کو ساڑھے تین بجے ٹیلیفون پر کوڈ ورڈ سے آگاہ کیا۔ جس کے بعد

انہوں نے نیول ہیڈ کوارٹر میں اپنے افسران کو پونے سات بجے طلب کیا اور اپنے یونٹوں کو جنگی منصوبوں پر عملدر آمد کے لئے پیغامات جاری کئے۔ یہ منصوبے انہیں پہلے ہی سیل لگے ہوئے کورز میں فراہم کر دیئے گئے تھے۔ یہ نہیں معلوم کہ یہ پیغام سب میرینوں کو کب پہنچا۔ لیکن ایک تباہ کن اور دو سرنگوں کو صاف کرنے والے بحری جہازوں جنہیں اس سے قبل تعینات کیا گیا تھا کے سوا فلیٹ کے جہاز مشرقی پاکستان روانہ ہوئے اور ایک اور تباہ کن بحری جہاز جو زیر مرمت تھا وہ پہلے ہی سمندر سے باہر تھا اسی رات کو اوپر تذکرہ کئے گئے وہ تباہ کن بحری جہاز بھی کراچی سے روانہ ہوئے اور وہ پاکستان نیوی فلوٹلا کے فلیگ آفیسر کمانڈنگ کی زیر کمان فلیٹ میں شامل ہوئے۔ ان کی کارروائیوں کا تصور حسب ذیل ہے۔

جہازوں میں ویسٹ وارڈ کراچی سے ساحل مکران کے ساتھ ساتھ روانہ ہوں گے اور واپسی پر رات گڈانی میں لنگر انداز ہوں گے۔ جہازوں کی کارروائی کا یہ عمومی انداز اس وقت تک اختیار کیا جائے گا جب پی اے ایف کی مدد سے او ایس ایس اے بوٹس کو غیر جانبدار قرار نہ دے دیا جائے۔

اس تصور کے مطابق فلیگ آفیسر کمانڈنگ فلوٹلا نے کراچی سے باہر 50/60 میل دور بیرونی نگرانی کے لئے ایک تباہ کن جہاز اور کراچی سے 25/35 میل دور اندرونی نگرانی کے لئے تعینات کیا لیکن ڈپٹی چیف آف نیول اسٹاف آپریشن سے بات چیت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان پیٹرول بوٹس کو بھی او ایس ایس اے خطرے کے نقطہ نظر سے روانہ کر دینا چاہئے 3 دسمبر کو نیول ہیڈ کوارٹر نے اس فیصلے کو منسوخ کرنے کے احکامات جاری کئے اور فلیگ آفیسر کو اندرونی و بیرونی دونوں نگرانی جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ یہ کہا گیا کہ ڈپٹی چیف آف نیول اسٹاف آپریشن نے اس اقدام کی مخالفت میں مشورہ دیا تھا لیکن کمانڈر انچیف نے اسے مسترد کردیا۔ اسی روز جاسوسی کرنے والے ایک سول طیارے نے بھارت کے چھ تباہ کن جہازوں پر اور تجارتی جہازوں کا پتہ چلایا اور یہی اطلاع میری ٹائم ہیڈ کوارٹرز کو بھی ملی۔ یہ تباہ کن جہاز کراچی سے ایک سو چالیس میل کے فاصلے پر موجود تھے۔ پاک فضائیہ کے سرور بیس نے ان جہازوں پر فوری حملے کے لئے درخواست کی گئی جس کی جانب سے ان جہازوں کے صحیح محل وقوع کی مزید جانچ پڑتال اور تصدیق کرنے پر اصرار کیا گیا۔ ان جہازوں کی موجودگی کے بارے میں دوسری مصدقہ اطلاعات 4 دسمبر کو موصول ہوئیں تاہم اس کے باوجود ان جہازوں پر کوئی فضائی حملہ نہیں

کیا جاسکا۔ حالانکہ بحریہ کے کمانڈر انچیف نے فضائیہ کے سربراہ سے اس سلسلے میں رابطہ بھی کیا تھا۔

بحریہ کے ہیڈکوارٹرز کی جانب سے یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر فضائیہ اس حملے کے ذریعے اس کی مدد کرتی تو صورتحال بالکل مختلف ہوسکتی تھی۔

اس روز و بھارت نے اعلان کیا کہ اس نے وشاکا پٹنم سے کچھ دور پاکستانی بحریہ کی آبدوز ''غازی'' کو غرق کر دیا ہے اور 4 دسمبر ہی کو اس نے مشرقی پاکستان کی بحری ناکہ بندی کا اعلان کرتے ہوئے 5 دسمبر تک تمام غیر جانبدار تجارتی بحری جہازوں کو علاقے سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ اسی رات کو بھارتی فضائیہ کے طیاروں نے کراچی پر ہوائی حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں کیماڑی میں واقع تیل کے ٹینکوں میں زبردست آگ بھڑک اٹھی اور کراچی میں موجود آگ بجھانے والے تمام اداروں اور ذرائع کی مشترکہ کوششوں کے باوجود آئندہ کئی دنوں تک اس آگ پر قابو نہ پایا جاسکا۔ 4 دسمبر کی شب کو کراچی کے ساحل پر واقع ریڈار نے سمندر میں بھارتی جہازوں کے دو قافلوں کا سراغ لگایا چنانچہ میری ٹائم ہیڈکوارٹر نے فوری طور پر فلیگ آفیسر کو اس کی اطلاع دی اور بتایا کہ یہ بھارتی جہاز کراچی سے بالترتیب پچھتر اور بیالیس میل کے فاصلے پر ہیں اور پاکستانی بحریہ کے تباہ کن جہاز ''خیبر'' کو جو اس وقت بحری گشت پر تھا یہ حکم دیا گیا کہ وہ ان جہازوں کو تلاش کرے۔ ابھی یہ پاکستانی تباہ کن جہاز اس مقصد سے آگے بڑھا ہی تھا کہ براہ راست بھارتی جہازوں کے حملے کی زد میں آ گیا۔ جہاز کے آفیسر کمانڈنگ کو پہلے تو کچھ پتہ ہی نہ چل سکا کہ اس کے جہاز کو کس چیز نے ضرب لگائی ہے چنانچہ پہلے تو اسے یہ خیال آیا کہ شاید کسی طیارے نے بم یا میزائل کے ذریعے جہاز پر حملہ کر دیا ہے لہٰذا اس نے میری ٹائم ہیڈکوارٹر کو اس واقعے کی خبر دیتے ہوئے اپنی پوزیشن سے بھی آگاہ کیا تاہم بدقسمتی سے پانچ منٹ بعد ہی خیبر پر دوسرا حملہ ہوا اور اس نے تیزی سے غرق ہونا شروع کر دیا جس کے بعد اس جہاز سے کوئی اور سگنل موصول نہیں ہوا۔ اسی اثناء میں بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہاز ''محافظ'' کو جو کراچی کے ساحلوں کے قریب اندرونی گشت پر تھا حملے کا نشانہ بنالیا گیا جو اتنا اچانک تھا کہ اسے خطرے کا سگنل بھیجنے کا بھی کوئی موقع نہ مل سکا۔ ان حملوں کے نتیجے میں ''خیبر'' پر سوار دس افسران اور دو سو چودہ عملے کے ارکان اور ''محافظ'' پر موجود 35 افراد لقمہ اجل بن چکے تھے۔

''خیبر'' سے پیغام موصول ہونے کے بعد میری ٹائم ہیڈکوارٹرز نے بحریہ کے تباہ کن

جہاز ''شاہجہاں'' کو جو وقوعہ سے اسی میل کے فاصلے پر تھا یہ حکم دیا تھا کہ وہ فوری طور پر ''خیبر'' کی مدد کو پہنچے تاہم فلیگ آفیسر نے یہ سوچ کر کہ ''خیبر'' کو کسی میزائل بوٹ کے حملے کا نشانہ بنایا گیا ہے ''شاہ جہاں'' کو بھی روانگی سے روک دیا کہ مبادا اس جہاز کو بھی ''خیبر'' ہی کی طرح میزائل مار کر تباہ نہ کر دیا جائے چنانچہ میری ٹائم ہیڈکوارٹرز نے موٹر بوٹ ''صداقت'' کو روانہ کیا کہ وہ ''خیبر'' کے بارے میں اطلاع لے کر آئے اس بوٹ کو خیبر کی جانب جاتے ہوئے ''محافظ'' کے عملے میں سے زندہ بچ جانے والے آٹھ افراد اور (دو لاشیں بھی نظر آئیں) جنہیں فوری طور پر سوار کر لیا گیا۔ اس طرح میری ٹائم ہیڈکوارٹرز کو ''محافظ'' کی غرقابی کا پہلی بار پتہ چلا۔

تاہم ''خیبر'' نے اپنی پوزیشن کے بارے میں تباہی اور ابتلاء کی جو تفصیلات ارسال کی تھیں وہ مکمل طور پر صحیح نہیں تھیں کیونکہ مزید تلاش کے نتیجے میں موٹر بوٹ ''صداقت'' جہاز کے عملے کے ستاون ایسے افراد کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی جو ''خیبر'' پر حملے کے بعد کسی نہ کسی طرح زندہ بچ گئے تھے۔

میری ٹائم ہیڈکوارٹرز کو پورا یقین ہے کہ ان دونوں جہازوں یعنی ''خیبر'' اور ''محافظ'' کو مختلف میزائلوں کے ذریعے تباہ کیا گیا تھا جو دو مختلف میزائل بوٹس سے فائر کیے گئے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ شبہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک تجارتی بحری جہاز ''وینس'' ''چیلنجر'' کو بھی جو جنوبی سمت سے کراچی کی جانب آ رہا تھا' اسی رات انہی میزائل بوٹس نے حملہ کر کے تباہ کر دیا تھا۔

بعد میں 5 دسمبر کی رات کو جب کروز ''بابر'' اور چار تباہ کن جہاز ساحل مکران کے علاقے راس مالن سے گڈانی کی طرف جا رہے تھے کہ ایک تباہ کن جہاز کو اپنے ''سونار'' (ریڈار ہی کی ایک قسم) پر گڈانی سے چودہ میل مغربی کی سمت ساٹھ فٹ گہرائی میں کسی شے کا سراغ ملا جس کے بارے میں شبہ ہوا کہ یہ دشمن کی آبدوز ہوسکتی ہے چنانچہ پاک بحریہ کے جہازوں ''ٹیپو سلطان'' اور ''شاہ جہاں'' نے اسکڈ میزائلوں سے اس پر حملہ کر دیا۔ اسی وقت پاک بحریہ کے جہاز ''بابر'' سے اس آبدوز کو دیکھ لیا جو قریب ہی سطح آب پر نمودار ہو رہی تھی چنانچہ اس نے اپنی توپوں سے آب دوز پر حملہ کر دیا جس پر اس نے فوری طور پر پانی میں غوطہ لگا دیا تاہم بقیہ تباہ کن جہازوں نے بھی اسے اپنے نشانے پر لے لیا۔ قبل اس کے کہ نتائج کی تصدیق ہوسکے فلیگ آفیسر نے یہ حملہ روک دینے کی ہدایت جاری کر دی کیونکہ اسی اثناء میں ریڈار پر پتہ چلا کہ

جنوبی سمت میں دشمن کے چند جہاز موجود ہیں جن کے بارے میں شک تھا کہ یہ میزائل بوٹس ہوسکتی ہیں چنانچہ فوری طور پر بھارتی آبدوز پر کیا جانے والے حملہ روکنا پڑا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ ہمارے اپنے ہی جہاز تھے جو "خیبر" کے زندہ بچ جانے والے لوگوں کو تلاش کر رہے تھے. بحریہ کا دعوی ہے کہ اس نے دشمن کی دونوں آبدوزؤں کو شدید نقصان پہنچایا تھا تاہم انٹیلی جنس رپورٹس نے صرف ایک آبدوز کی نشاندہی کی ہے جو لاپتہ ہوچکی تھی۔

پاک بحریہ کا جہاز "ذوالفقار" جو "خیبر" کے زندہ بچ جانے والے عملے کی تلاش میں روانہ کیا گیا تھا واپس آ کر "چرنا" جزیرے کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر لنگر انداز تھا جس نے بعد میں چند سروے بوٹس بھیج کر عملے کی تلاش شروع کردی تھی اس دوران میری ٹائم ہیڈ کوارٹر نے پانچ دسمبر کی درمیانی شب کو خطرہ محسوس کیا کہ کیپ مونزے کے جنوب میں دشمن کی میزائل بوٹ موجود ہے چنانچہ اس نے فوری طور پر فلیگ آفیسر کو مطلع کردیا اس کے علاوہ چھ دسمبر کو پاک فضائیہ کے طیاروں نے بھی کیپ مونزے کے ساتھ میل مغرب میں ان میزائل بوٹس کی موجودگی کا سراغ لگایا جس کے نتیجے میں میری ٹائم ہیڈ کوارٹرز نے فوری طور پر پاک فضایہ سے اس بوٹ پر حملے کی درخواست کی جس کے جواب میں دو ایف۔86 طیارے اس مقصد سے روانہ کردیئے گئے۔ بعد میں پاک بحریہ کے جہاز "ذوالفقار" نے بھی اس جہاز پر فائر کھول دیا جس کے بارے میں شبہ تھا کہ یہ دشمن کی میزائل گن بوٹ ہے پاک فضائیہ کے طیاروں کے پائلٹ سمجھے کہ یہ حملہ ان پر کیا جارہا ہے چنانچہ ان طیاروں سے "ذوالفقار" پر فائرنگ شروع کردی گئی حالانکہ پائلٹوں کا دعوی ہے کہ انہوں نے ایسا میری ٹائم ہیڈ کوارٹرز کی جانب سے اس امر کی توثیق کے بعد کیا تھا کہ اس علاقے میں ہمارا یا کسی دوست ملک کا کوئی بحری جہاز موجود نہیں ہے' تاہم اس المناک واقعے کے نتیجے میں "ذوالفقار" کا ایک افسر اور عملے کے دو ارکان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

دسمبر کو فلیگ آفیسر نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ بھارتی میزائل گن بوٹ کے خطرے کا مناسب سد باب فضائی حملوں کے ذریعے ممکن نہیں ہے اس بات کی اجازت طلب کی کہ چھوٹے بحری جہازوں کے بیڑے (FLOTILLA) کے بڑے یونٹس کو بندرگاہ میں واپس لے آیا جائے تاکہ انہیں کھلے سمندر میں بھارتی میزائل بوٹس کے حملوں سے محفوظ کیا جاسکے پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف نے اس کی اجازت دے دی اور اس طرح اس بحری بیڑے کے تمام

بڑے جہازوں کو بندرگاہ کے اندر لا کر کھڑا کردیا گیا۔

ان جہازوں کو بندرگاہ میں واپس لانے کے بعد ان پر سے طیارہ شکن توپوں کے علاوہ تمام تر اسلحہ اتار لیا گیا کیونکہ اب ان بحری جہازوں کا کام بندرگاہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے دشمن کے حملوں سے اس کا دفاع کرنا تھا۔ جو انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

8 دسمبر کی شام کو ایک پاکستانی طیارے نے سطح سمندر پر ایک جہاز کا سراغ لگایا جو کراچی کی بندرگاہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میری ٹائم ہیڈ کوارٹرز نے پاک فضائیہ سے اس پر حملے کی درخواست کی کیونکہ اس کے خیال میں یہ دشمن کی میزائل بوٹ تھی تاہم کوئی فضائی حملہ نہ کیا جاسکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خطرہ بڑھتا ہی چلا گیا اور بالآخر وہ میزائل بوٹس نے ان پاکستانی بحری جہازوں کو حملے کا نشانہ بنالیا جو بندرگاہ کی حدود میں لنگر انداز تھے۔ ایک میزائل کیماڑی میں واقع تیل کے ٹینکوں پر آ کر لگا اور ان میں آگ بھڑک اٹھی۔ دوسرے میزائل نے بندرگاہ کی حدود میں کھڑے تجارتی بحری جہاز "گلف اسٹار" غرق آب کردیا۔ تیسرا میزائل ایک برطانوی تجارتی جہاز "ہرمیٹن" کو آ کر لگا جس سے جہاز کو شدید نقصان پہنچا جبکہ چوتھا میزائل نے پاک بحریہ کے آئل ٹینکر "ڈھاکہ" کو سنگین نقصان پہنچایا۔ اسی عرصے کے دوران کراچی کی بندرگاہ پر دشمن کے پے در پے فضائی حملے بھی جاری رہے تاکہ پاک فضائیہ کو کسی بھی جوابی کارروائی سے روکا جاسکے۔

9 دسمبر کو بھارتی فضائیہ کے طیاروں نے دوسرا حملہ کراچی ڈاک یارڈ پر کیا جس کے نتیجے میں کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔

8 دسمبر کی شب کو غیر ملکی تجارتی بحری جہازوں پر بھارتی حملے کے بعد بحریہ کے کمانڈر انچیف نے ٹیلیفون پر سیکرٹری دفاع سے رابطہ قائم کرتے ہوئے فوری طور پر درخواست کی کہ پاک بحریہ کو بھی بھارت کے تجارتی بحری جہازوں پر حملے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ تمام غیر ملکی جہازوں کو پیشگی طور پر اس کارروائی سے خبردار کردے کہ وہ بھارتی بندرگاہوں کی ناکہ بندی کے لئے ایسا کررہی ہے۔ سیکرٹری وزارت دفاع نے پاک بحریہ کے کمانڈر انچیف کو مشورہ دیا کہ وہ سیکرٹری وزارت خارجہ سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کریں جنہوں نے اس نوعیت کے اقدامات کی مخالفت کی۔ چنانچہ نتیجے کے طور پر پاک بحریہ کی آبدوزیں جو کھلے سمندر میں موجود تھیں بھارت کے تجارتی بحری جہازوں کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے سے قاصر رہیں۔

تاہم 8 دسمبر 1971ء کو پاک بحریہ کی آبدوز ''ہنگور'' نے بھارت کے آبدوز شکن فریگیٹ ''ککری'' پر ''دیو'' کی بندرگاہ کے قریب حملہ کردیا جس کے نتیجے میں ککری غرق ہوگیا جس پر اٹھارہ افسران اور عملے کے 76 ارکان سوار تھے۔ ہنگور کے کمانڈر کا یہ بھی دعوی ہے کہ انہوں نے ککری کے ساتھ ہی ایک دوسرے فریگیٹ کو بھی نقصان پہنچایا تھا۔

پاک بحریہ کی جنگ کے مجموعی نتیجے کے طور پر جو مغربی بازو کے علاقے میں لڑی گئی ایک تباہ کن جہاز ''خیبر'' بارودی سرنگیں صاف کرنے والا جہاز ''محافظ'' اور آبدوز ''غازی'' مکمل طور پر تباہ ہوگئے دشمن کی جانب سے پہنچنے والے اس نقصان کے عوض ہماری بحریہ کا دعویٰ ہے کہ اس نے ایک بھارتی فریگیٹ ککری ایک بھارتی آبدوز اور غالباً ایک اور آبدوز اور فریگیٹ بھی تباہ کردیئے تھے۔

کچھ لوگوں نے 8 دسمبر کو پاکستانی بحریہ کے چھوٹے جہازوں پر مشتمل بیڑے (FLOTILLA) کو بندرگاہ کے اندر منتقل کرنے کی حکمت عملی کو غیر دانشمندانہ قرار دیا ہے لیکن بحریہ کے سینئر افسران کا جو ہمارے روبرو پیش ہوئے کہنا ہے کہ یہ ایک مناسب قدم تھا۔ بصورت دیگر یہ تمام جہاز دشمن کی میزائل بوٹس کے حملوں میں تباہ ہوسکتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کی میزائل گن بوٹس سے لاحق خطرات نے ہماری بحریہ کے مورال کو خاصا متاثر کررکھا تھا کیونکہ پاک بحریہ فضائیہ کی مؤثر مدد اور تعاون کے بغیر اس خطرے کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ میزائل گن بوٹس بیس سے پچیس میل کے فاصلے سے بغیر دکھائی دیئے میزائل فائر کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ چنانچہ پاک بحریہ کے جنگی جہازوں کے لئے ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ ''خیبر'' اور ''محافظ'' جیسے جہازوں کا جو حشر ہوا وہی دوسرے جہازوں کا بھی ہوتا اگر انہیں بروقت بندرگاہ کے اندر نہ لے آیا جاتا جہاں دیگر تجارتی بحری جہازوں کے ساتھ مل کر ان کی صحیح شناخت کرنا بھارتی میزائل بوٹس پر نصب جاسوسی کے الیکٹرونک آلات کے لیے خاصا مشکل کام ہوتا۔

اس کے علاوہ بندرگاہ کے اندر ان جہازوں کے تحفظ کا معقول انتظام تھا کیونکہ کھلے سمندر میں سطح آب پر موجود جہازوں کے لئے میزائلوں کے حملے سے بچاؤ کا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ انٹیلی جنس رپورٹوں سے بھی یہ ظاہر تھا کہ بھارت نے آٹھ میزائل بوٹس روس سے حاصل کی ہیں۔ ان میزائل بوٹس کی صلاحیت کا جائزہ ان مصری ماہرین کے ساتھ مل کرلیا گیا تھا

جو انہیں اسرائیلی جنگی جہازوں کے خلاف استعمال کرچکے تھے۔ ان کا مشورہ تھا کہ گنڈانی کا پہاڑی پس منظر بھی میزائل بوٹس کے راڈار کی نگاہوں سے پاکستانی جہازوں کو اوجھل نہیں رکھ سکتا۔ یہی سبب تھا کہ فلیگ آفیسر نے اپنے بیڑے کو لاحق خطرات کے مدنظر جن کا مقابلہ پاک فضائیہ کی مدد کے بغیر ناممکن تھا یہ فیصلہ کیا تھا۔

اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے بحریہ نے کافی حد تک کوشش کی تھی کہ اس کا اپنا فضائی بیڑہ بھی ہونا چاہئے جس کے ذریعے وہ ان میزائل بوٹس کے خطرات سے مؤثر طور پر نمٹ سکے تاہم اس مقصد کے لئے زرمبادلہ کی بھاری رقومات درکار تھیں جو ملک کی سالانہ زرمبادلہ کی مجموعی آمدنی سے بھی زیادہ تھیں چنانچہ ان غیر معمولی بھاری اخراجات کے پیش نظر پاک بحریہ کی یہ درخواست منظور نہ کی جاسکی۔

پاک فضائیہ نے اپنے بحری جہاز ''ذوالفقار'' کو نشانہ بنایا

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ فضائی مدد کی عدم موجودگی پاک بحریہ کی دشواریوں کا اہم ترین سبب تھی، حتیٰ کہ اہم نوعیت کے سمندری جائزوں کے لئے بھی اسے پی آئی اے اور دیگر سول طیاروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ وہ قطعاً ایسی پوزیشن میں نہیں تھی کہ میزائلوں کے خطرے کا مقابلہ تن تنہا کرسکے۔ پاک فضائیہ کے سربراہ نے بھی کہا ہے کہ بحریہ کو فضائی مدد کی کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی تھی کیونکہ فضائیہ کے پاس اس مقصد کے لئے کافی ذرائع موجود نہ تھے اس کے باوجود ہم نے بساط بھر بحریہ کی مدد کی لیکن بدقسمتی سے بھارتی میزائل بوٹس یا تو صرف رات کے وقت حملہ کرتی تھیں یا پھر انہیں بیک وقت بھارتی فضائیہ کی مدد بھی حاصل رہتی تھی۔ پاک فضائیہ کے پاس رات کے وقت مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی حتیٰ کہ دن میں بھی وہ بھارتی فضائی حملوں کے پیش نظر بحریہ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی تھی تاہم جب بھی ممکن ہوا فضائیہ نے مدد کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن میری ٹائم ہیڈکوارٹرز کی جانب سے صحیح رہنمائی نہ فراہم ہونے کے سبب ایسے تمام فضائی مشن ناکامی سے دوچار ہوگئے اور جس نشانے کی طرف فضائیہ کی رہنمائی کی گئی وہ بدقسمتی سے اپنا ہی بحری جہاز ''ذوالفقار'' تھا۔

پاک۔ بھارتی بحریہ کے نقصانات کا تخمینہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود میری ٹائم ہیڈکوارٹرز بھی کنفیوژن میں مبتلا تھا کیونکہ بحریہ کے

کمانڈران چیف نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ایک علیحدہ میری ٹائم ہیڈکوارٹرز اسی عمارت میں کسی دوسری جگہ قائم کیا جائے جو بحریہ کے ہیڈکوارٹرز سے دور ہو جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے جہازوں کے صحیح مقام تعیناتی کی منصوبہ بندی میں بھی کچھ کنفیوژن پیدا ہوگیا۔ بحریہ کے کمانڈر انچیف نے اس بات سے انکار کیا ہے تاہم اسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

آخری تجزیے میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ بھارتی بحریہ کے مقابلے میں پاکستانی بحریہ کے نقصانات کا تناسب تقریباً یکساں ہی تھا اس کے باوصف پاک بحریہ 1971ء کی اس جنگ کے دوران کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کر سکی۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس کے پاس اپنے ہی ذرائع کا فقدان تھا اور دوسرے اس سبب سے کہ اعلیٰ ترین سطح پر کسی بھی مربوط اور مشترکہ منصوبہ بندی کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔ اگر پاک بحریہ کے سربراہ کو جنگ کی مشترکہ منصوبہ بندی میں شریک کر لیا جاتا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ بحری طاقت کو مناسب طریقے سے صحیح مقام پر استعمال کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ ہماری تینوں آبدوزیں جو بحیرہ عرب میں موجود تھیں بہتر نتائج پیدا کریں بہر کیف بھارت کی میزائل گن بوٹس کے خطرے سے نمٹنے میں پاک بحریہ کی مکمل ناکامی کا بھی اس کی کارکردگی پر خاصا حوصلہ شکن اثر پڑا تھا۔ پاک بحریہ کی مجموعی تعداد اور طاقت کے تناظر میں یہ توقع رکھنا عبث تھا کہ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیانی مواصلاتی رابطوں کو بھارت سے مکمل جنگ کی صورت میں برقرار رکھ سکے گی تاہم اس سے یہ توقع ضرور کی جا سکتی تھی کہ وہ کم از کم بھارتی بحریہ کو کراچی کی ناکہ بندی سے باز رکھ سکے جو مغربی پاکستان کی واحد بندرگاہ تھی لیکن بھارتی میزائل بوٹس کے خطرے کے پیش نظر وہ ایسا نہ کر سکی جو ایک ایسا معاملہ ہے جس پر حکومت کو پوری سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اس کے علاوہ حکومت کو مغربی پاکستان میں دوسری بندرگاہ کے قیام پر بھی غور کرنا چاہیے۔

اگر بحریہ کو سودمند مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا ہے تو اسے ہر قیمت پر جدید خطوط پر استوار کرنا لازمی ہے۔ اس کے پاس موجود بحری جہازوں کی بڑی تعداد دوسری جنگ عظیم کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے جو کم و بیش اپنی افادیت کھو چکے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ 1965ء کی جنگ کے بعد سے بحریہ کو بری طرح نظر انداز کیا گیا ہے حالانکہ اس جنگ میں بحریہ کا کردار کافی متاثر کن تھا۔ کراچی کی بندرگاہ پر بھی ایسے راڈار کی اشد ضرورت ہے جو سمندر کی سمت نصب ہو۔ یہ راڈار نہ ہونے کے سبب ہی ہم سمندر کی جانب سے بھارتی میزائل بوٹس اور

طیاروں کی آمد کا بروقت سراغ لگانے میں بری طرح ناکام ہوئے۔

ہم بحریہ کے سربراہ کو بھی اس الزام سے مبرا قرار نہیں دے سکتے کہ انہوں نے پہلے ہی میری ٹائم ہیڈکوارٹرز کو منتقل کیوں نہیں کیا جبکہ ان کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ آئندہ تین چار دنوں کے اندر اندر دوسرا محاذ بھی کھول دیا جائے کیونکہ بعد میں اس کی منتقلی کا قطعاً کوئی جواز نہیں تھا۔ اگر انہیں پاک بحریہ کے ہیڈکوارٹرز سے فاصلے پر ہی اسے منتقل کرنا تھا تو یہ کام بڑی عجلت اور تیز رفتاری سے کیا جانا چاہیے تھا۔

تاہم یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ بحریہ کو اب بھی یہ احساس ہے کہ تمام تر خامیوں رکاوٹوں اور دشواریوں کے باوجود اس نے جو اقدامات کئے وہ ملک کے دفاع کے حوالے سے ایک بہترین کوشش تھی اس خیال کی مزید تصدیق بی بی سی کے نمائندے کے اس تبصرے سے بھی ہوتی ہے کہ 1971ء کی جنگ کے دوران پاکستانی بحریہ نے اپنے سے کئی گنا بڑی بھارتی بحریہ کا بڑی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا" بہر کیف کسی بھی جنگ کی کامیابی یا ناکامی کا تمام تر دارومدار محض اس بات پر نہیں ہوتا کہ دشمن کو کتنا نقصان پہنچایا کتنے لوگ ہلاک ہوئے بلکہ اسے اپنے مقاصد کے مجموعی تناظر میں رکھ کر دیکھنا پڑتا ہے اگر ہماری بحریہ کا مقصد یہی تھا کہ دشمن بلا کسی روک ٹوک کے کراچی کی بندرگاہ پر یلغار کرتا ہے تو ہمیں بڑے رنج اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول میں بری طرح ناکام ہوئی۔

فضائی معرکے

فضائی معرکوں کا اولین مقصد دشمن ملک کے طیاروں کو بہر صورت روکنا ہوتا ہے تا کہ وہ کوئی ایسا سنگین اور بھاری نقصان نہ پہنچا سکیں۔ طیاروں کا راستہ کاٹنے کے لئے بھیجے جانے والے طیاروں کے علاوہ طیارہ شکن توپوں اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے گائیڈڈ میزائلوں بھی بروئے کار لائے جاتے ہیں جو نہ صرف شہروں کو دشمن کے فضائی حملوں سے تحفظ فراہم کرتے ہیں اور اہم پلوں' ڈیموں' ریلوے' سڑکوں اور کلیدی تنصیبات کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ ان کے ذریعے دشمن کے طیاروں کا فضا میں مقابلہ کرنے والے لڑاکا طیاروں کی کارکردگی اور اہلیت پر بھی مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ جب تک طیارہ شکن توپیں اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل حرکت میں نہ آئیں یہ طیارے دشمن طیاروں کو کسی مخصوص نشانے پر

حملہ کرنے سے روکنے کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔ دنیا کی کوئی بھی قوم یا ملک خواہ اس کی فضائی قوت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس قسم کے حملوں سے بچاؤ کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا چنانچہ جدید تصور کے مطابق جنگ کی صورت میں فضائی دفاع کے اقدامات، مجموعی قومی دفاع کا ایک ناگزیر حصہ ہوتے ہیں اور دشمن کے اہم فوجی ٹھکانوں پر جوابی حملوں کے ذریعے اس کی بھرپور مدد کرتے ہیں۔ شمالی ویت نام کے پاس بڑی فضائی طاقت موجود نہیں تھی اس کے باوجود وہ طیارہ شکن توپوں اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں کے نیٹ ورک کی مدد سے اپنا مؤثر دفاع کرنے میں کامیاب رہا۔ کہا جاتا ہے کہ صرف ہنوئی، ہائے پونگ کمپلیکس میں شمال ویت ناموں نے دو ہزار طیارہ شکن توپیں نصب کر رکھی ہیں۔

اس رپورٹ کے ابتدائی حصے میں ہم نشان دہی کر چکے ہیں کہ ہماری فضائیہ اپنی محدود قوت اور استطاعت کے باعث اس قابل نہیں تھی کہ دشمن طیاروں کو فضائی حدود میں داخل ہونے سے روک سکے اور شاید مستقبل قریب میں بھی ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ ہم بھارتی فضائیہ کی برابری کر سکیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے طیارہ شکن توپوں کے نظام کو مزید بہتر بنائیں کیونکہ اس معاملے میں ہم بہت پیچھے ہیں۔ ہمارے پاس زمین سے فضا میں مار کرنے والے گائیڈڈ میزائل بھی موجود نہیں ہیں جب کہ 1971ء کی جنگ کے دوران ہمارے پاس طیارہ شکن توپوں کی صرف ننانوے بیٹریاں موجود تھیں جن کی تفصیل ضمیمہ ''الف'' میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کے دوران دشمن ہمارے پچپن ریلوے اسٹیشنوں، ریلوے ٹریک کے متعدد حصوں اور ملٹری ٹرینوں پر حملوں میں کامیاب رہا حتیٰ کہ ہمارے فضائی اڈوں اور فوجی تنصیبات پر حملوں میں بھی بھارت نے 1965ء کی جنگ کے مقابلے میں کافی بہتری کا مظاہرہ کیا۔

طیارہ شکن ذرائع کی اس سنگین کمی کے باعث دشمن کو یہ موقع مل گیا کہ وہ ہماری کمزوریوں کو بھانپ کر ان کا خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکے۔ چنانچہ ہماری اس کمزوری کے نتیجے میں اس نے ہماری فوجی تنصیبات اسٹوریج ٹینکس اور گیس کی تنصیبات کو کھلم کھلا اپنے حملوں کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وسیع پیمانے پر ہم اپنی طیارہ شکن صلاحیتوں میں اضافہ کر کے انہیں بہتر بنائیں خاص طور پر اس لئے بھی کہ ہمارے پاس رات کے وقت کئے جانے والے حملوں سے بچاؤ کی کوئی صلاحیت موجود نہیں ہے۔ رات کے وقت دشمن کے طیاروں کو روکنے کی بھی پاک فضائیہ کے پاس کوئی خاص صلاحیت نہیں تاہم زمین سے فضا میں مار کرنے

والے میزائلوں اور بلند طیارہ شکن توپوں کے ذریعے ہم رات کے وقت دشمن طیاروں پر حملے کی صلاحیت کو یقیناً بہتر بنا سکتے ہیں۔

آرمی کے بڑے پیمانے پر نقل و حرکت کے لئے بھی مناسب فضائی چھتری کا فراہم کرنا بھی اشد ضروری ہے جس کا مشاہدہ ہم 1971ء کی جنگ کے دوران بخوبی کر چکے ہیں۔ دشمن کے فضائی حملوں سے بچاؤ کے ناکافی ذرائع کے باعث ہماری آرمی کو ٹرینوں کے ذریعے نقل و حرکت میں بیشمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ ملتان سے روانہ کی جانے والی کمک کو جنوبی سیکٹر تک پہنچانے میں پورے پانچ دن صرف ہو گئے جب کہ دو کوروں کو اگلے محاذ تک صرف اس صورت میں پہنچایا گیا جب انہیں فضائیہ کی جانب سے مناسب تحفظ فراہم کیا گیا۔

فضائی دفاعی نظام کے مؤثر ہونے کا دارومدار دو بنیادی اور لازمی عوامل پر ہوتا ہے۔ پہلا یہ کہ دشمن کی صلاحیت کے بارے میں بروقت اور صحیح اطلاعات حاصل ہوں اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا ممکنہ لائحہ عمل اور فضائی نقل و حرکت کیا ہوگی؟ دوسرا یہ کہ ان اطلاعات اور معلومات کی بناء پر فوری طور سے کیا دفاعی اقدامات کئے جانے ضروری ہیں؟

ہمارے ملک کا فضائی دفاعی نظام اعلیٰ ترین سطح پر ایک ائر ڈیفنس کمیٹی کنٹرول کرتی ہے جو ایک انٹر سروسز کمیٹی ہے جس کا صدر فضائیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کی تشکیل اور منشور ضمیمہ ''ب'' میں درج کی گئی ہے۔ یہ فقط ایک مشاورتی اور رابطے کا ادارہ ہے کیونکہ اس کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہے کہ اپنی سفارشات کو عملی طور نافذ بھی کر سکے۔ فضائی دفاعی نظام کے اس حصے پر عمل درآمد عام طور پر فضائیہ کی ذمہ داری ہوتی ہے تاہم محدود علاقے کے دفاع کی غرض سے بعض اوقات آرمی، نیوی اور شہری دفاع کی تنظیمیں بھی بساط بھر اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔

جلد وارننگ دینے والے، کنٹرول کرنے اور اطلاعات پہنچانے والے نظام پاکستانی فضائیہ کے کنٹرول میں تھے، ان میں موبائل آبزرور یونٹ، سیکشن آپریشن کنٹرول اور سی او سی/اے او سی شامل تھے۔ ہم اس نظام کی کمزوریاں پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ موبائل آبزرور کے ذریعے دشمن کے جہاز کو دیکھنے اور ائر آپریشن کنٹرول کے اسے اپنے کنٹرول میں لینے کے درمیان کچھ وقت لگ جاتا تھا جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس نظام سے وابستہ مختلف حصوں کے مشترکہ عمل کے فقدان کی وجہ سے راڈار کنٹرولز پر سختی کے ساتھ کنٹرول نہیں کیا جا سکتا تھا جس نے اینٹی ائر کرافٹ یونٹوں کی کارکردگی متاثر ہوتی تھی۔ کراچی میں نچلی سطح پر سمندر کی طرف نظر

رکھنے والے راڈار نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات کا سامنا تھا۔ ہمیں امید ہے اوران خامیوں کو اب دور کر دیا جائے گا کیونکہ جنگ کے دوران ایسا ہوا کہ اینٹی ائر کرافٹ یونٹ اور مجاہدوں کی تمام اینٹی ائر کرافٹ کمپنیاں کسی پیشگی وارننگ یا فائر پر کنٹرول کے بغیر لڑی تھیں۔ زیادہ تر ایسا ہوا کہ جب دشمن کے جہازوں نے بم گرائے تب دشمن کے حملے کی اطلاع ملی۔ اس بات سے یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ پاکستان فضائیہ کے وارننگ دینے کے نظام اور اینٹی ائر کرافٹ یونٹوں کے درمیان داخلے کا فقدان تھا۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ انٹر سروسز کے پیشگی وارننگ دینے کے نظام اور طیارہ شکن فائر کو کنٹرول کرنے کے نظام پر نظر ثانی کی جائے اور اسے بہتر بنایا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ سیکٹرز کی تعداد میں بھی اضافہ کیا جائے (اس وقت تین ہیں) تاکہ آپریشن کا کنٹرول زیادہ مؤثر طور پر کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ بیٹری کمانڈ کی چوکیوں کی سطح تک مواصلات کا علیحدہ نظام قائم کیا جائے تاکہ فضائی حملے کی پیشگی وارننگ بغیر کسی تاخیر کے ان چوکیوں تک پہنچ سکے اور گنز کو کنٹرول کے احکامات دیئے جا سکیں جس سے ہمارے طیارے دشمن کی فائر سے محفوظ رہیں۔

فضائیہ کا اندازہ ہے کہ طیاروں سے مناسب بچاؤ کے لئے ملک کو مزید 342 بیٹریوں کی ضرورت ہے جن کی تفصیل انیکور "C" میں دی گئی ہے کہا جاتا ہے کہ ان بیٹریوں کا حصول ملک کے وسائل سے ممکن ہے۔ انہیں یا تو چین سے درآمد کیا جا سکتا ہے یا مقامی طور پر تیار بھی کرایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک فضا سے زمین پر مار کرنے والے میزائلوں کا تعلق ہے تو یہ باہر سے منگوانے ہوں گے۔ اس وقت صرف ایک ہزار طیارہ شکن بندوقیں موجود ہیں ضروریات پوری کرنے کے لئے مزید تین ہزار بندوقوں کی ضرورت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بندوقوں کے لئے زیادہ امیونیشن کی بھی ضرورت ہے اور فضائیہ والوں کا خیال ہے کہ کم از کم تین ماہ کی ضرورت کا امونیشن ملک میں رکھا جائے۔

تجویز دی گئی ہے کہ ان اضافی بندوقوں کی چوکیوں کے لئے آرمی اور فضائیہ کے مورچوں کے یونٹوں کے چھوڑ کر اہم تنصیبات کی دفاع کے لئے مقررہ تمام یونٹوں میں کیڈر بنائے جائیں اور یہ کیڈر باقاعدہ فوج کا 25 فیصد ہو۔ اس کے لئے عملہ مقامی طور پر بھرتی کیا جائے اور یہ صرف ایمرجنسی کے دوران کے لئے بھرتی کیا جائے اور اس کے ختم ہونے کے بعد اسے واپس اپنے عہدوں پر بھیج دیا جائے۔ ترقی کے اس پروگرام کو مرحلہ وار شروع کیا جائے

تاکہ ملک کے ایک ایک وسائل 1972ء تک ترقی پا سکیں۔ یہ بھی کوشش کی جائے کہ رات میں فائر کرنے والا اسلحہ (سام) بھی حاصل ہو جائے لیکن اگر یہ دستیاب نہ ہو سکیں تو رڈار کنٹرول کی میڈیم ایچ اے اے بندقیں چین سے حاصل کی جائیں کیونکہ چین واحد ملک ہے جو یہ بندوقیں تیار کرتا ہے۔

چھپانے کی کارروائی

اس سلسلے میں منصوبہ بندی کا مکمل فقدان پایا جاتا ہے سروسز کی طرف سے انفرادی طور پر تو کچھ کام کئے جانے کے علاوہ سول سیکٹر میں اہم تنصیبات اور عمارتوں کو منصوبہ بندی کے ساتھ چھپانے کا کوئی انتظام نہیں ہے یہ خاص طور پر سول سیکٹر کی ذمہ داری ہے اور سول ڈیفنس کو چاہئے کہ وہ عمارتوں کو چھپا کے قواعد کی پابندی کرائے، کم از کم صنعتی علاقوں میں صنعتکاروں سے انہیں چھپانے کے لئے ضرور پابندی کرائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 1971ء کی جنگ میں ہماری تیل کی کمپنیوں اور تیل ذخیرہ کرنے کے ٹینکوں کے مالکان نے انہیں چھپانے کا کوئی انتظام نہیں کیا کیونکہ وہ دشمن کے حملوں کا خاص نشانہ ہوتے ہیں۔

چھپانے کے طریقوں میں کیموفلیج اسموک اسکرین، روشنی پر کنٹرول اور بلیک آؤٹ رڈار اور ریڈیو کا جام کرنا شامل ہیں۔ ان طریقوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حملہ آور فوج کو دھوکے میں رکھا جائے اور وہ اپنے نشانوں کو نہ پہنچ سکیں۔ ہم نے بلیک آؤٹ بھی تھوڑی بہت کامیابی کے ساتھ کئے اور کچھ عمارتوں کی کیموفلیج کی بھی کوششیں کیں لیکن دوسرے طریقوں کی طرف ہم نے سوچا ہی نہیں۔

احتیاطی تدابیر

تیسری قسم میں جسے احتیاطی تدابیر کہا جاتا ہے بہت سے اقدامات شامل ہیں۔

(a) فضائی حملے کی وارننگ دینے کا نظام

(b) پناہ گاہوں کا استعمال

(c) کیمونٹیز اور سہولتوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا

(d) ذرائع آمدورفت اور مقامات کو خالی کرانے کا کنٹرول

(e) فائر فائٹنگ کی خدمات

(f) طبی امداد کی خدمات کی تنظیم اور ان کا کنٹرول

(g) بغیر پھٹے ہوئے بموں اور میزائلوں کو ٹھکانے لگانا

یہ طریقے اس لئے اختیار کئے جاتے ہیں کہ شہریوں کی آبادی کو فضائی حملے سے ہونے والے نقصان کے اثرات کو کم سے کم کیا جاسکے اور متاثرہ علاقوں کی بحالی جس قدر جلد ممکن ہو کی جاسکے۔ یہ اقدامات سول ڈیفنس تنظیم کو کرنے ہوتے ہیں۔ 1971ء کی جنگ میں اس شعبے کو بھی بہت زیادہ نظر انداز کیا گیا۔

سول ڈیفنس کی ذمہ داری میں سول حکام کو مختلف سطحوں پر شرکت کرنی چاہئے مثلاً وفاقی حکومت کی' صوبائی حکومت کی اور مقامی حکومت کی سطح پر۔ سرکاری حاکم اس ذمہ داری کو کم اہمیت دیتے رہے ہیں کچھ تو اس وجہ سے کہ اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور کچھ اس وجہ سے کہ وسائل کی بھی کمی ہے۔ 1971ء کی جنگ کے زمانے میں جو تنظیم قائم تھی اس نے ایک منصوبہ بندی کرنے والے اور ماہرین کے رابطے کے ایک مرکز کے طور پر کام کیا اور ایک فیلڈ کی تنظیم کے طور پر کام نہیں کیا۔ اگرچہ سول ڈیفنس کو آرمی' نیوی اور فضائیہ کے ساتھ چوتھا ستون سمجھنا چاہئے اور اسے ان سروسز کے ساتھ رابطے میں رہ کر کام کرنا چاہئے۔ یہ سول آبادی کا مورال قائم کرنے میں اور دشمن کی طرف سے صفوں کے پیچھے پیدا کی جانی والی افراتفری کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

دنیا کے تمام ممالک سول ڈیفنس کی تنظیم کو اب بہت اہمیت دیتے ہیں جو سرکاری افسران کے کنٹرول میں ہوتی ہے لیکن اس میں زیادہ تر رضا کار کام کرتے ہیں تاکہ سول آبادی کو بھی ملک کے لئے جنگ کی کوششوں میں شرکت کا احساس ہو۔ ہمیں سول ڈیفنس کے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں یہ بات جان کر نہایت حیرت ہوئی کہ مرکزی حکومت سول ڈیفنس تنظیم میں کمی کر رہی ہے اس کے ڈائریکٹر جنرل کا عہدہ کم کرکے ڈپٹی سیکرٹری بنا رہی ہے اور اس کے کنٹرول سے بم ڈسپوزل کی تنظیم کو نکال رہی ہے۔ اگر ایسا ہو رہا ہے تو ہم تجویز دیں گے کہ حکومت اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔

موجودہ حالات میں جب کہ دشمن کے پاس ایٹمی صلاحیت بھی موجود ہے اور وہ کیمیائی اور بائیو جیکل اسلحہ بھی بنا سکتا ہے جو کہ بھارت نے بنالئے ہیں۔ سول ڈیفنس تنظیم کو ایسی جنگ کے تباہ کن اثرات سے سول آبادی کو محفوظ رکھنے کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرنا

چاہئے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ 1965ء کی جنگ کی روشنی میں سول ڈیفنس تنظیم کی تنظیم نو کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کی گئی تھی مگر یہ ابھی تک حکومت کے غور کے لیے زیرالتواء ہے۔ اس پر غور کیا جانا چاہئے۔

1971ء کی جنگ کے تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ سول ڈیفنس ڈائریکٹوریٹ اور پاکستان فضائیہ کے پیشگی اطلاع دینے کے نظام کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ شہری آبادی کو حملے کا اس وقت پتہ چلتا تھا جب دشمن کے طیارے واپس چلے جاتے تھے اور کبھی کبھی تو جب خطرہ دور ہونے کا سگنل دیا جاتا تو اس وقت دشمن دوبارہ آ چکا ہوتا تھا۔

سرحدی علاقوں سے اس شہری آبادی کو نکالنے کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی جو جنگ سے متاثر ہوسکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شکر گڑھ کے علاقے میں بہت سے لوگ بے گھر ہوگئے۔ انہیں محفوظ علاقوں میں منتقل ہونے کے لئے کوئی وارننگ نہیں دی گئی تھی۔ کچھ لوگوں کو جانی و مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بڑے شہروں میں خاص طور پر کراچی کے صنعتی علاقوں میں فائر فائٹنگ انتظامات درست نہیں ہیں اور ناکافی ہیں' عام طور پر تیل کی صنعت جن میں آگ پکڑنے والے ٹینک ہوتے ہیں جن پر فضائی حملہ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ایسے دوسرے آلات اور تنصیبات ہیں جن پر فضائی حملہ ہوسکتا ہے۔ ایسی تمام صنعتوں کو جنگ کے زمانے میں اپنے سامان کو محفوظ رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ کراچی ڈاک یارڈ کے قریب آئل فارم میں ایک میزائل لگنے سے بھڑکنے والی آگ چار پانچ دن تک کنٹرول نہیں کی جاسکی اور ایران سے ایک ماہر کو بلوانا پڑا کہ وہ ہمارے آگ بجھانے والے عملے کو ایسی آگ پر قابو پانے کے بہترین طریقے بتاسکے۔ واضح طور پر یہ ذمہ داری ان کمپنیوں کی تھی جو ان تنصیبات یا تیل کے ٹینکوں کی مالک تھیں۔ یہ غلط ہے کہ آگ لگنے کے لائق تیل کے یہ ذخیرے بندرگاہ یا ریلوے اسٹیشنوں کے قریب بنائیں جائیں ان ذخیروں کو یہاں سے ہٹانے کا انتظام کیا جائے اور ان مالکہ کمپنیوں کو ان کی آگ سے حفاظت کا مناسب انتظام کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔

ہمارا خیال ہے کہ ملک کے دفاع کی اسکیم میں سول ڈیفنس کو مناسب اہمیت دی جائے اور حکومت کے ہر محکمہ کو نہ صرف اسباب کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ وہ ضروری فنڈز مہیا

کریں بلکہ وہ ایسا عملہ بھی مہیا کریں جو اس کے سول ڈیفنس کی اسکیم میں متوقع کردار پر عمل درآمد کرا سکیں۔

بغیر پھٹے ہوئے بموں کو ناکارہ بنانے کا کام بھی سول ڈیفنس کا ہونا چاہئے۔

250- سول ڈیفنس کے مکمل کنٹرول اور انتظام کی تمام ذمہ داری مرکزی حکومت کو قبول کرنی چاہئے۔ صوبائی حکومتوں پر تمام بوجھ ڈال دینا ناانصافی ہوگی لیکن سول ڈیفنس کی کسی اسکیم پر بھی عملدرآمد کرانا صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔

✿✿✿

مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنا

ہم ان حالات کا جائزہ لیتے ہیں جو ڈھاکہ میں ہتھیار ڈالنے سے پہلے موجود تھے اور جن کے نتیجے میں ہتھیار ڈالے گئے یہ 6 دسمبر کے بعد کی بات ہے کہ ڈھاکہ سے ایسے پیغامات آنا شروع ہو گئے جو نہایت مایوس کن فوجی صورت حال ظاہر کر رہے تھے۔

ہم نے اس رپورٹ کے ایک اور حصے میں اقوام متحدہ میں جاری صورت حال بیان کی ہے اور اب یہاں دوبارہ بیان کرنا نہیں چاہتے۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ جنرل یحییٰ خان کی سلامتی کونسل میں مسئلہ پیش کرنے میں پس و پیش کے باوجود اب اس ادارے میں امریکہ نے کارروائی شروع کر دی تھی۔ 6 دسمبر 1971ء کو مشرقی کمان نے ایک تفصیلی پیغام (g-1233) بھیجا جس میں فوجی صورتحال تفصیل سے بتائی گئی تھی اور یہ بیان کیا گیا تھا کہ اب کمانڈ پہلے سے طے کی گئی دفاعی لائن پر پہنچنے والی ہے۔ اس پیغام پر زور دے کر کہا گیا تھا کہ راولپنڈی نے اپنے پیغام میں غیر ملکی امداد کا جو وعدہ کیا تھا اس پر جلد عمل درآمد کرایا جائے۔ 7 تاریخ کو مشرقی کمان نے دوبارہ معلوم کیا کہ یہ غیر ملکی مدد کب تک آ سکتی ہے تو بتایا گیا کہ ابھی یہ مسئلہ دوسری طرف زیر غور ہے۔ اسی دن یعنی 7 تاریخ کو مشرقی پاکستان کے گورنر ڈاکٹر مالک نے مندرجہ ذیل پیغام دیا:

"6905.TFSEC A برائے صدر پاکستان یہ ضروری ہے کہ مشرقی پاکستان کی صحیح صورت حال پر آپ کی توجہ مبذول کرائی جائے' میں نے جنرل نیازی کے ساتھ گفتگو کی ہے انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ بڑی مشکلات کے باوجود بہادری سے لڑ رہے ہیں۔ انہیں آرٹلری یا فضائیہ کی مدد بھی حاصل نہیں ہے۔ باغی انکے راستے برابر مسدود کر رہے ہیں اور ان آدمیوں اور ایکویپمنٹ کو بھاری نقصان پہنچ رہا ہے جس کا متبادل مہیا نہیں کیا جا سکتا۔ مشرقی اور مغربی کمانڈ کے فرنٹ ختم ہو چکے ہیں دریائے میگھنا کے مشرق کے پورے کاری ڈور کو جانے سے نہیں روکا جا سکتا۔ جیسور پہلے ہی ہاتھ سے نکل گیا ہے جو پاکستان نواز حلقوں کے مورال پر ایک شدید ضرب ہوگی۔ سول انتظامیہ غیر مؤثر ہو کر رہ گئی کیونکہ بغیر ذرائع مواصلات کے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ کھانا اور دوسری اشیاء ختم ہوتی جا رہی ہیں اور چاٹگام یا ملک کے اندر سے کچھ نہیں منگوایا جا سکتا۔ 7 دن کے بعد ڈھاکہ شہر میں بھی غذا نہیں رہے گی' ایندھن اور تیل بھی نہیں ہوگا' زندگی مکمل طور پر مفلوج ہو کر رہ جائے گی' فوج نے جن علاقوں کو چھوڑا ہے وہاں امن و امان کی صورت حال دردناک ہے

اور باغی ہزاروں پاکستان نواز لوگوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ لاکھوں غیر بنگال اور وفادار لوگ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ براہ راست دخل اندازی کے بغیر دنیا کی طاقتوں کی طرف سے زبانی جمع خرچ یا مادی امداد سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اگر ہمارا کوئی غیر ملکی دوست ہماری مدد کرسکتا ہے تو یہ 48 گھنٹے کے اندر ہونا چاہئے اگر بیرونی امداد نہیں آرہی تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مذاکرات کریں تاکہ ایک مہذب اور پرامن منتقلی عمل میں آسکے۔ لاکھوں جانیں بچائی جاسکیں اور ناقابل بیان مصیبت سے بچا جاسکے۔ کیا ہمیں اتنی قربانیاں دینی چاہئیں جب کہ اس کا انجام ظاہر ہے۔ اگر مدد آرہی ہے تو ہم لڑتے رہیں گے چاہے جو بھی انجام ہو"۔

اس پیغام کے جواب میں صدر نے اسی دن یہ پیغام بھیجا "صدر کی طرف سے گورنر کے لئے۔ آپ کے فلیش سگنل مورخہ دسمبر A6905 کے حوالے سے۔ تمام ممکنہ اقدامات کئے جارہے ہیں۔ مغربی پاکستان میں بھی مکمل پیمانے پر سنگین لڑائی جاری ہے۔ عالمی طاقتیں بڑی سنجیدگی کے ساتھ جنگ بندی کرانے کی کوشش کررہی ہیں۔ اس معاملے پر سلامتی کونسل میں روس کی طرف سے مسلسل ویٹو استعمال کرنے کی وجہ سے اسے جنرل اسمبلی میں لے جایا جارہا ہے۔ ایک نہایت اعلیٰ اختیاراتی وفد کو نیو یارک بھیجا جارہا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں کہ جس خوفناک صورت حال سے آپ دوچار ہیں اس سے میں اچھی طرح باخبر ہوں۔ میں چیف آف اسٹاف کو ہدایت دے رہا ہوں کہ وہ جنرل نیازی کو اس فوجی حکمت عملی کے بارے میں ہدایت دیں جو اختیار کی جانی ہے' آپ اور آپ کی حکومت غذا کی راشننگ اور ضروری اشیاء کی سپلائی کم کرنے کے لئے سخت طریقے اختیار کرے تاکہ یہ زیادہ سے زیادہ عرصے تک چل سکیں اور تباہی کو روکا جاسکے۔ خدا آپ کی مدد کرے ہم سب دعا گو ہیں"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 9 تاریخ کو بھی گورنر کا ایک پیغام آیا تھا جس کا نمبر A4660 تھا مگر ہم اس کی کوئی نقل تلاش نہیں کرسکے لیکن اس پیغام کا اسی دن صدر نے جو جواب بھیجا جس کا نمبر G0001 تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنر نے کچھ تجاویز پیش کی تھیں جس سے مشرقی محاذ پر لڑائی بند ہوجاتی۔ یہ پیغام مندرجہ ذیل ہے۔

> "صدر کی طرف سے گورنر کے لئے اور اسے مشرقی کمان کے کمانڈر کے لئے دہرایا جاتا ہے۔ آپ کا فلیش پیغام نمبر A4660 مورخہ 9 دسمبر وصول ہوا اور اسے اچھی طرح سمجھا گیا۔ آپ نے مجھے جو تجاویز بھیجی ہیں میری طرف سے آپ کو ان

> کے بارے میں فیصلہ کرنے کی اجازت ہے۔ بین الاقوامی طور پر تمام معاملات کو نمٹا رہا ہوں لیکن ہمارے درمیان مکمل علیحدگی ہونے کی وجہ سے میں مشرقی پاکستان کے بارے میں تمام معاملات آپ کے صواب دید اور فیصلے پر چھوڑتا ہوں۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں گے اسے میں قبول کرلوں گا اور میں جنرل نیازی کو بھی ہدایت دے رہا ہوں کہ وہ آپ کے فیصلے کو تسلیم کریں اور اس کے مطابق کام کریں۔ شہریوں کی بلا وجہ ہلاکت کو روکنے کے لئے اور جیسا کہ آپ نے خاص طور پر ذکر کیا ہے مسلح افواج کے تحفظ کے لئے آپ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں اس پر پیش قدمی کریں اور ان کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے دشمن کے ساتھ جو بھی سیاسی طریقہ کار اختیار کرسکتے ہیں کریں"۔

یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اس وقت بھٹو نیو یارک روانہ ہو چکے تھے اگرچہ حقیقت میں وہ نیو یارک 10 تاریخ کو پہنچے یہ بات واضح ہے کہ اس پیغام کے ذریعے اس معاملے کو مکمل طور پر گورنر کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا تھا اور صدر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے ہر فیصلے کو بقول کرلیں گے۔ خیال کیا جاتا ہے اسی حوالے سے جنرل فرمان علی نے اپنا مشہور پیغام اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل پاک مارک ہنری کو دیا تھا۔ بھٹو کے نیو یارک پہنچنے سے پہلے ہی یہ معلوم ہوگیا تھا اور اس کا جو اثر اقوام متحدہ میں ہماری حیثیت پر پڑا اس کا ہم دوسری جگہ ذکر کرچکے ہیں۔ جنرل فرمان علی نے ایک پیغام بھیجا تھا جس میں اس بات پر احتجاج کیا گیا تھا کہ انہیں ہتھیار ڈالنے کا ذمہ دار قرار دیا جارہا ہے جب کہ انہوں نے صرف ایک ایسی دستاویز پر دستخط کئے تھے جو گورنر کی ہدایات پر تیار کی گئی تھی اور جس کے لئے صدر نے انہیں اختیار دیا تھا' جو کچھ بھی ہو 10 تاریخ کو گورنر نے صدر کو اطلاع دی کہ ان کے دیئے گئے اختیار کے مطابق وہ ہنری کو ایک پیغام بھیج رہے ہیں اس پیغام کا نمبر A7107 تھا جو مندرجہ ذیل ہے "A7107" ٹاپ سیکرٹ صدر پاکستان کے لئے آپ کا G0001 مورخہ دسمبر 092300۔ کیونکہ آخری اور تباہ کن فیصلہ کرنیکی ذمہ داری مجھے دی گئی ہے میں مندرجہ ذیل نوٹ اسسٹنٹ سیکرٹری پال مارک ہنری کو آپ کی منظوری سے بھیج رہا ہوں۔ نوٹ یہ ہے پاکستان کی مسلح افواج کا کبھی بھی یہ ارادہ نہیں

تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کی سرزمین پر کسی بھرپور لڑائی میں ملوث ہو جائیں لیکن ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ فوج دفاعی اقدام کرنے پر مجبور ہوئی۔ حکومت پاکستان کا ہمیشہ سے یہ ارادہ تھا کہ وہ اس مسئلے کو مشرقی پاکستان میں سیاسی حل کے ذریعے طے کرے جس کے لئے مذاکرات کئے جا رہے تھے۔ مسلح افواج تمام مشکلات کے باوجود بہادری سے لڑی ہیں اور وہ اب بھی ایسا کر سکتی ہیں لیکن مزید خون خرابہ اور معصوم جانوں کا تلاف روکنے کے لئے میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کر رہا ہوں کیونکہ یہ لڑائی سیاسی وجوہ سے شروع ہوئی تھی اسے سیاسی حل پر ہی ختم ہونا چاہئے۔ اس لئے جیسا کہ صدر نے مجھے اختیار دیا ہے میں مشرقی پاکستان کے منتخبہ نمائندوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ پرامن طریقے سے ڈھاکہ میں حکومت بنانے کا انتظام کریں یہ پیشکش کرتے ہوئے میں یہ کہنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان عوام کی یہ بھی مرضی ہوگی کہ بھارتی افواج ان کی سرزمین کو خالی کر دیں۔ اس لئے میں اقوام متحدہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ پرامن طور پر اقتدار کی منتقلی کرائیں اور یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ (1) فوری جنگ بندی کرائی جائے (2) پاکستان کی مسلح افواج کو مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان بھجوایا جائے (3) مغربی پاکستان کے ان لوگوں کو جو مغربی پاکستان جانا چاہتے ہیں مغربی پاکستان بھیجا جائے (4) 1947ء سے مشرقی پاکستان میں آباد تمام لوگوں کو تحفظ دیا جائے (5) اس بات کی گارنٹی دی جائے کہ مشرقی پاکستان میں کسی شخص کے ساتھ انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ یہ پیشکش کرتے ہوئے میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ پرامن انتقال اقتدار کے لئے یہ یقینی تجویز ہے اور مسلح افواج کے ہتھیار ڈالنے پر غور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کا سوال پیدا ہوتا ہے اگر یہ تجاویز منظور نہیں کی گئیں تو مسلح افواج جنگ جاری رکھیں گی اور آخری دم تک لڑتی رہیں گی۔ جنرل نیازی سے مشورہ کیا گیا وہ آپ کے حکم کے تابع ہیں۔ آپ کی فوری منظوری کی درخواست کی جاتی ہے"۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی پیغام سے اقوام متحدہ میں ہماری کوششوں کو نقصان پہنچے گا۔ اس بات سے واقعی نقصان پہنچا جو بات حقیقی طور پر تجویز کی گئی تھی وہ اتنی بری نہیں تھی جتنی کہ بعد میں ہونے والی تھی۔ اگر ڈھاکہ اقوام متحدہ کے سامنے

ہتھیار ڈالتا تو سلامتی کونسل کو ایک ایسی قرارداد منظور کرنے پر راغب کیا جا سکتا تھا جیسی کہ ہم چاہتے تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اگر روس کو ویٹو استعمال نہ کرنے پر راضی کیا جا سکتا تو ایسی قرارداد منظور کرائی جا سکتی تھی۔

اگرچہ صدر نے گورنر کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ جو اقدامات مناسب سمجھتے ہیں وہ اٹھائیں مگر صدر نے گورنر کے اسی اقدام پر منفی ردعمل کا اظہار کیا اور اپنے پیغام میں اسے نامنظور کیا۔ انہوں نے اسی دن شام کو 7 بجکر 10 منٹ پر پیغام نمبر G0002 بھیجا جو مندرجہ ذیل ہے۔

"صدر پاکستان کی طرف سے۔ آپ کا فلیش پیغام نمبر A7107 مورخہ 10 دسمبر۔ آپ کا مجوزہ پیغام اس سے بہت مختلف ہے جو آپ نے تجویز کیا تھا اور میں نے منظوری دی تھی۔ اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ پاکستان کی طرف سے بات کر رہے ہیں کیونکہ آپ نے انتقال اقتدار کی بات کی ہے۔ سیاسی حل اور افواج کو مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان بھیجنے کی بات کی ہے۔ اس کا مطلب ایک آزاد مشرقی پاکستان کو قبول کرنا ہے موجودہ صورت حال میں آپ کو محدود کارروائی کی ضرورت ہے جس سے مشرقی پاکستان میں لڑائی ختم ہو جائے اس لئے میں ایک ایسے ڈرافٹ کے لئے تجویز دیتا ہوں جس کا آپ کو اختیار دیا گیا ہے"۔

"بھارت کی کثیر افواج کی طرف سے مشرقی پاکستان کے بحری اور فضائی راستے مسدود کر دینے اور اس کے نتیجے میں شہری آبادی کے ناحق خون خرابے نے مشرقی پاکستان کی صورت حال کو ایک نیا رخ دے دیا ہے۔ صدر پاکستان نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں جو اقدامات بھی مناسب سمجھوں اٹھاؤں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مشکلات کے باوجود اگرچہ پاکستانی افواج بہادری کے ساتھ لڑی ہیں اور وہ اب بھی لڑائی جاری رکھ سکتی ہیں مگر مزید خون خرابے اور معصوم جانوں کی ہلاکت سے بچنے کے لئے میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتا ہوں۔

(1) مشرقی پاکستان میں جنگ ختم کرنے کے لئے فوری جنگ بندی کی جائے۔

(2) 1947ء سے مشرقی پاکستان میں آباد لوگوں کی حفاظت کی ضمانت دی

جائے۔

(3) اس بات کی ضمانت دی جائے کہ مشرقی پاکستان میں کسی شخص کے خلاف بھی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

(4) مشرقی پاکستان میں موجود تمام مسلح افواج کا تحفظ۔

میں آپ پر یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ لڑائی ختم کرنے کے لئے یہ یقینی تجویز ہے اور ہتھیار ڈالنے کی تجویز پر غور نہیں کیا جائے گا اور اس کا سوال پیدا ہوتا ہے آپ چاہیں تو اس فریم ورک میں آپ تبدیلی یا اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ اقتدار منتقل کرنے اور سیاسی حل کی کارروائی قومی سطح پر کی جائے گی جو کہ کی جا رہی ہے"۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس پیغام میں جنرل نے جنگ بندی اور فوجوں کی واپسی کے بعد سیاسی حل تلاش کرنے کی بات کی ہے۔

14 دسمبر 1971ء کو پیغام نمبر G0012 کے ذریعے جنرل نیازی پر اس امید پر زور دیا گیا تھا کہ وہ کچھ عرصے اور مقابلے کرتے رہیں کہ اقوام متحدہ کی طرف سے جنگ بندی کی قرارداد جلد ہی منظور ہو جائے گی۔ اس پیغام میں اس طرح کہا گیا تھا جیسے یہ چند گھنٹوں میں ہو جائے گا۔ یہ پیغام صبح 12.35 پر بھیجا گیا۔ اسی دن ایک بجے جنرل نیازی کو ایک اور پیغام نمبر G-0013 بھیجا گیا جس میں کہا گیا کہ ""مزید مقابلہ نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی اس سے کوئی مفید مقصد حاصل ہوگا" اس لئے انہوں نے حکم دیا کہ لڑائی بند کرنے اور تمام مسلح افراد اور وفادار لوگوں کی جانیں بچانے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں۔ یہ پیغام خفیہ نہیں تھا جسے بھارتیوں نے راستے میں انٹرسیپٹ کر لیا ہوگا۔ اسی دوران بھارتی فوج کے جنرل مانک شا نے آل انڈیا ریڈیو سے ایک پیغام نشر کیا جس میں ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور کچھ شرائط بھی پیش کی گئی تھیں۔ 15 اور 16 کی درمیانی آدھی رات سے پہلے جنرل حامد نے شاید یحیٰی خان کی منظوری سے ایک پیغام بھیجا کہ جس میں جنرل نیازی سے سفارش کی گئی تھی کہ وہ جنرل مانک شا کی شرائط قبول کر لیں اگرچہ انہوں نے فیصلہ جنرل نیازی پر چھوڑ دیا تھا۔ مختلف افسران کی شہادتوں سے جو اس وقت ان سے راولپنڈی میں ملے تھے معلوم ہوتا ہے کہ جنرل یحیٰی خان اپنے ذاتی علم کی بناء پر یہ یقین رکھتے تھے کہ جنرل مانک شا قابل اعتماد ہیں اور ان کے الفاظ پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

جنرل کا قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح

ہم صدر اور مشرقی پاکستان کے حکام کے درمیان ہونے والے پیغامات بیان کر چکے ہیں۔ دوسری طرف منظر یہ تھا کہ اقوام متحدہ میں ہمارے مستقل مندوب آغا شاہی اور ہمارے وفد کے سربراہ زیڈ۔اے۔ بھٹو کو یقین تھا کہ روس کی طرف سے مسلسل ویٹو استعمال کئے جانے کے باوجود مزید چند گھنٹوں کا مقابلہ اس ادارے میں ہمارے لئے اچھے نتائج پیدا کرے گا۔ اس بارے میں ہم کہیں اور جائزہ لے چکے ہیں۔ اس معاملے کا تیسرا پہلو اس وقت صدر کے ساتھ کام کرنے والے مختلف سیکرٹریوں کی شہادتوں سے سامنے آیا۔ 10 تاریخ کو صورت حال سے پریشان ہو کر سیکرٹریوں نے صدر سے کہا کہ وہ چین اور امریکہ سے مدد طلب کریں۔ کیونکہ اگر اب مدد طلب نہیں کی گئی تو بہت دیر ہو جائے گی۔ صدر نے انہیں جواب دیا کہ وہ پہلے ہی ضروری اقدام کر چکے ہیں اور یہ کہ اگر پاکستان مندرجہ ذیل شرائط پر رضامند ہو جائے گا تو روس جنگ بندی کو یقینی بنائے گا۔

(1) فوری طور پر جنگ بندی

(2) فوجوں کی واپسی

(3) عوامی لیگ کے ساتھ سیاسی مذاکرات

اگر مشرقی پاکستان کی سنگین صورت حال اور ہمارے مغربی محاذ کی ناکامی کو پیش نظر رکھا جائے تو ہمیں حیرت ہے کہ اگر روس 10 تاریخ کو ہی جنگ بندی پر تیار تھا تو ہم نے اس کی شرائط کیوں قبول نہیں کیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنرل یحیٰی عوامی لیگ کے ساتھ سیاسی مذاکرات کے اس حد تک مخالف تھے کہ وہ اس بے عزتی پر کسی چیز کو بھی ترجیح دے سکتے تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہوتی جا رہی تھی کہ جب تک اقوام متحدہ دخل اندازی نہیں کرتی ہم نہ صرف سیاسی مذاکرات پر بلکہ بندوق کی نوک پر سیاسی اور فوجی طور پر ہتھیار ڈالنے پر بھی مجبور ہوں گے۔ یہ نہایت بے رحمانہ تجویز ہے مگر ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ جنرل کے لئے اپنے ذاتی وقار کے مقابلے میں قومی وقار کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

15 دسمبر کی رات کو جب یہ فیصلہ کیا جا رہا تھا کہ جنرل نیازی کو جنرل مانک شا کی شرائط تسلیم کرنے کی ہدایت کی جائے گی تو 16 تاریخ کو نشر کئے جانے والے براڈ کاسٹ کا متن

تیار کیا۔ اس براڈ کاسٹ میں جنرل کا یہ کہنے کا ارادہ تھا اور انہوں نے واقعی کہا بھی کہ مشرقی محاذ پر شکست کا مطلب جنگ کا خاتمہ نہیں ہے ہم برابر لڑتے رہیں گے جب سیکرٹریوں نے تجویز پیش کی کہ اس میں یہ بھی کہا جائے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مغربی پاکستان میں مارشل لاء جاری رہے گا اور یہ کہ ان کا اقتدار منتقل کرنے کا منصوبہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہے گا تو جنرل نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

ہم اب اس طرف آتے ہیں کہ کیا ہماری بیان کردہ صورت حال میں جنرل نیازی ہتھیار ڈالنا قبول کرنے میں حق بجانب تھے۔ ہمارے پاس جو شہادتیں موجود ہیں ان کی روشنی میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ جنرل نیازی غیر معینہ مدت تک یا زیادہ عرصے تک مقابلہ جاری رکھ سکتے تھے لیکن پھر بھی حالات اس مقام پر نہیں آئے تھے کہ ان کے پاس کوئی متبادل نہ رہا ہو۔ اس وقت قریب ترین بھارتی فوجی بھی 16/17 میل دور تھے۔ ہمارے سامنے جو شہادتیں موجود ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ڈھاکہ میں 24000 فوج موجود تھی۔ یہ بات بھی درست ہے کہ یہ سب فوجی لڑنے والے نہیں تھے۔ اس قسم کے لوگ تقریباً 16500 ہوں گے لیکن اس وقت موجود صورتحال کے روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ کچھ عرصے مزید مقابلہ جاری رکھ سکتے تھے خاص طور پر جنرل نیازی کے اس بہادرانہ بیان کی روشنی میں کہ ڈھاکہ پر میری لاش پر سے گزر کر قبضہ ہو سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں اس سوال کا اس بات پر انحصار ہے کہ جنرل نیازی سے کتنے عرصے تک مقابلہ جاری رکھنے کے لئے کہا گیا تھا۔ سلامتی کونسل میں ہمارے وفد کو اندازہ تھا کہ صرف چند گھنٹے بہت بڑا فرق پیدا کر سکتے تھے۔ اگر ایسی صورت تھی تو ہمارے خیال میں جنرل نیازی کچھ کوشش اور کچھ جانوں کے نقصان کی قیمت پر کچھ عرصے اور مقابلے کر سکتے تھے۔ ان کے ماتحت ڈھاکہ اور صوبے کے دوسرے حصوں کی فوج ابھی حوصلہ نہیں ہاری تھی۔ ہتھیار ڈالنے کے بعد اور خود کو حوالے کر دینے کے احکام کے باوجود بھی ان کے احکامات کی عام طور پر تعمیل نہیں کی گئی تھی۔ کئی علاقوں میں مقابلہ جاری تھا اور فرار ہونے کی کوششیں کی جارہی تھیں جن میں سے کچھ کامیاب بھی ہو گئیں۔ بہت سے افسران اور جوانوں نے ان کے احکامات کو قانونی تصور نہیں کیا تھا جن کے وہ پابند ہوتے۔ راولپنڈی سے جنرل نیازی کے لیے ہدایت تھی کہ وہ ہدایات کو وہ شکل دیں جو وہ مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ ہتھیار ڈالنے کا اختیار دینے یا جنرل مانک کی شرائط کو تسلیم

کرنے کے مشورے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ یہ ہتھیار ڈالنے کے احکام نہیں تھے جس کا اس وقت سوال ہی نہیں تھا لیکن جب انہوں نے یہ اقدام کیا تو اس کے مناسب ہونے کا فیصلہ کرنے والے وہ تنہا فرد تھے۔ ایسے حالات میں ہتھیار ڈالنے سے انکار اقوام متحدہ میں ہمارے لئے فائدہ مند ہو سکتا تھا اور اس سے فوج اس ذلت اور رسوائی سے بچ سکتی تھی جس کی مسلمان فوج کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

دوسری جانب جنرل یحییٰ خان اس طرح کا دعویٰ نہیں کر سکتے جیسا ممکنہ طور پر جنرل نیازی کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس تمام متعلقہ اطلاعات موجود نہیں تھی۔ ان پر نیویارک سے زور دیا جارہا تھا کہ وہ مزید کچھ وقت تک مزاحمت جاری رکھنے کو یقینی بنائیں۔ وہ پہلے ہی دیکھ چکے تھے کہ جنرل فرمان علی کے پیغام کا نیویارک میں ہماری کوششوں پر کتنا تباہ کن اثر ہوا۔ بعد ازاں ''اسے اجازت کے بغیر'' قرار دیا گیا۔ انہوں نے خود سمجھ لیا تھا کہ اگر ضرورت ہوئی تو وہ 14 دسمبر تک مزاحمت جاری رکھیں گے۔ فوجی نقطہ نظر سے جنرل کی رائے تھی کہ ڈھاکہ کو زیادہ عرصہ تک کنٹرول میں نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ جاننا نہایت مشکل ہے کہ وہ سرینڈر سے کم از کم ایک ہفتے پہلے اس رائے تک کیوں نہیں پہنچ سکے۔ بلاشبہ یہ درست ہے کہ اس عرصے کے دوران واقعات رکے نہیں رہے لیکن اس ہفتے کے دوران کیا کچھ ہوا۔ جنرل یحییٰ کے فوجی کمانڈر کے فوجی تجربے اور بھرپور معلومات کے باعث پیش بینی کرنا یقینی طور پر مشکل نہ تھا۔ کوئی کم تر ملک نہیں بلکہ روس جیسی بڑی طاقت نے امن کے لیے شرائط پیش کی تھیں تو جنرل یحییٰ نے عوامی لیگ سے سیاسی تصفیہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ امریکہ کی کسی بھی قبل حمایت قرارداد کی راہ میں اس کا ویٹو پاور موجود تھا۔ اس لئے ہم یہ بات سمجھنے میں تذبذب کا شکار ہیں کہ انہیں کس بات نے جنرل نیازی کو ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دینے کا مجاز بنایا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ سیاسی تصفیے کے سلسلے میں وہ ضد پر قائم رہے اور آخر تک اس پر نا رضامندی ظاہر کرتے رہے۔ جس استدلال سے ہم متاثر ہو رہے ہیں اور جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس قسم کے حالات نہیں تھے کہ وہ مشرقی پاکستان میں اپنا داتی اختیار جاری رکھ سکیں۔ انہوں نے مغرب میں اپنے آپ کو برسراقتدار رکھنے کی آخری کوشش کی۔ جیسا کہ ہم اس رپورٹ میں کہیں تذکرہ کر چکے ہیں حتیٰ کہ وہ 16 دسمبر کو آئین کا اعلان کرنے کے لئے تیار تھے۔ جس کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ آئین کے تحت اپنے اختیارات کو مستقل بنا دیتے۔

جنرل یحییٰ خان کی احمقانہ غلطی

اگر چہ نیتجتاً ہم جنرل فرمان علی اور جنرل نیازی کے انتظام کے تناظر میں کسی حتمی حقیقت تک پہنچنے کے اہل نہیں تاہم اس کا خلاصہ پیش کرنے سے بھی راہ فرار اختیار نہیں کریں گے کہ جنرل یحییٰ خان نے ملک کو جنگ میں جھونک کر احمقانہ غلطی کی جس سے کسی اچھے نتیجے کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔اور وہ محض اپنی ضد پر اڑے رہے کیونکہ وہ ملک کی مشکل صورتحال کے سیاسی حل پر کسی قیمت پر رضامند نہیں تھے۔اور آخر کار قوم کے لئے باعث شرم ہتھیار ڈالنے کی ترغیب کی اجازت دی جس کی تاریخ اسلام میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

✿✿✿

مغربی پاکستان میں جنگ بندی

17 دسمبر 1971ء کی صبح بھارت کی وزیراعظم نے ڈھاکہ کی شکست کا یقین دلاتے ہوئے اس معاملے کو اپنی خواہش کے مطابق اختتام پذیر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ مغربی محاذ پر جنگ بندی یک طرفہ طور پر کریں گی۔ جو اسی شام 9 بجے سے مؤثر ہوگی۔اب یہ پاکستان پر منحصر ہے کہ وہ اسے تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔اس اعلان کے نشر ہونے کے نتیجے میں صورتحال سے متعلق حکومت پاکستان کے سیکرٹریوں نے اپنے سربراہ ایم۔ایم۔احمد اور اپنے ترجمان کے ہمراہ جنرل یحییٰ خان کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ صدر سے ملے تو اس وقت وہاں جنرل حمید' ائر مارشل رحیم خان' جنرل گل حسن اور جنرل پیرزادہ پہلے ہی سے موجود تھے۔سیکرٹریوں کے ذہن میں یہ تجویز تھی کہ انہیں جنگ بندی کو قبول کر لینا چاہئے۔لیکن ہمیں جنگ بندی کا اعلان اس انداز سے کرنا چاہئے کہ مطلب یہ ہو کہ ہم نے بہت کچھ کرنے کے بعد اقوام متحدہ کے جنرل اسمبلی کی قرارداد کو تسلیم کر لیا ہے اور مسودے میں بعض شرائط میں شامل کرنے کی درخواست کی جائے۔جس میں دونوں محاذوں سے افواج کی واپسی اور مشرقی پاکستان میں اقوام متحدہ کی فوج کی تعیناتی کا مطالبہ شامل ہو۔

سیکرٹریوں کے جمع ہونے سے پہلے ہی صدر اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ ان کے پاس جنگ بندی قبول کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔اس سے قبل صبح ان سے امریکی سفیر نے ملاقات کی تھی۔ جو ان سے اس سوال کا واضح جواب چاہتے تھے کہ آیا وہ جنگ بندی تسلیم کر رہے ہیں۔امریکی سفیر کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اس معاملے میں ایسا نہیں کرتے تو وہ امریکیوں کے انخلاء کے لئے فوری اقدامات کریں گے کیونکہ پاکستان ایسی جگہ نہیں رہے گی جہاں مزید زندہ رہا جاسکے۔ وہ یہ کہنے گئے تھے کہ ان پر یہ بات یقینی طور پر واضح ہے کہ اگر ہم جنگ بندی تسلیم کرنے سے انکار کردیں تو اس سے بھارت خوش ہوگا اور بہت مختصر وقت میں مغربی پاکستان پر چڑھ دوڑے گا۔ جنرل یحییٰ نے اپنے ان قریبی فوجی ساتھیوں سے مشورہ کیا جن کے نام ہم نے اوپر بیان کئے ہیں۔اور انہوں نے خاص طور پر امریکی سفیر کا نقطہ نظر بیان کیا کہ بھارت مشرقی محاذ سے اپنے 12 ائیر اسکواڈرن منتقل کر رہا ہے اور جلد ہمارے ہوائی اڈوں پر بمباری کرے گا۔اور

ہمارے 90 فرسودہ طیاروں کو زمین پر کہیں کھڑا کرنے کے لئے جگہ نہیں ملے گی۔ صدر کے اس فیصلے سے کوئی نارضامند نظر نہیں آتا تھا صرف ائیر مارشل رحیم خان نے یہ اعتراض کیا تھا کہ بھارت نے 12 نہیں 8 اسکوارڈن منتقل کئے ہیں۔

پہلے سے ذہنی طور پر تیار ہونے کی وجہ سے جنرل یحییٰ نے سیکرٹریوں کی طرف سے شرائط عائد کرنے کا مشورہ مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر مشروط جنگ بندی تسلیم کرانے کے لئے کچھ کیا گیا تو بھارت اپنے موقف سے ہٹ جائے گا اور کہے گا کہ اس کی پیشکش کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور وہ زیادہ عرصے تک اس کا پابند نہیں رہے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ان کے ذہن میں امریکی سفیر کا نقطہ نظر تھا۔ سیکرٹری خارجہ سلطان ایم خان نے بتایا کہ صدر سے امریکی سفیر کی گفتگو محض مشورہ نہیں تھی بلکہ درحقیقت یہ ایک الٹی میٹم تھا۔ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ صحیح صورتحال کو الٹی میٹم قرار دینا نہایت سخت اظہار ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ جو کچھ ہونے والا تھا اس سے متعلق یہ ایک وارننگ تھی۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہم جنگ بندی تسلیم کرنے میں حق بجانب تھے ہم اس بات سے آگاہ ہیں کہ جنگ بندی قبول کرنے کا اعلان ہمارے عوام کے لئے زیادہ حیران کن تھا۔ کیونکہ اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی کہ وہ مغربی محاذ میں اپنی فوج کی جانب سے بڑی کامیابیوں کی توقع کرتے ہیں لیکن سقوط ڈھاکہ کی وجہ سے ان کا یہ اعتماد مجروح ہوا۔ لیکن مغرب میں صدر کی جانب سے لڑنے کے عزم کے اعلان سے اس کی تجدید کی گئی۔ ان حالات میں ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس تاریخ کو صورتحال بچانے کے لئے ہمارے پاس ایک اور آپشن تھا۔ ہم نے کہیں کہا ہے کہ یا تو دانشمندی سے کام لیا جاتا یا پھر بصورت دیگر دوسرا محاذ کھولا جاتا۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر اس محاذ کا کوئی مطلب تھا تو حقیقت یہ ہے کہ اسے سوچ سمجھ کر پہلے ہی کھول دیا جانا چاہئے تھا۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ درحقیقت دوسرے محاذ نے کسی حقیقی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اب جنرل یحییٰ کا کہنا یہ ہے کہ منصوبہ بند حملے نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ کیونکہ ائیر مارشل رحیم خان نے ضروری فضائی مدد دینے سے اپنی معذوری کا اظہار کا تھا۔ دوسری جانب ائیر مارشل رحیم خان کا کہنا ہے کہ انہوں نے پہلے ہی بھٹنڈا میں مدد دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے یہ مدد فراہم کی تھی انہوں نے کہا کہ فوج پر انحصار کرتے ہوئے مزید مدد مشروط طور پر فراہم کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا سرسا پر قبضہ کے لئے اس وقت یہ مدد

استعمال بھی کی گئی تھی لیکن فوج ایسا کرنے میں ناکام رہی۔ اس معاملے کو کسی بھی نقطہ نظر سے دیکھا جائے لیکن دوسرے محاذ سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

مشرقی پاکستان پر سے دباؤ کم کرنے کی غرض سے دوسرا محاذ کھولنے سے مغرب میں بھارت کی جارحیت بڑھ جاتی۔ ہم سائز اور اہمیت کے اعتبار سے کوئی ایسا بھارتی علاقے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ جس سے ہماری سودے بازی کی پوزیشن مزید مضبوط ہوتی۔ اس کے برخلاف ہمارے علاقے میں بھارتی فوج کی اس مقصد کے ساتھ مداخلت کہ آخرکار وہ ہم سے علیحدہ کر دے اور جس کے نتیجے میں بھارتی فوج کے لیے یہ ایک قسم کا دعوت نامہ تھا کہ وہ اپنی آسانی اور آرام کے ساتھ ہمارے سائز اور اہمیت کے علاقے پر قبضہ کر لے۔

اس طرح مغربی محاذ کھولنے کا ابتدائی مقصد پورا نہیں ہوا۔ ہمیں اپنے آپ سے یہ ضرور پوچھنا چاہئے کہ مغربی محاذ پر لڑائی جاری رکھنے کا کیا مقصد ہوگا۔ ایسا کرنے کا واحد مناسب سبب یہ معقول توقع تھی کہ ہم گراؤنڈ میں اپنی پوزیشن کو معقول حد تک بہتر بنائیں گے اور جنگ بندی ہم اپنی سہولت کے وقت تسلیم کریں گے ہم بمشکل ہی کامیابی کی کسی ایسی امید پر غور کریں گے۔ گزشتہ کارکردگی کسی قیمت پر حوصلہ افزا نہیں تھی وقت واضح طور پر ہمارے خلاف تھا۔ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے بھارت کے لئے یہ آسان ہوتا جا رہا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان میں اپنی یقین دہانی سے پیچھے ہٹ جائے اور مغربی پاکستان کی طرف اپنی اضافی افواج کو لے آئے۔ وہ پہلے ہی قابل غور حد تک اپنے فضائی بیڑے کو مضبوط بنا چکا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صورتحال واضح طور پر مایوس کن تھی۔

بہرکیف ہم یہاں تک فرض کر لیتے ہیں کہ جب تک بھارت اپنی اضافی افواج کو لاتا ہم بھارتی علاقے میں آگے بڑھنے کی پوزیشن میں ہوتے۔ یقیناً بھارت مشرق سے تقویت حاصل کرنے کے بعد پلٹ کر حملہ کرنے کے قابل ہو جاتا۔ جب وہ ایسا کرنے کے قابل ہو جاتا تو ہمارے پاس اسے جنگ بندی تسلیم کرنے پر مجبور کرنے کے لئے ذرائع نہیں ہوتے۔ نہ ہی عالمی رائے عامہ ہمارے حق میں سرگرم ہوتی یا بھارتی دفاع کے معاملے میں حرکت میں آتی۔

اس معاملے کو کسی بھی تناظر میں دیکھیں تو یہ تکلیف دہ خیال یا رائے سامنے آتی ہے

کہ 17 دسمبر کو جنگ بندی قبول کرنے کا فیصلہ محض درست فیصلہ نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ الزام اس بات کو نہیں جاتا کہ ہم نے یہ فیصلہ 17 دسمبر کو کیا تھا۔ بلکہ ہم نے ایسی صورت حال کو رونما ہونے کی اجازت دی جس نے ہمیں ایسی حالت میں چھوڑ دیا کہ اس وقت ہمارے پاس جنگ بندی تسلیم کرنے کے سوا کوئی انتخاب نہ تھا۔ جب دشمن نے ہمارے منتخب شدہ کھلے محاذ اور ہمارے علاقے کو حاصل کر لیا۔

جنرل یحییٰ خان کا غیر جمہوری رویہ

یاد رہے کہ ہم نے دفاعی منصوبوں کی تشکیل کا ذکر کرتے ہوئے پیچھے ایک جگہ باب میں اس بات کی نشاندہی کی تھی کہ اگرچہ کم سے کم کاغذی طور پر تمام تفصیل کے ساتھ ایک مشینری موجود تھی تاکہ قومی دفاع کے معاملے میں پالیسی ساز فیصلے کئے جا سکیں لیکن صدر یحییٰ خان نے ان اداروں کے تجربے اور اجتماعی دانش کو استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے ریاست کے وجود سے تعلق رکھنے والے بڑے فیصلے بغیر مقاصد کے اداروں کے ذریعے روبہ عمل کرائے جو ان امور پر جانچ پڑتال اور بحث مباحثے کے لئے قائم کئے گئے تھے اور جو حکومت کو محتاط انداز سے مشورہ دیتے۔ ان معاملات میں ادارہ جات اور اصولوں کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ان میں سے بعض فیصلے واضح طور پر جنرل یحییٰ خان کے انفرادی فیصلے تھے۔ جبکہ دیگر فیصلے انہوں نے اپنے ان قابل اعتماد سینئر فوجی افسروں کے کے مشورے سے کئے تھے جو مارشل لاء ایڈمنسٹریشن اور فوجی کمان میں اہم پوزیشنوں پر فائز تھے۔ بہرکیف جنرل یحییٰ خان کی انتظامیہ کی ایک خصوصیت یہ تھی جیسا کہ ان کے سینئر وزراء میں سے ایک وزیر سابق چیف جسٹس پاکستان اے آر کارنیلس اور مارشل لا سے متعلق ان کے پرنسپل اسٹاف آفیسر لیفٹیننٹ جنرل ایس۔ جی۔ ایم۔ ایم۔ پیرزادہ نے ہمارے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ جنرل یحییٰ کے سامنے کسی معاملے میں کوئی دلیل دینا ممکن نہیں تھا۔ اور اکثر وہ یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دیتے تھے کہ بعد میں وہ اپنا فیصلہ دیں گے۔ اس طرح متنازع امور پر ان کے کئی فیصلوں کی وجوہات کو سمجھنا ہمیشہ آسان نہیں ہوتا تھا شاید یہ کسی بھی فوجی آمریت کی فطری خصوصیات ہوتی ہیں لیکن وہ کبھی بھی قومی سلامتی کو خطرے میں نہیں ڈالتی۔

مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی بھارت کے بڑھتے ہوئے فوجی خطرے کے سامنے مشرقی پاکستان کے بحران میں سیاسی حل سے انکار، مغربی پاکستان کا دوسرا محاذ کھولنے،

مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کا حکم دینے اور مغربی پاکستان میں بھارت کی جنگ بندی کی یکطرفہ پیشکش تسلیم کے فیصلے یا تو جنرل یحییٰ خان نے خود کئے یا پھر اپنے قریبی فوجی ساتھیوں کے مشورے سے کئے۔ البتہ انہوں نے یہ فیصلے ان اداروں اور کمیٹیوں سے بحث مباحثے اور تفصیلی جانچ پڑتال کے نتیجے میں نہیں کئے تھے جن کا کام ان امور پر محتاط انداز سے مشورہ دینا تھا۔ سیکرٹری دفاع اور سیکرٹری خارجہ جیسے اعلیٰ افسران نے ہمیں بتایا کہ انہیں مغربی پاکستان میں جنگ کے بارے میں صرف ریڈیو کے اعلانات کے ذریعے معلوم ہوا اور یہ کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے عمل سے انہیں شدید صدمہ پہنچا۔ اس صوبے میں ریاستی امور سے پوری طرح آگاہ رکھنے کے لئے فوجی حکومت کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ یہی معاملہ جنرل یحییٰ خان کے ساتھ مغربی پاکستان میں جنگ بندی قبول کرنے کے فیصلے میں بھی تھا۔ ماسوائے اس کے کہ 17 دسمبر 1971ء کی صبح حکومت کے متعدد سیکرٹریز ایوان صدر پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ سیکرٹری خارجہ پہلے ہی ایک بیان تیار کر چکے ہیں۔ جو صدر کے نام سے نشر ہونا تھا۔ جنرل یحییٰ خان نے صرف گزشتہ شام ہی قوم کے سامنے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں شکست کے باوجود جنگ جاری رہے گی۔ ہم یہاں یہ حقائق صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے بیان کر رہے ہیں کہ ایک منتخب حکومت کی غیر موجودگی میں معاملات کا انتظام کیا گیا۔ اور اعلیٰ سول افسران جن کا کام ان معاملات میں حکومت کو مشورہ دینا تھا انہیں پوری طرح اعتماد میں نہیں لیا گیا بلاشبہ یہ اس انداز پر افسوس ناک تبصرہ ہے جس طرح اعلیٰ سطح پر قومی معاملات چلائے گئے۔

تینوں فوجوں کے درمیان منصوبہ بندی کا فقدان

اس معاملے کے ایک اور پہلو جس پر پہلے بھی توجہ دی گئی ہے یہ ہے کہ تینوں مسلح افواج کے درمیان منصوبہ بندی کا شدید فقدان تھا۔ سوائے اس کے کہ جب جنرل ہیڈکوارٹر میں فوجی کارروائیوں کی منصوبہ بندی ہو رہی تھی تو پاکستان فضائیہ کے کمانڈر انچیف کو منظر پر لایا گیا۔ ایسا محض اس لئے نہیں تھا کہ تینوں سروسز کے ہیڈکوارٹر جغرافیائی طور پر دور اور علیحدہ علیحدہ کراچی راولپنڈی اور اسلام آباد میں واقع تھے۔ بلکہ ایسا اس لئے بھی تھا کہ ملک کے دفاع کے لئے مشترکہ اور ٹھوس منصوبے تیار کرنے کے لئے کوئی آرگنائزیشن نہیں تھی۔ اس سلسلے میں جوائنٹ چیف کمیٹی اور جوائنٹ وارفیئر ڈائریکٹوریٹ ضروری تعاون فراہم کرتے ہوئے نظر نہیں آئے۔

بے شک جنرل یحییٰ کے دور میں کابینہ کا ڈیفنس کمیٹی کا کبھی کوئی اجلاس نہیں ہوا۔ اس معاملے میں جو کچھ ہوا اس پر کنٹرول کرنے کے لئے وزارت دفاع نے کوئی مشق نہیں کی۔ جس کے نتیجے میں تینوں سروسز کی ترقی کم و بیش آزادانہ بنیادوں پر ہوئی اور مشترکہ جنگ و جدل کے تصورات میں پیشرفت' ہتھیاروں کے نظام میں ہونے والی ترقی اور خطرے کی ساخت میں ہونے والی تبدیلی سے فورس اسٹرکچر جس بات کا تقاضہ کرتا تھا اس کے مطابق طویل المدت مقاصد کی تشکیل کے لئے رہنمائی نہیں کی گئی بلکہ دفاعی فیصلے عموماً ایڈہاک بنیادوں پر کئے گئے اور اس کے بجائے اپنے محدود وسائل پر غور کئے بغیر ہر سروس کے مختلف امکانات کے آزادانہ ارتقا کی بنیاد رکھی گئی۔ دفاعی کے لئے باقاعدہ اعلیٰ ترین ڈائریکشن کے فقدان کا ایک اور سنگین نتیجہ یہ تھا کہ حکمت عملی کی مشترکہ منصوبہ بندی نہیں تھی۔ چنانچہ ہماری مجموعی جنگی صلاحیت میں سنگین خلل رہا۔ سروسز کے پاس مشترکہ کارروائی کے لئے مربوط منصوبے نہیں تھے اور جنگ کے دوران تینوں کمانڈر انچیف کے پاس مل بیٹھنے کے لئے وقت نہیں تھا۔

تینوں مسلح افواج کے مابین ضروری رابطے کا فقدان تھا' اس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ کوئی طویل المدتی' دفاعی منصوبہ تشکیل نہ دیا جاسکا بلکہ 1971ء کی جنگ کے دوران اس فقدان کے مختلف' انفرادی نوعیت کے مظاہر بھی دیکھنے میں آئے۔ مثال کے طور پر راجھستان سیکٹر میں حملے کے دوران فضائی مدد کا دستیاب نہ ہونا' کراچی کی بندرگاہ کے دفاع میں تینوں افواج کے مابین ضروری اور باہمی تنظیمی رابطوں کی کمی میزائل بوٹس کے خطرے کے پیش نظر فضائی مدد کی عدم دستیابی کی صورت مں پاکستانی بحریہ کے جہازوں کا بندرگاہ میں لنگر انداز ہونا' مشرقی پاکستان میں دشمن فوجوں کے مکمل قبضے کی صورت میں مسلح افواج کے انخلاء کے کسی مربوط منصوبے کا نہ ہونا اور تین دسمبر کو بحریہ کی جانب سے آبدوز کے ذریعے حملے کا موقع اسی انداز میں گنوادینا' جیسا کہ پاک فضائیہ نے مغربی محاذ پر جنگ کے آغاز میں گنوادیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر معاملات مثلاً جیکب آباد کی ائیر فیلڈ کو فعال اور متحرک بنا کر فوجی حملے کو اگلے مورچوں پر فضائی تحفظ فراہم کئے جانے کا اہم معاملہ بھی' پاکستان آرمی کے چیف آف اسٹاف اور پاک فضائیہ کے سربراہ کے مابین محض زبانی طور پر طے کئے جانے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ رابطے اور منصوبہ بندی کے فقدان کی ایک اور مثال جنرل یحییٰ خان اور جنرل عبدالحمید خان کے ان بیانات سے بھی ملتی ہے کہ جنوبی علاقے میں فوجی حملے کو ترک کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پاک فضائیہ

کی جانب سے کسی قسم کے فضائی تحفظ فراہم کئے جانے کا کوئی امکان نہ تھا' جب کہ ائیر مارشل رحیم خان کا دعویٰ ہے کہ وہ فضائیہ کے ایک بڑے حصے کو اسی غرض سے تیار رکھے ہوئے تھے کہ جنوب میں فوجی حملے کی صورت میں فضائی تحفظ فراہم کرسکیں اور انہیں بعد میں یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی کہ فوجی حکام نے ان سے کوئی مشورہ کئے بغیر ہی اس حملے کو ترک کردیا۔ دونوں افواج کے نظریات میں پایا جانے والا یہ اختلاف اس حقیقت کو بخوبی اجاگر کردیتا ہے کہ جنگی کارروائی ایک ایسا سنجیدہ اور اہم معاملہ ہے جسے ایوان صدر میں رات کے وقت برپا کی جانے والی شراب نوشی کی غیر رسمی محفلوں میں باہمی گفت و شنید اور صلاح مشورے سے نہیں بلکہ ایک خالصتاً پیشہ ورانہ نداز اور باہمی طور پر مربوط منصوبہ بندی کے ذریعے ہی طے کیا جاسکتا ہے جس میں دونوں جانب کے متعلقہ ماہرین موجود ہوں۔ بدقسمتی سے ان نوعیت کی کوئی سنجیدہ مشترکہ منصوبہ بندی اور طریقہ کار پاک فضائیہ اور آرمی کے درمیان سرے سے ہی موجود نہ تھا' ان حالات میں پاک بحریہ کا تو ذکر ہی جانے دیں کہ وہ پہلے ہی ایک ہزار میل دور کراچی میں تھی۔

ان حقائق اور حالات کے پیش نظر ہم نے ضروری سمجھا کہ اس مشینری کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے جو جنگ کی بلند تر سمت کا تعین کرنے کی ذمہ دار ہے اور اس کا موازنہ دیگر ممالک میں اسی نوعیت کی تنظیموں سے کیا جائے۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمارے دفاعی نظام میں چند بنیادی اور لازمی تبدیلیوں کی اشد ضرورت ہے تا کہ اسے مزید مؤثر اور پاکستان کے دفاع کے لئے مجموعی طور پر ذمے دار بنایا جاسکے۔ ہماری رائے میں دو سمتوں میں ان اصلاحات کی ضرورت ہے۔

(الف) چند موجودہ اداروں کا احیاء کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ذمے داریوں میں اضافہ۔

(ب) چند نئی تنظیموں یا کمیٹیوں کا قیام' تا کہ موجودہ تنظیموں کی خامیوں کو دور کیا جاسکے۔

اس معاملے کو اس کے صحیح تناظر میں رکھنے کی غرض سے ہم پاکستان کے موجودہ دفاعی نظام پر ایک نظر ڈالیں گے کیونکہ کاغذ پر تو یہ دفاعی نظام دیگر ملکوں کی طرح بڑا متاثر کن معلوم ہوتا ہے۔

''منصوبہ بندی اور جنگی حکمت عملی''

پاکستان میں اعلیٰ دفاعی تنظیم کے مختلف اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں۔

(الف) صدر پاکستان اور ان کی کابینہ:

(ب) کابینہ کی دفاعی کمیٹی، جس کی معاونت شہری سطح پر

(1) دفاعی منصوبہ بندی اور اس کے مختلف مددگار اداروں کے لئے قائم کی گئی ''کوآرڈی نیشن کمیٹی'' کے سیکریٹری حضرات کرتے ہیں۔

(2) فوجی سطح پر جوائنٹ چیفس کمیٹی، جس میں سپریم کمانڈر، اور تینوں مسلح افواج کے سربراہان شامل ہوتے ہیں، انٹر سروسز کمیٹیوں اور جائنٹ سروسز آرگنائزیشنز کی مدد سے معاونت کرتے ہیں۔

(ج) وزارت دفاع:

(د) تینوں مسلح افواج کے ہیڈکوارٹرز، اور دیگر انٹر سروسز تنظیمیں:

زمانہ امن اور جنگ کے دوران اعلیٰ دفاعی تنظیم کے ان درج بالا اجزائے ترکیبی کے کردار اور کارکردگی کی وضاحت اگلے پیراگراف میں کی جا رہی ہے۔ موجودہ دفاعی تنظیم کا چارٹ ضمیمہ ''الف'' میں دیا گیا ہے۔ صدر اور ان کی کابینہ:

صدر ملک کا انتظامی سربراہ اور مسلح افواج کا سپریم کمانڈر ہوتا ہے۔ وزراء کی کونسل (یعنی کابینہ) انفرادی اور اجتماعی طور پر اس بات کی ذمے دار ہوتی ہے کہ وہ پالیسی کی تشکیل میں صدر کی معاونت کرے (بشمول قومی دفاع کے مختلف پہلوؤں کے) اور ان پالیسیوں کی منظوری کے بعد ان کے عملی نفاذ کو یقینی بنائے۔ رولز آف بزنس کے رول 4 الف کی رو سے ''صدر کی منظوری کے بغیر کوئی اہم پالیسی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا''۔ اس رول کے مطابق ملک کے دفاع کی فوری اور بنیادی ذمہ داری صدر پر ہی عائد ہوتی ہے۔

کابینہ کی دفاعی کمیٹی

صدر اپنے ان وزراء کے ساتھ مل کر جن کا دفاعی پالیسیوں کی تشکیل سے قریبی تعلق

ہوتا ہے کابینہ کی دفاعی کمیٹی قائم کرتا ہے۔

کیبنٹ ڈویژن کی دستاویز 42/7/69-P&C میں بیان کئے گئے دائرہ کار کے مطابق کابینہ کی دفاعی کمیٹی پر درج ذیل ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں۔

(الف) مجموعی دفاعی صورتحال پر مستقل نظر ثانی کرنا تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ ہمارے دفاعی انتظامات ہماری خارجہ پالیسی سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔

(ب) جوائنٹ سروسز کمانڈرز کمیٹی سے مل کر منظور شدہ دفاعی پالیسی پر عمل درآمد کے طریقے اور منصوبے تشکیل دینا:

(ج) جنگ کی تیاری کے منصوبوں پر مستقل نظر ثانی کے ساتھ ساتھ زمانہ امن میں کئے جانے والے انتظامی اقدامات پر عمل درآمد کی ہدایات جاری کرنا:

(د) مرکزی اور صوبائی ایجنسیوں اور سروسز کی جانب سے مختلف دفاعی منصوبوں کا اطلاع اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنانا:

(ہ) دشمن کی طرف سے جارحیت شروع ہونے کے بعد جنگی کارروائیوں کی نگرانی کرنا:

(و) اہم سیاسی، اقتصادی، صنعتی اور انتظامی پالیسیوں سے تعلق رکھنے والے ان امور و معاملات کا جائزہ لینا جو ملک کی جنگی استعداد اور امکانات پر اثرانداز ہو سکتے ہوں۔

(ز) ان معاملات پر غور کرنا جو کسی وزارت کے نزدیک اتنے اہم ہوں کہ ان پر کابینہ کی دفاعی کمیٹی میں بحث مباحثہ ضروری ہو جائے۔

(ح) کسی بھی ایسے معاملے پر غور کرنا جو صدر کے نزدیک دفاعی کمیٹی میں پیش کیا جانا ضروری ہو۔

دفاعی کمیٹی کی ہیئت ترکیبی میں وقتاً فوقتاً تبدیلی بھی ہوتی رہی ہے چنانچہ سابقہ حکومت کے دور میں وزارتی کونسل کی تحلیل کے بعد کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے بجائے صدارتی کمیٹی برائے دفاع قائم کر دی گئی تھی جو صدارتی مشیروں اور متعلقہ وزارتوں کے سیکریٹری صاحبان پر مشتمل تھی۔ کابینہ کی دفاعی کمیٹی اور صدارتی کمیٹی برائے دفاع کی تشکیل کا خاکہ ضمیمہ ''ب'' میں درج کیا گیا ہے۔

کیبنٹ ڈویژن اس بات کا ذمے دار ہے کہ کابینہ کی دفاعی کمیٹی کو اس کے اجلاس کے لئے مطلوبہ سہولتیں فراہم کرے جس کا کنوینر کیبنٹ سیکریٹری خود ہوتا ہے۔ تاہم کابینہ کی دفاعی کمیٹی

کے اجلاس منعقد کرنے کے لئے کسی خاص مدت کا تعین نہیں کیا گیا چنانچہ گزشتہ پانچ برسوں کے دوران اس کمیٹی کے فقط دو اجلاس ہوئے۔ اس کا آخری اجلاس نومبر 1968ء میں ہوا تھا۔

دفاعی منصوبہ بندی اور رابطے

دفاعی منصوبہ بندی اور رابطوں کی موجودہ تنظیم' کمیٹیوں کے ایک ایسے نظام پر مبنی ہیں' جن میں سے چند اسٹینڈنگ کمیٹیاں جب کہ دیگر ایڈ ہاک نوعیت کی حامل ہیں جو دفاعی تیاریوں اور منصوبوں کے مختلف پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انہیں کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے روبرو غور و خوض کی غرض سے پیش کرتی ہیں۔ سول شعبے میں ایسی چھبیس اسٹینڈنگ کمیٹیاں ہیں (فہرست ضمیمہ ''ج'' میں درج ہے) جو متعلقہ وزارتوں / محکمہ جات کے نمائندوں کے علاوہ دفاعی افواج سے تعلق رکھنے والے ارکان پر مشتمل ہیں۔ ان کمیٹیوں کی صدارت متعلقہ وزارتوں کے سیکریٹری کرتے ہیں۔ ان کمیٹیوں کی تیار کردہ رپورٹس کی جانچ پڑتال کوآرڈی نیشن کمیٹی برائے دفاع منصوبہ بندی کے سیکریٹری حضرات کرتے ہیں' جس کے بعد انہیں کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے روبرو پیش کر دیا جاتا ہے۔

سیکریٹریز کوآرڈی نیشن کمیٹی'

کوآرڈی نیشن برائے دفاعی منصوبہ بندی کے سیکریٹری صاحبان' کیبنٹ سیکریٹری بحیثیت چیرمین' اور دفاعی منصوبہ بندی کی تمام کمیٹیاں' جوائنٹ سیکریٹریٹ کے اراکین کے ساتھ مل کر کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے درج ذیل معاملات میں معاونت کرتے ہیں۔

(الف) صدر مملکت اور کابینہ کی دفاعی کمیٹی کی جانب سے دی جانے والی عام ہدایات کی روشنی میں ملکی دفاع کے لئے پالیسی کی تشکیل:

(ب) ملک کی جنگی تیاریوں کی صورتحال پر مسلسل نظر ثانی کرتے ہوئے صدر مملکت اور دفاعی کمیٹی کو سفارشات پیش کرنا تا کہ وہ تمام دفاعی اقدامات کئے جائیں' جو کمیٹی کے خیال میں حکومت کی جانب سے کئے جانے ضروری ہوں۔

(ج) ایسے اہم سیاسی' اقتصادی' صنعتی اور انتظامی نوعیت کے اہم معاملات پر کابینہ کی دفاعی کمیٹی کو ضروری مشورے دینا جو ملک کی جنگی استعداد اور امکانات پر ممکنہ طور پر اثر انداز ہو سکتے ہوں۔

(د) کمیٹیوں اور سب کمیٹیوں کی رہنمائی اور معاونت کرتے ہوئے شک و شبے کے حامل متنازع اور اختلافی معاملات کو رفع کرنے کے بعد ان کی سفارشات کو آخری شکل دینے میں ان کی مدد کرنا۔

(ہ) صدر مملکت اور کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے فیصلوں پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کی غرض سے ان کی رفتار کے عمل پر گہری نظر رکھنا۔

(و) مرکزی حکومت اور مسلح افواج کے درمیان نیز صوبائی حکومتوں اور مرکز کے مابین مناسب اور معقول رابطوں کے قیام کو یقینی بنانا۔

چنانچہ کوآرڈینیشن کمیٹی کے سیکریٹری صاحبان اعلیٰ ترین ادارے کی حیثیت سے اس امر کے ذمے دار ہوتے ہیں کہ سول سیکٹر میں جنگی منصوبہ بندی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس امر کو یقینی بنائیں کہ یہ منصوبے دفاعی افواج کی ضروریات کی ہر طرح سے تکمیل کرتے ہوں ان کمیٹیوں کی جانب سے کی گئی منصوبہ بندی اتنی مکمل اور پختہ ہونی چاہئے کہ حکومتی مشینری اس کی مدد سے ضرورت پڑنے پر حالت امن سے حالت جنگ کی جانب فوری طور پر کامیابی کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کے قابل ہو سکے۔

دفاعی منصوبہ بندی میں شریک مختلف مددگار کمیٹیوں کی تیار کردہ رپورٹس کی بنیاد پر کیبنٹ ڈویژن ''وار بک'' مرتب کرتا ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ:

(الف) مختصراً اور سہل زبان میں ان تمام اقدامات کی تفصیل فراہم کی جائے جو حالت امن سے حالت جنگ کی طرف جانے کے لئے کئے جا چکے ہیں۔

(ب) اس بات کو یقینی بنانا کہ تمام وزارتیں' ڈویژن ہر مرحلے پر اپنے اپنے تفویض کردہ فرائض اور ذمے داریوں سے بخوبی آگاہ ہیں اور تمام صوبائی حکومتوں کے درمیان اس سلسلے میں مسلسل اور قریبی رابطہ موجود ہے۔

(ج) صوبائی حکومتوں کو ان کی جانب سے کئے جانے والے اقدامات کی نوعیت اور حدود سے مطلع کرنا تا کہ وہ زمانہ امن میں منصوبے تیار کرتے ہوئے ''وار بک'' میں بیان کئے گئے مختلف مراحل کے اعتبار سے ان پر ضروری اقدامات کو مؤثر بنا سکیں۔

سینٹرل وار بک'' کی بنیاد پر ہر وزارت' ڈویژن اور دیگر شعبہ جات نیز صوبائی حکومتیں اپنی متعلقہ وار بک مرتب کریں گی جن پر وقتاً فوقتاً نظر ثانی کرتے ہوئے انہیں تازہ ترین حالات

کے مطابق رکھا جائے گا۔ سینٹرل وار بک پر آخری مرتبہ 1970ء میں نظر ثانی کرنے کے بعد ضروری اضافے کئے گئے تھے۔

ابھی حال ہی میں (جنوری 1972ء) سیکریٹری جنرل کو چیئرمین شپ میں ایک اسٹینڈنگ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا ہے جس کے اراکین میں وزارت دفاع' خزانہ اور امور خارجہ کے سیکریٹری صاحبان' کابینہ کے ارکان' اور تینوں مسلح افواج کے سربراہان شامل ہیں جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ قومی سطح پر دفاعی حکمت عملی کو مربوط بنایا جاسکے۔ یہ اسٹینڈنگ کمیٹی دراصل دفاعی حکمت عملی کی رابطہ کمیٹی کے طور پر کام کرے گی اور کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے ورکنگ گروپ کی صورت میں مختلف معاملات پر ضروری غور و فکر اور بحث و مباحثے کے بعد انہیں فیصلوں کے لئے دفاعی کمیٹی کے روبرو پیش کردے گی۔ یہ رابطہ کمیٹی' دفاعی کمیٹی کے فیصلوں پر عمل درآمد کا مکمل جائزہ لے گی اور اس کی جانب سے ضرورت پڑنے پر خود بھی فیصلہ کرسکے گی اور ایسے معاملات جن پر تفصیلی غور و فکر اور مطالعہ ضروری ہوگا دفاعی منصوبہ بندی کی مددگار کمیٹیوں یا ایڈہاک کمیٹیوں کے سپرد کردے گی' جو اسی مقصد سے تشکیل دی گئی ہیں۔ دفاعی حکمت عملی کی رابطہ کمیٹی ابتدائی طور پر صرف انہی دفاعی امور و معاملات سے واسطہ رکھے گی جن کا تعلق موجودہ ایمرجنسی یا انتہائی اہم اور فوری نوعیت کے مسائل سے ہوگا تاہم موجودہ ایمرجنسی کے خاتمے کے بعد اس کمیٹی کی ضرورت اور غایت پر نظر ثانی کی جائے گی۔

فی الوقت دفاعی منصوبہ بندی کی غرض سے کوئی مستقل اسٹاف موجود نہیں ہے ماسوائے کیبنٹ ڈویژن کے مختصر اسٹاف کے جس کا بنیادی کام دفاعی منصوبہ بندی سے تعلق رکھنے والی مختلف اسٹینڈنگ اور ایڈہاک کمیٹیوں کی سرگرمیوں کو اجلاس کی سہولتیں فراہم کرنا اور سرگرمیوں کو مربوط بنانا ہے تاہم نو تشکیل دفاعی حکمت عملی کی رابطہ کمیٹی اس سے مستثنیٰ ہے جسے جوائنٹ چیف سیکریٹریٹ مطلوبہ سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

فوجی حکمت عملی اور نقل و حمل کی منصوبہ بندی

تینوں مسلح افواج کے سربراہان زمانہ امن اور جنگ کے دوران اپنے اپنے انتظامی اور آپریشنل ذمے داریوں اور فرائض کے حوالے سے انفرادی طور پر براہ راست صدر مملکت کو جوابدہ ہوتے ہیں جو تینوں مسلح افواج کا سپریم کمانڈر بھی ہوتا ہے۔ تاہم یہ تینوں سربراہان اجتماعی

طور پر اس امر کے ذمے دار ہوتے ہیں کہ حکومت کو دفاعی حکمت عملی' ملٹری آپریشن اور دفاعی منصوبہ بندی کے حوالے سے پیشہ ورانہ مشورے اور تجاویز پیش کرتے رہیں۔ ان کے اجتماعی یہ مشورے درج ذیل مواقع پر لئے جاتے ہیں۔

(الف) کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے مواقع پر

(ب) جوائنٹ چیفس کمیٹی کے توسط سے' جس کا چیئرمین سپریم کمانڈر ہونے کی حیثیت سے صدر مملکت ہوتا ہے۔

جوائنٹ چیفس کمیٹی اور اس کے چارٹر' کارکردگی اور تشکیل کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

(الف) چارٹر: جوائنٹ چیفس کمیٹی' پاکستان کے مجموعی دفاع کے لئے تمام ضروری دفاعی منصوبے اور حکمت عملی وضع کرے گی اور مسلح افواج کی راہ نمائی کرتے ہوئے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے حکومت کی ہدایات کے تحت زمانہ امن اور جنگ دونوں میں دفاعی منصوبوں پر عمل درآمد کو یقینی بنائے گی۔

(ب) کارکردگی: یہ کمیٹی سپریم کمانڈر کو درج ذیل معاملات میں مدد دے گی:

(1) دفاعی حکمت عملی اور نقل و حمل کے منصوبوں کی تشکیل اور زمانہ امن اور جنگ میں ان کا نفاذ۔

(2) درج بالا مقاصد کے مدنظر اہم نوعیت کے فوجی ساز و سامان' اور عملے کی ضروریات کا وقتاً فوقتاً جائزہ اور نظر ثانی۔

(3) تینوں مسلح افواج کو ان کے تفویض کردہ کردار اور ذمے داریوں کی روشنی میں انہیں مختص کئے جانے والے دفاعی بجٹ کی تجاویز کی تشکیل۔

(ج) ہیئت ترکیبی: جوائنٹ چیفس کمیٹی درج ذیل افراد پر مشتمل ہے۔

1- سپریم کمانڈر: چیئرمین
2- کمانڈر انچیف آرمی: ممبر
3- کمانڈر انچیف نیوی: ممبر
4- کمانڈر انچیف فضائیہ: ممبر
5- چیف آف جوائنٹ سیکریٹریٹ: سیکرٹری

(وزارت دفاع کا سیکریٹری کمیٹی کے تمام اجلاسوں میں شرکت کرتا ہے)

(د) چونکہ سپریم کمانڈر اپنی صدارتی مصروفیات کے سبب خاصے معروف رہتے تھے لہٰذا تواتر کے ساتھ جوائنٹ چیفس کمیٹی کے اجلاسوں کی صدارت سے قاصر تھے' لہٰذا اگست 1965ء میں فیصلہ کیا گیا کہ جوائنٹ چیفس کمیٹی کے اجلاس سے قبل کمانڈر انچیف اپنی زیر صدارت ایسے اجلاس منعقد کریں گے جس میں پہلے ان معاملات پر غور کیا جائے گا جو جوائنٹ چیفس کمیٹی کے روبرو زیرِ غور آئیں گے۔ اور ان کا مناسب حل تلاش کرنے کے بعد صرف غیر معمولی اہم پالیسی معاملات اور آپریشنل کارروائیوں سے متعلق مسائل جوائنٹ چیفس کمیٹی کے اجلاس میں پیش کئے جائیں گے۔

تاہم 1967ء اور 1969ء کے دوران صدارتی کابینہ میں وزیر دفاعی کی شمولیت کے بعد ابتدائی اجلاس انہی کی صدارت میں ہونے لگے جو بعد میں جوائنٹ چیفس کمیٹی کے اجلاس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ لیکن گزشتہ سات برسوں کے دوران اس کمیٹی کے چند ہی اجلاس منعقد ہوئے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جولائی 1964ء کے بعد سے اس کا صرف ایک ہی اجلاس اگست 1967ء میں منعقد ہوا تھا تاہم نہ تو اس کا کوئی مخصوص ایجنڈا تھا اور نہ ہی اس اجلاس کی روئیداد قلم بند کی گئی تھی۔

جوائنٹ چیفس کمیٹی متعدد جوائنٹ' سروسز اسٹینڈنگ کمیٹیوں اور جوائنٹ چیفس سیکریٹریٹ کی مدد اور تعاون سے کام کرتی ہے اسٹینڈنگ کمیٹیاں' فضائی دفاعی کمیٹی' انٹر سروسز اسٹینڈرڈائزیشن کمیٹی' انٹر سروسز آرمانیٹ کمیٹی انٹر سروسز ایکسپلوزیو اینڈ ٹرانسپورٹیشن کمیٹی اور جوائنٹ سروسز کمیونیکشن اینڈ الیکٹرانک بورڈز پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد دیگر انٹر سروسز ادارے تینوں افواج کے سربراہوں کی ضروری معاونت کرتے ہیں تاکہ وہ مشترکہ طور پر اپنی دفاعی ذمے داریاں ادا کرسکیں۔

✪✪✪

جوائنٹ چیفس سیکرٹریٹ

جوائنٹ چیفس سیکریٹریٹ کے موجودہ چارٹر آف ڈیوٹیز کی رو سے اس کی بنیادی ذمے داری مجموعی رابطے کا قیام اور انتظامی اور دفاعی امور اور معاملات کو انجام دیتے ہوئے مشترکہ فوجی امور و مسائل کو جوائنٹ چیف کمیٹی کی ہدایات کے مطابق حل کرنا ہے۔ اس کے علاوہ وہ وزارت دفاع اور سروسز ہیڈکوارٹر کے مابین ضروری رابطے کے فرائض بھی انجام دے گی۔

تاہم جوائنٹ چیفس سیکریٹریٹ' جوائنٹ چیفس کمیٹی کا ماتحت اسٹاف نہیں ہے' جو مشترکہ آپریشنل اور لاجسٹک منصوبوں کی تشکیل اور ان پر نظر ثانی کی ذمے دار ہے۔ بنیادی طور پر ہر متعلقہ سروس ہیڈکوارٹر ان تفویض کردہ ذمے داریوں اور فرائض کے حوالے سے منصوبوں کی تشکیل کرتا ہے جو حکومت نے ''جنگی ہدایت کی رو سے اس پر عائد کئے ہیں۔ اس منصوبوں کے مابین ایڈہاک انٹر سروسز کمیٹی رابطے کے فرائض انجام دیتی ہے۔ جوائنٹ چیفس سیکریٹریٹ کا تنظیمی چارٹ ضمیمہ ''ڈ'' میں درج کیا گیا ہے۔

ایڈہاک کمیٹیاں:

مختلف مواقع پر جوائنٹ چیفس کمیٹی کی جانب سے ایڈہاک انٹر سروسز کمیٹی کو یہ ذمے داری سونپی جاتی ہے کہ وہ مشترکہ منصوبوں کی تیاری کرتے ہوئے فوجی مقاصد کا تعین کرے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد ایسی ہی ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے ایک رپورٹ پیش کی تھی جو ''یعقوب کمیٹی رپورٹ کے'' نام سے مشہور ہے۔ اسپیشل سیکریٹریٹ کمیٹی نے ڈیفنس سیکریٹری مسٹر فدا حسین کی سربراہی میں صدر مملکت کو پیش کئے جانے سے قبل اس رپورٹ کا جائزہ لیا تھا۔ اور ضروری جانچ پڑتال کی تھی۔ ایسی ہی ایک انٹر سروسز کمیٹی 1966ء میں بھی قائم کی گئی تھی۔

ہائی پاورڈ ریسورسز بورڈ

ملک کے مالی وسائل کے مقابلے میں دفاعی سروسز کی ضروریات اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ اس کے لئے حکومت کو وقتاً فوقتاً خصوصی کمیٹیاں مقرر کرنی ہوتی ہیں تاکہ یہ دستیاب وسائل کی روشنی میں جوائنٹ چیفس کی سفارشات کا جائزہ لے سکے۔ فدا حسن کمیٹی کا پہلے ہی ذکر کیا جاچکا

ہے جو اس مقصد کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ 1968ء میں ایک ہائی پاورڈ ریسورسیز بورڈ قائم کیا گیا جس کے چیئرمین وزیر دفاع تھے اور اس کے اراکین میں وزیر خزانہ اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین تھے اور ان کو مندرجہ ذیل امور کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔

(a) تینوں سروسز اور پی او ایف کی موجودہ سطح کو برقرار رکھنے کے لئے اور کارکردگی جاری رکھنے کے لئے روپے اور زرمبادلہ میں ان کی ضروریات طے کرنا۔

(b) ان فنڈز کا طے کرنا جو فورسیز کی موجودہ سطح کو برقرار رکھنے کے لئے ان کی خامیوں اور عدم توازن کو دور کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

(c) ان فنڈز کی تعداد طے کرنا جو حکومت کی طرف سے دفاع کے لئے ملک کے وسائل اور ترقیاتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مختص کئے جا سکتے ہیں۔

(d) اگر سروسز کی ضروریات اور دستیاب فنڈز کے درمیان فرق ہے تو ہر سروس کے لئے ترجیحات طے کرنا کہ یونٹ کو ریزرو میں رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ جنوری 1970ء میں بورڈ کی تشکیل نو کی گئی۔ اس میں وزیر خزانہ چیئرمین تھے اور ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن، سیکریٹری خزانہ اور سیکریٹری دفاع اراکین تھے اور جب ضرورت ہو تو اس میں سروسز کے چیفس کو بھی شامل کیا جا سکتا تھا۔

نیشنل سیکیورٹی کونسل

دفاعی منصوبہ بندی کا ایک اہم ہتھیار انٹیلی جنس ہے۔ مختلف سول اور ملٹری انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اعلیٰ سطح پر ہدایات دینے کے لئے 1968ء میں نیشنل سیکیورٹی کونسل قائم کی گئی جس کے چیئرمین صدر تھے اور وزیر داخلہ و امور کشمیر وائس چیئرمین تھے۔ اس کے اراکین میں صدر کے پرنسل اسٹاف آفیسر، وزارت امور خارجہ، وزارت دفاع، وزارت داخلہ و امور کشمیر اور وزارت اطلاعات کے سیکریٹری، انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر، انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل اور صوبائی اسپیشل برانچز کے سربراہ شامل تھے۔ نیشنل سیکیورٹی کونسل کے فرائض میں مندرجہ ذیل کام شامل ہے۔

(a) حکومت کی انٹیلی جنس کی ضروریات کا اندازہ کرنا، انہیں پورا کرنا اور ان پر نظر ثانی کرنا۔

(b) انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں کو منصوبہ بندی کے لئے رہنمائی مہیا کرنا اور ان کے کام اور اہداف مقرر کرنا اور ان کے کاموں کی ترجیحات بھی مقرر کرنا۔

(c) انٹیلی جنس ایجنسیوں کے کام پر نظر ثانی کرنا اور مقاصد حاصل کرنے میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے انہیں منظم کرنا۔

مرکزی اور صوبائی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے رابطے اور انتظام کے لئے نیشنل سیکیورٹی کونسل کا اپنا سیکریٹریٹ اور انتظامیہ قائم ہے۔ سیکریٹریٹ میں ایک آزاد ڈویژن قائم ہے جسے سیکیورٹی کونسل ڈویژن کہا جاتا ہے اس کا سربراہ ایک سیکریٹری ہوتا ہے۔

ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انٹر سروسز انٹیلی جنس دفاع کی منصوبہ بندی اور اچھی کارکردگی کے لئے انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل جوائنٹ چیف کی کمیٹی کی ماتحتی میں کام کرتا ہے اور مندرجہ ذیل کے لئے ذمہ دار ہوتا ہے۔

(a) مسلح افواج کا تحفظ اور اس مقصد کے لئے تمام سروسز میں کی جانے والی کوششوں کو مربوط کرنا۔

(b) فوجی معاملات سے متعلق اندرونی اور بیرونی انٹیلی جنس۔

(c) متعلقہ ایجنسیوں کو حاصل سول اور فوجی وسائل کے ذریعے انٹیلی جنس میں رابطہ۔

آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کی وسیع تر ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ صدر اور حکومت کو بیرونی انٹیلی جنس کے ان معاملات سے باخبر رکھے کہ جن کا ملک کی سیکیورٹی پر اثر پڑ سکتا ہے خاص طور پر ان بیرونی طاقتوں کے ارادوں اور صلاحیتوں کے بارے میں معلومات جن سے پاکستان کو فوجی خطرہ لاحق ہے یا جو پاکستان میں افراتفری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

جوائنٹ وارفیئر ڈائریکٹوریٹ

1968ء میں ایک مشترکہ لینڈ/ائر وارفیئر ڈائریکٹوریٹ قائم کی گئی تھی بعد میں اسے وسیع کر کے اس میں نیوی کو بھی شامل کر لیا گیا اور اس کا نام جوائنٹ وارفیئر ڈائریکٹوریٹ رکھا گیا۔ یہ مندرجہ ذیل کاموں کی ذمہ دار ہے۔

(a) زمینی یا فضائی آپریشنز کے بارے میں مشترکہ منصوبہ بندی کے تمام پہلوؤں پر مشورہ دینا۔

(b) ایسے تمام شعبوں کی نشاندہی کرنا جہاں مشترکہ آپریشنز ضروری ہیں اور ایسے آپریشنز کے لیے حکمت عملی تیکنیک اور طریقہ کار وضع کرنا۔

(c) فوجی مدد کے لئے ضروری اسلحہ اور سامان کی مناسبت کے بارے میں تحقیق کرنا۔

ڈائریکٹر جنرل ڈیفنس پروکیورمنٹ

یہ ادارہ ان تمام اسٹورز مہلک یا غیر مہلک کی فراہمی کا ذمہ دار ہے جن کی سروسز کو ضرورت ہوتی ہے یہ ادارہ فراہمی کے معاملات کے بارے میں پالیسی بناتا ہے اور خریداری کا طریقہ کار بھی طے کرتا ہے۔ فوجی ساز و سامان کی خریداری قرضوں کی تکمیل، ادھار اور بارٹر کی بنیاد پر سامان مہیا کرنے کے لئے یہ ادارہ سروسز کی ضروریات کو سفارتی ذرائع سے دوست ممالک تک پہنچاتا ہے۔

ڈائریکٹر جنرل مونیشنز پروڈکشن۔

یہ ڈائریکٹر ملک کے اندر تیار ہونے والی دفاعی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنے کا ذمہ دار ہے تاکہ مکمل خود کفیل ہو سکے۔ وہ ایسی تمام چیزوں کی مقامی پیداوار کے بارے میں پالیسی کے معاملات طے کرتے ہیں جن کی سروسز چیف اور ڈائریکٹر جنرل ڈیفنس پروکیورمنٹ کی مدد سے نشاندہی کی جاتی ہے۔ وہ موجودہ صنعتی صلاحیت کا جائزہ لیتے ہیں اور دفاعی پیداوار کے اہم آئٹمز کے نمونے تیار کرنے کے لئے اس صلاحیت میں اضافہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ وہ غیر ممالک، غیر ملکی مینوفیکچرز سے تعاون کرنے اور دفاعی مقاصد کے لئے سائنٹیفک ریسرچ اور ترقی کے لئے بھی ذمہ دار ہیں۔ ان کے اس کام میں ڈیفنس سروس آرگنائزیشن بھی ان کی مدد کرتی ہے جس کے چیئرمین ڈائریکٹر جنرل مونیشنز ہیں۔

وزارت دفاع:

وزارت دفاع کی ڈیفنس ڈویژن سینٹرل سیکریٹریٹ کا ایک حصہ ہے یہ پاکستان کے

دفاع، اس کی مسلح افواج آرڈیننس فیکٹریز اور جنگ کا سامان تیار کرنے والی صنعتوں، فوج کی زمینوں اور کنٹونمنٹ بورڈ، ڈیفنس ورکس اور دوسری حکومتوں کے ساتھ معاہدوں میں دفاعی معاملات کے بارے میں حکومت کی کارروائی کی ذمہ دار ہے۔ یہ دفاع سے متعلق سول شعبوں کے انتظامی کنٹرول کی بھی ذمہ دار ہے۔

جب وزیر دفاع کا تقرر ہو جائے تو وہ قومی اسمبلی میں دفاع اور ایوی ایشن کے معاملات چلانے اور ان کے بارے میں پالیسی بنانے میں صدر کی مدد کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ وہ وزارت دفاع سے متعلق تمام پالیسی اور معاملات کا ذمہ دار ہوگا سوائے اس کے کہ وہ صدر کی منظوری کے بغیر کسی اہم پالیسی کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

وزارت دفاع کی سیکریٹری سرکاری طور پر دفاع اور ایوی ایشن ڈویژنز کا سربراہ ہوتا ہے اور وہ ان کے انتظام اور ڈسپلن کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ وزیر اور صدر کو پالیسی بنانے میں مدد دیتا ہے منظور شدہ پالیسی پر عمل درآمد کراتا ہے، وزیر کے مشورے سے کابینہ میں قانون سازی کے لئے تجاویز پیش کرتا ہے۔ وہ صدر اور وزیر کو ڈویژنز کی کارکردگی کے بارے میں باخبر رکھتا ہے اور وہ انہیں بتائے بغیر کوئی اہم مسئلہ طے کر دیتا ہے تو اس کے بارے میں بھی انہیں بتاتا ہے

جنگ لڑنے کے لئے تنظیم

وار بک کی دفعہ 19 کے مطابق کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی وار کابینہ کے فرائض اختیار کر لیتی ہے۔ یہ سپریم کمانڈر اور سروسز چیف کے ساتھ مل کر جنگ کے عام معاملات نمٹاتی ہے۔ وار بک کے طریقوں سے متعلق سوالات کا فیصلہ کرنے کی بھی یہ ذمہ دار ہوتی ہے۔ جنگ سے متعلق روز مرہ کے آپریشن کے معاملات طے کرنے کی ذمہ داری سپریم کمانڈر کی ہوگی۔ سپریم کمانڈر ایک چھوٹے سے ہیڈ کوارٹر کی مدد سے اور سروسز چیفس کے مشورے سے یہ ذمہ داری پوری کریں گے۔

1965 کی پاک بھارت جنگ میں، نیشنل ڈیفنس پلاننگ پر زبیری کمیٹی رپورٹ کے مطابق ''جب تک جنگ ہوتی رہی روزانہ صبح کو کابینہ کا اجلاس ہوتا رہا۔ یہ صورتحال کا جائزہ لیتی اور کامیابی کے ساتھ جنگ لڑنے کے معاملات کا فیصلہ کرتی۔ کابینہ کے اجلاس کے بعد سیکرٹریوں کی میٹنگ ہوتی تھی جس میں وہ کابینہ کے فیصلے نوٹ کرتے، نئے مسائل کے لئے اپنی

سفارشات پیش کرتے اور حکومت کی طرف سے انہیں دی جانے والی مختلف ہدایات پر عمل درآمد کی رفتار کے بارے میں اطلاع دیتے۔ کابینہ کا سیکرٹریوں کی سفارشات صدر / کابینہ کے علم میں لاتا اور ان سے احکامات حاصل کرتا۔ اس طرح وہ صدر کابینہ اور سول انتظامیہ کے درمیان جنگ سے متعلق معاملات میں قریبی اور مؤثر رابطہ پیدا کرتا''۔

حالیہ ایمرجنسی میں بھی کچھ اسی طرح کا طریقہ اختیار کیا گیا اور ایک ایمرجنسی کمیٹی بنائی گئی جس کے چیئرمین دفاع کے سیکریٹری تھے۔ اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ سول سیکٹر میں جنگ کے لئے ضروری طریقوں کو مستحکم کرے تاکہ سول سیکٹر کی اہلیت اور فوجی ضروریات کے درمیان ربط قائم رہے۔ کابینہ کی غیر موجودگی اور صدر / سپریم کامنڈر کی جنگ کے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے اعلیٰ سطح سے مطلوبہ ہدایات حاصل نہیں ہو رہی تھیں۔

جہاں تک فوجی آپریشن چلانے کا سوال ہے تو 1965ء اور 1971ء کی جنگ میں نہ تو سپریم کمانڈر کے لئے کوئی ہیڈ کوارٹر قائم کیا گیا اور نہ ہی جوائنٹ چیفس سیکریٹریٹ کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ جنگوں سے کچھ پہلے پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف راولپنڈی منتقل ہو جاتے ہیں جہاں پاک فضائیہ کے آپریشنز کو کنٹرول کرنے کے لئے ایک ایئر آپریشن سینٹر قائم کر دیا گیا تھا۔ نیوی کے کمانڈر انچیف نے نیوی ہیڈ کوارٹر کراچی میں ایک میری ٹائم آپریشنز ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا تاکہ نیوی فضائیہ کے مشترکہ آپریشن کیے جا سکیں لیکن سپریم کمانڈر اور باقی دو سروسز کے چیف سے رابطہ کرنے کیلئے انہیں ٹیلی کمیونیکیشن سے رابطے پر انحصار کرنا ہوتا تھا۔ سپریم کمانڈر روزانہ آرمی کے سی او ایس اور سی جی ایس سے فضائیہ کے کمانڈر انچیف سے بریفنگ لیتے تھے اور ان سے ملاقاتیں کرتے تھے۔

دوسرے ممالک میں دفاع کا نظام

کمیشن کے ساتھ منسلک فوجی عملے نے بڑی محنت سے ان تنظیموں کے بارے میں معلومات تیار کی ہیں جو برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور فرانس میں رائج ہیں تاکہ ہمارے ملک میں قائم تنظیموں سے ان کا مقابلہ کیا جا سکے اور ان کی بہتری کے لئے تجاویز مرتب کی جا سکیں۔ یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ اس کی تفصیلات سے اس باب کی ضخامت بڑھائیں اس لئے ہم نے اپنی رپورٹ کی جلد 11 میں اسٹاف اسٹڈیز کے تحت متعلقہ معلومات شامل کی ہیں۔ موجودہ مقصد کے

لئے صرف مندرجہ ذیل خصوصیات کا ذکر کرنا کافی ہے۔

(a) انتظامیہ کا سربراہ (جو مملکت سربراہ سے علیحدہ ہے) کی ذمہ داری ہے کہ ملک کا مناسب طور پر دفاع کیا جائے۔

(b) کسی سربراہ مملکت کو سپریم کمانڈر کی حیثیت میں سروسز کو کنٹرول کرنے کے لیے کوئی ہیڈ کوارٹر مہیا نہیں کیا جاتا۔

(c) انتظامیہ کے سربراہ / وزیر دفاع کو پیشہ ورانہ مشورہ صرف چیفس آف اسٹاف یا سروسز کے کمانڈر انچیف ہی دے سکتے تھے۔ ان سے جونیئر کوئی سروس آفیسر یہ مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔

(d) انتظامیہ کا سربراہ وزیر دفاع اور جوائنٹ چیفس کے ذریعے مسلح افواج کی جنگی کوششوں کے بارے میں ہدایات دے گا اور انہیں کنٹرول کرے گا۔

(e) زیادہ تر ممالک میں جوائنٹ پلاننگ اسٹاف جوائنٹ چیف کی مدد کرتا ہے۔

(f) جوائنٹ پلاننگ اسٹاف میں تینوں سروسز کے نمائندے اور انٹیلی جنس اور لاجسٹکس کے نمائندے بھی شامل ہوتے ہیں۔

مجوزہ تنظیم نو۔

مندرجہ بالا پیراگرافز میں دی گئی معلومات کی روشنی میں ہمارا خیال ہے کہ اعلیٰ سطح پر جنگ کی مشینری کو مستحکم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔

کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی کا آخری اجلاس

کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی کو پھر سے زندہ کیا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اس کے اجلاس باقاعدہ منعقد ہوتے ہیں۔ اس کمیٹی کے لئے بنایا گیا چارٹر بھی ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ اس کا آخری اجلاس نومبر 1965ء میں ہوا تھا اس کے بعد یحییٰ خان کے دور میں اس کا اجلاس نہیں ہونے دیا گیا۔ اگرچہ انہوں نے (عہدہ سنبھالنے کے بعد) خود 1969ء میں اس کے اراکین کی تشکیل نو کی تھی اس کے بعد فروری 1970ء اور اکتوبر 1971ء میں بھی تشکیل نو کی گئی۔ کیبنٹ ڈویژن جو کہ اس کمیٹی کی سیکریٹریٹ کی حیثیت سے کام کرتی تھی اس کے افسران ہمیں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے کہ اس کے اجلاس کیوں منعقد نہیں ہوئے۔

صرف اتنا بتایا گیا کہ وزارت دفاع نے اس کے غور کے لیے کوئی معاملات پیش نہیں کیے اور نہ ہی صدر نے اس کا اجلاس بلانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ہماری رائے ہے کہ کیبنٹ ڈویژن کو ایک واضح ہدایت دی جائے کہ اس کمیٹی کا کم از کم تین مہینے میں مقررہ تاریخ پر اجلاس بلایا جائے۔ یہ اجلاس صدر یا وزیر اعظم کی غیر موجودگی کر سکتا ہے۔ اس کمیٹی کے باقاعدہ اجلاس سے ڈیفنس کی پالیسیوں پر سیاسی نمائندوں کا کنٹرول رہ سکتا ہے۔

ڈیفنس منسٹرز کمیٹی:

ہماری وزارت دفاع صرف ایک مہر ثبت کرنے اور منظوری دینے ولی اتھارٹی کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ یہ دفاع کے منصوبے بنانے اور فوج کے ہدف مقرر کرنے میں کوئی عملی حصہ نہیں لے رہی ہے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم ان وجوہات پر غور کریں جن کی وجہ سے یہ وزارت نااہل ہو گئی تھی اور صرف ایک ایسی سیکریٹریٹ بن کر رہ گئی جو تینوں سروسز کے روزمرہ کے انتظامی امور کی دیکھ بھال کرتی تھی لیکن ہم کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ اس صورت حال کی اہم وجہ یہ تھی کہ آرمی کا سربراہ ہی سربراہ مملکت بن گیا تھا بجائے اس کے کہ وہ سول انتظامیہ کے تحت ایک سروس کا کمانڈر رہوتا۔ وزارت دفاع اور اس کا سیکریٹری آزادی کے ساتھ کام کرنے کے بجائے آہستہ آہستہ ایک ماتحت کا کردار ادا کرنے لگے۔ چونکہ اب ایک نمائندہ سول حکومت نے اقتدار سنبھال لیا ہے تو اب یہ وقت ہے کہ وزارت دفاع اپنا صحیح مقام حاصل کر لے۔ ایک پالیسی ساز ادارہ بن جائے جو صدر اور کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی سے ہدایات حاصل کرے اور تینوں سروسز سے مستقل مشورے کے بعد انہیں دفاعی پروگرام میں شامل کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف قومی دفاعی پالیسی پر مناسب عمل درآمد ہوگا بلکہ تینوں سروسز کے تعاون سے حقیقی منصوبے بنائے جائیں گے۔ جن پر متفقہ فریم ورک اور مختص شدہ بجٹ کے انفرادی منصوبوں کے ساتھ کام کیا جا سکتا ہے۔

وزارت دفاع کو نئی زندگی دینے کے لیے ہمارے تجویز ہے کہ ایک چھوٹی سی متحرک کمیٹی بنائی جائے جس کے چیئرمین وزیر دفاع ہوں اور اس کے اراکین میں سیکرٹری دفاع سول ڈیفنس کے سیکریٹری، تینوں سروسز کے چیفس، مالیاتی مشیر برائے دفاع، میونیشن، پروڈکشن کے ڈائریکٹر جنرل، ڈیفنس پروکیورمنٹ کے ڈائریکٹر جنرل، انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل،

ڈیفنس کے سائنٹفک ایڈوائزر اور کوئی بھی ایسا مرکزی سیکریٹری یا سروس آفیسر جس کے ایجنڈے کے کسی آئٹم کے لئے ضرورت پیش آ سکتی ہو شامل ہوں گے۔ اگر دفاعی کا محکمہ صدر یا وزیر اعظم کے پاس ہو تو اس کمیٹی کے اجلاسوں کے صدارت نائب وزیر برائے دفاع یا دفاعی پیداوار کا انچارج وزیر کر سکتا ہے اگر کوئی بھی وزیر دستیاب نہ ہو تو دفاع کا سیکریٹری سول حکومت کے نمائندے اور وزارت دفاع کے سینئر ترین افسر کی حیثیت سے ان اجلاسوں کی صدارت کر سکتا ہے اور اس میں کسی پروٹوکول یا نظیر کا خیال نہیں رکھا جائے گا۔ وزارت دفاع ایک رابطے کی ایجنسی کے طور پر سیکریٹریٹ کے فرائض ادا کرے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ ایک فعال رہنما کی قیادت میں ایسی کمیٹی ملک کے دفاع کو منظم اور مستحکم کرنے میں نہایت اہمیت کی حامل ہوگی اور اس بات کو یقینی بنائے گی کہ سروسز سول حکومت کے اختیارات اور فرائض پر قبضہ کر لیں۔

سیکریٹریوں کی کوآرڈینیشن کمیٹی مع اپنی سب کمیٹیوں اور اعلیٰ اختیاراتی ریسورسز بورڈ کے اور ڈیفنس اسٹریٹجی کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے جس کی صدارت وزارت امور خارجہ کے سیکریٹری جنرل کرتے ہیں کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی اور ڈیفنس منسٹر کمیٹی کی مدد جاری رکھیں۔

جوائنٹ چیفس آف اسٹاف

حالیہ برسوں میں ٹیکنالوجی کی ترقی نے جنگ کی نوعیت کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ سب سے اہم تبدیلی موجودہ اسلحہ کی تباہی کی صلاحیت میں اضافے میں ہوئی ہے اور جنگ کی تیز رفتاری میں بھی اضافہ ہوا ہے قیمتی اسلحہ کے نظام کو تیاری کی حالت میں رکھنے کے لئے پہلے کی نسبت اب بہت زیادہ صحیح فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کو اب اپنی قوم کے ذہنی، سائنٹیفک اور معاشی وسائل پر زیادہ سے زیادہ انحصار کرنا پڑے گا اور انہیں اس طریقے سے مربوط کرنا ہوگا کہ اس سے ترقی اور سلامتی دونوں کے تقاضے پورے ہو سکیں۔

یہ بات بھی تسلیم کی جائے کہ قومی دفاع میں تینوں سروسز کی ذمہ داری برابر کی ہے اور مسلح افواج کی ترقی کے تمام منصوبے مشترکہ اہداف کی بنیاد پر بنائے جائیں۔ حکمت عملی، فورسز کی ترقی اور بجٹ ایک ہی فیصلہ کے پہلو ہوتے ہیں اس لئے دفاع کی منصوبہ بندی اور پالیسی خطرے کے اندازے اور وسائل کی دستیابی کی بنیاد پر بنائے جائیں۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تینوں سروس چیفس کو مشترکہ طور پر کام کر کے حکومت کو مشورہ دینا چاہئے۔ بدقسمتی سے

اب تک ایسا نہیں ہوا ہے اور کمانڈر انچیف کی کمیٹی یا جوائنٹ چیفس کمیٹی جیسے ادارے ضروری اتفاق اور مشترکہ منصوبہ بندی حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ تینوں سروس چیفس آف اسٹاف کے طور پر کام کرنا چاہئے اور اپنی سروسز کے سربراہوں کے طور پر انفرادی حیثیت میں کام نہیں کرنا چاہئے۔

جب تینوں سروسز کی مشترکہ ذمہ داری کا اصول تسلیم کرلیا جائے گا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں جوائنٹ چیفس کمیٹی کے طور پر کام کرنا چاہئے یا جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے طور پر، پہلی نظر میں تو یہ دونوں تصورات ایک جیسے ہی لگتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ خاص طور پر جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی کے تجربے کی روشنی میں جو کہ پاکستان میں بہت عرصے سے قائم ہے۔ یہ کمیٹی ایک ایسی تنظیم ہے جس کے وقفے وقفے سے اجلاس ہوتے رہتے ہیں اور ان اجلاسوں میں ان مسئلوں پر بحث ہوتی ہے اور فیصلے دیئے جاتے ہیں جو اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں لیکن یہ اپنے چارٹر میں شامل مسئلوں پر مسلسل اور متحدہ طرز عمل اختیار نہیں کرتی۔ دوسری طرف جوائنٹ چیفس آف اسٹاف ایک ایسی تنظیم ہوگی جس کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی اور جس کا قومی دفاع کی مشترکہ منصوبہ بندی کرنے کے لئے اپنا عملہ ہوگا۔ وہ ملک کے دفاع کے لئے سول حکومت کو مشترکہ طور پر جوابدہ ہوں گے اور ان معاملات کے بارے میں پیشہ ورانہ مشورہ دینے کے ذمہ دار بھی ہوں گے۔

ان وجوہات کی بناء پر اور اس وجہ سے کہ انفرادی سروس کی منصوبہ بندی کے موجودہ تصور سے نجات حاصل ہوجائے ہم سفارش کرتے ہیں کہ تینوں سروس چیفس کو ملا کر جوائنٹ چیفس آف اسٹاف بنایا جائے اور صرف جوائنٹ چیفس کمیٹی نہ بنایا جائے۔

یہ بڑی اچھی بات ہے کہ حکومت پاکستان نے تینوں سروسز کے کمانڈر انچیف کے عہدوں کو چیفس آف اسٹاف کے عہدوں میں تبدیل کرنے کے لئے اقدامات شروع کردیئے ہیں۔ یہ تبدیلی اہم ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کمانڈرز صرف اپنی سروسز کے سربراہ ہی نہیں ہیں بلکہ مرکزی حکومت کے لیے دفاع کے پیشہ ور مشیر بھی ہیں۔ اب دوسرا قدم ہوگا کہ ان تینوں چیفس کو جوائنٹ چیفس آف اسٹاف میں منظم کردیا جائے۔ جوائنٹ چیف آف اسٹاف کے چیئرمین کا سوال غور طلب ہے پہلا سوال یہ ہے کہ پاکستان کی مسلح افواج کے سپریم کمانڈر صدر پاکستان کو اس کا چیئرمین رہنا چاہئے جیسا کہ اب تک جوائنٹ چیفس کمیٹی کے ساتھ ہوتا رہا ہے

ہمارا خیال ہے جوائنٹ چیفس آف اسٹاف بنیادی طور پر دفاع کے معاملات کے لئے اعلیٰ ترین پیشہ ورانہ ادارہ صدر کو ریاست کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے ایک آئینی سپریم کمانڈر کے طور پر اس ادارہ میں شامل نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ عام حالات میں صدر پاکستان سویلین ہوتا ہے اور وہ پیشہ ورانہ معاملات سے واقف نہیں ہوتا۔ جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کا چیرمین ایک پیشہ ور سپاہی ہونا چاہئے۔

امریکہ اور برطانیہ جیسے ملکوں میں کل وقتی چیئرمین ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں نہ تو اتنے وسائل ہیں اور نہ ہی فوج کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ اس طرح کا انتظام کیا جائے۔ ہمارے سلسلے میں ایک مسئلہ یہ ہوگا کہ کل وقتی چیئرمین کسی بھی سروس کے لئے ذمہ دار نہیں ہوگا۔ اس میں یہ مشکل بھی پیش آسکتی ہے کہ جس سروس سے بھی اس کا تعلق ہوگا اس کی طرف اس کا جھکاؤ ہوگا یا پھر اس کے اور متعلقہ سروس کے چیف کے درمیان تنازع پیدا ہوجائے گا۔ ایسی صورت حال سے جہاں تک ممکن ہو بچا جائے۔ اگر کسی سروس کے چیف کو چیئرمین بنایا جائے گا تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا وہ اپنے رینک کے اعتبار سے سب سے سینئر ہے یا عہدے کے لحاظ سے سب سے سینئر ہے کیا اسے چیف ہونے کی پوری مدت کے لئے چیئرمین بنایا جائے۔ معاملات پر غور کرنے کے بعد کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ رینک کی سینیارٹی کا اصول تسلیم کرنے میں کچھ خامیاں ہیں۔ اس صورت میں آرمی کا چیف ہی ہمیشہ چیئرمین رہے گا۔ کیونکہ آرمی کے چیف کا رینک چار ستاروں کا ہوتا ہے جب کہ دوسری دو سروسز کے چیف کا رینک تینوں ستاروں والا ہوتا ہے۔ ایک سروس کی برتری دوسری سروسز کی متوازن ترقی کے لئے درست نہیں ہے۔ ایسی صورت حال قومی مفاد کے منافی ہوگی۔ اس لئے ہم رینک کی سینیارٹی کے اصول کو اختیار کرنے کی سفارش نہیں کریں گے۔ اس لئے تینوں سروسز کے چیف کے رینک سے قطع نظر باری باری کا اصول اپنایا جائے۔ اپنی سروس کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے انہیں آپس میں برابر سمجھا جائے اور ان کے اختیارات اور ذمہ داریاں مشترکہ ہوں۔

جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے چیئرمین کے عہدے

جہاں تک اس عہدے کی مدت کا سوال ہے ہمارا خیال ہے کہ قومی دفاع کی منصوبہ بندی کے لئے اور باقی دوسروسز کی متوازن ترقی کو یقینی بنانے کے لئے تینوں سروسز میں برابری کا

احساس پیدا کرنے کی خاطر ہر سروس کے چیف کے لئے ایک سال تک اس عہدے پر رہنے کی میعاد بہترین رہے گی اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کا چیئرمین باری باری ایک سال کے لئے تینوں سروسز کا چیف رہے گا سب سے پہلے آرمی کا پھر نیوی کا اور پھر فضائیہ کا چیف چیئرمین بنے گا۔ جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے لئے فرائض کا ایک چارٹر اینکزر E میں دیا گیا ہے۔

جوائنٹ پلاننگ اسٹاف:

ایک دفعہ جب جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کی اجتماعی تنظیم قائم ہو جائے گی تو یہ جوائنٹ چیفس کمیٹی کی طرح صرف ایک سیکریٹریٹ ہی نہیں ہوگی بلکہ اس میں منصوبہ بندی کے لئے عملہ بھی ہوگا جو تینوں سروسز سے لیا جائے گا تاکہ عملے پر جامع ذمہ داری ڈالی جا سکے۔ اس کا نام جوائنٹ سیکرٹریٹ اینڈ پلاننگ اسٹاف رکھا جائے یہ عملہ نہ صرف جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کی سیکریٹریٹ کا کام کرے گا بلکہ ایک مشترکہ دفاعی منصوبہ بھی بنائے گا یہ اسٹریٹجی کا مطالعہ کرے گا اور انٹر سروسز کے معاملات طے کرے گا۔ یہ بات فطری ہے کہ تمام انٹر سروسز تنظیموں کو جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے تحت کر دیا جائے یہ بھی ضروری ہوگا کہ دوسری کمیٹیاں جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کی مدد کریں جیسے انٹیلی جنس ٹریننگ لاجسٹکس' ذاتی انتظام' رہائش اور کینٹونمنٹ کی کمیٹیاں لیکن جوائنٹ چیفس اسٹاف ان کی تفصیلات بعد میں طے کر سکتا ہے۔

نیوی اور فضائیہ کے ہیڈکوارٹر کے لئے ضروری اقدامات

سروس ہیڈکوارٹرز کا مقام:

یہ عام دستور ہے کہ تینوں سروسز کے ہیڈکوارٹرز دارالحکومت میں قائم ہوتے ہیں۔ جب کراچی دارالحکومت تھا تو نیوی اور فضائیہ کے ہیڈکوارٹرز یہاں پر مناسب طور پر قائم تھے مگر جنرل ہیڈکوارٹرز کو منتقل کرنے کا سوال زیر غور تھا۔ آرمی انتظامی مسائل کی وجہ سے منتقلی کے لئے پس و پیش کا شکار تھی۔ دارالحکومت اسلام آباد منتقل ہونے کے بعد فضائیہ کے ہیڈکوارٹرز پشاور میں منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت تینوں ہیڈکوارٹرز پورے ملک میں بکھرے ہوئے ہیں یعنی کراچی' پشاور اور راولپنڈی' جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے مؤثر طور پر

کام کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ ہیڈکوارٹر نہ صرف ایک مقام پر واقع ہوں بلکہ وزارت دفاع کے ساتھ ایک ہی عمارت میں واقع ہوں۔ اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ نیوی اور فضائیہ کے ہیڈکوارٹرز اسلام آباد / راولپنڈی منتقل کرنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں اس کام کی ابتداء میں دونوں چیفس کو خاص عملے کے ساتھ راولپنڈی منتقل کر دیا جائے تاکہ جوائنٹ چیفس آف اسٹاف بغیر کسی تاخیر کے اپنا کام شروع کر دے۔

سول ڈیفنس کی تنظیم:

گزشتہ ابواب میں سے ایک میں ہم نے سول ڈیفنس کی تنظیم کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے اور جس طریقے سے 1971ء کی جنگ میں ائر ڈیفنس کیا گیا اس کے بارے میں بھی تحریر کیا ہے۔ اس مرحلے پر ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جنگ کی اعلیٰ سطحی ہدایات کے لئے سول ڈیفنس کو بھی وزارت دفاع کے تحت ہونا چاہئے۔ ایئر ڈیفنس کمیٹی چیف آف اسٹاف کی سربراہی میں کام کرتی ہے۔ فضائی دفاع کے دوسرے کاموں میں مسلح افواج کا جنگی کردار شامل ہوتا ہے جنگ کے زمانے میں وزارت دفاع ان معاملات کو زیادہ مؤثر طور پر حل کر سکتی ہے۔

نیشنل سیکیورٹی کونسل:

پاکستان میں موجودہ مشینری کو بیان کرتے ہوئے ہم نے نیشنل سیکیورٹی کونسل کے فرائض کا حوالہ بھی دیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کونسل کو موجودہ انٹیلی جنس ایجنسیوں پر اوپر سے تھوپا گیا ہے' عملی طور پر نیشنل سیکیورٹی کونسل اس وقت کے صدر کے ہاتھوں میں صرف ایک سیاسی مہرے کے طور پر کام کرتی تھی اور وہ کام نہیں کرتی تھی جو اسے دیئے گئے تھے سوائے اس کے کہ پاکستان کو لاحق خطرے کے بارے میں ایک دو مطالعے تیار کر دیتی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس طرح کی کسی تنظیم کو ڈائریکٹوریٹ آف انٹیلی جنس بیورو اور ڈائریکٹوریٹ آف انٹر سروسز انٹیلی جنس پر تھوپنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان دونوں اداروں کے سربراہ اعلیٰ رینک کے مرکزی حکومت کے سیکریٹری اور میجر جنرل ہوتے ہیں ان دونوں اداروں کے مشورے اور ان کی خدمات مملکت کے سربراہ کو عام ذرائع سے براہ راست حاصل ہوتی ہیں لہٰذا یہ غیر ضروری تکرار ہوگی کہ ایک اور ادارے کو ان کے اوپر مسلط کر دیا جائے۔ دوسرے ہمارے خیال میں صرف ایک انٹیلی جنس ادارے کے لئے نیشنل سیکیورٹی کونسل کی اصطلاح بہت بڑی

معلوم ہوتی ہے۔ایسی اصطلاح کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی کے لئے مناسب ہے اور یہ امریکہ میں اسی مقصد کے لئے استعمال ہوتی ہے۔اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ نیشنل سیکیورٹی کونسل کو اس کی موجودہ صورتحال میں ختم کر دیا جائے۔

انسپکٹر جنرل آرمڈ فورسیز:

انکوائری کے دوران مسلح افواج کی تیاری میں بہت سی کمزوریوں کی نشاندہی ہوتی ہے اس لئے ہمارے خیال میں یہاں بھی امریکی انسپکوریٹ جنرل جیسے ادارے کی ضرورت ہے جس کا کام یہ ہوگا کہ وہ بغیر اطلاع کے معائنے کرے اور متعلقہ یونٹوں اور فورمیشنز کو جنگ کے لیے اپنی تیاری ظاہر کرنے کو کہے۔اس وقت حکومت کے پاس کوئی ایسی مشینری نہیں ہے جس سے وہ سروسز کی تربیت ڈسپلن اور تیاری کی صورت حال کا یقین کر سکے اگر چہ قومی بجٹ کا بہت بڑا حصہ دفاع کے لئے مختص کیا جاتا ہے۔ہم وزارت دفاع کی موجودہ کارکردگی کے لئے غیر مؤثر ہونے کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں جب وزارت دفاع کو ایک دفعہ متحرک کر دیا جائے گا اور اس کی اصل حیثیت کو بحال کر دیا جائے گا تو اس میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے گا جو براہ راست اس کے تحت کام کرے گا اور تینوں سروسز سے آزاد ہوگا۔یہ ادارہ اس بات کا اطمینان کرے گا کہ قومی دفاع کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے رقم مناسب طور پر خرچ ہو رہی ہے۔باقاعدہ طور پر مقرر کیا گیا میجر جنرل یا اس کے برابر کے رینک کا ایک مختصر مگر اعلیٰ تربیت یافتہ عملے کے ساتھ اس کا اہل ہوگا کہ وہ وزارت دفاع کو اس بارے میں اصل صورت حال سے باخبر رکھ سکے۔ہمارا خیال ہے کہ اس طرح کی انسپکوریٹ قائم کرنے میں سروس ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے مزاحمت ہو سکتی ہے لیکن اسے ان کی مخالفت کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ سروس چیفس کو مفید معلومات بھی بہم پہنچا سکتا ہے جو انہیں اپنے ماتحت افسران سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہمارا خیال ہے کہ ابتدائی مرحلے میں تینوں سروسز کے لئے ایک مشترکہ انسپکوریٹ کافی ہوگی۔ جب اس کا کام بڑھنے لگے تو اس کی شاخیں کھولی جا سکتی ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹیجک اسٹڈیز:

اس باب کے ابتدائی پیراگراف میں ہم نے تینوں سروسز کی حکمت عملی کی مشترکہ منصوبہ بندی کی ضرورت کی نشاندہی کی تھی۔ دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں حکمت عملی کی

اسٹڈیز نہ صرف مسلح افواج بلکہ یونیورسٹیاں اور قومی سلامتی، خارجہ امور اور دفاع کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والے دیگر دانشور بھی کرتے ہیں۔ کھلے عوامی مباحثے اور غور و فکر، خارجہ امور اور دفاع کے لئے قومی پالیسیاں تشکیل دینے کے ذمے دار افراد کے لئے نہایت قابل قدر پائے گئے ہیں۔اس لئے ہم اس بات کی سفارش کریں گے کہ حکومت کو ایک انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹیجک اسٹڈیز قائم کر کے اسے مالی طور پر اسپانسر کرنا چاہئے جو ترجیحات اسلام آباد یونیورسٹی کا حصہ ہو۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس انسٹی ٹیوٹ کی جاب سے ہونے والی اسٹڈیز کی تفصیلات میں جائیں بلکہ اس کا نام ہی اس کی وسعت اور حدود تجویز کر دیتا ہے۔

کمیشن کا خیال ہے کہ پاکستان میں ڈیفنس آرگنائزیشن کو مضبوط کرنے کے لئے متذکرہ سفارشات پر عملدرآمد میں خاصا عرصہ لگ سکتا ہے۔تاکہ جنگ کی اعلیٰ ترین ڈائریکشن کو باقاعدہ اور یقینی طور پر ادارہ جاتی بنایا جا سکے۔ بہرحال ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ادارے اور کمیٹیاں اس وقت تک اپنا مفید مقصد انجام نہیں دے سکتے جب تک ان کا تقرر نہ کیا جائے اور اہداف کے لئے انہیں ذمہ داریاں نہ سونپی جائیں۔ہمیں امید ہے کہ ہم سے ضروری سبق پہلے ہی سیکھ لیا گیا ہے اور یہ کہ قومی اہمیت کے بڑے فیصلے پیشہ ورانہ مشاہدات کا اندازہ لگا کر اور ان کے نتائج کا بھرپور تجزیہ کرنے کے بعد کئے جائیں گے۔

ضمیمہ سی......خفیہ

جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے فرائض کا چارٹر:

(الف)

جے سی ایس سی قومی دفاع کو متاثر کرنے والے تمام مسائل پر غور اور حکومت کو پیشہ ورانہ فوجی مشورہ دینے کے لئے اعلیٰ ترین فوجی ادارہ ہوگا۔اس کی ذمہ داری اجتماعی ہوگی اور کمیٹی عام طور پر اتفاق رائے سے اپنا مشورہ حکومت کو دے گی بہرحال اختلاف رائے کی صورت میں چیفس آف اسٹاف کو قومی دفاع یا اس کی سروس کو متاثر کونے والے امور پر سربراہ حکومت تک رسائی حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

(ب) جے سی ایس سی پاکستان کے دفاع کے لئے حکمت عملی پلان وضع کرے گی اور

حکومت کی ہدایت کے تحت جنگ اور امن کے زمانے میں ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے اپنے زیرکمان مسلح افواج اور دیگر فورسیز کی رہنمائی کرے گی۔

(ج) جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی خاص طور پر ان امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(1) تینوں سروسز کے کردار، سائز اور نوعیت کا تعین کرے گی اور ان کی طویل المدت بنیاد پر ترقی کے لئے وسیع پالیسی ہدایات جاری کرے گی۔

(2) یہ کمیٹی تینوں سروسز اور دفاعی تنظیموں کے کردار کی روشنی میں ان کے لئے حکومت کو بجٹ مختص کرنے کا مشورہ دے گی۔

(3) ملکی پیداوار کی ترقی، ریسرچ سے متعلق تمام امور اور مسلح افواج کے لئے مواد کی فراہمی سے متعلق پالیسی نافذ کرے گی۔

(4) مشترکہ لاجسٹک پلاننگ کے لئے پالیسی نافذ کرے گی۔

(5) جوائنٹ سروس کے تمام انتظامی امور جن کا تعلق ملٹری لینڈ و کنٹونمنٹ، رہائش، کنڈیشن آ سروس پنشن اور الاؤنسز کی ادائیگی سے ہے، کی منظوری دے کر حکومت کو بھیجے گی۔

✿✿✿

اخذ کردہ نتائج

فوج کی اعلیٰ کمان کی غلط فہمی

1971ء کی بھارت سے جنگ کے فوجی پہلو کا ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس سانحہ میں بنیادی کردار گراؤنڈ فورسز نے ادا کیا۔ 1967ء کے جنگی حکم نامہ نمبر 4 حکمت عملی کا جو تصور پیش کیا گیا تھا ہمارے خیال میں اس پر سیاسی اور فوجی صورتحال میں پیشرفت کی روشنی میں نظر ثانی کی اشد ضرورت تھی۔ جس کا نتیجہ مارچ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کی صورت میں نکلا۔ لیکن ہمیں یہ کہتے ہوئے نہایت افسوس ہے کہ فوج کی اعلیٰ کمان نے ان عناصر میں سے کسی ایک کا بھی قطعی گہرا مطالعہ نہیں کیا۔ بلاشبہ ایسا لگتا ہے کہ فوج کی اعلیٰ کمان مشرقی پاکستان کی فوجی صورتحال میں ہونے والی پیشرفت سے متعلق غلط فہمی کا شکار تھی۔ جیسا کہ اگست 1971ء کے بھارت، روس معاہدے سے پاکستان اور بھارت کی مسلح افواج کی صلاحیت اور جنگی تیاریوں کے درمیان بڑھتے ہوئے عدم توازن پر اثر پڑا۔

وسائل کی کمی 1947ء سے ہمیشہ ہی درست بات رہی ہے لیکن حکمت عملی کا مناسب تصور استعمال نہ کرنے کے لئے اس دلیل کو بمشکل ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بے شک اگر جنرل یحییٰ خان اور ان سے سینئر فوجی کمانڈرز اس بات کے قائل تھے کہ مشرقی پاکستان کو فوجی طاقت کے ذریعے قائم رکھنا ممکن ہے تو ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر فوجی حکومت نے مشرقی پاکستانی میں فوجی کارروائی کیوں کی اور سیاسی تصفیہ کی تمام تجاویز کو کیوں رد کیا۔

ہم اس نتیجے پر پہنچنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کر سکتے کہ آرمی جنرل ہیڈکوارٹرز مشرقی یا مغربی پاکستان میں رہنمائی سے متعلق امور، ہدایت اور لڑائی پر اثر انداز ہونے میں بری طرح ناکام رہا۔

جنرل یحییٰ خاں کا گوشہ عافیت جنگی احوال سے بے خبر

اس ناکامی کا ایک بنیادی سبب مربوط اور ٹھوس دفاعی منصوبہ ترتیب دینے کے لئے موجود مشینری کا عدم استعمال ہے۔ تمام اہم فیصلے جنرل یحییٰ خان یا آرمی ہیڈ کوارٹر میں کئے جاتے تھے۔ جن میں دفاعی سروسز کے دوسرے ونگز کو تقریباً عملی طور پر نظر انداز کیا گیا۔ اس میں صرف فضائیہ کے کمانڈر انچیف کا معاملہ مستثنیٰ تھا جنہیں راولپنڈی میں فضائی کارروائیوں کے لئے قائم عارضی مرکز اور فوجی کارروائی کی منصوبہ بندی کے دوران منظر پر لایا گیا۔ جنرل یحییٰ خان نے صدر اور مسلح افواج کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے اپنی کمان کے فیصلوں پر کسی سے رابطہ کرنا ضروری خیال نہیں کیا۔ نتیجتاً جنگ کی اعلیٰ ترین ڈائریکشن کے لئے منصوبہ بندی کے عمل میں خرابی نہ صرف تینوں سروسز میں پیدا ہوئی بلکہ خاص طور پر مختلف محاذوں پر لڑنے والے کمانڈروں نے الگ تھلگ ہو کر اپنی ہی لڑائی لڑی۔ انہیں آرمی ہیڈ کوارٹر یا کسی رابطہ ادارے نے اس بات کا اہل نہیں بنایا کہ وہ کسی طرح لڑائی پر اثر انداز ہوں یا اپنے منصوبوں پر عملدر آمد کریں۔ منصوبہ بندی کی اعلیٰ ترین سطح پر بعض ایسے منصوبے بھی بنائے گئے جن میں محتاط جانچ پڑتال کی کمی تھی اور یہ خرابی بعد میں بھی برقرار رہی۔ جنرل ہیڈ کوارٹرز کی جانب سے مشرقی کمان کے لیے منظور کئے گئے منصوبوں میں کم از کم یہ تین اہم خامیاں تھیں۔

(1) اس وقت کے تعین کے لئے رہنما اصول نہیں بنائے گئے جب دفاع کے پہلے سے طے شدہ خطوط پر سرحدوں سے فوج کو لازمی انخلا کرنا پڑتا۔

(2) قلعہ بندی کے لئے اختیار کیا جانے والا تصور ناقص تھا۔ قلعہ بندی پر دباؤ کم کرنے کے لئے یا دشمن کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے بمشکل نشانہ بننے والی ریزرو فورس کو قلعہ بندی کے عقب میں رکھنے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

(3) یہ منصوبہ دشمن کی جانب سے علاقے پر قبضے کی صورت میں افواج کے سمندر یا زمین سے ہنگامی انخلا کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا تھا۔

(4) ہمارے لئے یہ امر بڑی حد تک حیرت کا باعث ہے کہ ڈھاکہ کی سیاسی اور فوجی نقطہ نظر سے زبردست اہمیت کے باوجود آرمی جنرل ہیڈ کوارٹر کو خود اس بات کا علم نہیں تھا کہ آیا ڈھاکہ کے دفاع کے لئے کوئی تفصیلی منصوبہ ہے یا نہیں۔

(5) مغربی محاذ کے لئے جو ماسٹر پلان بنایا گیا تھا اس میں بھی حسب ذیل سنگین خامیاں تھیں۔

(1) یہ ماسٹر پلان مشرقی پاکستان میں بھارتی حملے کے ساتھ وقت کے تعلق کی وضاحت کرتا تھا۔

(2) یہ آرمی ریزرو شروع کرنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے حالات اور عناصر کی واضح طور پر صراحت نہیں کرتا تھا اور

(3) آرمی جنرل ہیڈ کوارٹر کی جانب سے باقاعدہ جانچ پڑتال کے بغیر ماسٹر پلان میں عارضی تبدیلیوں کی اجازت دی گئی۔

(7) حقیقت یہ ہے کہ ان خامیوں کے نتیجہ میں یہ پلان غیر مؤثر تھا اور ایک فرد کی جانب سے فیصلہ نہ کرنے سے رکاوٹ پیدا ہوئی حتیٰ کہ اس کے بعد مغربی پاکستان کے علاقے کے ایک بڑے حصے سے محروم ہونے کی اجازت دے دی گئی۔

(8) دشمن کی صلاحیتوں، ہماری سرحدوں کے باہر دشمن کی فوری نقل و حرکت اور سرحدوں پر ہماری افواج سے مقامی جھڑپوں کا ہمیں پہلے سے علم تھا۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ ہماری فوج کی اعلیٰ قیادت اس مغالطے کا شکار تھی کہ بھارتی مشرقی پاکستان پر کھلا حملہ کر کے براہ راست مداخلت کا احمقانہ اقدام نہیں کریں گے۔ بلاشبہ ہم جنرل یحییٰ خان سے یہ بات سن کر اچنبھے میں پڑ گئے کہ ''انہوں نے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ بھارتی اس مقام پر ہم سے انتہائی وحشیانہ انداز سے مسلسل جنگ لڑ سکتے ہیں۔ وہ مکتی باہنیوں کی مدد کر رہے تھے اور انہیں اسلحہ فراہم کر رہے تھے۔ وہ بہت کچھ کرے گا اسے کیوں لڑنا چاہئے''۔

یحییٰ خان کے خواب بے حقیقت سراب

اس لئے ہمیں 3 دسمبر 1971ء کو دوسرا محاذ کھولنے کی حکمت پر شک ہے۔ اگر دوسرا محاذ کھولا جانا تھا تو اسے مشرقی پاکستان پر بھارتی فوجیوں کے اعلانیہ حملے کے فوری بعد کھولا جانا چاہئے تھا۔ دوسری جانب اگر آرمی ہائی کمان کو یقین تھا کہ بھارتی اپنے آپ کو مکتی باہنیوں کی مدد تک محدود رکھیں گے تو اس صورت میں دوسرا محاذ کھولنے سے مشرقی پاکستان کے زوال میں تیزی آ جاتی۔

جنرل یحیٰی خان نے اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''یادرکھنے کی بنیادی بات یہ ہے کہ آپ کو دشمن کو فضا یا سمندر سے ملنے والی مزید سپلائز کو منقطع کر دینا چاہئے تھا۔اس صورت میں دشمن صرف چند دن لڑتا۔ یہ ایک گہری سائنس ہے اور جس کی یہاں وضاحت نہیں ہوسکتی۔ یہ بہت بڑا موضوع ہے اس کے بعد حسب ذیل سوال کیا گیا۔

''اور کیا ہم 3 دسمبر سے مشرقی پاکستان سے مجموعی طور پر کٹ گئے تھے؟''

جنرل نے اس کا جواب دیا۔''ہاں''اس صورت میں کوئی بھی شخص یہ سوال کرسکتا ہے کہ دوسرا محاذ کھولنے کا منصوبہ یہ نتیجہ برقرار کرنے کے لئے بنایا تھا یا یہ جنرل یحیٰی خان کے ذہن کی اختراع تھی جو ہمارے پاس موجود شواہد کے مطابق ملک کو بے رحمانہ غفلت سے المناک صورتحال میں لے آیا؟ خوابوں کی جس سرزمین پر وہ رہتے تھے وہاں ان کا ذہن صورتحال کی حقیقتوں سے انتہائی دور تھا۔عوامی لیگ سے سیاسی تصفیے سے متعلق تقریباً تمام آزاد ذرائع کی اچھی ایڈوائس کو نہ سننے کی ان کی ضد کو محض فیصلے کی غلطی قرار دے کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان کا تعلق جنرل یحیٰی خان کی جانب سے ان بڑے فیصلے کرنے کے سلسلے میں تذبذب سے تھا جن پر ملک کی بقاء منحصر تھی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جنرل یحیٰی اپنے بنائے ہوئے ایسے گوشہ عافیت میں رہتے تھے جہاں ان تک جنگ کا شوروغل اور ہلچل پہنچ نہ سکے۔

ملک میں بڑھتی ہوئی سنگین صورت حال کے باعث 23 نومبر 1971ء کی دوپہر انہیں صورت حال سے متعلق بریفنگ دینے کے لئے تقریباً زبردستی گھسیٹتے ہوئے ایئرپورٹ سے آرمی ہیڈکوارٹر لایا گیا۔ان کے چیف آف سٹاف نے اس امر پر کچھ سوچے بغیر ان پر معاملے کی اہمیت پر زور دیا کہ اس سے فوری نمٹنا ہوگا۔انہیں اگلے روز کے دورے کی منسوخی کا مشورہ دیا گیا۔ بہرکیف چیف آف جنرل سٹاف اور ایئرفورس کے کمانڈر انچیف، چیف آف سٹاف پر برتری حاصل کرتے ہوئے سپریم کمانڈر کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے ملٹری آپریشنز روم میں لائے۔اس کے باوجود سپریم کمانڈر کو فیصلہ کرنے کے لئے وقت درکار تھا۔انہیں ایسا کرنے میں چار روز لگے۔اس کے باوجود حتمی کلیرنس 29 کو دی گئی اور ڈی ڈی 30 کو طے کیا گیا۔ یہ تاخیر کیوں کی گئی؟ ہم یہ بات دریافت نہیں کر سکے۔کیا سپریم کمانڈر کو ہوگزرنے والے لمحہ کا کوئی اندازہ نہیں تھا یا وہ کسی اور جانب سے کئے جانے والے انکشاف کا انتظار کررہے تھے؟

بغیر جنگی کارروائی کے ہماری وسیع علاقوں سے محرومی

حتیٰ کہ دوسرا محاذ کھل جانے کے باوجود منصوبے کے مطابق بڑا حملہ نہیں کیا گیا' حالانکہ تین دسمبر 1971ء کی درمیانی شب' پاکستانی فضائیہ کی جانب سے بھارتی ہوائی اڈوں پر حملوں' اور ہماری مسلح افواج کے چھمب' دھرم' لاہور سیکٹر' حسینی والا اور سلیمانکی کے علاقوں سے بھارتی علاقوں میں پیش قدمی نے انتہائی اشتعال انگیز صورتحال پیدا کردی تھی۔ جس کے نتیجے میں بالآخر بھارت نے بھی ردعمل کا اظہار کیا۔ تاہم کوئی بڑا اور جارحانہ حملہ تب بھی نہیں کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر کوئی اہم جنگ لڑے ہوئے ہم پورے پکھلیاں سیلیٹ' شکرگڑھ کے علاقے میں واقع پانچ سو دیہات' اور سندھ کے پانچ ہزار مربع میل علاقے سے محروم ہوگئے۔ دشمن نے یہ تمام علاقے بے حد آسانی کے ساتھ ہتھیا لیا کیوں کہ ہم نے اس کے دفاع کا کوئی معقول انتظام نہیں کیا تھا چنانچہ جونہی دشمن فوجوں نے ان علاقوں میں قدم رکھا' ہماری وہ نیم تربیت یافتہ فورسز جوان علاقوں کی نگرانی پر مامور تھیں فوری طور پر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئیں۔اس کے باوجود چیف آف اسٹاف نے کسی بڑے حملے کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا اور یوں ہماری عظیم الشان فوجی حکمت عملی اپنے المناک انجام سے دوچار ہوگئی۔

جہاں تک فضائی جنگ کا تعلق ہے' ہماری فضائیہ کے دلیرانہ اقدامات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری فضائیہ ان مواصلاتی تنصیبات کے دفاع میں ناکام ہوگئی جو پشاور سے کراچی تک سرحد کے ساتھ ساتھ واقع تھیں۔ دن بدن یہ بات واضح ہوتی جا رہی تھی کہ دشمن کو فضاؤں میں پوری سبقت اور برتری حاصل ہے' جس کے نتیجے میں ہماری فوجی نقل وحرکت انتہائی مشکل ہوچکی تھی بالخصوص سقوط ڈھاکہ کے واقعے اور مشرقی بازو سے بھارتی فضائیہ کے نو اسکواڈرن کی مغربی محاذ پر منتقلی کے بعد سے۔

پاکستانی اور بھارتی بحریہ کو ہونے والے جانی نقصانات تقریباً یکساں ہی تھے تاہم بدقسمتی سے 8 دسمبر 1971ء کے بعد اسے بندرگاہ کے اندر لے آیا گیا تھا کیونکہ بھارت کو میزائل بوٹس کے مقابلے میں اس کے پاس اپنے دفاع کا کوئی معقول بندوبست نہ تھا۔

اس کا مجموعی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہم نے نہ صرف یہ کہ پورا مشرقی پاکستان کھودیا بلکہ مغربی پاکستان کے خاصے بڑے علاقے سے بھی محروم ہوگئے۔ جس کے مقابلے میں دشمن کو جو

نقصان پہنچا وہ بے حد معمولی تھا۔

یہ ہماری آرمی لیڈر شپ کی کارکردگی اور پیشہ ورانہ استعداد کا ایک المناک بیان ہے' جس نے ہمیں ایک طاقت ور ہمسائے کے ساتھ ایسی جنگ میں جھونک دیا جس کے لئے نہ تو نفسیاتی اعتبار سے پیشگی تیاری کی گئی تھی نہ ہی مربوط منصوبہ بندی کا کوئی اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسی جنگ تھی جس کا ہر مرحلہ پاکستان کی مسلح افواج کے خلاف گیا۔ چنانچہ تعداد اسلحے اور فوجی لیڈر شپ کے شعبوں میں انہیں شدید ہزیمت اٹھانا پڑی۔ ہماری منصوبہ بندی غیر حقیقت پسندانہ جنگی حکمت عملی غیر موزوں فیصلے بے وقت اور عمل درآمد کا طریقہ انتہائی ناقص اور خام تھا۔ ہمارے فوجی دستے بھی نیم تربیت یافتہ اور نیم مسلح تھے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں شرمناک انداز سے ہتھیار ڈالنے اور مغربی پاکستان میں جنگ بندی کی یک طرفہ پیش کش کو قبول کرنے میں ہماری افواج کے افسروں اور جوانوں کی کم ہمتی' قوت ارادی کی کمی یا جذبے کے فقدان کو اتنا دخل نہیں تھا' جتنا دخل ہماری اعلیٰ کمان کی جانب سے کی جانے والی قیادت کے فقدان کو تھا۔

سقوط ڈھاکہ کے سلسلے میں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ڈھاکہ کے دفاع کی باقاعدہ منصوبہ سازی کی گئی تھی اور خالصتاً فوجی نقطہ نظر سے ڈھاکہ پر ابھی مزید قبضہ برقرار رکھا جا سکتا تھا۔ مشرقی پاکستان میں صورتحال اس حد تک بھی تشویشناک نہیں تھی کہ فوری طور پر ہتھیار ڈال دیئے جاتے۔ اگر چہ کہ جنرل نیازی کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا تاہم ہمیں ایسا لگتا ہے کہ جنرل یحییٰ خان نے ملک کو ایک ایسی جنگ میں دھکیل دیا تھا جس سے کسی قسم کے اچھے نتائج کی توقع نہیں جا سکتی تھی۔ انہوں نے پوری قوم کو ایک ایسی تحقیر آمیز شکست سے دوچار کر دیا' جس کی تاریخ اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

✿✿✿

متفرقات

شکست کے اخلاقی پہلو

اب تک ہم نے اپنی توجہ شکست کے سیاسی' بین الاقوامی اور فوجی پہلوؤں تک ہی محدود رکھی تھی' تاہم اس کا اخلاقی پہلو بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔

ہمارے عوام کی اکثریت اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ ہماری ذلت کا بنیادی سبب سینئر آرمی کمانڈرز کی اخلاقی پستی اور زوال ہی تھا' جو 1958ء کے مارشل لاء کے بعد سے مارشل لاء ڈیوٹی میں تسلسل کے ساتھ ملوث رہنے کے نتیجے میں پیدا ہو گیا تھا۔ متعدد ایسے معزز گواہان جن کا تعلق معاشرے کے مختلف طبقات سے ہے۔ جن میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز سرکاری افسران بھی شامل ہیں اس کمیشن کے روبرو یہ کہہ چکے ہیں کہ مارشل لاء ڈیوٹی کی انجام دہی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کرپشن شراب اور عورت کی ہوس اور زمین اور جائیداد کی لالچ کے سبب سینئر آرمی افسران کی ایک بڑی تعداد (بالخصوص وہ جو اعلیٰ پوزیشنوں پر فائز تھے) نہ صرف یہ کہ پست حوصلہ ہو چکی تھی' بلکہ اس پیشہ ورانہ صلاحیت اور مہارت سے بھی یکسر محروم ہو چکی تھی جو انتہائی اہم فوجی نوعیت کے فیصلوں کے لئے اشد ضروری خیال کی جاتی ہے۔ ان گواہان کے مطابق ایسے افراد جن کا طرز حیات اس قدر رسوا کن ہو' ان سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی تھی کہ وہ پاکستانی فوج کو فتح سے ہم کنار کر دیں گے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اخلاقی قوت اور صلابت کردار' زندگی کے کسی بھی شعبے میں رہنمائی اور قیادت کے لئے بنیادی ضرورت ہیں' تاہم فوجی شعبے میں ان خوبیوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں سے عزم اور قربانی کے اعلیٰ ترین جذبے کی توقع وابستہ ہوتی ہے' جو کسی جنگ میں رہنمائی اور قیادت کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے کسی تفصیلی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ زندگی کی رنگینیوں سے مسلسل لطف اندوز ہوا جائے تو اس کے گہرے اثرات انسانی رویے عزم اور فیصلہ کرنے کی قوت اور صلاحیت پر مرتب ہو کر رہتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ کم ہمتی اور بے اعتمادی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان تمام کیفیات کا مجموعی اثر اس کی پیشہ ورانہ مہارت' اور قیادت کی صلاحیت پر پڑتا ہے۔ یہ بات بھی

عام ہے کہ اس قسم کے رسوا کن طرز حیات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اخلاقی کمزوریاں، بحران کے زمانے میں اور زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں اور اہم اور دلیرانہ فیصلوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کو پیش آنے والا یہ المیہ بنیادی طور پر ان اخلاقی کمزوریوں کا نتیجہ تھا جو ملک اور قوم کی رہنمائی کرنے والے افراد میں راہ پا چکی تھیں، جن کے سبب وہ ہماری تاریخ کے اہم ترین مرحلے پر اپنا قومی اور ملی فرض ادا کرنے سے قاصر رہے۔

اور پاکستان آرمی کے ایڈ جوائنٹ جنرل کے نام پر ہیں۔

کمیشن کے روبرو پیش کئے گئے شواہد سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہماری مسلح افواج کے سینئر عہدیداروں میں اس اخلاقی پستی اور زوال کا آغاز 1958ء کے دوران مارشل لا ڈیوٹی میں ملوث ہونے کے بعد سے ہوتا ہے۔ 1953ء کے محدود مارشل لا کی نسبت آرمی افسران کو 1958ء کے مارشل لا میں اس بات کے زیادہ مواقع میسر آئے کے وہ سول ایڈمنسٹریشن اور شہری زندگی کے مختلف شعبوں سے براہ راست رابطہ کرتے ہوئے ان تمام سہولتوں اور فوائد سے فیض یاب ہو سکیں جو بالعموم شہری زندگی کا خاصہ ہوتی ہیں۔ انہیں جس قسم کے فرائض اور معاملات سونپے گئے ان کا تعلق بڑے تاجروں بااثر صنعت کاروں غیر ملکی زر مبادلہ میں ہیر پھیر کرنے والوں، طوائفوں اور ان کے دلال، اور معاشرے کے دیگر جرائم پیشہ عناصر سے تھا، چنانچہ فوجی عدالتوں کے حوالے سے انہیں عام شہریوں کی زندگی اور شہری آزادیوں پر غیر معمولی اختیارات اور کنٹرول حاصل ہوتا چلا گیا، یعنی دوسرے لفظوں میں وہ سویلین امور کو چلائے جانے والے ضابطوں کی تشکیل میں مصروف ہو چکے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ متعدد فوجی افسران میں نہ صرف متکبرانہ رجحانات پیدا ہو گئے بلکہ انکے لئے کرپشن کی راہیں بھی کھل گئیں۔

4-مارچ 1969ء میں جنرل یحییٰ خان کے نافذ کردہ مارشل لا کے دوران یہ رجحانات دوبارہ عود کر آئے۔ جون میں بدعنوانیوں کے الزام میں تین سو تین اعلیٰ سول افسران کو ان کی ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا، تاہم جنرل یحییٰ خان اور ان کے سینئر مارشل لا ایڈمنسٹریٹرز نے جلد ہی اس طرز عمل اور کردار کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا، جس نے کرپشن اور بدعنوانیوں کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ یہ برائی محض اعلیٰ فوجی عہدیداروں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ لیفٹیننٹ کرنل میجر حتیٰ کہ کیپٹن کی سطح کے افسروں کے بارے میں بھی ایسی شکایات عام تھیں کہ وہ ملٹری کورٹس کے روبرو پیش ہونے والے افراد کو ضمانت پر رہا کرنے کے عوض بھاری

رشوت لے رہے ہیں۔ ان فوجی عدالتوں کی جانب سے بھاری جرمانے اور قید کی سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں، جنہیں بعد میں سینئر مارشل لا حکام کی جانب سے یا تو سرے سے ہی معاف کر دیا جاتا یا پھر ان میں تخفیف کر دی جاتی تھی، جن کے بارے میں عام خیال تھا کہ متاثرہ افراد پیسوں کے عوض ان حکام سے یہ رعایت حاصل کر لیتے ہیں۔ تاہم یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ اس سلسلے میں کسی قسم کی تحقیقات کریں، کیونکہ اس نوعیت کی انفرادی مثالوں کی تحقیق کرنا ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ یہ الزامات اور واقعات اس قدر مشہور اور مستقل حیثیت اختیار کر چکے ہیں کہ کوئی بھی عدالتی ادارہ، موجودہ کمیشن سمیت ان کو نظر انداز کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا، تاہم حکومت کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ وہ بدعنوانیوں کے ایسے نمایاں اور مشہور معاملات کی تحقیقات کا حکم جاری کرے جن کے بارے میں وقتاً فوقتاً چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو شکایات موصول ہوتی رہی ہیں۔

ان واقعات کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد کرپشن اور بدعنوانیوں کے ان معاملات کی جانب توجہ مبذول کرانا ہے، جو ملک کے سول انتظام میں مسلح افواج کے ملوث ہونے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں جو مارشل لا کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اس کمیشن کے روبرو پیش ہونے والے تقریباً تمام ہی سروس کمانڈرز نے اپنی شہادتوں میں اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے سبب، مسلح افواج کی پیشہ ورانہ ذمے داریاں اور فرائض شدید طور پر متاثر ہوئے ہیں بلکہ اس نے تربیت کے معیار کو بھی متاثر کیا ہے جو ان افسران کی جانب سے اپنے متعلقہ یونٹوں اور فارمیشن کو دی جاتی ہے، جس کا اہم اور نمایاں سبب یہی تھا کہ ان افسران کے پاس اس مقصد کے لئے قطعاً کوئی وقت نہیں تھا۔ بلکہ ان میں سے اکثر تو اس اہم فرض کی ادائیگی سے پوری طرح غافل ہو چکے تھے۔

ترغیبات کی پیشکش

مارشل لا ڈیوٹی سے پیدا ہونے والے کرپشن اور بدعنوانیوں کے اثرات کا گہرا تعلق اس حقیقت سے بھی ہے کہ مسلح افواج کی تائید اور حمایت کو برقرار رکھنے کی غرض سے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ملازمت میں موجود، نیز ریٹائرڈ ملٹری افسران کو بہت بڑی تعداد میں ایسی ملازمتوں کی پیشکش کے لئے مجبور تھے، جو بالعموم سول ملازمین کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ چنانچہ انہیں

متعدد خودمختار اور نیم خودمختار اداروں کی چیئرمین شپ کی پیشکش کی گئی جن میں سے کچھ تو انتہائی مخصوص نوعیت کے صنعتی اداروں مثلاً کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن سیمنٹ پروڈکشن اور سوئی گیس وغیرہ کے مینجنگ ڈائریکٹر بھی مقرر کر دیئے گئے تھے۔

جب کہ ریٹائرڈ جنرلوں کو بینکاری کے اداروں میں بحیثیت مشیر مقرر کیا گیا تھا۔ اس طریقے سے ملازمت میں موجود اور ریٹائرڈ فوجی افسران کو ہر قسم کے مالیاتی معاملات میں الجھا دیا گیا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ فوجی افسران اپنا روایتی انداز اور پیشہ ورانہ کردار فراموش کرنے پر مجبور ہو گئے۔

کچھ حلقوں میں یہ بات بھی گشت کر رہی ہے کہ وہ مارشل لا حکومتوں کے دوران مسلح افواج کی تنخواہوں اور پنشن میں بھی کافی اضافہ کیا گیا ہے جس کا بنیادی سبب ان کی مستقل تائید و حمایت کا حصول ہے۔ ہم نے اس معاملے کا بھی جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ یکم دسمبر 1962ء سے مسلح افواج کی تنخواہوں میں کچھ اضافہ ضرور کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں دیگر سروسز سے متعلقہ لوگوں نے احتجاج بھی کیا تھا، تاہم تقسیم سے قبل ملنے والی تنخواہوں کے ساتھ موازنے اور سول سروس آف پاکستان کے اراکین کو ملنے والی تنخواہوں کی رقم کو دیکھتے ہوئے مسلح افواج کی تنخواہوں میں یہ اضافہ کچھ ایسا بے جواز بھی نہیں ہے، بالخصوص ان دشواریوں اور مشکلات کے پیش نظر جو ملٹری سروس سے وابستہ سمجھی جاتی ہیں۔

تنخواہوں میں اس اضافے کے بعد سے 1968ء تک ملٹری افسران کی پنشن میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ 1968ء میں مقرر کی جانے والی پنشن کی شرح مسلح افواج کیلئے خاصی مایوس کن تھی، چنانچہ جنرل یحییٰ خان نے 30 جنوری 1970ء کو ہدایات جاری کر دیں کہ اس پورے معاملے کا آزادانہ طور پر جائزہ لیتے ہوئے سفارشات مرتب کی جائیں۔ چنانچہ وزیر تجارت نے اس پورے معاملے کی جانچ پڑتال کے بعد 20 جولائی 1970ء کو اپنی رپورٹ پیش کر دی جسے صدر یحییٰ خان نے چند ترامیم اور تبدیلیوں کے بعد منظور کر لیا اور اس طرح 26 اکتوبر 1970ء کو نئے پنشن میں اضافہ مختلف امور و مسائل پر خاصے غور و خوض کے بعد تجویز کیا گیا تھا لہٰذا یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ اضافہ غیر منصفانہ تھا یا اسکا کوئی جواز موجود نہیں تھا۔

زمینوں کا حصول

مغربی پاکستان میں زرعی زمینوں کی الاٹمنٹ نے بھی اس سلسلے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ متعدد اسکیموں میں مثلاً تھل ڈیولپمنٹ اسکیم، ماکھی ڈھنڈ اسکیم، غلام محمد بیراج، نواب شاہ اسکیم، گدو بیراج اسکیم اور بارڈر پرایریاز اسکیم میں فوجی افسران اور اہلکاروں کو الاٹمنٹ کی غرض سے زمینیں حاصل کی گئیں۔ پاکستان آرمی کے ایڈ جوٹنٹ جنرل کی جانب سے ہمیں فراہم کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق ان چھ اسکیموں میں زمینیں حاصل کرنے والوں کی تعداد بالترتیب یوں ہے `73`200`191`58`145 اور 1081 گویا مجموعی طور پر کل ایک ہزار سات سو اڑتالیس فوجی افسران کو یہ زمینیں الاٹ کی گئی تھیں۔ ان افسران میں ملٹری کی ملازمت میں موجود اور ریٹائرڈ تقریباً سبھی جنرلوں کے ساتھ ساتھ، دیگر دونوں مسلح افواج کے مجموعی تعداد کو دیکھتے ہوئے زمینوں کے الاٹیز کی یہ تعداد بہت زیادہ نہیں ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ سول افسران کے لئے بھی زمینوں کے لے الاٹمنٹ کی ایسی ہی اسکیمیں موجود ہیں، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ فوجی افسران کو خلاف معمول اور قابل اعتراض طریقے سے یہ زمینیں الاٹ کی گئی تھیں۔ تاہم جس بات پر بجا طور پر تنقید اور نکتہ چینی کی جاری ہے وہ یہ ہے کہ ویلفیئر ڈائریکٹوریٹ اور ملٹری فیملیز ری ہیبی لیٹیشن آرگنائزیشن کی جانب سے ان زمینوں کی دیکھ بھال، ہمواری اور ترقی پر غیر معمولی اخراجات اور محنت صرف کی گئی تاکہ اعلیٰ سطح کے فوجی افسران کو فائدہ پہنچایا جا سکے اور اس عمل کے دوران موجود فوجی اہلکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو بھی کام پر مامور کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں نسبتاً جونیئر افسران میں بھی زمین حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

ان انفرادی الاٹمنٹوں سے قطع نظر جنرل ہیڈکوارٹر نے بڑے بڑے رقبہ جات بھی حاصل کر لئے تاکہ انکے ذریعے ویلفیئر فنڈ حاصل کیا جا سکے اس ضمن میں جنرل ہیڈکوارٹر کی جانب سے کی گئی وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے چھ فارم جو بالترتیب ساہیوال، میانوالی، لاہور، سکھر، حیدرآباد، اور سانگھڑ ضلعوں میں موجود تھے۔ اسی مقصد سے چلائے جا رہے ہیں یہ زمینیں یا تو جی ایچ کیو کے نام پر لی گئی ہیں یا پھر کمانڈر انچیف اور پاکستان آرمی کے ایڈ جوٹنٹ جنرل کے نام پر ہیں۔

کمیشن کے روبرو ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ ان ویلفیئر فارمز کے علاوہ فوج کے جرنلوں کے انفرادی ناموں پر بھی کئی بڑی بڑی اراضی تھیں۔ لیکن ایجوٹینٹ جنرل میجر جنرل خداداد خان نے اس الزام کی صحت سے انکار کر دیا۔ جی ایچ کیو کی طرف سے جو بیان دیا گیا ہے اس میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنرل خداداخان کے موقف کی حمایت کی گئی ہے اس لئے ہم اس موضوع پر اب اس کے علاوہ اور کچھ کہنا نہیں چاہیں گے کہ اس طرح کا نظام تسلی بخش نہیں ہے کیونکہ انفرادی طور پر لوگوں کے نام پر اراضی ان کی ذاتی ملکیت تصور نہیں کی جاتی۔ یہ غیر فطری بات ہے ہمارے خیال میں اسے باقاعدہ بنایا جائے۔ اگر اصل مالکان نے ٹرسٹ کی کارروائی نہیں کرائی ہے وہ اب کرالیں۔

✿✿✿

ضمیمہ (ب) خفیہ

کابینہ کی دفاعی کمیٹی کی تشکیل

(i) 1967ء میں قائم کی جانے والی کابینہ کی دفاعی کمیٹی مندرجہ ذیل پر مشتمل تھی۔

(1) صدر
(2) وزیر تجارت
(3) وزیر صنعت
(4) وزیر برائے داخلی امور
(5) وزیر برائے امور خارجہ
(6) وزیر خزانہ
(7) وزیر دفاع
(8) ضرورت کے وقت تینوں کمانڈر انچیف بھی شرکت کرتے تھے۔

(ii) 1969ء میں کابینہ کی دفاعی کمیٹی کی از سر نو تشکیل کی گئی جس میں حسب ذیل شامل تھے۔

(1) صدر اور سی ایم ایل
(2) وزیر برائے امور داخلہ
(3) وزیر صنعت
(4) وزیر تجارت
(5) وزیر مواصلات

(iii) فروری 1970ء میں کابینہ کی دفاعی کمیٹی کا نام بدل کر صدر کی کمیٹی برائے دفاع رکھ دیا گیا اور اس کی از سر نو تشکیل کی گئی۔ جس میں حسب ذیل شامل تھے۔

(1) صدر اور سی ایم ایل اے
(2) مشیر برائے تجارت

(3) سیکرٹری وزارت صنعت

(4) سیکرٹری مواصلات

(5) سیکرٹری امور داخلہ

(iv) اکتوبر 1971ء میں صدر کی کمیٹی برائے دفاع میں توسیع کی گئی جو درج ذیل پر مشتمل تھی۔

(1) صدر اور سی ایم ایل اے

(2) صدر اور سی ایم ایل اے کے پرنسپل اسٹاف آفیسر

(3) مشیر خزانہ

(4) انچارج مشیر، وزارت دفاع / سیکرٹری دفاع

(5) سیکرٹری وزارت صنعت

(6) سیکرٹری وزارت تجارت

(7) سیکرٹری داخلہ امور ڈویژن

(8) سیکرٹری وزارت مواصلات و قومی امور

(9) سیکرٹری وزارت امور خارجہ

دفاعی منصوبہ بندی سے متعلق کمیٹی

سول سیکٹر میں دفاعی منصوبہ بندی کا کام حسب ذیل کمیٹیاں انجام دیتی تھیں۔ جو کابینہ کی دفاعی کمیٹی کی ہدایت کے تحت کام کرتی تھیں۔

نمبر شمار	کمیٹی / سب کمیٹی کا نام
(1)	سیکریٹریز کوآرڈینیشن کمیٹی
(2)	ملٹری کمیٹی
(ا)	ملٹری کمیٹی
(ب)	نیول سب کمیٹی
(ج)	ایئر فورس سب کمیٹی
(3)	سینسرشپ کمیٹی

(ا)	پوسٹل سینسر شپ سب کمیٹی
(ب)	ٹیلی گراف اینڈ ٹیلی فون سینسر شپ سب کمیٹی
(ج)	پریس، براڈ کاسٹنگ، فلم اینڈ ٹی وی سنسر شپ سب کمیٹی
(4)	سول ایوی ایشن کمیٹی
(5)	سول ڈیفنس کمیٹی
(6)	کامرس اینڈ ٹریڈ کمیٹی
(7)	مواصلات اور ٹرانسپورٹ کمیٹی
(8)	غیر ملکیوں کو کنٹرول کرنے والی کمیٹی
(9)	فنانس کمیٹی
(10)	فوڈ سپلائی سے متعلق کمیٹی
(11)	امور خارجہ سے متعلق کمیٹی
(12)	فیول اینڈ پاور کمیٹی
(13)	انشورنس کمیٹی
(14)	داخلی سلامتی سے متعلق کمیٹی
(15)	لیگل پروویژن کمیٹی
(16)	مین پاور کمیٹی
(17)	پبلک ہیلتھ کمیٹی
(18)	پبلسٹی اینڈ پروپیگنڈہ کمیٹی
(19)	سائیٹفک ایڈوائزری کمیٹی
(20)	شپنگ کمیٹی
(21)	سوشل ویلفیئر کمیٹی
(22)	سپلائی کمیٹی
(23)	نکاسی و فراہمی آب سے متعلق کمیٹی
(24)	وار بک کمیٹی
(25)	فاریسٹ ڈیفنس کمیٹی

11- ہم نے معلوم کیا ہے کہ بعض جنرلوں نے متذکرہ بالا چھ اسکیموں میں سے کسی نہ کسی میں الاٹمنٹ حاصل کیا ہے اس کے علاوہ بھی انہوں نے بڑے بڑے قطعات اراضی حاصل کئے ہیں جن کی اگر حکومت چاہے تو تفتیش کر سکتی ہے۔ ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو نے کمیشن کے لئے اس سلسلے میں جو تفتیشی افسر مقرر کیا تھا اسکی مہیا کی گئی معلومات مندرجہ ذل ہیں۔

(a) جنرل یحییٰ خان

(i) قصور 133 ایکڑ
(ii) شریف پورہ اور ٹوئی 186 ایکڑ
(iii) دیہہ باہلو 50 ایکڑ
کل اراضی 369 ایکڑ

(b) جنرل حمید اور انکا خاندان

(i) چک نمبر 49 (فیروز والا) 105 ایکڑ
(ii) دیہات ہارے (لاہور) 60 ایکڑ
(iii) دیہات اردوہ نیپال (لاہور)
(iv) ح۔م۔ فارم تگونڈی شیر خان
ہرنس پورہ اورامر (فیروزوالا) میں
جنرل اور جنرل مٹھا کی مشترکہ ملکیت 1046 ایکڑ
کل 1361 ایکڑ

(c) جنرل خداد خان اور ان کا خاندان

(i) ہرسوبل ہندو (فیروزوالا) 122 ایکڑ
(ii) ایچوگل (لاہور) 200 ایکڑ
(iii) چیاں والا (لاہور) 150 ایکڑ
(iv) ہرے اردوہ نیپال 150 ایکڑ
کل اراضی 622 ایکڑ

تفتیشی افسر نے مزید بتایا کہ میجر جنرل خداداد کی سندھ میں بھی بہت سی زمینیں ہیں مگر انہوں نے ان کی تفصیل نہیں دی۔

یہ بھی رپورٹ ملی ہے کہ جنرل یحییٰ خان، جنرل حمید خان، میجر جنرل خداداد خان اور میجر جنرل کیانی اور لیفٹیننٹ کرنل گلزار نے ملٹری اسٹیٹس آفیسر لاہور کنٹونمنٹ سے 1967ء میں 1630.51 ایکڑ زرعی زمین واقع رکھ بیک نوتا ضلع لاہور 10 سال کے پٹے پر حاصل کی جبکہ لیز کیپٹن ایف ڈی خان (ریٹائرڈ) کے نام رجسٹر کرائی گئی تھی جو ان جنرلوں کا ملازم تھا اس علاقے کو فیض فارم کہا جاتا تھا۔ اسے جنرل خدادا خان نے اس وقت حاصل کیا تھا جب انہیں لاہور میں 10 ڈویژن کا جی او سی مقرر کیا گیا تھا۔ تفتیشی افسر کی رپورٹ میں وجوہات تو نہیں بتائی گئیں مگر اس زمین کو 16 اکتوبر 1969ء کو پھر فوجی حکام نے لے لیا تھا۔ لاہور کے ملٹری اسٹیٹس آفیسر نے سفارش کی کہ مالکان کی اس اراضی پر کھڑی فصل، ٹیوب ویل اور پمپ ہاؤسز کے عوض 433640 روپے معاوضہ ادا کیا جائے۔ لیکن ایجوٹنٹ جنرل نے 701,565 روپے کا معاوضہ ادا کیا ان حقائق کی لاہور سرکل کے ملٹری اسٹیٹس آفیسر نے تصدیق کی ہے یہ تصدیق خط نمبر L-10/12/gen./iii سول سوٹ مورخہ 25 فروری 1972ء کے ذریعے کی گئی جو تفتیشی افسر کو لکھا گیا تھا (انیکور A) رپورٹ میں بتایا گیا کہ یہ اضافی معاوضہ میجر جنرل خداد خان نے منظور کیا تھا جو اس وقت ایجوٹنٹ جنرل بن گئے تھے اور معاوضے کی یہ رقم ان جنرلوں میں تقسیم ہوگئی جن کی طرف سے کیپٹن ایف ڈی خان ملازم تھے۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت کے پاکستان آرمی کے افسران جسے کمانڈر انچیف آف اسٹاف ایجوٹنٹ جنرل اور کوارٹر ماسٹر جنرل نے اپنی سرکاری حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زرعی زمینوں کی بہت بڑی اراضی حاصل کرلی، ممکن ہے کہ یہ الاٹمنٹ سول حکام سے مارشل لاء دور میں حاصل کئے گئے ہوں۔ اعلیٰ افسران نے جو مثال قائم کی تھی نچلی سطح کی طرف سے اس کی پیروی کرنا فطری عمل تھا۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ بہت سے افسران جن میں میجر جنرل خداداد خان بھی شامل تھے۔ ان زمینوں کی دیکھ بھال پر کافی وقت اور توجہ دے رہے تھے جو انہوں نے اور دوسرے سینئر کمانڈروں نے حاصل کرلی تھی اس لئے ہم حکومت سے سفارش کرتے ہیں کہ اس معاملے کی مزید تحقیقات کی جائے تا کہ متعلق جنرلوں کی طرف سے اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال کی ذمہ داری کا تعین کیا جاسکے۔ ہم نے جن معاملات کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ بھی

اس طرح کے اور کئی معاملات ہوں گے۔

مکان تعمیر کرنے کی سرگرمیاں

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے بہت سے سول افسران کے ساتھ فوجی افسران بھی مکانات کی تعمیر میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ مصروف تھے۔ یہ بات ان کی طرف سے مختلف کنٹونمنٹس اور کراچی میں ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی اور پی ای سی ایچ ایس میں بنائے گئے بہت سے مکانات سے ثابت ہوتی ہے یہ بات درست ہے کہ ریٹائرمنٹ کے قریب افسران کو اپنے خاندان کے لئے رہائشی مکان تعمیر کرنے کی سہولت دی جائے مگر جو افسران اس زمرے میں نہیں آتے ان کی طرف سے بہت بڑے پیانے پر لاہور، کراچی، راولپنڈی اور پشاور کنٹونمنٹس میں ایک سے زیادہ اہم مکانات کی تعمیر کو پسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ بات اہم ہے کہ جب جنرل یحییٰ خان نے 1969ء میں تمام سول افسران اور اعلیٰ عدالتوں کے ججوں سے کہا کہ وہ اپنے اثاثوں کا اعلان کریں انہوں نے فوج سے تعلق رکھنے والے افسران کے لئے ایسا نہیں کیا۔ یہ الزامات بھی اکثر لگائے گئے ہیں کہ ان وسیع پروجیکٹس کو کچھ ایسے بنک فنڈز مہیا کر رہے تھے جن میں جنرل ہیڈ کوارٹرز کی ہدایت پر وسیع تعداد میں فوجی فنڈز جمع کئے جاتے تھے فوجی فاؤنڈیشن کے فنڈز کی منتقلی بھی اس زمرے میں آتی ہے۔ ان معاملات کے بارے میں بھی کمیشن نے تفصیل کے ساتھ تفتیش نہیں کی کیونکہ ہمارا تعلق صرف ان عام اثرات سے ہے جو پیشہ ورانہ اہلیت اور فوج کی تیاری پر پڑ سکتے ہیں۔ جہاں تک اعلیٰ ترین سطح پر انفرادی بدعنوانی کا تعلق ہے یہ فیصلہ مرکزی حکومت کو کرنا ہے کہ ان کے خلاف تحقیقات کی جائے یا نہیں اور کیا فوجی افسران سے بھی اثاثوں کا اعلان کرنے کے لئے اسی طرح کہا جائے جس طرح سویلین سرکاری افسران سے کہا گیا تھا۔ کمیشن تو صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا اچھا اثر پڑے گا۔

ذاتی الزامات

مارشل لاء کی ڈیوٹیز میں مصروفیت، زرعی اراضی کا حصول اور مکانات کی تعمیر کی سرگرمیوں کے علاوہ جنرل یحییٰ خان اور ان کے چند سینئر کمانڈرز پر ذاتی نوعیت کے الزامات بھی عائد کئے جاتے ہیں۔ ہم جنرلوں کی ذاتی زندگی کا جائزہ لینا نہیں چاہتے۔ پھر بھی ہمارا غیر خوشگوار فرض ہے کہ ہم چند الزامات کا جائزہ لیں کیونکہ یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان

افسران کی جنگ لڑنے کی صلاحیت پر اثر پڑا ہے۔

جنرل یحییٰ خان کے رویے

سابق صدر اور کمانڈر انچیف کے بارے میں سب سے زیادہ نقصان دہ الزام یہ ہے کہ وہ ایک عیاشی کی زندگی گزار رہے تھے اور اپنا زیادہ تر وقت شراب اور شباب میں گزارتے تھے۔ ہم کہیں اور یہ تحریر کر چکے ہیں کہ جنگ کے سنگین دنوں میں انہوں نے صدر کے دفتر آنا بھی بند کر دیا تھا اور جنرل ہیڈ کوارٹر میں آپریشن روم میں بھی دو یا تین مرتبہ سے زیادہ نہیں گئے اگرچہ انہوں نے یہ کہہ کر اپنی پوزیشن صاف کر لی کہ روزانہ شام کو ان کی رہائش گاہ پر دی جانے والی بریفنگ کے ذریعے انہیں باخبر رکھا جاتا تھا ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ اس طرح کے طریقہ کار سے اچھے نتائج برآمد نہیں ہو سکتے تھے۔

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ جنرل یحییٰ خان شراب کے بہت زیادہ عادی تھے اور بہت سی خراب شہرت رکھنے والی خواتین کے ساتھ ان کی بہت قریبی دوستی تھی جو جنگ کے اہم دنوں میں بھی ان کا بہت وقت لیتی تھیں اور جنگ سے پہلے کے زمانے میں بھی ان کا وقت لیتی تھیں۔ ان خواتین میں مندرجہ ذیل شامل تھیں؛ مشرقی پاکستان کے ایک آئی جی پولیس کی بیوی بیگم شمیم کے، این حسین، بیگم جونا گڑھ، مشہور گلوکارہ میڈم نور جہاں، ایک چھوٹے پولیس افسر کی بیوی اقلیم اختر جسے جنرل رانی کہا جاتا تھا۔ کراچی کے ایک تاجر منصور ہیرجی کی بیوی نازلی بیگم، میجر جنرل (ریٹائرڈ) لطیف خان کی سابقہ بیوی مسماۃ زینب، ایک اور مسماۃ زینب جو ملک سر خضر حیات خان ٹوانہ کی سابقہ بیوی تھیں۔ ڈھاکہ کی ایک صنعت کار انورہ بیگم، ڈھاکہ کی للی خان، غالباً ڈھاکہ کی ہی لیلیٰ مزمل۔

صدر کے اے ڈی سی میجر جنرل محمد اسحاق (گواہ نمبر 133) اور صدر کے اے ڈی سی II لیفٹیننٹ کمانڈر خالد شفیع گواہ نمبر 136) کے مطابق ان خواتین میں سے اکثر صدر کے پاس آتیں اور ان کے ساتھ کافی وقت گزارتیں اور اکثر ایوان صدر سے صبح کو جاتیں، نومبر 1971ء میں جب مشرقی پاکستان کے واقعات سنگین صورتحال اختیار کر رہے تھے تب بھی صدر ہفتے میں دو تین دن لاہور میں گورنر ہاؤس میں قیام کرتے جہاں میڈم نور جہاں دن میں دو تین بار ان کے پاس آتیں اور تقریباً ہر رات کو آٹھ بجے ضرور آتی تھیں لیکن متعلقہ اے ڈی سی

ان کے جانے کا وقت نہیں بتا سکے کیونکہ ساڑھے آٹھ بجے ان کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھیں۔

بیگم شمیم کے این حسین کو یحییٰ خان کے ساتھ خصوصی مقام حاصل تھا۔ نومبر 1971ء میں صدر کے گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہونے سے پہلے وہ ایوان صدر میں اکثر آیا کرتی تھیں اور صبح سویرے چلی جاتی تھیں۔ اس بات کا بھی اندراج ہے کہ صدر اکثر ایوان صدر سے بیگم شمیم کے ساتھ ڈنر کرنے جایا کرتے تھے اور وہاں سے رات کو بہت دیر سے واپس آیا کرتے۔ تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ کار آخر تک جاری رہا۔ راولپنڈی اور کراچی کے ایوان صدر میں رکھے گئے گیٹ رجسٹروں کی کاپیاں جن میں ان خواتین کے اکثر و بیشتر آنے کا ذکر ہے کہ باب کے انیکو رائے اور بی کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ہمارے سامنے یہ بھی بیان دیا گیا ہے کہ گیٹ رجسٹر میں بہت سے اندراجات اس لئے نہیں کئے جاتے تھے کہ متعلقہ شخص کو ایوان صدر کی گاڑی میں لایا جاتا تھا۔

جنرل یحییٰ خان جس طرح کی زندگی گزار رہے تھے اس سے ان کے ملٹری سیکرٹری بھی شاکی تھے۔ انہوں نے ہمیں بتایا "میں انہیں قرآن شریف کی آیات سنایا کرتا تھا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے ذریعے اپنی بربادی کو دعوت دیتا ہے۔ میجر جنرل اسحاق نے ہمارے اس سوال کے جواب میں کہ کیا اس طرح کے طرز عمل سے سابق صدر کی فیصلہ کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی تھی بتایا "اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقصد کی وجہ سے شراب سے منع کیا ہے۔ ان برائیوں میں حد سے زیادہ ملوث ہونا انسان کی سوچ اور فیصلے پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے" جب ملٹری سیکرٹری سے پوچھا گیا کہ کیا یحییٰ خان کے فیصلے ان کے عیاشی میں بہت زیادہ محو رہنے سے متاثر ہوتے تھے تو انہوں نے بتایا کہ جنرل یحییٰ کے پاس روزمرہ کے کاموں کیلئے کم ہی وقت ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے سابق آقا کی وفاداری کا پاس کرتے ہوئے کہا کہ جہاں تک جنرل یحییٰ کا فائلوں پر فیصلے دینے کا سوال ہے اس میں انہوں نے کوئی کمی نہیں دیکھی۔

جنرل یحییٰ کے ذاتی چال چلن کے بارے میں ایک اور اہم گواہی این اے رضوی (گواہ نمبر 69) نے دی جو اس وقت انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کے فرائض انجام دے رہے تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ ان کے خیال میں کیا جنرل یحییٰ خان نے اپنے نجی اور پبلک طرز عمل سے اپنے عہدے کے وقار کو قائم رکھا تو انہوں نے کہا "میں وہ واحد آدمی تھا جس نے صدر کو بتایا کہ وہ ایک نہایت اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں اور ان پر اس کی ذمہ داری بھی عائد ہے میں نے

ان سے یہ بھی کہا کہ میں ان کی بیگم سے درخواست کروں گا کہ وہ ہر جگہ ان کے ساتھ جائیں۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے عہدے پر فائز تھے تو اس وقت بھی ان کے ذاتی چال چلن کے بارے میں وہ افسران بھی احتجاج کرتے تھے جو عام حالات میں اپنی زبان بھی نہیں کھول سکتے تھے۔

یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص جس نے خود پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، صدر مملکت اور پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف کے عہدوں کی ذمہ داری ڈال لی ہو وہ اپنی ذاتی مصروفیات کے لئے زیادہ وقت نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اپنے سرکاری فرائض کو نظر انداز نہ کرے یہ بات بھی فطری ہے کہ جو خواتین ان کے ساتھ اس قدر قریبی تعلقات رکھیں گی وہ ان سے ناجائز فائدے بھی اٹھائیں گی، یہ اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ شمیم کے این حسین کے شوہر این کے حسین اور خود شمیم کو جنرل یحییٰ خان نے بالترتیب سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا کا سفیر مقرر کر دیا۔ سیکرٹری خارجہ سلطان محمد خان (گواہ نمبر 143) نے ہمارے سامنے اعتراف کیا کہ یہ غیر معمولی بات تھی کہ ان دونوں میاں بیوی کا فارن سروس سے تعلق نہ ہونے کے باوجود انہیں اس طرح سفارتی عہدوں پر مقرر کیا گیا۔ یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا شمیم کے والد، مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے سابقہ چیف جسٹس، جسٹس امین احمد جنرل یحییٰ خان کے کہنے پر نیشنل شپنگ کارپوریشن کے ڈائریکٹر مقرر کئے گئے اگرچہ ان کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی اور انہیں کسی تجارتی ادارے کو چلانے کا کوئی تجربہ حاصل نہیں تھا۔

اس بات کا بھی ثبوت موجود ہے کہ جنرل یحییٰ خان اکثر سی ایس پی، عبدالقیوم (گواہ نمبر 188) سے ملنے جاتے تھے جو صدر کی سیکرٹریٹ میں سیکرٹری کے طور پر کام کرتے تھے اور وہ مختلف وزارتوں اور افسروں کو ہدایات دیتے تھے کہ ان خواتین اور کچھ دوسری خواتین کو کچھ مراعات دی جائیں۔ اس طرح کی مراعات کی ایک واضح مثال وزارت تعلیم کی طرف سے میڈم نور جہاں کو غیر معمولی طور پر غیر ملکی زرمبادلہ کی مراعات منظور کرنا ہے۔ یہ مراعات میڈیم نور جہاں کو ٹوکیو کے انٹرنیشنل میوزک فیسٹول میں شرکت کیلئے جانے کے لئے دی گئی تھیں جنرل یحییٰ خان کی ہدایت پر عبدالقیوم نے وزارت کو حکم دیا کہ جیسا نور جہاں چاہتی ہیں ویسا ہی کیا جائے۔ نہ صرف یہ کہ نہایت اعلیٰ شرح سے غیر ملکی زرمبادلہ میں روزانہ کے اخراجات دیئے گئے بلکہ نور جہاں کے خاندان کے کئی افراد سرکاری خرچہ پر ٹوکیو گئے۔ دوسری مراعات بھی

منظور کی گئیں۔ متعلقہ فائل پڑھنے سے نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

ایک اور اہم معاملہ جنرل یحییٰ خان کے حکم پر پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ انویسٹ مینٹ کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر (سعید احمد گواہ نمبر 48) کا برطرف کیا جانا ہے کیونکہ انہوں نے نازلی بیگم کو ایک ٹیکسٹائل مل لگانے کیلئے قرضے کی سہولت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ صدر اس افسر سے اس قدر ناراض ہوئے کہ انہوں نے اس افسر کے باہر کام کرنے پر بھی پابندی لگادی۔ ان واقعات کی سی ایس پی آفیسر عبدالقیوم اور خود سعید احمد نے تصدیق کی ہے۔

یہ وہ چند واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ صدر یحییٰ خان کی ذاتی زندگی کے اثرات ان کے سرکاری فیصلوں پر پڑ رہے تھے، جنرل رانی کے ساتھ ان کے تعلقات کی وجہ سے ان کی بڑی بدنامی ہوئی۔ اس نے صدر کے ساتھ اپنے تعلقات کے استعمال کرنے کے عوض مختلف لوگوں سے رشوت لینی شروع کر دی تھی۔ جنرل یحییٰ کے ذاتی عملے کے مطابق ایک وقت ایسا بھی آیا جب ایوان صدر میں جنرل رانی کا داخلہ روکنا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ ان کا نام استعمال کر کے فائدہ اٹھاتی رہی۔

جب جنگ شروع ہوئی تو ایوان صدر کا یہ ماحول تھا جو شراب اور شباب سے پر تھا۔ کمیشن کے سامنے جو ثبوت رکھے گئے ان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ جنرل یحییٰ کے بدنام طرز زندگی نے جنگ میں قوم کی رہنمائی کرنے کی ان کی اہلیت اور فیصلے پر براہ راست اثر ڈالا۔ وہ خود کو سرکاری فرائض کی ادائیگی کے لئے خلوص دل سے وقف نہیں کر سکے۔ وہ تذبذب اور عدم فیصلے کا شکار تھے وہ اس بارے میں مضبوط فیصلہ نہ کر سکے کہ مشرقی پاکستان میں جنگ آخری سپاہی اور آخری گولی تک جاری رکھی جائے اور مغربی پاکستان سے دشمن پر حملہ کیا جائے۔

یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب یحییٰ خان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ان باتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا صرف اتنا قبول کیا کہ بیگم شمیم کے این حسین ان کی فیملی فرینڈ تھیں۔ انہیں اور ان کے شوہر کو اس لئے سفیر مقرر کیا کہ وہ اس تقرر کے پوری طرح مستحق تھے لیکن وہ ایوان صدر کے گیٹ رجسٹر کے اندراجات کو رد نہیں کر سکے کہ انہوں نے 10 اور 11 اپریل 1971ء کی رات ان کے گھر پر گزاری تھی۔

جنرل عبدالحمید خان کے رویے

یہ ایک قومی سانحہ ہے کہ صرف جنرل یحییٰ خان ہی تنہا ان برائیوں میں ملوث نہیں تھے۔ ثبوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے چیف آف اسٹاف جنرل عبدالحمید خان بھی ان میں سے بہت سی مہمات میں اکثر ان کے شرک ہوتے تھے۔ گیٹ رجسٹر کے اندراجات ہی ان کے مسلسل کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں مگر ایوان صدر کے ذاتی عملے کے بیانات سے اس معاملے میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنرل یحییٰ خان اور جنرل عبدالحمید خان اکثر یحییٰ خان کے ہارلے اسٹریٹ راولپنڈی والے مکان میں چھپ کر اپنی خواتین دوستوں سے ملنے جاتے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ مکان اسٹینڈرڈ بینک کے فراہم کردہ فنڈز سے تعمیر کیا گیا تھا پھر بینک نے ہی اسے کرایہ پر لے کر گیسٹ ہاؤس کے طور پر آراستہ کر لیا تھا۔ گذشتہ پیراگراف میں ہم نے جو جملے جنرل یحییٰ خان کی اہلیت کے بارے میں کہے تھے وہی جنرل عبدالحمید خان کی اہلیت کے بارے میں درست ہیں اگرچہ انہیں وہ حیثیت وہ مواقع اور وہ ذمہ داری حاصل نہیں تھی جو ان کے دوست اور ان کے افسر جنرل یحییٰ خان کو حاصل تھی۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) خداداد خان

جنرل یحییٰ خان کے زوال کے بعد حکومت نے مساۃ رانی کو گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھ گچھ کی گئی۔ اس نے کئی بیانات دیئے جن میں میجر جنرل (ریٹائرڈ) خداداد خان پر جو پاکستان آرمی کے ایڈ جوئنٹ جنرل کے طور پر آخر میں کام کر رہے تھے اپنے تعلقات کی وجہ سے یحییٰ خان سے حاصل کردہ فوائد کا ذکر کرنے کے علاوہ اس نے یہ بھی بتایا کہ اکثر مواقع پر اس نے جنرل خداداد خان کے ساتھ بھی اپنی دوستی کا فائدہ اٹھایا۔ اس نے مارشل لا کے کچھ مقدمات کا ذکر کیا جنہیں خداداد خان کی دخل اندازی پر دبا دیا گیا۔ اس نے ایسے کئی تجارتی سودوں کا ذکر بھی کیا جن میں خداداد خان نے نفع اٹھایا۔ اس نے خداداد خان سے سفارش بھی کرائی کہ اس وقت کے ایڈیشنل آئی جی پولیس سعید احمد خاں اس کے شوہر رضا کو ترقی دیدیں۔ اس موقع پر ان الزامات کی تفصیل بیان کرنا ضروری نہیں ہے اور اتنا کہنا کافی ہے کہ متذکرہ بالا زمین کے سودوں کے ساتھ خداداد خان کے معاملے پر مزید تفتیش ضروری ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل اے۔اے۔کے۔نیازی

کمیشن کے سامنے مشرقی کمانڈ کے کمانڈر اے اے کے نیازی کا ذاتی چال چلن بہ حیثیت مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے زیر تنقید آیا ان کے خلاف دوسویلین گواہان عبدالقیوم عارف (گواہ نمبر 6) اور ضلع سیالکوٹ کے جی او سی تھے اور بعد میں جب لاہور میں جی او سی اور کور کمانڈر رہتے تو انہوں نے اسمگلروں اور مجرموں کے خلاف مارشل لا کے مقدمات میں لاکھوں روپے کمائے انہوں نے یہ بھی بتایا کہ گلبرگ لاہور کی مسز سعید بخاری کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات تھے وہ سنور یناہوم، کے نام سے ایک قحبہ خانہ چلا رہی تھی جن میں جوان خواتین علیحدہ علیحدہ کمروں میں رہائش پذیر تھیں۔انہوں نے یہ بھی الزام لگایا کہ سعیدہ بخاری کھلے عام جنرل کی ٹاؤٹ کے طور پر کام کرتی تھیں جو رشوتیں وصول کرتی اور کام کرواتی تھی۔

ان دونوں گواہوں نے سیالکوٹ کی ایک عورت شمیم فردوس کا نام بھی لیا جو سیالکوٹ میں وہی کام کرتی تھی جو لاہور میں سعیدہ بخاری انجام دیتی تھی۔ان لوگوں نے یہاں تک الزام لگایا ہے کہ جب جنرل نیازی مشرقی پاکستان چلے گئے تب بھی سعیدہ بخاری ان سے ملنے وہاں جایا کرتی تھی اور پان کی ناجائز درآمد سے روپیہ کماتی تھی۔ان گواہوں نے ان مقدمات کی تفصیل بھی بتائی جن میں جنرل نیازی نے مال کمایا انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کی سرکردگی میں جو تحقیق کی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزامات بے بنیاد نہیں تھے۔

جہاں تک مشرقی پاکستان میں جنرل نیازی کے چال چلن کا سوال ہے سب سے پہلے ہم عبدالحفیظ کاردار (گواہ نمبر 25) کے بیان کے ایک حصے کا جائزہ لیتے ہیں وہ پاکستان پیپلز پارٹی کے اہم رہنما تھے اور پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے منتخبہ رکن تھے۔سیاست میں آنے سے پہلے وہ حکومت پاکستان کے مشیر برائے تعلیم رہے تھے اور اب وہ پنجاب حکومت کے وزیر خوراک ہیں مشرقی پاکستان کی صورتحال کے بارے میں جہاں کا انہوں نے اپریل مئی 1971ء میں دورہ کیا تھا وہ بیان دیتے ہیں۔

"دوسری بات جس کی میں نشاندہی کرنا چاہتا ہوں وہ جنرل نیازی اور دوسرے افسران کی شہرت کے بارے میں ہے۔سارے شہر میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ رات کو دیر تک رنگ

رلیوں میں مست رہتے ہیں وہ بھی ان ہی مقامات پر جاتے تھے جہاں ان کے جونیئر افسر جاتے تھے اور یہ تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ پاکستانی فوج جو ایک مسلم ممالک کی نمائندگی کرتی ہے ان چیزوں میں ملوث ہے ہمارے پڑوسی دشمن کی طرف سے کئے جانے والے پروپیگنڈے کو مزید تقویت ملی کہ مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس سے ہماری شکست میں بھی مدد ملی کیونکہ ہم نے اپنی حرکتوں سے نفسیاتی جنگ ہار دی تھی۔" اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کاردار نے بتایا کہ جنرل نیازی دھان منڈی کے علاقے میں کسی بنگلے میں جایا کرتے تھے یہ اطلاعات انہیں مشرقی پاکستان میں متعین جونیئر افسران سے ملی تھیں۔

ایک فوجی افسر میجر سجاد الحق (گواہ نمبر 164) جو مشرقی پاکستان میں سقوط ڈھاکہ کے دن تک 604 فیلڈ انٹیلی جنس یونٹ کے سیکنڈ ان کمانڈ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے تھے۔انہوں نے ہمیں بتایا کہ رمضان کے مہینے میں بھی ناچنے والی لڑکیوں کو جنرلوں اور کور کمانڈر کے لطف اندوز ہونے کیلئے ایک مکان میں بلایا جاتا تھا۔انہوں نے مزید بتایا کہ جنرل نیازی ناچنے والی لڑکیوں کے مکانوں پر اپنی گاڑی میں جاتے تھے جس پر تین ستارے لگے ہوتے تھے اور سرکاری جھنڈا بھی لگا ہوتا تھا اور وہ اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ جاتے تھے۔اس افسر نے ہمارے ان افسران اور فوجی جوانوں کے کردار کی نہایت بری تصویر کشی کی ہے جو مشرقی پاکستان میں مارشل لا کی ڈیوٹیز پر تعینات تھے۔

ایک اور گواہ ائرفورس کے اسکارڈرن لیڈر ی اے واحد (گواہ نمبر 57) جو مشرقی پاکستان میں یکم اپریل سے 16 دسمبر تک تعینات رہے نے بھی ایسی ہی افسوسناک تصویر کھینچی ہے۔ان کے مطابق جنرل نیازی کی سماجی زندگی سے تمام فوجی، افسر، جوان اور دوسرے رینک کے لوگ واقف تھے عام طور پر اس پر ہر جگہ بات ہوتی تھی، وہ اس حد تک چلے گئے تھے جب وہ اپنی رات کی ملاقاتوں کے لے جاتے تو ان کے پیچھے ملٹری پولیس اور کمانڈوز کی جیپیں بھی جاتیں لیفٹیننٹ کرنل حفیظ احمد (گواہ نمبر 147) جو مشرقی کمان میں آخری دن تک جی ایس او 1 کے طور پر کام کرتے رہے نے بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔انہوں نے بتایا کہ انٹیلی جنس کے لوگ بھی کہتے تھے کہ جنرل نیازی مغربی پاکستان کو پان برآمد کرنے کی تجارت کیا کرتے تھے۔

ہمیں یہ موقع نہیں مل سکا کہ ہم ان الزامات کے بارے میں جنرل اے کے نیازی سے پوچھ گچھ کر سکتے کیونکہ وہ جنگی قیدی کی حیثیت سے بھارت میں ہیں۔اس سلسلے میں تحقیق

کرنے کیلئے ہمیں ان کے واپس آنے کا انتظار کرنا ہوگا لیکن ان معاملات کا یہاں ذکر کرنا اس لئے مناسب ہے کہ جنرل نیازی کی ذاتی زندگی پر کمیشن کے سامنے تنقید کی گئی ہے اور یہ ممکن ہے کہ جنرل نیازی سے جو چال چلن منسوب کیا جاتا ہے اس سے آخر تک جنگ لڑنے کے ان کے عزم اور صلاحیت پر براہ راست اثر پڑتا ہو۔

میجر جنرل جہانزیب اور بریگیڈیئر ہدایت اللہ

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم چاہیں گے کہ ہم ان دو افسران میجر جنرل جہانزیب اور بریگیڈیئر ہدایت اللہ کے معاملات کا حوالہ دیں جن کا ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے افسر کے بارے میں الزام لگایا جاتا ہے کہ جب وہ ملتان میں مارشل لا ایڈمنسٹریشن میں خدمات انجام دے رہے تھے (شاید بریگیڈیئر کے طور پر) تو انہوں نے ایک سی ایس پی افسر سے جو ملتان میونسپل کمیٹی کا چیئرمین مقرر ہوا تھا ایک لاکھ روپے رشوت طلب کی ورنہ وہ اس کے خلاف مارشل لا میں کرپشن کا مقدمہ چلائیں گے کہا جاتا ہے کہ سی ایس پی افسر نے خودکشی کر لی اور ایک خط لکھ کر چھوڑا جس میں کہا گیا کہ اس نے صرف 15000 روپے کمائے تھے جب کہ مارشل لا افسر اس سے ایک لاکھ روپے طلب کر رہا ہے۔ یہ الزام بریگیڈیئر عباس بیگ (گواہ نمبر 9) نے لگایا۔ کمیشن کو اس کا علم نہیں ہے کہ کیا سابقہ حکومت نے اس الزام کی تحقیقات کی، اگر موجودہ حکومت چاہے تو اس کی تحقیقات کر سکتی ہے اگرچہ بریگیڈیئر (جو بعد میں میجر جنرل ہو گئے تھے) فوج سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔

جہاں تک بریگیڈیئر ہدایت اللہ کا سوال ہے ان کے بارے میں کمیشن کو ایک گمنام خط ملا تھا اس میں جو الزام لگایا گیا تھا اس کی بریگیڈ کے میجر، میجر منور خان (گواہ نمبر 42) نے بھی تصدیق کی ہے کہ جب جنگ مغربی پاکستان میں شدت اختیار کر چکی تھی تو 12,11 دسمبر کی درمیانی رات کو اس افسر نے اپنے بنکر میں چند خواتین کو بلا لیا۔ بریگیڈ میجر نے ہمیں بتایا کہ اس بات سے فوجی ناراض تھے اور وہ کہتے تھے کہ ان عورتوں کی وجہ سے ہمارے اوپر بھارتی گولے گر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ جنرل ہیڈ کوارٹر اس الزام کی تحقیقات کر رہا ہے مگر ہمیں اس انکوائری کا نتیجہ نہیں معلوم ہوا لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ واقعہ واحد ہوگا لیکن ہمارے لئے یہ ایک واقعہ ہی نہایت

شرمناک ہے۔

ہم نے اخلاقی پہلو کے بارے میں زیادہ وقت اور زیادہ جگہ اس لے لی ہے کہ جیسا کہ عوام کو بھی یقین ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ اخلاقی طور پر کرپٹ فوجی قیادت سے کبھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ قوم کی مسلح افواج کی کامیابی کی طرف رہنمائی کر سکیں گی۔ اس لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ مسلح افواج کو بدعنوان افراد اور بدعنوانی کے اثرات سے پاک کرنے کیلئے فوری اقدامات کئے جائیں۔ مندرجہ ذیل کارروائی بہت ضروری ہے۔

(1) حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے سینئر فوجی کمانڈروں پر مقدمہ چلایا جائے جنہوں نے اپنی سرکاری حیثیت کا بڑے پیمانے پر ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور جن کی اخلاقی پستی کا نتیجہ بزدلی، فیصلہ نہ کرنے اور پیشہ ورانہ نااہلی کی صورت میں نکلا! جو الزامات اس باب میں اور دوسری جگہ مذکور ہیں اور جن کا حکومت اور جنرل ہیڈ کوارٹر کو علم ہے ان کے بارے میں مکمل تحقیقات کی جائے اور ذمہ دار افراد پر ان پر نافذ ہونے والے سروس ایکٹ کے تحت مقدمہ چلایا جائے اور انہیں سزا دی جائے۔ اس کا متبادل حل یہ ہے کہ معمول کے قوانین کے تحت کارروائی کی جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلح افواج خود ایسے طریقے اختیار کرے جن کے تحت بدنام طرز عمل کے ذریعے اخلاقی اقدار کو گرنے نہ دیا جائے خاص طور پر اعلیٰ سطح پر، ہماری تجویز ہے کہ فوج کے میس کو، ڈرائی کرنے کے بارے میں غور کیا جائے اور بدنام جنسی طرز عمل اور دوسری بدعنوانیوں پر خاص توجہ دی جائے۔

(iii) کمانڈ اور اسٹاف کے ذمہ دار عہدوں پر تقرر کرتے وقت اور اعلیٰ رینکس پر ترقی دیتے وقت پیشہ ورانہ خوبیوں کے ساتھ اخلاقی اقدار کو اہمیت دی جائے۔ زیادہ چھوٹ دینے کے عمل نے ہمیں پہلے ہی برباد اور تباہ کر دیا ہے۔ بعض جنرل کبھی بھی ترقی نہیں پا سکتے تھے اگر مناسب وقت پر ان کی جانی پہچانی اخلاقی کمزوریوں کو مدنظر رکھا جاتا۔

(iv) پاکستان ملٹری اکیڈمی اور دوسری سروس اکیڈیمیز کے نصاب میں ایسے مضامین شامل کئے جائیں جن سے نوجوان کیڈٹ آفیسرز کے ذہنوں میں جمہوری اداروں اور ملک کے آئین کے لئے احترام پیدا ہو جن کا مسلح افواج کو وفادار رہنا چاہئے۔

(v) اس بات کو بھی یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ ملک کی مسلح افواج کو سیاست اور سول ایڈمنسٹریشن سے علیحدہ رکھا جائے تا کہ وہ ان کے خطرات اور لالچوں میں ملوث نہ ہو سکیں اور

خلوص دل کے ساتھ غیر ملکی حملوں کے خلاف اپنے وطن کے دفاع کا بنیادی فرض ادا کرنے کیلئے آزادی کے ساتھ خود کو وقف کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ ملک میں سیاسی بلوغت اور جمہوری اداروں کی ترقی ہے اس کی ذمہ داری سیاسی قیادت پر عائد ہوتی ہے۔

✿✿✿

ایوان صدر میں ملاقات کرنے والی خواتین کی فہرست

ضمیمہ ''الف''

از طرف:۔

فون نمبر: 71221

No.1-10/12/Gen/iii/Civil
Suit/Military Estate
Office,Lahore
Circle,Lahore Cannt.
Dated: 25-2-1972

مسٹر باقر علی،
ڈی ایس پی (آن اسپیشل ڈیوٹی)
انکوائری کمیشن، راولپنڈی

موضوع: زمینوں کی لیز بمقام رکھ بیکنتھ ضلع: لاہور برائے زرعی مقاصد، بنام کیپٹن ایف ڈی خان (ریٹائرڈ)

حوالہ: آپ کا خط مورخہ 24-2-1972

2۔ آپ کے زیر حوالہ خط میں طلب کی گئی معلومات حسب ذیل ہیں۔

1۔ پلاٹ نمبرز 2,2A,4+6 رکھ بیکنتھ کی زمین پر واقع ہیں، جن کا مجموعی رقبہ ایک ہزار چھ سو تیس اعشاریہ 151 ایکڑ ہے۔

2۔ لیز کے حامل شخص کا نام: کیپٹن ایف ڈی خان (ریٹائرڈ)

3۔ لیز کی مدت 30-4-1977 To 6-2-1967

4۔ سالانہ کرایہ: ایک لاکھ سینتالیس ہزار نو سو روپے

5۔ حصول کی تاریخ: 16 اکتوبر 1969ء کو حاصل کر کے آرمی اسٹڈ فارم ویلفیئر کے سپرد کی گئی۔

6۔ معاوضے کی ادائیگی: ملٹری اسٹیٹ آفیسر، لاہور سرکل کی سفارشات کے مطابق ان زمینوں

کی فصل، ٹیوب ویل اور پمپ ہاؤسز کا معاوضہ، کل چار لاکھ تینتیس ہزار چھ سو چالیس روپے بنتا ہے۔

7۔ جی ایچ کیو راولپنڈی کے اے جی برانچ نے براہ راست معاوضہ کیپٹن ایف ڈی خان (ریٹائرڈ) کے توسط سے ''فیض فارم'' کے پروپرائیٹر کے نام جاری کیا، جس کی کل رقم سات کروڑ ایک لاکھ چھپن ہزار پانچ سو روپے بنتی ہے۔

دستخط
نسیم اختر نائیک
ملٹری اسٹیٹ آفیسر
لاہور سرکل

ضمیمہ ''ب''

ایوان صدر میں

ایوان صدر، راولپنڈی صدر پاکستان سے ملاقات کرنے والوں کی فہرست

نمبر شمار	نام	تاریخ	وقت (آمد)	ریمارکس
1	بیگم بریگیڈیئر شریف	2-5-1969	6:40 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
2	بیگم بریگیڈیئر شریف مع ایک خاتون	4-5-1959	8:55 pm.	ایضاً
3	بیگم کمال	7-5-1969	6:10 p.m.	اطلاع: نیک محمد حوالدار
4	بیگم کمال	8-5-1969	8:05 p.m.	ایضاً
5	بیگم جنرل حیم، بیگم کمشنر، بیگم پیرزادہ، بیگم معین الدین، بیگم کرنل رضا، بیگم زار	9-5-1969	10:30 a.m.	ایضاً
6	بیگم کمال	9-5-1969	6:20 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
7	بیگم کمال	9-5-1969	7:15 p.m.	ایضاً
8	جنرل حمید مع ایک خاتون	9-5-1969	7:45 p.m.	ایضاً

9	بیگم حمید	10-5-1969	7:30 p.m.	ایضاً
10	صدر پاکستان کی بغیر کسی پروگرام کے ایوان صدر سے روانگی	11-5-1969	7:45p.m روانگی 1:15a.m آمد	....
11	بیگم جنرل شاہد احمد	12-5-1969	7:55 p.m. روانگی 11:10 p.m	اطلاع: اے ڈی سی
12	بیگم جنرل حمید	17-5-1969	6:00 p.m.	اطلاع: نائیک محمد حسین
13	بیگم کمال	21-5-1969 22-5-1969	10:15a.m آمد 1:30p.m روانگی	محمد عزیز چپڑاسی
14	بیگم اکرام اللہ خان	24-5-1969	1:00 a.m.	اطلاع: ماجد احمد
15	بیگم ایڈمرل حسن اور بیگم یوسف	3-6-1969	7:00 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
16	بیگم ایڈمرل حسن ہمراہ بیگم یوسف	4-6-1969	9:45 a.m.	ایضاً
17	مسماۃ قطب	6-6-1969	11:00 a.m.	اطلاع: کرنل رشید
18	مسز انعام الحق اور بیگم جنرل حمید اور بیگم	9-6-1969	8:15 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
19	صدر پاکستان کی بغیر کسی پروگرام کے جنرل حمید کے ساتھ روانگی	10-6-1969	1:30p.m روانگی 8:30a.m آمد	
20	بیگم جنرل ریاض، بیگم جنرل پیرزادہ، بیگم جنرل میاں، بیگم ڈاکٹر امتیاز، بیگم انعام الرحمٰن	12-6-1969	10:30 a.m.	اطلاع: اسسٹنٹ سیکرٹری غفور

21	بیگم انعام الرحمٰن	12-6-1969	7:50 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
22	بیگم انعام الرحمٰن	13-6-1969	8:25 a.m.	ایضاً
23	سرکاری گاڑی میں چند مہمان خواتین کی آمد	14-6-1969	10:00 p.m	اطلاع: نیک محمد حوالدار
24	میجر جنرل رفیع مع بیگم	14-6-1969	10:00 p.m	اطلاع: اے ڈی سی
25	بیگم نون	15-6-1969	12:30 p.m	اطلاع: پی اے
26	بیگم انعام الرحمٰن	15-6-1969	7:30 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
27	بیگم انعام الرحمٰن	16-6-1969	3:10 p.m.	اطلاع: محمد اعظم حوالدار
28	کمانڈر انچیف ہاؤس کی گاڑی میں مہمان خواتین کی آمد	21-6-1969	8:30 p.m.	اطلاع: نیک محمد حوالدار
29	نثار بیگم (ملٹری سیکرٹری کے ہمراہ)	24-6-1969	12:30 p.m	
30	صدر یک بغیر کسی پروگرام کے روانگی اور آمد	30-6-1969	روانگی 8:25p.m آمد 1:00p.m	
31	بیگم جنرل عبدالحمید	30-6-1969	7:00 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
32	بیگم ڈھاکہ شمیم	1-7-1969	6:30 p.m.	اطلاع: اعظم حوالدار
33	بیگم شمیم	2-7-1969	8:30 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
34	بیگم کمال	3-7-1969	9:20 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
35	بیگم کمال ایوان صدر کے رہائشی حصے میں مسلسل مقیم رہیں جن سے بعد میں بیگم شمیم ملنے کے لئے آئیں	12-7-1969		

36	بیگم کمال (دوسری مرتبہ)	17-7-1969	5:55 p.m.	اطلاع: محمد حسین حوالدار
37	بیگم جنرل شاہد احمد	24-7-1969	8:45 p.m.	....
38	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	12-8-1969	روانگی 8:20p.m آمد 1:15a.m.	....
39	ڈاکٹر جونیئر اقبال (تین لڑکیوں کے ہمراہ)	18-8-1969	7:15 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
40	بیگم جنرل یعقوب بیگم جنرل پیرزادہ، بیگم جنرل میاں، بیگم شیر علی، بیگم ڈی آئی جی عارف	20-8-1969	10:30 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
41	بیگم وصی الدین	21-8-1969	8:10 p.m.	ایضاً
42	بیگم کرنل انیس الرحمٰن	22-8-1969	10:30 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
43	صدر کی روانگی بغیر پروگرام	23-8-1969	روانگی 8:20p.m آمد 2:20a.m.	
44	صدر کی روانگی بغیر پروگرام	26-8-1969	روانگی 8:25p.m آمد 1.55a.m	
45	بیگم جنرل حمید	5-9-1969	10:00 p.m	اطلاع: اے ڈی سی
46	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	6-9-1969	روانگی 9:16p.m آمد 3:20a.m	
47	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	7-9-1969	روانگی 8:40p.m آمد 2:50a.m	
48	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	10-9-1969	روانگی 8:20p.m آمد 3:00a.m	
49	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	16-9-1969	روانگی 8:30p.m آمد 2:20a.m	

50	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	5-10-1969	روانگی 8:32p.m آمد 3:20a.m	
51	بیگم اختر سلیمان ہمراہ بیگم عابدہ	5-10-1969	4:00 p.m.	اطلاع: احمد علی
52	آنسہ راشدہ ہمراہ منور سلطانہ، عاطفہ، نسیم، نفیسہ، کوثر، وحیدہ، عندلیب، شہناز، عظیمہ، نجمہ، ملک، شبنم، شگفتہ وغیرہ	6-10-1969	11:00 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
53	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	11-10-1969	روانگی 7:40p.m آمد 2:15a.m	....
54	لیفٹیننٹ کرنل ارشد مع بیگم	16-10-1969	آمد 7:35p.m روانگی 11:15p.m	ایضاً
55	مسز بلگرامی مع اہل خانہ	20-10-1969	7:35 p.m.	
56	مسز بلگرامی ہمراہ بیگم اور جنرل حمید	23-10-1969	10:45p.m.	ایضاً
57	ایک بیگم ایک لڑکی کے ہمراہ	24-10-1969		
58	پانچ خواتین بچوں کے ہمراہ	24-10-1969		اطلاع: لال (بیرا)
59	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	24-10-1969	روانگی 7:55p.m آمد 12:50a.m	....
60	بیگم شمیم	14-2-1970	7:30 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
61	بیگم حسین بچوں کے ہمراہ	16-2-1970	6:25 p.m.	ایضاً
62	بیگم شاہد احمد ہمراہ ہمشیرہ، مسز شمیم، بیگم ہارون مریدحسن	17-2-1970	11:30 p.m	ایضاً
63	بیگم جنرل لطیف	19-2-1970	11:00 p.m	ایضاً

64	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	28-2-1970	روانگی 7:55p.m آمد 12:00a.m	
65	بیگم شمیم	1-3-1970	7:25 p.m.	ایضاً
66	بیگم شمیم	2-3-1970	10:05p.m	ایضاً
67	بیگم شمیم	5-3-1970	10:40 p.m	ایضاً
68	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	5-3-1970	روانگی 8:15p.m آمد 10:15p.m	ایضاً
69	بیگم شاہد احمد	11-3-1970	4:30 p.m.	ایضاً
70	بیگم شمیم بچوں کے ہمراہ	23-3-1970	2:30 p.m.	ایضاً
71	بیگم شمیم	24-3-1970	6:10 p.m.	ایضاً
72	جنرل زاہد مع بیگم	24-3-1970	8:25 p.m.	ایضاً
73	بیگم کرنل راشد (مرحوم)	27-3-1970	6:50 p.m.	ایضاً
74	بیگم شمیم	28-3-1970	6:55 p.m.	ایضاً
75	جنرل شاہد احمد مع بیگم	29-3-1970	آمد 6:58p.m روانگی 7:00p.m	ایضاً
76	صدر کی روانگی بغیر پروگرام	11-4-1970	روانگی 8:05p.m آمد 3:05a.m	....
77	بریگیڈیئر خورشید ربانی ہمراہ بیگم	13-4-1970	12:15 a.m	ایضاً
78	بیگم کے این حسن	14-4-1970	7:20 p.m	ایضاً
79	بیگم جی اے خان اور بیگم کلثوم سیف اللہ	16-4-1970	10:30a.m.	
80	بیگم گل نواز	18-4-1970	10:30a.m.	اطلاع: میجر ایم خان
81	بیگم احمد مسعود	25-4-1970	11:50 a.m.	اطلاع: علی یحییٰ

82	بیگم انعام الرحمٰن	21-5-1970	7:05 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
83	بیگم یوسف ہمراہ حمید	22-5-1970	5:30 p.m.	اطلاع: علی
84	پروین اسلم اور فرحت صادق	22-5-1970	7:46 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
85	بیگم مصطفیٰ	23-5-1970	5:00 p.m.	ایضاً
86	کمانڈر انچیف ہاؤس کی کار میں آنے والی چند بیگمات	23-5-1970	10:00 p.m.	اطلاع: نیک محمد حوالدار
87	بیگم لالن خان	24-5-1970	7:00 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
88	بیگم حسین ہمراہ جنرل حمید	26-5-1970	8:50 p.m.	اطلاع: نیک محمد حوالدار
89	بیگم کرنل سعید	29-5-1970	2:10 p.m.	اطلاع: لال خان
90	بیگم [illegible]	29-5-1970	8:30 p.m.	اطلاع: فضل کریم چپراسی
91	بیگم کے این حسین	1-6-1970	7:46 p.m.	اطلاع: ایڈی سی
92	بیگم جنرل شاہد احمد ایک اور بیگم کے ہمراہ	5-6-1970	7:40 p.m.	ایضاً
93	بیگم کے این حسین	3-8-1970	6:10 p.m.	اطلاع: صوبیدار نیک محمد

94	بیگم گل نواز ہمراہ دختر بیگم جنرل حمید، بیگم جنرل لطیف اور ہمشیرہ، بیگم انور، بیگم مرزا عباس (ڈی آئی جی) ہمراہ دختر، بیگم جنرل ڈاکٹر ایوب، بیگم بریگیڈیئر شوکت، بیگم نواب زادہ شیر علی خان، بیگم جنرل عابد ہمراہ ہمشیرہ، بیگم جنرل پیرزادہ، بیگم جنرل میاں، بیگم کرنل لودھی، بیگم جنرل خداداد خان، بیگم صوبیدار، میجر محمد خان	10-8-1970	9:00 p.m. (فلم شو دیکھنے کے لئے)	اطلاع: اے ڈی سی
95	میجر مراد ہمراہ بیگم بخاری (مہمان خانے میں قیام)	23-8-1970	8:50 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
96	انوار بیگم	26-8-1970	8:30 p.m.	ایضاً
		27-8-1970	8:40 p.m.	
		28-8-1970	12:05 (شب)	
		29-8-1970	8:45 p.m.	
97	بیگم انعام الرحمٰن	3-9-1970	9:50 a.m.	اطلاع: نیک محمد نائب صوبے دار
98	بیگم بریگیڈیئر شریف	4-9-1970	8:30 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
99	بیگم بریگیڈیئر شریف ہمراہ بیگم اور جنرل حمید بیگم اور مسٹر انعام الرحمٰن	5-9-1970	10:35 a.m	ایضاً
100	بیگم اور جنرل رضا	6-9-1970	11:30 a.m.	ایضاً
101	بیگم جنرل لطیف	7-9-1970	7:30 a.m.	ایضاً

No.	Name	Date	Time	Remarks
102	بیگم جنرل لطیف	7-9-1970	8:45 p.m.	اطلاع: محمد اعظم
103	بیگم جنرل شاہد احمد	14-9-1970	8:00 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
104	مسز ڈاکٹر نسیم دو بیگمات کے ہمراہ	8-10-1970	10:15 a.m.	اطلاع: اسحاق
105	بیگم شیم کے این حسین	9-10-1970	9:10 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
106	بیگم شیم کے این حسین	15-10-1970	8:10 p.m.	ایضاً
107	بیگم انورا	29-10-1970	12:15 p.m	اطلاع: نیک محمد نائب صوبے دار
108	بیگم اور مسز انعام الرحمٰن	5-11-1970	6:50 p.m.	ایضاً
109	بیگم شیم کے این حسین	23-11-1970	8:30 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
110	کرنل ارشد اور بیگم	7-12-1970	7:15 p.m.	ایضاً
111	مسز شیرازی اور بیگم	11-12-1970	11:05 a.m.	ایضاً
112	مسز عیسیٰ اور بیگم	13-12-1970	7:35 p.m.	....
113	بیگم اور جنرل شاہد احمد	13-12-1970	6:30 p.m.	....
114	بیگم شیم کے این حسین	13-12-1970	7:46 p.m.	....
115	بیگم شیم کے این حسین	17-12-1970	5:00 p.m.	ایضاً
116	اسکواڈرن لیڈر مجتبیٰ ہمراہ بیگم	18-12-1970	7:00 p.m.	ایضاً
117	بیگم شیم کے این حسین	18-12-1970	7:50 p.m.	ایضاً
118	بیگم غیاث الدین ہمراہ ڈیفنس سیکرٹری	20-12-1970	12:30 p.m	......

No.	Name	Date	Time	Remarks
119	بیگم شیم کے این حسین، فریدہ خانم، بیگم جنرل حمید، بیگم شاہد احمد، بیگم غیاث الدین، سی ایس پی ہمراہ بیگم، مسز گل نواز مع اہل خانہ، انور عیسیٰ مع بیگم اور جنرل گل حسن (پارٹی میں شریک ہوئے)	31-12-1970	8:00 p.m.	ایضاً
120	بیگم اور محمد داؤد کرنل شاہین مع بیگم	22-1-1970	5:25 p.m.	ایضاً
121	بیگم جونا گڑھ	22-1-1970	7:32 p.m.	ایضاً
122	بیگم شیم کے این حسین، بیگم لودھی	4-2-1971	1:55 p.m.	ایضاً
123	بیگم کے این حسین ہمراہ جنرل حمید	6-2-1971	8:35 p.m.	ایضاً
124	نواب اور بیگم جونا گڑھ	7-1-1971	12:15 p.m	اطلاع: حوالدار اعظم
125	بیگم اور جنرل حمید، بیگم شاہ جہاں، بیگم اور نواب جونا گڑھ بیگم اور جنرل حبیب اللہ بیگم شیم کے این حسین، مسز غیاث الدین، سی ایس ایس پی ہمراہ بیگم	7-2-1971	3:40 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
126	بیگم اور نواب جونا گڑھ	8-2-1971	12:10 p.m	ایضاً
127	صدر کے این حسین کے بنگلے پر	8-2-1971	1:00 p.m.	ایضاً

128	بیگم اور نواب جونا گڑھ، بیگم اور جنرل حمید	9-2-1971	8:00 p.m.	ایضاً
129	بیگم جونا گڑھ	12-2-1971	8:00 p.m.	ایضاً
130	بیگم شمیم کے این حسین، بیگم اور نواب جونا گڑھ، بیگم اور ایڈمرل اے آر خان، بیگم اور جنرل حمید	13-2-1971	6:40 p.m.	ایضاً
131	بیگم اور مسٹر اے آر خان، بیگم اور نواب جونا گڑھ	15-2-1971	8:00 p.m.	ایضاً
132	بیگم جونا گڑھ	16-2-1971	8:20 p.m.	ایضاً
133	بیگم شمیم کے این حسین	19-2-1971	7:00 p.m.	ایضاً
134	بیگم جونا گڑھ	20-2-1971	11:00 a.m	ایضاً
135	بیگم شمیم کے این حسین بیگم اور نواب جونا گڑھ	21-2-1971	4:50 p.m.	ایضاً
136	مسٹر کے این حسین اور بیگم	21-2-1971	8:30 p.m.	ایضاً
137	انور ا بیگم اور منصور بیگم	24-2-1971	8:30 p.m.	اطلاع: نیک محمد نائب صوبیدار
138	بیگم کے این حسین	7-3-1971	7:50 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
139	صدر کی بیگم شمیم کے این حسین کے ہمراہ ڈنر کے لیے روانگی	11-3-1971	9:00 p.m.	ایضاً
140	بیگم جونا گڑھ	30-3-1971	7:15 p.m.	ایضاً
141	بیگم شمیم کے این حسین	31-3-1971	8:15 p.m.	ایضاً
142	بیگم جونا گڑھ	1-4-1971	8:45 p.m.	ایضاً
143	بیگم جونا گڑھ	2-4-1971	7:10 p.m.	ایضاً
144	بیگم کمال	5-4-1971	7:05 p.m.	اطلاع: میجر محبوب

145	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	6-4-1971	روانگی 7:52p.m آمد 12:35a.m	
146	بیگم شمیم کے این حسین	9-4-1971	11:50 a.m	ایضاً
147	بیگم شمیم کے این حسین کی رہائش گاہ پر صدر کی ڈنر کے لئے روانگی	10-4-1971	7:00 p.m.	
148	بیگم انور عیسیٰ ہمراہ دو خواتین	16-4-1971	7:00 p.m.	ایضاً
149	بیگم کے این حسین	18-4-1971	12:00 a.m	ایضاً
150	بیگم انور عیسیٰ دیگر خواتین اور جنرل حمید	18-4-1971	11:00 a.m	....
151	بیگم انور عیسیٰ بیگم جنرل حمید	19-4-1971	7:20 p.m.	ایضاً
152	بیگم انور عیسیٰ اور ایک خاتون	22-4-1971	7:30 p.m.	ایضاً
153	بریگیڈیئر گل نواز اور بیگم	22-4-1971	8:20 p.m.	
154	بیگم انور عیسیٰ ہمراہ بیگم شمیم کے این حسین	23-4-1971	7:35 p.m.	
155	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	24-4-1971	روانگی 8:15p.m آمد 2:25a.m	
156	بیگم اختر سلیمان اور مسٹر زمان	25-4-1971	9:00 a.m.	
157	بیگم شمیم کے این حسین، بیگم انور عیسیٰ	26-4-1971	7:35 p.m.	اے ڈی سی
158	بیگم اور مسٹر منصور علی	28-4-1971	7:50 p.m.	ایضاً
159	بیگم اور بریگیڈیئر گل نواز	28-4-1971	9:20 p.m.	ایضاً
160	صدر کی انور عیسیٰ کے بنگلے پر ڈنر کے لئے روانگی	29-4-1971	روانگی 7:00p.m آمد 11:35p.m	
161	بیگم راشدہ	30-4-1971	8:25 p.m.	ایضاً

162	بیگم انورا اور بیگم میر	1-5-1971	7:10 p.m.	ایضاً
163	بیگم انور عیسیٰ	1-5-1971	7:00 p.m.	ایضاً
164	بیگم انوری، بیگم اور مسز خلجی	1-5-1971	7:05 p.m.	ایضاً
165	بیگم جنرل لطیف اور بیگم گل نواز	2-5-1971	8: p.m.	ایضاً
166	بیگم لالن خان	3-5-1971	7:35 p.m.	ایضاً
167	بیگم شمیم کے این حسین	4-5-1971	8:03 p.m.	ایضاً
168	بیگم جنرل لطیف	4-5-1971	8:00 p.m.	ایضاً
169	کے این حسین کے بنگلے پر ڈنر کے لئے صدر کی روانگی	5-5-1971	روانگی 7:05p.m آمد 1:00a.m	ایضاً
170	کے این حسین کے بنگلے پر ڈنر کے لئے صدر کی روانگی	8-5-1971	6:35p.m. 12:06 a.m	ایضاً
171	بیگم شمیم کے این حسین اور بچے	8-5-1971	8:40 p.m.	ایضاً
172	بیگم انور عیسیٰ ہمراہ بیگم اور مسز سیف الرحمٰن	10-5-1971	7:21 p.m.	ایضاً
173	بیگم شمیم کے این حسین	11-5-1971	6:47 p.m.	ایضاً
174	صدر کی بغیر پروگرام کے خواتین کے ہمراہ روانگی	24-5-1971	7:45 p.m.	ایضاً
175	گیسٹ ہاؤس سے صدر کی روانگی	29-5-1971	1:20 p.m.	ایضاً
176	بیگم شمیم کے این حسین	29-5-1971	11:45 a.m.	ایضاً
177	بیگم شمیم کے این حسین	30-5-1971	8:39 p.m.	ایضاً

178	بیگم اور جنرل حمید، بیگم اور غیاث الدین، بیگم اور مسٹر علوی، بیگم اور مسٹر سلطان، بیگم اور جنرل پیرزادہ، بیگم اور جنرل شاہد، بیگم اور کرنل حسین الدین، بیگم اور کرنل لودھی، بریگیڈیئر جمیل اختر، مسٹر ڈی کے پنہور سیکرٹری مع بیگم، بیگم اور مسٹر ہارون رشید، بیگم اور مسٹر عنایت اللہ، بیگم شمیم کے این حسین	30-6-1971	11:05 a.m.	ایضاً ایوان صدر میں لنچ کے موقع پر
179	بیگم شمیم کے این حسین	31-5-1971	11:05 a.m	ایضاً
180	بیگم کے این حسین اور بیگم ڈی کے پنہور	1-6-1971	8:30 p.m.	ایضاً
181	انورا بیگم مع شوہر	1-6-1971	8:15 p.m.	ایضاً
182	مسز انورا بیگم اور مسز نازلی	2-6-1971	8:45 p.m.	ایضاً
183	بیگم انور خان	3-6-1971	7:25 p.m.	ایضاً
184	بیگم شمیم کے این حسین	14-6-1971	12:15 p.m	ایضاً
185	بیگم کمال اور بیگم جلیل	23-6-1971	2:25 p.m.	ایضاً
186	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	23-6-1971	روانگی 8:25p.m آمد 1:00a.m	اطلاع: اے ڈی سی
187	بیگم شمیم کے این حسین	26-6-1971	1:25 p.m.	ایضاً
188	بیگم شمیم کے این حسین	26-6-1971	8:50 p.m.	ایضاً

189	بیگم شمیم کے این حسین کے بنگلے پر صدر کی روانگی کا پروگرام (کسی خاص راستے کا تعین نہ کیا جائے جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا)	28-6-1971	7:15 p.m.	ایضاً
190	بیگم زری سرفراز اور مسز زیڈ حق	3-7-1971	11:00 a.m.	اطلاع: پی اے
191	انورا بیگم	6-7-1971	10:25 a.m.	اطلاع: میجر محبوب
192	بیگم شمیم کے این حسین	13-7-1971	8:43 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
193	بیگم انعام الرحمٰن	14-7-1971	7:40 p.m.	ایضاً
194	مس درانی	14-7-1971	11:15a.m.	ایضاً
195	مس درانی	15-7-1971	10:40 a.m.	ایضاً
196	بیگم انعام الرحمٰن	15-7-1971	8:30 p.m.	ایضاً
197	بیگم اور مسٹر انعام الرحمٰن	16-7-1971	8:25 p.m.	ایضاً
198	بیگم شمیم کے این حسین	22-7-1971	9:00 p.m.	ایضاً
199	بیگم انعام الرحمٰن	24-7-1971	8:30 p.m.	ایضاً
200	انورا بیگم	25-7-1971	8:10 p.m.	اطلاع: نیک محمد نائب صوبے دار
201	بیگم جمیل اختر اور دیگر خواتین	6-8-1971	7:40 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
202	بیگم یو۔اے۔سید	9-8-1971	7:46 p.m.	ایضاً
203	بیگم ناصرہ کیانی	10-8-1971	10:00 a.m	ایضاً
204	بیگم شمیم کے این حسین	12-8-1971	8:40 p.m.	ایضاً
205	بیگم یو۔اے۔سید	12-8-1971	8:18 p.m.	ایضاً
206	بیگم شمیم کے این حسین	14-8-1971	12:38 p.m.	ایضاً
207	بیگم شمیم کے این حسین	14-8-1971	7:00 p.m.	ایضاً

208	بیگم شمیم کے این حسین	15-8-1971	11:20 a.m.	ایضاً
209	بیگم شمیم کے این حسین	21-8-1971	12:50 p.m	ایضاً
210	بیگم اور نواب جونا گڑھ	24-8-1971	8:56a.m.	ایضاً
211	بیگم شمیم کے این حسین	24-8-1971	10:00 p.m	ایضاً
212	بیگم شمیم کے این حسین	25-8-1971	8:00 p.m.	ایضاً
213	بیگم اور نواب جونا گڑھ	25-8-1971	8:15 p.m.	ایضاً
214	بیگم اور نواب جونا گڑھ	26-8-1971	9:45 p.m.	ایضاً
215	بیگم شمیم کے این حسین	30-8-1971	8:45 p.m.	ایضاً
216	بیگم اور نواب جونا گڑھ	31-8-1971	8:00 p.m.	ایضاً
217	بیگم اور نواب جونا گڑھ	1-9-1971	8:15 p.m.	ایضاً
218	بیگم اور مسٹر انعام الرحمٰن	1-9-1971	8:15 p.m.	ایضاً
219	بیگم شمیم کے این حسین اور بیگم اور نواب جونا گڑھ	3-9-1971	8:15 p.m.	ایضاً
220	بیگم جونا گڑھ	5-9-1971	12:45 p.m	ایضاً
221	بیگم جونا گڑھ	5-9-1971	7:28 p.m.	ایضاً
222	بیگم جونا گڑھ	6-9-1971	12:55 p.m	ایضاً
223	بیگم اور جنرل شاہد احمد	6-9-1971	9:25 p.m.	ایضاً
224	بیگم اور مسز عنایت اللہ	6-9-1971	9:55 p.m.	ایضاً
225	بیگم اور نواب جونا گڑھ	7-9-1971	8:30p.m.	ایضاً
226	بیگم جنرل شاہد احمد	9-9-1971	7:00 p.m.	ایضاً
227	بیگم شمیم کے این حسین	10-9-1971	8:40 p.m.	ایضاً
228	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام)	2-101971	روانگی 7:58p.m آمد 8:05p.m	....
229	صدر کی روانگی (بغیر پروگرام	5-10-1971	روانگی 7:55p.m آمد 12:55	....

230	ایک خاتون	6-10-1971	6:45 p.m.	اطلاع: نیک محمد
231	صدر کی روانگی بغیر پروگرام	27-10-1971	روانگی 8:05p.m آمد 2:23	....
232	بیگم شیمم کے این حسین اور جنرل حمید	28-10-1971	6:35 p.m.	اطلاع اے ڈی سی
233	بیگم شیمم کے این حسین	29-10-1971	7:45 p.m.	ایضاً
234	بیگم شیمم کے این حسین	30-10-1971	3:15 p.m.	ایضاً
235	بیگم جنرل حمید، بیگم ملک خضر حیات ٹوانہ اور بیگم کے این حسین	31-10-1971	8:15 p.m.	ایضاً
236	صدر کی بیگم شیمم کے این حسین کے ہمراہ روانگی	1-11-1971	12:40 p.m.	ایضاً
237	بیگم شیمم کے این حسین اور جنرل حمید	1-11-1971	8:00 p.m.	ایضاً
238	ملکہ ترنم نور جہاں	2-11-1971	7:45 p.m.	ایضاً
239	بیم شیمم کے این حسین	2-11-1971	8:35 p.m.	ایضاً
240	صدر کی روانگی بغیر پروگرام	3-11-1971	روانگی 1:00a.m آمد 3:35p.m	ایضاً
241	بیگم شیمم کے این حسین	3-11-1971	8:25 p.m.	ایضاً
242	بیگم شیمم کے این حسین	7-11-1971	7:30 p.m.	ایضاً
243	صدر کی بغیر پروگرام بیگم شیمم کے ہمراہ روانگی	7-11-1971	11:30 p.m.	ایضاً
244	بیگم اور جنرل شاہد احمد	10-11-1971	8:10 p.m.	ایضاً
245	صدر کی روانگی بغیر پروگرام	12-11-1971	7:20 p.m.	ایضاً

246	انور عیسیٰ اور بیگم ایک خاتون کے ہمراہ	18-11-1971	5:05 p.m.	ایضاً
247	انور عیسیٰ ہمراہ بیگم روئیداد انفارمیشن سیکرٹری، جنرل حمید اور بیگم شیمم کے این حسین	18-11-1971	8:00 p.m.	ایضاً
248	بیگم انور عیسیٰ اور بیگم خضر حیات ٹوانہ	20-11-1971	12:00(Noon)	ایضاً
249				
250	بیگم شیمم کے این حسین، بیگم ڈیفنس سیکرٹری	20-11-1971	12:00(Noon)	اطلاع اے ڈی سی
251	بیگم ملک خضر حیات ایک خاتون اور ایک مرد کے ہمراہ	20-11-1971	8:15 p.m.	ایضاً
252	بیگم خضر حیات ٹوانہ، جنرل حمید اور بیگم اور بیگم کے این حسین کے ہمراہ	21-11-1971	4:08 p.m.	ایضاً
253	بیگم علی زئی، علی زئی کے ہمراہ	25-11-1971	11:30 p.m.	ایضاً
254	صدر کی بغیر کسی پروگرام کے روانگی	28-11-1971	روانگی 7:30p.m آمد 12:30a.m	ایضاً
255	بیگم جنرل لطیف	30-11-1971	8:20 p.m.	نیک محمد
256	مسٹر اور بیگم انور عیسیٰ	1-12-1971	8:40 p.m.	ایضاً
257	بیگم شیمم کے این حسین	3-12-1971	8:10 p.m.	اطلاع اے ڈی سی
258	جنرل حمید صدر کے ہمراہ بغیر پروگرام کے گئے	3-12-1971	روانگی 4:20p.m آمد 6:10p.m	اطلاع: اے ڈی سی

259	بیگم انور عیسیٰ و مسز عیسیٰ اور ایک خاتون کے ہمراہ	4-12-1971	8:05 p.m.	ایضاً
260	بریگیڈیئر گل نواز مع بیگم	4-12-1971	9:00 p.m.	ایضاً
261	بریگیڈیئر گل نواز اور بیگم انور عیسیٰ اور بیگم	5-12-1971	8:20 p.m.	ایضاً
262	بیگم شمیم کے این حسین	6-12-1971	5:00 p.m.	ایضاً
263	بیگم شمیم کے این حسین	8-12-1971	8:17 p.m.	ایضاً
264	بغیر کسی پروگرام کے صدر روانہ ہوئے	14-12-1971	2:10p.m روانگی 6:25p.m آمد	ایضاً
265	بیگم شمیم کے این حسین	16-12-1971	8:00 p.m.	ایضاً
266	بیگم شمیم کے این حسین، جنرل حمید، ایئر مارشل رحیم کے ہمراہ	18-12-1971	7:45 p.m.	ایضاً

ضمیمہ ''ج''

''ایوان صدر کراچی'' (ایوان صدر، کراچی میں صدر پاکستان سے ملاقات کرنے والوں کی فہرست)

نمبر شمار	نام	تاریخ	وقت آمد	ریمارکس
1	مسز حمید	19-9-1969	10:45 a.m.	اطلاع: نیک محمد
2	مسز شیرازی	209-1969-	12:40 p.m.	ایضاً
3	مسز بلگرامی دو خواتین کے ساتھ	27-9-1969	5:00 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
4	مسز حمید اور بیگم	27-9-1969	6:00 p.m.	اطلاع: نیک محمد حوالدار
5	بیگم شیرازی	27-9-1969	5:05 p.m.	ایضاً

6	تین افراد اور ایک خاتون	26-10-1969	8:10 p.m.	ایضاً
7	احمد شیرازی مع بچوں کے	27-10-1969	6:15 p.m.	ایضاً
8	احمد حسین مع بیگم کے	27-10-1969	6:35 p.m.	ایضاً
9	ایک خاتون کیپٹن کی وردی میں	28-10-1969	8:10 p.m.	ایضاً
10	بیگم ایم ایم آغا	28-10-1969	10:00 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
11	یوسف بھاوا ایک خاتون کے ہمراہ	1-11-1969	11:35 a.m.	اطلاع: مشتاق
12	بلگرامی دو خواتین کے ہمراہ	4-11-1969	7:25 p.m.	اطلاع: نیک محمد حوالدار
13	سعید زماں مع بیگم	6-11-1969	1:50 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
14	بیگم سعید	6-11-1969	6:45 p.m.	اطلاع: نیک محمد
15	عثمان امین الدین اور بیگم	6-11-1969	7:00 p.m.	اطلاع: یاینگر
16	لیفٹنٹ اور بیگم نعیم	7-11-1969	5:15 p.m.	اطلاع اے ڈی سی
17	سجاد عباس اور بیگم	7-11-1969	11:52 a.m.	اطلاع: نیک محمد
18	اسکواڈرن لیڈر جدون اور بیگم	25-1-1970	7:35 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
19	بیگم عائشہ، بیگم احسان بیگم حمید عمر اور بیگم	25-1-1970	7:35 p.m.	ایضاً
20	جاوید مرزا اور بیگم	26-1-1970	1:40 p.m.	ایضاً
21	مسز شیرازی	26-1-1970	12:00Noon	ایضاً
22	بسم اللہ بیگم	26-1-1970	2:50 p.m.	اطالع: اے ڈی سی
23	عائشہ بیگم	27-1-1970	7:10 p.m.	نیک محمد
24	بیگم عائشہ	28-1-1970	6:50 p.m.	ایضاً
25	مسز زہرہ شیرازی	29-1-1970	12:30 p.m.	ایضاً
26	تصور اور بیگم	29-1-1970	7:00 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی

نمبر	نام	تاریخ	وقت	اطلاع
27	حامد، مسماۃ رضیہ نظام یوائے سید احمد شیرازی، صدرالدین، عثمان حوالدار بیگم کے ساتھ، شفیق عثمان بیگم کے ہمراہ	30-1-1970	8:30 a.m.	اطلاع: نیک محمد
28	احمد شیرازی اور بیگم حیدار بیگم	30-1-1970	8:00 p.m.	ایضاً
29	لیفٹننٹ نعیم احمد مع بیگم	19-2-1970	5:50 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
30	بیگم روشن آرا حمید	19-2-1970	6:30 p.m.	اطلاع: نیک محمد
31	بیگم حمید خان	20-2-1970	9:20 a.m.	ایضاً
32	بیگم کرنل سہگل	20-2-1970	9:15 p.m.	ایضاً
33	بیگم روشن حمید	20-2-1970	10:00 p.m.	ایضاً
34	بیگم شیر علی	21-2-1970	11:50 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
35	بیگم مجید اللہ	21-2-1970	4:10 p.m.	ایضاً
36	بیگم یوسف مع مسٹر یوسف	21-2-1970	7:00 p.m.	ایضاً
37	صدرالدین، ہمشیرہ اور بیگم	.23-2-1970	7:45 p.m.	اطلاع: حافظ احمد
38	لیفٹننٹ کرنل سہگل اور بیگم مقصود مع بیگم حوالدار	23-2-1970	7:45 p.m.	اطلاع: نیک محمد
39	احسن بلگرامی و بیگم	24-2-1970	9:00 p.m.	ایضاً
40	بیگم شاہ جی	24-2-1970	9:30 p.m.	ایضاً
41	یووی سید کمانڈر اور بیگم	9-3-1970	11:00 p.m.	ایضاً
42	شفیع عبدالقادر و بیگم حمیدہ بیگم، کرنل شیخ و بیگم، کموڈ اور سعید و بیگم	29-4-1970	8:15 p.m.	ایضاً
43	بیگم امین اللہ	29-4-1970	9:40 a.m.	ایضاً
44	حامد خان و بیگم	8-5-1970	8:40 p.m.	ایضاً
45	حامد خان و بیگم	9-5-1970	11:00 p.m.	ایضاً

نمبر	نام	تاریخ	وقت	اطلاع
46	ایم ایم آغا و بیگم	19-6-1970	10:35 a.m.	اطلاع: ایڈی سی
47	لیاقت و بیگم	19-6-1970	6:45 p.m.	اطلاع: نیک محمد
48	بیگم روشن آراء	19-6-1970	7:30 p.m.	ایضاً
49	مراد و بیگم	21-6-1970	10:30 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
50	سلیمان قریشی و بیگم	21-6-1970	5:45 p.m.	ایضاً
51	شیرازی و بیگم	21-6-1970	9:35 p.m.	اطلاع: نیک محمد
52	بلگرامی مع تین خواتین	22-6-1970	7:30 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
53	ریاض ڈاکٹر غلام حیدر مع بیگم محمد	26-6-1970	10:10 a.m.	اطلاع: نیک محمد
54	بیگم حسن محمود	27-6-1970	11:15 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
55	بیگم حسن محمود	27-6-1970	7:55 p.m.	ایضاً
56	مسز حامد	27-6-1970	8:40 p.m.	اطلاع: نیک محمد
57	بیگم شیرازی	28-6-1970	12:35 p.m.	ایضاً
58	ڈاکٹر عالیہ امام	28-6-1970	1:30 a.m.	ایضاً
59	بیگم حامد	28-6-1970	1:45 p.m.	ایضاً
60	ڈاکٹر عالیہ امام کموڈور یووی سعید کے ہمراہ	28-6-1970	8:05 p.m.	ایضاً
61	بیگم وحسین	29-6-1970	7:30 p.m.	ایضاً
62	انعام الرحمٰن و بیگم	29-6-1970	7:30 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
63	بیگم نفیسہ قریشی	16-10-1970	7:45 p.m.	ایضاً
64	بیگم حامد، زہرہ بیگم	16-10-1970	8:25 p.m.	ایضاً
65	حمزہ بیگم، جانی بیگم	17-10-1970	9:30 a.m.	اطلاع: نیک محمد
66	بیگم سلیمان	17-10-1970	11:10 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
67	انعام و بیگم	17-10-1970	11:30 a.m.	ایضاً
68	بیگم کمال بیگم خانم	17-10-1970	11:30 a.m.	ایضاً

69	بیگم شیرازی، بیگم انور، بیگم حمید، زہرہ بیگم، بیگم قریشی محمد	17-10-1970	11:55 a.m.	اطلاع: نیک محمد
70	بیگم رضیہ حسن	17-10-1970	12:20 a.m.	ایضاً
71	بیگم شیرازی، بیگم انور، بیگم حامد، بیگم زہرہ، ڈاکٹر رضیہ، بیگم نظام بیگم کمال	17-10-1970	6:20 p.m.	ایضاً
72	بیگم کامران حیدر مع بیگم شیرازی	18-10-1970	6:35 a.m.	ایضاً
73	بلگرامی خاتون کے ہمراہ	27-10-1970	9:30 p.m.	ایضاً
74	بیگم انورا	17-10-1970	10:00 p.m.	ایضاً
75	بیگم یوائے سعید	5-11-1970	10:15 a.m.	اطلاع: نور محمد کلرک
76	بیگم حامد مع حامد	19-12-1970	9:30 p.m.	اطلاع: نیک محمد
77	کرنل سہگل مع بیگم، شفیق حسین مع بیگم	20-12-1970	10:50 a.m.	ایضاً
78	حامد خان و بیگم، بیگم میرجی کے ہمراہ	20-12-1970	8:10 p.m.	ایضاً
79	بیگم زہرہ	21-12-1970	9:20 a.m.	ایضاً
80	کرنل سہگل و بیگم، حامد و بیگم	21-12-1970	7:20 a.m.	ایضاً
81	منصور و بیگم، بیگم میرجی	22-12-1970	7:10 p.m.	ایضاً
82	بیگم شفیق، بیگم امین الدین	17-1-1971	11:00 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی

83	مسٹر و مسز شیرازی، مسٹر و مسز امین الدین، نواب و بیگم جونا گڑھ، مسٹر عادل علی جعفری، مسٹر سجاد عباس، مسٹر خلیل آغا، یوائے سعید کموڈ و سید رضا کریم مع بچوں کے	19-1-1971	9:30 a.m.	ایضاً
84	نواب و بیگم جونا گڑھ	19-1-1971	4:15 p.m.	ایضاً
85	نواب و بیگم جونا گڑھ	31-1-1971	7:00 p.m.	صوبے دار اعظم خان
86	مسز یوائے سعید	31-1-1971	6:50 p.m.	اطلاع: نیک محمد صوبیدار
87	مسٹر و مسز بلگرامی	31-1-1971	10:20 p.m.	ایضاً
88	امین الدین، شفیق بیگمات و بچے	1-2-1971	10:15 p.m.	صوبے دار اعظم خان
89	شفیق حسین، عثمان امین الدین بیگمات و بیگم عیسیٰ	1-2-1971	10:15 p.m.	ایضاً
90	نواب و بیگم جونا گڑھ	1-2-1971	7:00 p.m.	ایضاً
91	نواب و بیگم جونا گڑھ	2-2-1971	9:25 p.m.	ایضاً
92	نواب و بیگم جونا گڑھ، کرنل شبیر مع بیگم	25-2-1971	9:15 p.m.	نیک محمد
93	لیفٹننٹ کرنل بیبن کی بیٹی	26-2-1971	7:30 p.m.	ایضاً
94	بیگم جونا گڑھ یوائے سعید مع مہمان کے	27-2-1971	7:05 p.m.	ایضاً
95	بیگم حامد، مہمان کے ساتھ	28-2-1971	12:45 p.m.	ایضاً
96	بیگم شیرازی	2-3-1971	11:00 a.m.	ایضاً

97	مسز حبیب ذکیہ	2-3-1971	7:45 p.m.	ایضاً
98	مسٹر و مسز ڈار، عابدہ سلطانہ	2-3-1971	8:20 p.m.	ایضاً
99	نواب و بیگم جونا گڑھ	12-3-1971	7:30 p.m.	اعظم صوبے دار
100	نواب و بیگم جونا گڑھ	13-3-1971	1:00 p.m.	ایضاً
101	نواب و بیگم جونا گڑھ	13-3-1971	7:43 p.m.	ایضاً
102	مسز ذکیہ بیگم	13-3-1971	8:05 p.m.	ایضاً
103	حامد مع بیگم	13-3-1971	10:10 p.m.	ایضاً
104	منی باجی	13-3-1971	11:35 p.m.	ایضاً
105	عابدہ سلطانہ، حامد خان مع بیگم	14-3-1971	7:15 p.m.	ایضاً
106	بیگم جونا گڑھ	14-3-1971	8:15 p.m.	ایضاً
107	منیر حسین دو خواتین کے ساتھ	26-3-1971	1:00 p.m.	ایضاً
108	نواب و بیگم جونا گڑھ	26-3-1971	12:45 p.m.	نیک محمد
109	حامد بیگم حامد	26-3-1971	5:15 p.m.	اعظم صوبے دار
110	یوائے سعید کموڈور نواب جونا گڑھ مع بیگم	26-3-1971	6:25 p.m.	ایضاً
111	بیگم قادر	26-3-1971	9:45 p.m.	نیک محمد
112	عابدہ سلطانہ	26-3-1971	10:05 p.m.	ایضاً
113	مسٹر مسز شفیق حسین، مسٹر و مسز نعیم حسین، مسٹر و مسز عبدالقادر، مسٹر و مسز عثمان امین الدین، مسٹر و مسز پرویز امین الدین	27-3-1971	11:40 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی

114	بیگم عبدالقادر، بیگم جونا گڑھ، یوائے سعید کموڈور، بیگم زاہد حسین، ڈاکٹر نظام رضیہ، سجاد محمودہ بیگم، بیگم پرنس عباس، مرزا مقصود، منی باجی سکھیا اصفہانی، بیگم وہی، حامد خان و بیگم اور بیگم شیرازی	27-3-1971	11:40 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
115	یوائے سعید کموڈور اور بیگم محمد	28-3-1971	12:15 a.m.	اطلاع: نیک محمد
116	بیگم و نواب جونا گڑھ یوائے سعید کموڈور، صدر الدین	28-3-1971	7:40 p.m.	اطلاع: اعظم صوبے دار
117	ڈاکٹر رفیعہ حسن	3-4-1971	9:00 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
118	بیگم جونا گڑھ	18-5-1971	1:30 p.m.	نیک محمد
119	مسٹر حامد مع بیگم	19-5-1971	7:15 p.m.	ایضاً
120	بیگم نواب جونا گڑھ، بیگم ڈھاکہ، لیلاں منزل	19-5-1971	8:35 p.m.	ایضاً
121	بیگم شیرازی	20-5-1971	12:10 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
122	لیفٹیننٹ اے اے شیخ مع بیگم	20-5-1971	12:30 a.m.	ایضاً
123	نواب بیگم جونا گڑھ، یوائے سعید کموڈور مع بیگم	20-5-1971	5:15 p.m.	نیک محمد
124	مسٹر و مسز انور عیسیٰ	20-12-1971	6:00 p.m.	ایضاً
125	چوہدری سجاد مع بیگم	22-5-1971	6:15 p.m.	اطلاع اے ڈی سی
126	خالدہ سعید، زلیخا نعیم	23-5-1971	10:15 a.m.	ایضاً
127	بیگم جونا گڑھ، انورا بیگم، یوائے سعید کموڈور مع بیگم	23-5-1971	7:00 p.m.	نیک محمد
128	بیگم شیرازی	24-5-1971	9:25 a.m.	ایضاً

129	نواب وبیگم جونا گڑھ، مسٹر حامد وبیگم، یواے سعید کموڈور	25-5-1971	7:30 a.m.	ایضاً
130	مسز لیلاں مزل	25-5-1971	7:40 p.m.	ایضاً
131	بیگم جونا گڑھ	27-6-1971	3:00 p.m.	ایضاً
.132	ایک نامعلوم خاتون	28-7-1971	10:00 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
133	مسز حسین مع بیگم	28-7-1971	7:05 p.m.	ایضاً
134	یواے سعید کموڈور، بیگم حسین، صدرالدین	28-7-1971	7:30 p.m.	نیک محمد
135	انورا بیگم	29-7-1971	1:00 p.m.	این/صوبے دار
136	یواے سعید کموڈور، بیگم انورا، صدرالدین	29-7-1971	6:50 p.m.	ایضاً
137	یواے سعید کموڈور، نواب جونا گڑھ، لیلاں مزل	30-7-1971	6:10 p.m.	ایضاً
138	بیگم ابراہیم شیرازی	31-7-1971	10:20 a.m.	ایضاً
139	نواب جونا گڑھ، لیلاں مزل	31-7-1971	7:30 p.m.	ایضاً
140	عثمان مع بیگم	1-8-1971	9:55 a.m.	ایضاً
141	ایڈمرل مع بیگم، مسٹر فصیح بیگم، شیرازی مع بیگم، نواب جونا گڑھ مع بیگم	2-8-1971	2:00 a.m.	ایضاً

142	اصفہانی، منی باجی، مقصود عثمان، امین الدین مع بیگم، شفیق حسین مع بیگم، انور عیسیٰ مع بیگم، شیرازی مع بیگم، کلیم مع بیگم، احمد شیرازی، ڈاکٹر نظام حسین، ڈاکٹر اختر حسین مع بیگم	2-8-1971	8:45 p.m.	اطلاع اے ڈی سی
143	شیرازی، اے آر خان مع بیگم	2-8-1971	9:05 p.m.	ایضاً
144	جلیل شیرازی بیگم، نیک محمد	2-8-1971	6:45 p.m.	ایضاً
145	بیگم شمیم	4-8-1971	8:30 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
146	بیگم کے این حسین	4-8-1971	9:00 p.m.	ایضاً
147	بیگم حسین	5-8-1971	9:50 p.m.	ایضاً
148	بیگم جونا گڑھ مع نواب	6-8-1971	12:15 a.m.	ایضاً
149	ڈاکٹر تجمل حسین نیک محمد مع بیگم، نواب جونا گڑھ مع بیگم، کے این حسین	7-8-1971	7:45 p.m.	ایضاً
150	بیگم حسین	7-8-1971	8:15 p.m.	ایضاً
151	لیڈی ڈاکٹر مسز میسے	9-8-1971	2:20 p.m.	ایضاً
152	نواب وبیگم جونا گڑھ	11-9-1971	12:50 p.m.	ایضاً
153	بیگم جونا گڑھ	11-9-1971	7:20 p.m.	ایضاً
154	بیگم ومسٹر حامد	11-9-1971	8:25 p.m.	ایضاً
155	اے آر خان مع بیگم، ایڈمرل یو اے سعید، صدرالدین، احمد شیرازی مع بیگم	12-9-1971	10:30 a.m.	ایضاً

156	انور عیسیٰ ہمراہ مسز جلیل شیرازی مع بیگم اور مسز خلیل شیرازی مع بیگم	12-9-1971	10:31 a.m.	ایضاً
157	بیگم اور نواب جونا گڑھ	12-9-1971	12:45 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
158	انور عیسیٰ ہمراہ بیگم جلیل شیرازی، بیگم خلیل شیرازی، بیگم ایڈمرل سعید اور زہرہ بیگم	12-9-1971	7:25 p.m.	ایضاً
159	بیگم حمید خان ہمراہ بیگم خضر حیات ٹوانہ	12-9-1971	10:30 p.m.	ایضاً
160	بیگم جونا گڑھ	13-9-1971	2:35 p.m.	ایضاً
161	بیگم اور مسز سعید	13-9-1971	8:15 p.m.	ایضاً
162	بیگم جونا گڑھ	14-9-1971	4:40 p.m.	ایضاً
163	بیگم اور نواب جونا گڑھ	15-9-1971	7:10 p.m.	ایضاً
164	بیگم سعید اور زہرہ شیرازی	16-9-1971	9:00 p.m.	ایضاً
165	بیگم اور نواب جونا گڑھ، یوائے سعید ایڈمرل، بیگم فصیح، بیگم ڈاکٹر جمل، خلیل شیرازی اور بیگم	17-9-1971	9:15 a.m.	ایضاً
166	مسز حمید	17-9-1971	11:50 a.m.	ایضاً
167	بیگم خضر حیات	17-9-1971	12:30 p.m.	ایضاً
168	بیگم اور نواب جونا گڑھ، بیگم اور مسٹر یوائے سعید، مسٹر جدون اور بیگم، مسٹر اینڈ مسز فصیح	18-9-1971	7:00 p.m.	ایضاً

169	نواب جونا گڑھ ہمراہ بیگم سیف الرحمٰن	18-9-1971	7:35 p.m.	ایضاً
170	احمد شیرازی مع بیگم	18-9-1971	8:00 p.m.	ایضاً
171	یوائے سعید، بیگم اور نواب جونا گڑھ، انورا بیگم، بیگم اور احمد شیرازی	19-9-1971	6:45 p.m.	ایضاً
172	انورا بیگم	19-9-1971	8:15 p.m.	ایضاً
173	بیگم اور نواب جونا گڑھ	7-10-1971	1:00 p.m.	ایضاً
174	بیگم یوائے سعید اور دیگر خواتین	7-10-1971	2:15 p.m.	ایضاً
175	مسز عمر اور ایک خاتون	7-10-1971	5:50 p.m.	ایضاً
176	بیگم جونا گڑھ اور مسٹر یوائے سعید	7-10-1971	7:36 p.m.	ایضاً
177	احمد شیرازی، جلیل شیرازی	7-10-1971	8:35 p.m.	ایضاً
178	جاوید انصاری، ریاض اور ایک خاتون	7-10-1971	10:15 p.m.	ایضاً
179	بیگم کمال	8-10-1971	8:55 p.m.	اطلاع: نیک محمد
180	بیگم جنرل ریاض	8-10-1971	11:10 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
181	بیگم جونا گڑھ	8-10-1971	1:00 p.m.	اطلاع: نیک محمد
182	بیگم شیرازی	8-10-1971	2:50 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
183	بیگم حمید	8-10-1971	5:30 p.m.	ایضاً
184	مسز امتیاز ایک کرنل اور بیگم کے ہمراہ	8-10-1971	5:45 p.m.	ایضاً
185	مسز حبیب اور دیگر بیگمات	8-10-1971	6:25 p.m.	

186	میاں محمد یوسف مع بیگم (علی یحییٰ سے ملنے کے لئے)	8-10-1971	8:45 p.m.	ایضاً
187	ملکہ ترنم نور جہاں پارٹی کے ہمراہ	8-10-1971	9:00 p.m.	اطلاع: شیرازی
188	مسز امتیاز مع بیگم، بیگم اور مسز فاروق، بیگم انور مجید، بیگم زری، بیگم اور مسز طفیل اور مسز پرویز کمال	9-10-1971	9:50 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
189	مسز یوسف مع بیگم	9-10-1971	4:15 p.m.	ایضاً
190	مسز حمید اور بیگم	9-10-1971	7:10 p.m.	ایضاً
191	نواب زادہ حماد علی ایس پی مع بیگم، ایم اے یوسفی اور بیگم عبدالکریم خلجی	9-10-1971	7:30 p.m.	ایضاً
192	مسماۃ اختری آفتاب اور مسز نیلوفر	9-10-1971	8:00 p.m.	ایضاً
193	بیگم حبیب	10-10-1971	4:00 p.m.	ایضاً
194	ملکہ ترنم نور جہاں	10-10-1971	7:00 p.m.	اطلاع: اے ڈی سی
195	بیگم اور نواب جوناگڑھ، یوائے سعید ایڈمرل	10-10-1971	7:05 p.m.	ایضاً
196	خلیل شیرازی، جلیل شیرازی، احمد شیرازی مع بیگم، بیگم اور نواب جوناگڑھ	11-10-1971	10:15 a.m.	ایضاً
197	ایڈمرل یوائے سعید مع بیگم	11-10-1971	10:20 a.m.	ایضاً

198	یوائے سعید مع بیگم، خلیل شیرازی مع بیگم، بیگم اور نواب جوناگڑھ	12-10-1971	6:30 p.m.	ایضاً
199	ملکہ ترنم نور جہاں پارٹی کے ہمراہ	12-10-1971	8:10 p.m.	اطلاع: نیک محمد
200	بیگم کمال	13-10-1971	10:05a.m.	اطلاع: اے ڈی سی
201	اسلام نبی مع بیگم	13-10-1971	10:07 a.m.	ایضاً
202	مسز سعید ونگ کمانڈر اور بیگم سمیع	13-10-1971	10:29 a.m.	ایضاً
203	بیگم ڈھاکہ	13-10-1971	10:45 a.m.	ایضاً
204	بیگم عذرا شیرازی	13-10-1971	11:20 a.m.	ایضاً
205	ایک نامعلوم خاتون	13-10-1971	6:50 p.m.	ایضاً
206	بیگم یوائے سعید اور نواب جوناگڑھ	13-10-1971	7:15 p.m.	ایضاً
207	بیگم شیرازی	14-10-1971	1:15 p.m.	ایضاً
208	بیگم انعام الرحمٰن	15-10-1971	10:40 a.m.	ایضاً
209	بیگم عذرا شیرازی	16-10-1971	2:50 p.m.	ایضاً
210	فریدہ سعید	16-10-1971	6:20 p.m.	ایضاً
211	انعام الرحمٰن اور بیگم	16-10-1971	5:00 p.m.	ایضاً
212	مسز زری	16-10-1971	7:20 p.m.	ایضاً
213	انعام الرحمٰن اور بیگم	16-10-1971	7:30 p.m.	ایضاً
214	بیگم اور نواب جوناگڑھ، مسز سعید مع بیگم، ملکہ ترنم نور جہاں	16-10-1971	8:05 p.m.	اطلاع: نیک محمد
215	ملکہ ترنم نور جہاں کی دو صاحبزادیاں	16-10-1971	9:30 p.m.	....
216	ونگ کمانڈر سعید اور بیگم	17-10-1971	9:50 a.m.	اطلاع: اے ڈی سی

شکست کے چند دیگر پہلو

مشرقی پاکستان سے ہندوؤں کا انخلاء

اس فیصلے نے پاکستان کے وقار کو مجروح کیا اور بھارت کو آخرکار وہ موقع فراہم کر دیا جس کا وہ طویل عرصے سے انتظار کر رہا تھا کہ وہ ہمارے داخلی امور و معاملات میں مداخلت کر سکے چنانچہ یہ سوچنا پاگل پن کے مترادف تھا کہ ہندوؤں کو مشرقی پاکستان سے بے دخل کر دیا جائے تو تمام سیاسی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ بہرکیف جس کسی نے بھی یہ عقل سے عاری اور بے رحمانہ اقدام کیا جس کے نتیجے میں بیس لاکھ افراد مشرقی پاکستان سے فرار ہو کر بھارت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ وہ نہ صرف دونوں ممالک کی تاریخ سے قطعی ناواقف تھا بلکہ اس میں سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا بھی یکسر فقدان تھا۔ اس طویل اور بلا امتیاز کیے گئے فوجی ایکشن کا مجموعی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مشرقی پاکستان کی آبادی کا وہ بڑا حصہ جو نظریہ پاکستان پر ایمان رکھتا تھا اور اسی سبب سے ملکی سالمیت کا خواہاں تھا، مکمل طور پر الگ تھلگ ہو کر رہ گیا۔

دوست ممالک اور غیر ملکی طاقتوں کی جانب سے دیئے جانے والے سیاسی تصفیے کے مشوروں کے باوجود جس شرم ناک انداز میں بھارتی خطرے سے لاتعلقی اور غفلت کا مظاہرہ کیا گیا اس کو دیکھتے ہوئے بڑا تعجب ہوتا ہے اور ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ فوجی حکومت کی اصل خواہش یہ تھی کہ اگر مشرقی پاکستان اس کے اشاروں پر نہیں چلتا تو ایسی صورت میں یہی بہتر ہوگا کہ اس سے پیچھا چھڑا لیا جائے اور بغیر کسی رکاوٹ اور مزاحمت کے مغربی پاکستان کو اپنے سیاسی عزائم اور ہوس اقتدار کی آماج گاہ بنا لیا جائے۔

جس انداز سے فوجی حکومت نے خود کو بھارت کے ساتھ مشرقی صوبے میں اس جنگ کے الاؤ میں دھکیلا، یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ کسی بھی سپر پاور کی جانب سے حمایت یا مدد کی ہرگز کوئی امید نہیں تھی، اس حقیقت کو بخوبی ظاہر کر دیتا ہے کہ یا تو وہ اس خوش فہمی اور خود فریبی میں مبتلا تھی کہ بھارت کبھی ایسی فاش غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا یا پھر اسے جنگ کے ہولناک نتائج سے قطعاً کوئی سروکار تھا ہی نہیں ورنہ یہ کیوں کر ممکن تھا کہ امریکی حکومت کی توسط سے اقوام متحدہ

تک رسائی حاصل کرنے کے باوجود بھی ایسٹرن کمانڈ کے کمانڈر سے کچھ دن مزید انتظار کے لئے نہیں کہا گیا تاکہ سیکورٹی کونسل اس مسئلے پر اپنے کسی فیصلے کا اعلان کرتی۔

عوامی لیگ سے مذاکرات سے گریز

سیاسی اعتبار سے تو مشرقی پاکستان اسی دن ہاتھوں سے نکل چکا تھا جب فوجی ایکشن کا آغاز ہوا تاہم اس کے باوجود بھی عوامی لیگ سے سیاسی مذاکرات کا سلسلہ بحال کرتے ہوئے صورت حال پر قابو پایا جا سکتا تھا کیونکہ ابھی اس کا وقت تھا لیکن جنرل یحییٰ خان کسی صورت یہ کرنے کو تیار ہی نہیں تھے چنانچہ وہ غلطی پر غلطی کرتے چلے گئے تاوقتیکہ صورت حال مکمل طور پر قابو سے بالکل ہی باہر نہ ہو گئی۔

سیاسی صورت حال کو قابو میں رکھنے کی غرض سے جس کوتاہ اندیشی اور بد معاملگی سے کام لیا گیا بالکل ویسے ہی کیفیت سفارتی محاذ پر بھی تھی۔ اس فوجی حکومت نے کبھی یہ سوچنے اور محسوس کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ ملک کی سلامتی اور دفاع کا خارجہ پالیسی سے کتنا گہرا اور دوررس تعلق ہوتا ہے۔

1947ء کے بعد سے پاک بھارت تعلقات کے پس منظر کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا قطعاً دشوار نہ تھا کہ بھارت مشرقی پاکستان میں کسی بحران کو پیدا کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ اگرتلہ سازش کیس کے انکشاف نے اس کے ان عزائم کو بخوبی واضح کر دیا تھا۔ یہ حقیقت بھی سب کے علم میں تھی کہ بھارت نے مشرقی پاکستان میں مسلح بغاوت کو ہوا دینے کی غرض سے نہ صرف پیسے اور اسلحے کی یقین دہانی کرائی ہے بلکہ وہ فضائی اور بحری راستوں کی ناکہ بندی کرتے ہوئے مغربی پاکستان سے مواصلاتی رابطوں کو بھی پہلے ہی منقطع کر چکا ہے تاہم اس کے باوجود بھی فوجی حکومت نے اس بھارتی طیارے کے اغوا کے واقعے کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دی جسے 30 جنوری 1971ء کو بھارت سے اغوا کر کے لاہور لایا گیا تھا جس کے بعد بھارت کو یہ جواز از خود فراہم ہو گیا کہ وہ اپنی فضائی حدود سے پاکستانی مسافر طیاروں کی پروازوں پر پابندی عائد کر سکے۔ نہ ہی اس فوجی حکومت نے فروری اور مارچ کے دوران مشرقی پاکستان کی سرحد پر ہونے والی بھارتی افواج کی نقل و حرکت ہی کو کوئی اہمیت دی، اس کے باوجود بھی بھارتی عزائم کے بارے میں اگر کوئی شبہ تھا تو وہ ہمدردی کے ان اعلانات کے نتیجے میں رفع

ہوجانا چاہئے تھا جو کھلم کھلا طور پر انڈین نیشنل کانگریس' بھارتی پارلیمنٹ اور بھارتی لیڈروں نیز بھارتی اخبارات اور دانشوروں کی جانب سے جاری کئے جارہے تھے اور جن میں واضح طور پر یہ کہا جارہا تھا کہ بھارت کے داخلی اور خارجی استحکام اور سلامتی کے پیش نظر پاکستان کا ٹوٹنا ہی اس کے بہتر مفاد میں ہے جس کا موقع مستقبل میں شاید ہی مل سکے لہٰذا اس بہترین موقع کو گنوا دینا عقلمندی نہیں ہوگی' چنانچہ مشرقی پاکستان میں سیاسی بحران کو مزید ہوا دینے اور مہاجرین کے مسئلے کو بین الاقوامی سطح اور حلقوں میں اجاگر کرنے کا بنیادی مقصد اور منشا بھی دراصل یہی تھا۔ اس مسئلے پر بھارت کی جاب سے شروع کی جانے والی سفارتی مہم اتنی مؤثر اور ہمہ گیر تھی کہ مشکل سے دنیا کے چند ہی ممالک ایسے ہوں گے جنہوں نے مشرقی پاکستان میں کئے گئے فوجی ایکشن کی تائید یا حمایت کی ہو۔ بھارتی پروپیگنڈہ اس قدر کامیاب تھا کہ فوجی حکومت کی جانب سے مشرقی پاکستان کی صورتحال کو معمول کے مطابق ظاہر کرنے کی تمام تر کوششیں رائیگاں ہوگئیں اور بین الاقوامی رائے عامہ پر ان کا قطعاً کوئی اثر نہ ہوسکا جس کے نتیجے میں دنیا کے کسی بھی ملک نے بھارت کو مشرقی پاکستان کے معاملات میں براہ راست مداخلت کرنے سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کے برعکس اسے متعدد بڑی طاقتوں کی پوری حمایت اور ہمدردی حاصل رہی جن میں بلاشبہ روس بھی شامل تھا جس نے اگست 1971ء میں بھارت سے امن' دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرتے ہوئے تمام ضروریات کی فراہمی کا یقین دلایا تھا جبکہ دیگر ممالک نے بھاری رقومات بھی بھارت کو فراہم کی جبکہ اس کے برخلاف ہم دنیا کو یہ باور کرانے میں بھی قطعاً ناکام رہے کہ ہماری افواج مشرقی پاکستان میں ڈھائے جانے والے مبینہ وحشیانہ مظالم اور نسل کشی کے الزامات سے قطعاً مبرا ہے۔

روس واشگاف انداز میں ہمیں بتا چکا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات سے ہرگز لاتعلق نہیں رہے گا' یہی وجہ تھی کہ اس نے پرزور انداز میں ہمیں تاکید کی تھی کہ عوام کے منتخب سیاسی نمائندوں کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے سیاسی تصفیہ کیا جائے تاہم اس کی تاکید پر کان نہیں دھرے گئے حتیٰ کہ روسی سفیر کی بے عزتی بھی کی گئی اس کے علاوہ شہنشاہ ایران کے توسط سے پرسی پولس کے مقام پر جنرل یحییٰ خان اور روسی صدر کے مابین ہونے والی ملاقات بھی بے سود ثابت ہوئی۔

ہمارے چینی دوست بھی ہمیں مسلسل یاد دلاتے رہے کہ مسلح بغاوت کو کچلنے کی غرض

سے کیا جانے والا فوجی ایکشن بہرحال اپنا ایک جواز رکھتا ہے تاہم یہ کسی سیاسی حل اور تصفیے کا متبادل کبھی نہیں ہوسکتا۔

امریکی حکومت کا رویہ

امریکی حکومت جو شروع میں شیخ مجیب الرحمٰن کی تائید اور حمایت پر مائل نظر آتی تھی آگے چل کر فوجی حکومت سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگی تاہم امریکی عوام سینٹ ایوان نمائندگان اور بالخصوص امریکی دانشور مشرقی پاکستان میں کئے جانے والے فوجی ایکشن کے غیر اخلاقی اور غیر انسانی پہلوؤں کی مذمت کئے بغیر نہ رہ سکے۔ بہرکیف امریکی حکومت نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ پاکستان اور بھارت کے مابین کسی جنگ کی صورت میں وہ قطعاً غیر جانبدار رہے گی' اس اعلان کے باوجود اس نے اپنا ساتواں بحری بیڑہ ہماری درخواست پر خلیج بنگال کی طرف روانہ کردیا تاہم اس کا بھی مطلق کوئی اثر اس لئے نہیں ہوا کہ یہ امریکی بحری بیڑہ مشرقی پاکستان کے ساحلوں سے ایک ہزار میل دور کھڑا تھا۔

فوجی حکومت کا یہ دعویٰ بھی خاصا وضاحت طلب ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک سو چار ممالک کی حمایت کے نتیجے میں اسے زبردست کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ حمایت پاکستانی مؤقف کو حاصل ہوئی تھی یا بھارت کے اس اقدام کی اصولی مخالفت کو پاکستانی موقف کی تائید وحمایت کا رنگ دیا جارہا ہے' جس کی رو سے کسی بھی ملک کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی ہمسایہ ملک کے داخلی معاملات میں کسی بھی بہانے' مداخلت کا مرتکب ہو۔ اقوام متحدہ میں اپنے مستقل نمائندوں کی رپورٹ سے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دنیا کی کسی بھی قوم اور ملک نے حکومت کے ان وحشیانہ مظالم سے انکار پر قطعاً یقین نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ہماری اور بھارتی پروپیگنڈے کے مابین اعتماد کی گہری خلیج حائل تھی جسے پاٹنا تقریباً ناممکن تھا حالانکہ بھارتی اور غیر ملکی پریس مسلسل یہ خبریں شائع کررہا تھا کہ فوجی ایکشن کے نتیجے میں لاکھوں افراد ہلاک ہوچکے ہیں ہزاروں عورتوں کی عصمتیں لوٹی گئی ہیں اور لاکھوں افراد کو بے دخل کرکے بھارت میں دھکیل دیا گیا ہے اس کے باوجود اس وقت کی فوجی حکومت نے حقیقی نقصانات کے کوئی اعداد وشمار شائع نہیں کئے اور صرف یہ کہنے پر ہی اکتفا کرتی رہی کہ بھارت اور غیر ملکی پریس بڑھا چڑھا کر ان اعداد وشمار کو بیان کررہا ہے حتیٰ کہ اگست 1971ء میں شائع کئے

گیے''وہائٹ پیپر''میں بھی سرے سے کوئی اعداد وشمار شامل نہیں ہیں۔ چنانچہ بجا طور پر اس شبے نے جنم لیا کہ ہم حقیقی صورتحال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اقوام متحدہ میں ہمارا کمزور مؤقف

اقوام متحدہ میں بھی ہم اپنا موقف درست طریقہ سے پیش نہ کر سکے۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو بحیثیت ڈپٹی وزیر اعظم اور وزیر خارجہ اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے بھیجا گیا تھا تاہم یا تو انہیں مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں صحیح صورتحال سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا یا پھر مشرقی پاکستان کے گورنر اور جنرل راؤ فرمان علی کی جانب سے موصول ہونے والے ان پیغامات سے قطعاً لاعلم تھے جن کے تحت وہ جنگ بندی کی شرائط کے بارے میں مذاکرات کی اجازت طلب کر رہے تھے تاہم جنرل فرمان علی کے بیان کی عدم موجودگی میں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ کن حالات کے تحت انہوں نے ڈھاکہ میں مقیم اقوام متحدہ کے نمائندے مسٹر پال مارک ہنری کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل تک پہنچائے جانے کی غرض سے براہ راست کوئی پیغام دیا تھا حالانکہ جنرل فرمان علی کے ارسال کردہ پیغام اور جنرل یحیٰی خان کی جانب سے منظور شدہ پیغام کے مندرجات میں کوئی قابل ذکر فرق نظر نہیں آیا اگر کوئی فرق ہے بھی تو وہ سیاسی تصفیے کے سوال سے متعلق ہے۔

کسی نہ کسی طرح یہ پیغام بھارت کے ہاتھ لگ گیا اور اس کے نمائندوں نے اسے سلامتی کونسل کے اراکین کو پہنچا دیا اور 10 دسمبر 1971ء کو جیسے ہی ذوالفقار علی بھٹو نیویارک پہنچے انہیں بھی اس پیغام کی ایک کاپی دی گئی۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب صورتحال اس قدر خراب تھی تو روس کی پہلی قرارداد کو کیوں قبول نہیں کیا گیا' اس سے ہمیں یہ موقع مل جاتا کہ ہم اپنی فوج کو مشرقی پاکستان سے نکال لیتے اور شرمناک طور پر ہتھیار ڈالنے سے بچ جاتے روسی اب بھی ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ وہ کسی بھی صورت پاکستان کو توڑنا نہیں چاہتے تھے' اس قرارداد کے ذریعے ہم ایک ہی پرچم کے تلے رہ سکتے تھے تاہم عملی طور پر' پاکستان کے دونوں حصے اپنے اپنے طور پر با اختیار ہو جاتے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پاکستان کے صدر بین الاقوامی معاملات میں بھی مکمل طور پر ناکام رہ' تنہا رہ جانے کی صورت میں انہیں نہ تو بھارت کے ساتھ

جنگ شروع کرنی چاہئے تھی اور نہ ہی ایسے حالات پیدا کرنے چاہئے تھے جن کا یہ نتیجہ برآمد ہوا جہاں تک اقوام متحدہ کا سوال ہے' ہم یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر 21 نومبر 1971ء کو بھارت کی طرف سے مشرقی پاکستان پر حملے کے فوراً بعد ہی یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں لے جایا جاتا اور مغربی فرنٹ پر جنگ شروع کر کے صورت حال کو مزید خراب نہ کیا جاتا تو مختلف نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا اگر فوج کے کمانڈر انچیف ہونے کے حیثیت سے جنرل یحیٰی خان زیادہ ہمت اور عزم کا مظاہرہ کرتے اور مشرقی کمان کو ہدایت دیتے کہ وہ 16 دسمبر 1971ء کے بعد بھی جنگ جاری رکھے تو یہ بہت ممکن تھا کہ سلامتی کونسل سے ایک ایسی قرارداد منظور کرالی جاتی جو اطمینان بخش ہوتی اور جس میں جنگ بندی کا حکم شامل ہوتا۔

بڑی افواج کا کردار

1971ء کی پاک بھارت جنگ کے فوجی پہلو کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حالیہ تباہی میں سب سے زیادہ ہاتھ بری افواج کا تھا 1967ء کے وار ڈائریکٹو نمبر 4 میں جو حکمت عملی بیان کی گئی ہے اس میں ہمارے خیال کے مطابق اس سیاسی اور فوجی صورتحال کے پیش نظر جو مارچ 1971ء کے فوجی اقدام سے مشرقی پاکستان میں پیدا ہو گئی تھی اہم تبدیلی کی ضرورت تھی لیکن ہمیں افسوس ہے کہ فوجی ہائی کمان نے ان عوامل کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فوجی ہائی کمان غلط طور پر مشرقی پاکستان میں پیدا ہونے والی فوجی صورتحال اور اگست 1971ء کی انڈو سوویت ٹریٹی کے بارے میں غلط فہمی کا شکار تھی اس معاہدے کے بعد بھارت اور پاکستان کی فوجی تیاری اور فوجوں کی صلاحیت کے مابین خاصا فرق پیدا ہو چکا تھا۔

وسائل کی کمی تو 1947ء سے برابر چلی آ رہی تھی تاہم اسے ایک اچھی حکمت عملی اختیار نہ کرنے کا جواز بنایا جا سکتا ہے اگر جنرل یحیٰی خان اور ان کے سینئر فوجی کمانڈروں کو یہ یقین تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کو فوجی طور پر کنٹرول نہیں کر سکتے تھے تو ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ پھر مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کیوں کیا گیا اور سیاسی تصفیے کی تمام تجویزوں کو کیوں مسترد کر دیا گیا۔

ہم یہ نتیجہ اخذ کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ آرمی جنرل ہیڈ کوارٹر مشرقی اور مغربی

پاکستان کی جنگ میں رہنمائی کرنے' ہدایات دینے اور مؤثر ثابت ہونے میں قطعاً ناکام کیوں رہا۔

مضبوط دفاعی منصوبے کا فقدان

اس ناکامی کی اہم وجوہات میں ایک وجہ یہ تھی کہ مشترکہ طور پر ایک مضبوط دفاعی منصوبہ نہیں بنایا گیا تقریباً تمام اہم فیصلے جنرل یحییٰ خان یا آرمی ہیڈکوارٹر نے' دفاع کی دوسری سروسز سے علیحدہ رہ کر کئے صرف ایئر فورس کے کمانڈر انچیف کو فوجی حملے کی منصوبہ بندی کے دوران راولپنڈی میں ایک عارضی ایئر آپریشن سینٹر قائم کر کے رابطے میں رکھا گیا۔ جنرل یحییٰ خان نے بہ حیثیت صدر پاکستان اور مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ اپنے کمانڈر کے فیصلوں میں کسی اور کو بھی شریک کیا جائے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف تینوں سروسز بلکہ مختلف مورچوں کے کمانڈرز بھی علیحدہ علیحدہ اپنی جنگ لڑتے رہے اور آرمی ہیڈکوارٹر یا رابطے کا کوئی بھی ادارہ ان جنگی منصوبوں پر عمل درآمد پر اثر انداز نہیں ہوا۔ چند معاملات میں منصوبہ بندی کی اعلیٰ سطح پر کافی غور و خوض نہ کرنے کی وجہ سے بھی یہ منصوبے ناکام رہے' اسی طرح مشرقی کمان کے منصوبے میں بھی جس کی جنرل ہیڈکوارٹرز نے منظوری دی تھی' تین بڑی خامیاں موجود تھیں۔

(1) اس میں ایسی کوئی بھی ہدایات نہیں دی گئیں جن کے تحت اس خاص وقت کا تعین کیا جا سکتا جب فوج کو سرحدوں سے پہلے سے طے شدہ' دفاعی مورچوں پر واپس لایا جاتا تھا۔

(2) قلعہ بندی کا تصور بھی غلط تھا کیونکہ اس میں قلعہ بندیوں کے پیچھے مضبوط ریزرو فورسز مہیا نہیں کی گئی تھیں تاکہ دشمن کو یہاں سے گزرنے سے روکا جا سکتا یا کم از کم اس کا دباؤ ہی کم کیا جا سکے۔

(3) اس منصوبے میں' علاقے پر دشمن کا قبضہ ہو جانے کی صورت میں پاکستان کی فوج کو سمندر یا خشکی کے راستے واپس لانے کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

ہمارے لئے یہ بات بھی باعث حیرت ہے کہ سیاسی اور عسکری طور پر ڈھاکہ کی بہت زیادہ اہمیت کے باوجود آرمی جنرل ہیڈکوارٹر کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ ڈھاکہ کی حفاظت کے لئے کوئی تفصیلی منصوبہ موجود ہے یا نہیں......!

مغربی حصے کے دفاع کے ماسٹر پلان میں بھی بہت سی خامیاں موجود تھیں۔

(1) اس میں مشرقی پاکستان پر بھارت کے حملے کی صورت میں' وقت کا کوئی تعین نہیں کیا گیا۔

(2) اس میں ان حالات اور عوامل کا ذکر بھی نہیں کیا گیا جن کی وجہ سے ریزرو فوج کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔

(3) آرمی جنرل ہیڈکوارٹرز کو مناسب غور و خوض کئے بغیر ہی اس منصوبے میں تبدیلی کی اجازت دے دی گئی تھی۔

ان خامیوں کی وجہ ہی سے یہ منصوبہ غیر مؤثر رہا' مغربی پاکستان کا کچھ علاقہ گنوانے کے بعد بھی ایک فرد کی طرف فیصلے نہ کر پانے کی وجہ سے بھی اسے کافی نقصان پہنچا۔

دشمن کی صلاحیت ہماری سرحد کے قریب' اس کی فوجوں کی نقل و حرکت اور سرحد پر ہماری افواج کے ساتھ جھڑپوں کے متعلق علم ہونے کے باوجود یہ بات باعث حیرت ہے کہ ہماری فوج کی اعلیٰ قیادت' اس خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ بھارتی فوج' مشرقی پاکستان کے علاقے پر براہ راست حملہ کر کے مداخلت نہیں کرے گی۔ جنرل یحییٰ خان سے یہ بات سن کر ہمیں حیرت ہوئی کہ ''ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ بھارت اس بنیاد پر' مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ کر دے گا' وہ مکتی باہنی کی حمایت کر رہا تھا اور انہیں اسلحہ بھی فراہم کر رہا تھا' چنانچہ وہ ایسا ہی کرتا رہے گا اور ہم سے کھلی جنگ ہرگز نہیں لڑے گا''۔

ہمیں اس بات میں بھی شک ہے کہ 3 دسمبر کو مغرب کا فرنٹ کھولنے میں کیا دانشمندی تھی اگر دوسرا فرنٹ کھولنا ہی تھا تو اسے اس وقت کھولا جاتا جب بھارت نے کھلے عام مشرقی پاکستان پر حملہ کیا تھا' دوسری طرف آرمی ہائی کمان کو یہ یقین تھا کہ بھارتی صرف مکتی باہنی کی حمایت تک ہی محدود رہیں گے' اس کے باوجود مغربی پاکستان میں دوسرا فرنٹ کھول کر دوسری جانب' مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کی کارروائی کو مزید تیز کر دیا گیا۔

جب دوسرا محاذ کھولا گیا اس وقت بھی منصوبے کے مطابق حملہ نہیں کیا گیا اگرچہ 3 دسمبر 1971ء سے پہلے ہماری فضائیہ کی طرف سے فضائی حملے کر کے اور ہماری آرمی کی طرف سے چھمب' دھرم' لاہور سیکٹر حسینی والا اور سلیمان کی میں دخل اندازی کر کے بھارتیوں کو جوابی کارروائی کے لئے اکسایا گیا تھا جس کے نتیجے میں بھارتیوں نے توقع کے مطابق ردعمل کا اظہار

کیا مگر پھر بھی حملہ منصوبے کے مطابق نہیں کیا گیا چنانچہ بغیر کوئی اہم جنگ لڑے ہم پکھلیاں کے تمام علاقے، شکر گڑھ میں 500 دیہات اور سندھ میں 500 مربع میل علاقے سے محروم ہوگئے اور دشمن آسانی سے ان علاقوں میں داخل ہوگیا کیونکہ ان کا دفاع کمزور تھا چنانچہ جونہی دشمن نے ان علاقوں کا دفاع کرنے والی فوج پر حملہ کیا ہماری فوج نے فوری طور پر پیچھے ہٹنا شروع کردیا۔ دشمن بارودی سرنگوں کے درمیان نہایت احتیاط سے آگے بڑھا اور آخری سرنگ تک پہنچ گیا جس حملے کا حکم دیا گیا تھا چیف آف اسٹاف نے اسے ختم کردیا اور اس طرح ہماری شاندار حکمت عملی اپنے انجام کو پہنچی۔

جہاں تک فضائیہ کا سوال ہے تو ہم نے دیکھا کہ بھرپور جدوجہد کے باوجود ہماری فضائیہ پشاور سے کراچی تک ہماری کیمونی کیشن لائن کا دفاع نہیں کرسکی، روز بروز یہ معلوم ہوتا تھا کہ دشمن فضا میں برتری حاصل کرتا جارہا ہے اور اس نے ہماری فوجوں کی نقل وحرکت کو مشکل بنادیا ہے، خاص طور پر سقوط ڈھاکہ کے بعد بھارت نے اپنی فضائیہ کے 19سکواڈرن مشرقی تھیٹر سے یہاں منتقل کردیئے تھے۔

پاک بحریہ نقصانات کے اعتبار سے تو بھارتی بحریہ کے برابر رہی لیکن 8 دسمبر 1971ء کے بعد سے اسے بندرگاہ کی حدود میں مقید رہنا پڑا کیونکہ اسے بھارت اوالیس اے کشتیوں سے میزائل کے حملوں کا سامنا تھا جس کے لیے وہ تیار نہیں تھی۔

مجموعی طور پر یہ نتیجہ نکلا کہ ہم نے پورا مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے کچھ حصے کھودیئے جب کہ اس کے مقابلے میں بھارت کو ہونے والا نقصان بہت معمولی تھا۔

حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی کا فقدان

ہماری اعلیٰ عسکری قیادت پر یہ نکتہ چینی واقعی نہایت افسوسناک ہے کہ اس نے بغیر کسی نفسیاتی تیاری اور مربوط منصوبہ بندی کے ایک طاقتور پڑوسی کے ساتھ ملک کو جنگ کی آگ میں دھکیل دیا یہ ایک ایسی جنگ تھی، جس میں ہر چیز پاکستانی فوج کے خلاف گئی نہ صرف یہ کہ ان کی تعداد کم تھی بلکہ ان کے پاس اسلحہ اور جنرل بھی کم تھے ہماری منصوبہ بندی بھی حقیقت پسندانہ نہیں تھی۔ فیصلے وقت کے مطابق نہیں تھے اور ان کی تعمیل بھی غلط طور پر کی گئی، ہماری فوج کے پاس اچھا اسلحہ بھی نہ تھا اور نہ ہی ان کی تربیت ہی درست تھی مشرقی پاکستان میں ذلت آمیز طریقے سے

ہتھیار ڈالنا اور مغرب میں جنگ بندی کی یکطرفہ پیشکش کو قبول کرلینا اس وجہ سے ممکن نہیں ہوا کہ ہمارے جونیئر افسران اور جوانوں میں ہمت کی کمی تھی یا لڑنے کا جذبہ نہیں تھا یا ان کا مورال گر گیا تھا بلکہ یہ سب کچھ اعلیٰ سطح پر قیادت کی کمی کی وجہ سے ہوا۔

جہاں تک سقوط ڈھاکہ کا سوال ہے اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ڈھاکہ کے دفاع کا منصوبہ تیار کرلیا گیا تھا اور فوجی نقطہ نظر سے مزید کچھ روز تک جنگ جاری رکھی جاسکتی تھی۔ مشرقی پاکستان میں حالات ابھی اس نوبت تک نہیں پہنچے تھے فوری طور پر ہتھیار ڈالنا ضروری ہوتا اس مرحلے پر اگرچہ جنرل نیازی کے خلاف کوئی حتمی فیصلہ نہیں دیا جاسکتا لیکن ہمیں ایسا لگتا ہے کہ جنرل یحییٰ خان نے نہ صرف ملک کو ایسی احمقانہ جنگ میں جھونک دیا تھا جس سے کسی اچھے نتیجے کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ انہوں نے جنرل نیازی کو نہ صرف اجازت دی بلکہ ترغیب بھی دی کہ دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال کر پوری قوم کو ذلیل کریں جس کی اسلام کی پوری تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

آرمی کے سینئر کمانڈرز کی اخلاقی پستی اور خراب کارکردگی کی زیادہ تر یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ وہ 1958ء سے مسلسل مارشل لاء کی ڈیوٹیز میں ملوث رہے، ہمارے سامنے کچھ ذمہ دار افسران نے بھی بیان دیا ہے کہ ان ڈیوٹیز پر فائز رہنے کی وجہ سے ان کے اندر کرپشن، شراب اور شباب کی لت اور زمینوں اور مکانوں کی ہوس پیدا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے سینئر فوجی افسران کی ایک بہت بڑی تعداد خاص طور پر اعلیٰ حیثیت کے افسران میں نہ صرف لڑنے کا جذبہ ختم ہوگیا تھا بلکہ اہم فیصلے کرنے کی ان کی پیشہ ورانہ صلاحیت بھی متاثر ہوئی تھی۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قومی جدوجہد کے ہر میدان میں اعلیٰ اخلاق اور مستحکم کردار ضروری ہوتا ہے لیکن فوج میں تو ان خوبیوں کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے پاکستان پر جو آفت نازل ہوئی وہ بہت حد تک ان لوگوں کی اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے آئی جو تاریخ کے اس اہم موڑ پر قوم کی قیادت کے اہم ترین منصب پر فائز تھے۔

مارشل لاء دور میں سینئر افسران کے ہاتھوں میں بے انتہا اختیارات رہے جن کے نتیجے میں وہ دن بدن کرپشن کی جانب مائل ہوتے چلے گئے...... وہ خود کو ان مواقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں روک سکے جو بڑے بڑے تاجروں، صنعتکاروں، غیر ملکی زرمبادلہ کا کام کرنے والوں، دلالوں اور طوائفوں اور معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ رابطے رکھنے کی صورت میں ان

کے سامنے آئے تھے پہلے مارشل لاء کے زمانے میں ان خطرات کا اندیشہ تھا اس لیے فوجی عملے کو جلد از جلد واپس بھیج دیا گیا اور مارشل لاء کے فرائض بھی سویلین ایجنسیوں نے سنبھال لیے تھے لیکن دوسرے مارشل لاء کے دور میں جو 25 مارچ 1969ء سے شروع ہوا' مارشل لاء ڈیوٹیز کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا یہاں تک کہ یہ سب ڈویژن سطح تک پہنچ گیا اور یہ برائی مارشل لاء ڈیوٹی انجام دینے والے تمام رینکس میں پیدا ہو گئی۔ افسران کی طرف سے رشوتیں قبول کرنے کی شکایات عام ہوئیں' اس بات کی اطلاعات بھی ملی ہیں کہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز نے روپیہ لے کر جرمانے اور سخت سزائیں کم کر دیں یا معاف کر دیں' یہ شکایات اتنے تسلسل سے ملتی رہی ہیں کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مارشل لاء ڈیوٹیز کے کرپٹ کرنے والے اثرات کے علاوہ ایک اور بات بھی ہوئی وہ یہ کہ مسلح افواج کی حمایت اور وفاداری قائم رکھنے کے لیے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنے ماتحتوں کو نئی ترغیبات اور نئی مراعات دینی شروع کر دیں چنانچہ ملازمت کے نئے مواقع مہیا کیے گیے' اعلیٰ عہدوں پر حاضر خدمت اور ریٹائرڈ فوجی ملازم رکھے جانے لگے' ان میں سے بہت سے نہایت اہم اداروں کے مینجنگ ڈائریکٹر مقرر کر دیے گئے جیسے کراچی الیکٹرک سپلائی کمپنی' سیمنٹ پروڈکشن وغیرہ وغیرہ اسکے علاوہ انہیں بینکوں کا مشیر بھی مقرر کیا گیا۔

تمام مغربی پاکستان میں فوجی عملے اور افسران کو آزادانہ طور پر بہت سی اسکیموں میں زرعی زمینیں الاٹ کی گئیں جیسے تھل ڈیویمنٹ اسکی' ماکھی دھند اسکیم' غلام محمد بیراج اسکیم' نواب شاہ اسکیم' گدو بیراج اسکیم اور باردر ایریا اسکیم ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق 1748 افسران جن میں آرمی کے ریٹائرڈ اور حاضر سروس تقریباً تمام جنرل شامل تھے' یہ زمینیں الاٹ کی گئی تھیں ان میں سے کچھ زمینوں کو ویلفیئر ڈائریکٹوریٹ اینڈ ملٹری فیملیز ری ہیبی لیٹیشن آرگنائزیشن کے وسائل استعمال کر کے قابل کاشت بنایا گیا' ان زمینوں کے علاوہ جنرل ہیڈ کوارٹرز نے وسیع اراضی پر بھی قبضہ کر لیا تھا تا کہ ویلفیئر فنڈ حاصل کیا جا سکے لیکن یہ اراضی بھی انفرادی ناموں پر حاصل کی گئی تھی جیسے کمانڈر انچیف یا چیف آف اسٹاف یا پاکستان آرمی کے ایجوٹینٹ جنرل کے ناموں پر' پاکستان آرمی کے سابق ایجوٹینٹ جنرل نے بتایا کہ یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ اداروں کے نام سے زمین لینے میں کچھ مشکلات درپیش تھیں لیکن جب ہم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کیا ان اراضی کے لئے ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے تو ہمیں اس کا کوئی جواب

نہیں مل سکا ہم نے جو معلومات جمع کی ہیں ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ جنرلوں کو ان اسکیموں کے علاوہ بھی بڑی بڑی اراضی ملی تھیں مثلاً:

(a) جنرل یحییٰ خان کو 1396 ایکڑ زمین ملی؛ (b) جنرل عبدالحمید اور ان کے خاندان کو 1361 ایکڑ زمین ملی اور (c) جنرل خداداد خان اور ان کے خاندان کو 1622 ایکڑ زمین دی گئی۔

ہمیں یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ ایجوٹینٹ جنرل نے ملٹری اسٹیٹس آفس کی طرف سے لیز پر جنرل یحییٰ خان' جنرل حمید خان' میجر جنرل خداداد خان' میجر جنرل کیانی اور لیفٹیننٹ کرنل گلزار کو دی گئی کچھ زمین واپس کرنے پر بطور معاوضہ 701565 روپے کی رقم ادا کی جبکہ ملٹری اسٹیٹ آفیسر نے کل 433640 روپے ادا کرنے کی سفارش کی تھی ہم اس قدر زیادہ معاوضہ ادا کرنے کی وجہ نہیں سمجھ سکے مگر اس طرح کے سودوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ فوج کے اعلیٰ افسر بھی اپنی سرکاری حیثیت سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے سے مستثنیٰ نہیں تھے خاص طور پر اس صورت میں جب کہ مارشل لاء کے تحت ملک کی حکومت ان کے اپنے ہاتھ میں تھی۔

فوجی افسروں کی ایک بہت بڑی تعداد مکانات تعمیر کرنے کے شوق میں بھی مبتلا پائی گئی مکانات کی یہ تعمیر صرف ان کی رہائش کے لیے نہیں کی جا رہی تھی بلکہ اس کا مقصد منافع حاصل کرنا بھی تھا بہت سے لوگوں نے ایک سے زیادہ مقامات پر ایسے مکانات تعمیر کئے تھے یہ بات بھی اہم ہے کہ جنرل یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر سطح کے سول افسران کو مجبور کیا کہ وہ اپنے اثاثوں کا اعلان کریں ان افسران میں اعلیٰ عدالتوں کے جج بھی شامل تھے لیکن دفاع کے متعلق افسران کے بارے میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا جبکہ یہ امر بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ فوجی افسران بھی اپنے معلوم وسائل سے زیادہ دولت جمع کر رہے ہیں' بینکنگ کے ادارے نہایت آسان شرائط پر انہیں قرضے دے دیتے تھے تا کہ انہیں فوجی فنڈز کے اکاؤنٹ حاصل ہو سکیں' فوجی فاؤنڈیشن کے فنڈز اس کی ایک مثال ہے۔

مندرجہ بالا بدعنوانیوں کے علاوہ کچھ اعلیٰ سطح کے افسران پر بدچلنی کے الزامات بھی لگائے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ ان حرکتوں کا جنگ لڑنے اور صحیح فیصلے کرنے کی' ان کی صلاحیتوں پر براہ راست اثر پڑا یہ الزامات خاص طور پر جنرل یحییٰ خان' جنرل عبدالحمید خان' جنرل خداداد خان' جنرل اے اے کے نیازی' میجر جنرل جہاں زیب اور بریگیڈیئر ہدایت اللہ پر لگائے

جاتے ہیں ہم ان الزامات کی تفصیل دہرانا نہیں چاہتے کیونکہ یہ دستاویزی ثبوت کے ساتھ رپورٹ میں موجود ہیں یہ ایسا معاملہ ہے جس پر قوم کو خاصی تشویش ہے ہمیں امید ہے کہ ان الزامات کی مناسب طور پر تفتیش کی جائے گی کیونکہ یہ متعلقہ افسران کے اپنے مفاد میں ہے اور اس سے ہماری فوج کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا۔

سروسز میں سلیکشن اور ترقی کے نظام کے بارے میں بھی ہمارے پاس شکایات آئی ہیں۔ 1970-71ء میں مرحوم میجر جنرل افتخار خاں جنجوعہ کی سرکردگی میں اس موضوع سے متعلق قائم کی گئی کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ یہ کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی کہ خفیہ رپورٹیں معروضی اور صحیح طور پر نہیں لکھی جاتیں اور اس پر زور دیا کہ جذبات سے علیحدہ ہو کر صحیح طور پر رپورٹ لکھی جائے' رپورٹ میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ یہاں پر بھی امریکہ کا ''ایفیشنسی انڈیکس'' کا نظام رائج کیا جائے جس میں ہر رپورٹ کو اعداد میں بدل دیا جاتا ہے' کسی افسر کی کارکردگی اس کے گزشتہ سات برسوں کے اوسط پر نکالی جائے گی ہم کمیٹی کی سفارشات سے مکمل طور پر متفق ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اس کمیٹی کی رپورٹ پر پوری طرح عمل درآمد کیا جائے گا۔ ہمارے اس نظام میں کوئی خرابی نہیں ہے جس میں تمام جنرلوں پر مشتمل سلیکشن بورڈ کے ذریعے تقرر کیا جاتا ہے لیکن ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن میں یہ طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا اور کچھ افسران کو خاص طور پر میجر جنرل کے عہدوں پر جنرل یحیٰی خان نے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے' سلیکشن بورڈ سے منظوری کی امید میں پیشگی ترقی دے دی اس طرح کے پروموشن سے بے چینی پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ ترقی عام طریقے سے ہٹ کر دی گئی تھی اور اسطرح سے ترقی دیئے گئے افسران کی کارکردگی پر اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ کمانڈر انچیف نے ان افسروں کو سلیکشن کمیٹی کے اجلاس سے پہلے ہی ترقی دے کر ناجائز فائدہ اٹھایا اور عملی طور پر سلیکشن کمیٹی کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کی سفارشات قبول کر لے۔ کچھ افسران نے یہ شکایت بھی کی کہ سلیکشن بورڈ کیونکہ تمام جنرلوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے یہ مؤثر نہیں ہوتا اور یہ تجویز دی کہ سلیکشن بورڈ کو مختصر کیا جائے اور 10 یا 12 سینئر ترین جنرلوں کو رکھا جائے۔

ہمارے علم میں ایسے واقعات بھی لائے گئے کہ سینئر افسران کا کمانڈر کے لئے تقرر جنگ کے دوران یا جنگ سے کچھ پہلے کیا گیا اور انہیں اپنے ذمے دیئے گئے علاقے سے' یا اپنے ماتحت کمانڈروں کے منصوبوں سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع تک نہیں ملا۔ کچھ ایسے افسران

کو بھی کمانڈ دے دی گئی جن کا اس طرح کے کاموں کی طرف رجحان ہی نہیں تھا۔

کئی ایسے گواہان نے جن کا کمیشنڈ آفیسر یا دوسرے رینکس سے تعلق تھا مسلح افواج میں موجود ڈسپلن کی صورتحال پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمیشہ کچھ ایسے غیر مطمئن لوگ موجود ہوتے ہیں جو ہر چیز میں خرابی نکالتے رہتے ہیں خاص طور پر معاشرے کی موجودہ صورتحال میں اور مسلح افوج کی مختلف سطحوں کو حاصل ہونے والے حقوق اور مراعات کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں مگر ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ عام معلومات کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس موضوع کا ہر سروس میں جائزہ لیا جائے اور ڈسپلن کے بہتر اور منصفانہ طریقے اختیار کئے جائیں۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ صرف سزا کے خوف سے ہی حکم کی تعمیل نہ کرائی جائے بلکہ ہر رینک میں قیادت اور تفہیم کی ایسی خوبیاں پیدا کر کے احترام کا جذبہ اجاگر کیا جائے جس کی وجہ سے افسران میں اعتماد کی خوبی پیدا ہو۔ ہم یہ بات مشرقی پاکستان میں پیش آنے والے ان واقعات کی وجہ سے کہہ رہے ہیں جن میں پاکستان کی فوج نے اس طاقت کا استعمال کیا جو مبینہ طور پر شرپسند لوگوں سے لاحق خطرے کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ اس بات کے ریکارڈ میں کافی شواہد موجود ہیں جن میں مغربی پاکستان کے افسران کی گواہی بھی شامل ہے کہ ہمارے کچھ افسران اور جوانوں نے لوٹ مار' زنا اور بے دریغ قتل کی کارروائیوں کو روا رکھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فوجیوں نے بنکوں' دکانوں اور نجی مکانوں کو بھی لوٹا اور کئی بستیوں کو بے رحمی کے ساتھ جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ واقعات ان سرکلرز سے بھی ثابت ہوتے ہیں جنہیں مشرقی کمانڈر نے جاری کرنا ضروری سمجھا تاکہ صورتحال میں بہتری آئے۔ ان میں زور دیا گیا تھا کہ وہ پوری آبادی کو دشمن بنا لینے کے ہرگز متحمل نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان سرکلرز کے باوجود حالات میں کوئی بہتری نہیں آئی کیونکہ ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی جو ان حرکتوں میں ملوث پائے گئے تھے۔ ہماری اطلاع کے مطابق سینئر افسران نے احتیاط رکھی کہ اس طرح کی کوئی حرکت سرزد نہ ہو اور ڈسپلن کو نہایت سختی سے قائم رکھا تاہم اصل کہانی اس کے برعکس ہے کہ سینئر افسران بھی ان قابل اعتراض حرکتوں میں اپنے ماتحتوں سے کسی طور پیچھے نہیں رہے۔ اس بحث میں جائے بغیر کہ کتنے لوگ قتل کئے ہوئے کتنی خواتین کے ساتھ زیادتی کی گئی' کتنے دیہات جلائے گئے یا انہیں تباہ کر دیا گیا یہ کہنا کافی ہے کہ شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آرمی کے ہاتھوں بڑی تعداد میں مظالم ڈھائے گئے اس لئے یہ ضروری ہے کہ جب جنگی قیدی واپس آ جائیں تو ان

کے خلاف ان مظالم کے بارے میں انکوائری کی جائے اور جو لوگ اس کے مجرم پائے جائیں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔

اس کے علاوہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے افسران کی طرف سے کی جانے والی غلطیوں کے معاملات ہمارے علم میں آئے ہیں۔ جن کا ہم نے اس رپورٹ میں پہلے ہی ذکر کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف بھی انکوائری کی جائے گی جو کہ خود ان کے اپنے مفاد میں ہے۔

فوجی اور سول ایوارڈز دینے کے طریقہ کار میں ہمیں کوئی خامی نظر نہیں آئی مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایوارڈز انفرادی بہادری کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ ایوارڈز رینک اور مرتبے کا امتیاز کئے بغیر دیئے جائیں اور ایوارڈز کمیٹی سختی کے ساتھ میرٹ کی بنیاد پر ان کا فیصلہ کرے۔

✿✿✿

سفارشات

ہم جن نتائج پر پہنچے ہیں ان کی روشنی میں یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت کے غور کے لئے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کریں۔

جرنیلوں کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے

(1) جنرل یحیٰی خان، جنرل عبدالحمید خان، لیفٹیننٹ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ، میجر جنرل عمر، لیفٹیننٹ جنرل گل حسن، میجر جنرل مٹھا کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ اس جرم میں کہ انہوں نے 25 مارچ 1969ء کو فیلڈ مارشل ایوب خان سے غیر قانونی طور پر اقتدار حاصل کرنے کی سازش کی اور جنرل یحیٰی خان کو اقتدار میں لائے۔ اپنا مشترکہ مقصد حاصل کرنے کے لئے انہوں نے دھمکی، لالچ اور رشوت کے ذریعے سیاسی جماعتوں کو مجبور کیا کہ وہ الیکشن میں مخصوص نتائج حاصل کرنے میں ان کی حمایت کریں اور کچھ سیاسی جماعتوں کو راغب کیا کہ وہ 3 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے سے انکار کر دیں۔ انہوں نے آپس میں مل کر مشرقی پاکستان میں ایسی صورتحال پیدا کر دی جس کے نتیجے میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوگئی جس نے بعد میں مسلح بغاوت کی شکل اختیار کر لی اور آخر میں ہماری فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور یوں یہ ملک ٹوٹ گیا۔

(2) مندرجہ بالا ملزمان پر اس الزام میں بھی مقدمہ چلایا جائے یا کورٹ مارشل کیا جائے کہ انہوں نے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان دونوں مقامات پر جنگ لڑنے میں اپنے فرائض سے غفلت برتی۔

(3) ایک اعلیٰ اختیاراتی عدالت یا انکوائری کمیشن قائم کیا جائے جو پاکستانی افواج کی طرف سے مشرقی پاکستان میں مظالم ڈھانے کے الزامات کی تحقیقات کرے اور جو لوگ بدچلنی اور مظالم کے ذمہ دار پائے جائیں انہیں قرار واقعی سزا دی جائے، انکوائری کمیشن کے قیام اراکین کا اعلان کیا جائے تاکہ ہمارا قومی ضمیر اور بین الاقوامی رائے مطمئن ہو سکے۔

(4) ان حالات کے بارے محکمہ جاتی تحقیقات کی جائیں جن میں میجر جنرل رحیم خان (موجودہ پاکستان آرمی کے چیف آف جنرل اسٹاف) نے اپنی فوج کو جو 39 (ایڈہاک) ڈویژن پر مشتمل تھی چھوڑ دیا اور ایسی جگہ منتقل ہو گئے جو ان کی ذمہ داری کے علاقے سے باہر تھی اور ان حالات کی انکوائری بھی کی جائے جن میں انہیں مشرقی پاکستان سے فرار کی تحقیقات کئے بغیر چیف آف جنرل اسٹاف مقرر کر دیا گیا۔

(5) پاکستان نیوی کے کماڈر گل زریں کے معاملے میں بھی اسی طرح کی انکوائری کی جائے جن پر الزام ہے کہ انہوں نے پی این ایس تیتو میر' کھلنا کو اسے چھوڑنے کے احکام ملنے سے پہلے ہی چھوڑ دیا۔

(6) مندرجہ ذیل افسران کے طرز عمل کے خلاف بھی تحقیقات کی جائے جس طریقے سے انہوں نے جنگ کے دوران اپنے آپریشن کئے یا فرائض ادا کئے۔

(a) لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خاں جو جنگ کے دوران کور i کے کمانڈر رہتے۔

(b) میجر جنرل عابد زاہد' 15 ڈویژن کے جی او سی اور

(c) میجر جنرل بی ایم مصطفیٰ جی او سی۔ 18 ڈویژن

ہمارے خیال میں ان افسران کا صرف ریٹائر کیا جانا ہی کافی نہیں ہے اگر وہ مجرمانہ غفلت کے ذمہ دار ہیں یا انہوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے تو ان کے خلاف مناسب کارروائی کی جائے۔

(7) جب میجر جنرل فرمان علی' لیفٹیننٹ جنرل نیازی اور دوسرے افسران جو اس وقت بھارت میں قید میں ہیں' وطن واپس آ جائیں تو ان کے خلاف مناسب تحقیقات کی جائیں کہ وہ کیا حالات تھے جن کے تحت جنرل فرمان علی نے پال مارک ہنری کے ذریعے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے پاس پیغام بھیجا اور اس کی انہیں کس نے اجازت دی تھی۔

(8) ہم یہ بھی سفارش کرتے ہیں کہ اس رپورٹ کے پارٹ-V کے چیپٹر میں جن سینئر فوجی کمانڈروں کے خلاف اپنے سرکاری عہدے کے غلط استعمال اور ملک سے غداری کے الزامات لگائے گئے ہیں حکومت ان کی اچھی طرح تحقیقات کرے' انہوں نے اخلاقی پستی کے نتیجے میں ملک سے غداری کی اور کوئی فیصلہ نہ کر کے بزدلی اور نااہلی کے مرتکب ہوئے۔

(9) مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کی وجوہات کے بارے میں ہماری تحقیقات

عبوری نوعیت کی ہے اس لیے ہم حکومت سے سفارش کرتے ہیں کہ جب مشرقی کمان کے کمانڈر اور دوسرے سینئر افسران جو بھارت میں قید میں ہیں واپس آ جائیں تو مزید انکوائری کرائی جائے کہ وہ کیا حالات تھے جن کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے پڑے۔

(10) جہاں تک اعلیٰ سطح پر جنگ میں قیادت کا سوال ہے ہم مندرجہ ذیل سفارشات پیش کرتے ہیں۔

(a) کمانڈر انچیفس کے عہدوں کو ختم کر کے ان کی بجائے متعلقہ سروس چیفس اور اسٹاف مقرر کئے جائیں (ہمارا خیال ہے کہ ایسا پہلے ہی ہو چکا ہے)

(d) کابینہ کی دفاعی کمیٹی کو پھر سے سرگرم کیا جائے اور یہ یقینی بنایا جائے کہ اس کے اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہوں۔ چارٹر میں ایک ہدایت اور شامل کی جائے جس کے ذریعہ کابینہ کو اختیار دیا جائے کہ وہ کم از کم تین ماہ میں ایک بار اجلاس بلا سکے یا چارٹر میں دی گئی تاریخوں پر اجلاس بلایا جا سکے۔ اور یہ اجلاس صدر یا وزیر اعظم کی غیر موجودگی میں بھی سینئر ترین وزیر کی صدارت میں منعقد کیا جا سکے۔

ڈیفنس منسٹر کمیٹی کا قیام

(e) ایک ڈیفنس منسٹر کی کمیٹی بھی ہونی چاہئے اور وزارت دفاع کو ایک ایسے ادارے کے طور پر اپنا صحیح مقام حاصل کرنا چاہئے جو پالیسی بنائے صدر یا کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی سے ہدایت حاصل کرے اور انہیں اپنے دفاعی پروگراموں میں شامل کرے اور تینوں سروسز سے مستقل مشاورت کرتا رہے۔ یہ ادارہ قومی دفاع کے حقیقی منصوبوں کی تیاری کو بجٹ میں مختص شدہ رقم کے مطابق یقینی بنائے۔ اس کا اجلاس وزیر دفاع کی صدارت میں منعقد کیا جائے اور اس میں سیکرٹری دفاع' تینوں سروسز کے چیفس' دفاع کی مالیاتی مشیر' سول ڈیفنس کے ڈائریکٹر جنرل' اسلحہ کی پیداوار کے ڈائریکٹر جنرل' ڈیفنس پروکیورمنٹ کے ڈائریکٹر جنرل' انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل' دفاع کے سائنٹیفک مشیر' اور اس کے علاوہ کوئی مرکزی سیکرٹری یا افسر جس کی ایجنڈے کے کسی خاص آئٹم کے لئے موجودگی ضروری ہو' شامل ہوں۔ اگر دفاع کا محکمہ صدر یا وزیر اعظم کے پاس ہو تو اس کے اجلاس کی سربراہی دفاع کا ڈپٹی سیکرٹری یا ڈیفنس پروڈکشن کا انچارج وزیر کرے۔ اگر کوئی وزیر موجودہ ہو تو اس کے اجلاس کی صدارت کسی پروٹوکول یا سابقہ

روایت کے بغیر وزارت دفاع کا سیکرٹری کرے۔

(d) موجودہ سیکرٹریز کو آرڈی نیشن کمیٹی برقرار رہنی چاہئے۔

(e) یہ بھی ضروری ہے کہ قومی دفاع میں تینوں سروسز برابر کی شریک ہوں۔ اور یہ ان کی مشترکہ ذمہ داری ہو۔ مسلح افواج کے تمام ترقیاتی منصوبے اور پروگرام' مشترکہ حکمت عملی پر منحصر ہوں اس لئے یہ ضروری ہے کہ تینوں سروسز کے چیفس' جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے طور پر کام کریں اور اپنی سروس کے سربراہی کی حیثیت سے انفرادی طور پر کام نہ کریں۔

(f) جوائنٹ چیفس آف اسٹاف آرگنائزیشن کے تحت نہ صرف ایک سیکرٹریٹ قائم ہوگا' بلکہ مشترکہ منصوبہ بندی کی غرض سے تینوں مسلح افواج میں سے ضرری اسٹاف بھی مامور کیا جائے گا۔ جسے "جوائنٹ سیکرٹریٹ اور پلاننگ اسٹاف" کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ نہ صرف ضروری' سیکرٹریل معاونت فراہم کرے گا' بلکہ مشترکہ دفاعی منصوبوں کی تشکیل اور اسٹریٹجک اسٹڈیز کے علاوہ تینوں' افواج کے مابین اہم امور و معاملات کا بھی جائزہ لے گا' جوائنٹ چیف آف اسٹاف ایسی دیگر کمیٹیاں بھی تشکیل دے سکتے ہیں جو انہیں ضروری معاملات کے سلسلے میں معاونت فراہم کر سکیں۔

امریکن انسپکوریٹ جنرل کے طرز پر ادارے کا قیام

(g) مسلح افواج کی تیاری کی حالت میں پائی جانے والی کمزوریاں' جو اس کمیشن کے علم میں آئی ہیں انہیں دیکھتے ہوئے ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں "امریکن انسپکوریٹ جنرل" کی طرز کا ایک ادارے کے قیام کی اشد ضرور ہے۔ جس کے ذمہ یہ فرض عائد ہو کہ وہ اچانک معائنے کے ذریعے اس بات کو یقینی بنائے کہ متعلقہ فارمیشن اور یونٹ مکمل طور پر جنگی تیاری کی حالت میں ہیں۔ فی الوقت کوئی ایسی مشینری موجود نہیں ہے جو ٹریننگ کی صورتحال' ڈسپلن اور تینوں مسلح افواج کی تیاریوں پر اس طرح نظر رکھ سکے۔ یہ ادارہ وزارت دفاع کے تحت ایک چھوٹے اسٹاف پر مشتمل ہوگا جس کا سربراہ میجر جنرل کے عہدے سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ اس ادارے کے ذریعے مسلح افواج میں احتساب اور جواب دہی کا رجحان بھی پیدا ہو سکے گا اور اگر تینوں مسلح افواج کے لئے علیحدہ علیحدہ جوائنٹ انسپکوریٹ جنرل قائم کر دیا جائے' تو ہمارا خیال ہے اس پر کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

(h) ہم نے انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹجک اسٹڈیز کے قیام کی ضرورت کو بھی شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ جسے ترجیحی طور پر یونیورسٹی پروگرام کے ایک حصے کے طور پر قائم کیا جانا چاہئے ہماری تینوں مسلح افواج کیجانب سے کی جانے والی مشترکہ جنگی منصوبہ بندی کی خامیوں اور کمزوریوں کے اجاگر ہونے کے نتیجے میں ایسے ادارے کے قیام کی ضرورت بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ ہماری رائے میں اس ادارے کے ذریعے ایسی قابل قدر مطالعاتی اور تجزیاتی رپورٹیں تیار کیا سکتی ہیں' جس سے مستقل میں دیگر دفاعی تنظیمیں بھی خاطر خواہ استفادہ کر سکیں گی۔

(11) ملک کی فضائی۔ دفاعی منصوبہ بندی' پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

(a) ہم اس دلیل سے قائل نہیں ہو سکے کہ ہماری فضائیہ ملک کی مخصوص دفاعی ضروریات کے پیش نظر نسبتاً اگلے مقامات پر فضائی اڈے تعمیر نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ہم تجویز کرتے ہیں کہ پاکستان میں بھی' سرحدوں سے نزدیک اگلے مقامات پر فضائی اڈے تعمیر کئے جائیں تاکہ ہماری اہم مواصلاتی لائنوں' اور تنصیبات کی حفاظت کے ساتھ ساتھ بڑے صنعتی مراکز کو بھی دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اس نوعیت کی حکمت عملی سے ہمارے جنگی طیاروں کے حملہ کرنے کی صلاحیت میں بھی خاصا اضافہ ہوگا۔

(b) ہمیں اپنے پیشگی خبردار کرنے والے نظام کو بھی مزید بہتر بنانا ہوگا۔ موبائل آبزرور یونٹ کی پہلی لائن کے دشمن طیاروں کو دیکھنے اور اس کی اطلاع ائر آپریشن سینٹر کو پہنچنے میں خاصا طویل وقفہ حائل ہوتا ہے۔ جس کا بنیادی سبب اطلاع رسانی کا سست رفتار طریقہ کار ہے' چنانچہ تربیتی مشقوں کے ذریعے پیشگی خبردار کرنے والے نظام کی کارکردگی سے متعلق مختلف ایجنسیوں کے درمیان ضروری رابطوں کو مستحکم بنانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ ان کی استعداد کار کا معیار ہمیشہ بلند رہے۔

(c) کراچی کی بندرگاہ پر بھی فوری طور پر نچلی سطح کا سمندری رخ کی جانب ریڈار نصب کیا جانا چاہئے کیونکہ اس ریڈار کی عدم موجودگی کے سبب گزشتہ جنگ کے دوران یہ بندرگاہ بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔

(d) میزائل بوٹس کی مدد سے کراچی کی مکمل ناکہ بندی کی جائے' بڑھتی ہوئی بھارتی صلاحیت کے پیش نظر کراچی کے فضائی دفاعی کو غیر معمولی اہمیت دی جانی چاہئے۔ گزشتہ جنگ

کے دوران کراچی کے دفاع کو جنگی لڑاکا طیاروں کے محض ایک اسکواڈرن اور بم بار طیاروں کے نصف اسکواڈرن تک محدود کر دینا' انتہائی غیر دانشمندانہ اقدام تھا۔

(12) جیسا کہ ہم پہلے بھی یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ ملک کے فضائی دفاع کو وزارت دفاع کے ماتحت ہونا چاہئے اور اسے انفرادی محکموں کی ذمہ داری میں نہ دیا جائے۔ مرکزی حکومت کو ملک کے شہری دفاعی نظام تنظیم اور مجموعی کنٹرول کی تمام تر ذمہ داریاں خود سنبھالنی چاہئیں۔

(b) چونکہ مستقبل قریب میں اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ہم اپنی فضائیہ میں کوئی قابل ذکر اضافہ یا توسیع کر سکیں لہٰذا ہم پرزور سفارش کرتے ہیں کہ 1972ء کے اواخر تک فضائی دفاع کے نظام کو مستحکم بنانے کی غرض سے طیارہ شکن توپوں کی تعداد دوگنی کر دی جائے اور بتدریج مرحلہ وار پروگرام کے ذریعہ پاک فضائیہ کی تجویز کے مطابق اس تعداد کو تین سو بیالیس بیٹری تک بڑھا دیا جائے۔

(c) ملک کے مؤثر فضائی دفاع کی غرض سے زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں کے حصول کی کوششیں بھی کی جانی چاہئیں۔

(d) اگر زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل حاصل نہ کئے جا سکیں تو ایسی صورت میں عوامی جمہوریہ چین سے ریڈار کے ذریعے کنٹرول کی جانے والی میڈیم ایچ اے اے توپیں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

(c) آگ بجھانے کی سہولتوں کے نظام کو بالخصوص بندرگاہی اور صنعتی علاقوں میں مزید بہتر بنانے کی غرض سے تمام ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں۔

(f) ایسے صنعتی اور کمرشل ادارے جو مواصلاتی لائنوں اور تنصیبات کے نزدیک یا اسی نوعیت کے دیگر حساس اور نازک مقامات کے قریب واقع ہوں اپنے آتش گیر صنعتی ساز و سامان اور اشیاء کی حفاظت کے لئے خود ذمہ دار ہوں گے۔

(g) زیر زمین پٹرول کی بڑی مقدار کے ذخیرے کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ضروری بندوبست کیا جانا چاہئے۔

(13) پاک بحریہ کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی بنیادی ضروریات پر فوری توجہ دی جائے۔ تاکہ وہ پاکستان کی واحد بندرگاہ کے تحفظ کی صلاحیت حاصل کرتے ہوئے اس ملک کی

اصل شہ رگ کو محفوظ رہ سکے۔ پہلے مارشل لاء دور کے عہد سے پاک بحریہ کو افسوس ناک طور پر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ کیونکہ آرمی کمانڈروں کی رائے تھی کہ بحریہ ملک کے دفاع میں کوئی قابل ذکر کردار ادا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ تاہم اس جنگ کے دوران آرمی کمانڈروں کا یہ نظریہ غلط ثابت ہو گیا۔ چنانچہ ہم پرزور طریقے سے یہ سفارش کریں گے کہ پاک بحریہ کے پاس بھی اپنے جنگی ہوائی جہازوں کا ایک مکمل نظام ہونا چاہئے جس کی مدد سے وہ بھارتی میزائل کے بوٹس کے خطرے سے نبرد آزما ہو کر بندرگاہ کا موثر دفاع کر سکے۔ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس پر عمل کر کے بھارتی بحریہ اور اس کی میزائل بوٹس کے بڑھتے ہوئے خطروں سے نمٹا جا سکتا ہے۔

(14) بحریہ کے لئے کراچی سے فاصلے پر ایک علیحدہ ہاربر کا قیام بھی بے حد ضروری ہے جہاں سے وہ کراچی پر ہونے والے حملوں کا مؤثر دفاع کر سکے۔

(15) ہم ان دشواریوں کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں جو "ڈی۔ ڈے اور ایچ آور" کی پاک بحریہ کو تاخیر سے ارسال کئے جانے کی صورت میں سامنے آئی تھیں جس کے نتیجے میں اسے مکمل طور پر جنگی منصوبہ بندی سے الگ کر دیا گیا تھا چنانچہ ہم صرف یہی سفارش کر سکتے ہیں کہ دوبارہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ بحریہ بھی جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کی تنظیم کا ایک مکمل عامل رکن ہے۔

(16) نیشنل سیکورٹی کونسل کی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ڈائریکٹوریٹ آف دی انٹیلی جینس بیورو" اور ڈائریکٹوریٹ آف انٹر سروسز انٹیلی جینس" جیسے اداروں پر اسے مسلط کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ نیشنل سیکورٹی کونسل کو فوری طور پر ختم کر دینا چاہئے۔

(17) ہم سفارش کرتے ہیں کہ مسلح افواج ایسے طریقے اور ذرائع اختیار کرے جو اس بات کو یقینی بنائیں۔

(a) کہ کسی بھی صورت رسوا کن طرز عمل کے سلسلے میں اعلیٰ اخلاقی قدروں پر کوئی سمجھوتہ ہرگز نہیں کیا جائے گا بالخصوص بالائی سطح پر......

(b) کہ اعلیٰ عہدوں پر ترقی دینے کے معاملات میں پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اخلاقی کردار کو بھی یکساں اہمیت دی جائے گی۔

(c) رسوا کن جنسی طرز عمل اور دیگر سنگین بدعنوانیوں کا سنجیدگی سے نوٹس لیا جائے گا۔

(18) ہماری تجویز ہے کہ حکومت تمام فوجی افسران سے بھی یہ مطالبہ کرے کہ وہ گزشتہ دس برسوں کے دوران حاصل کی گئی اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اور املاک' نیز اس جائیداد کی تفصیلات سے اسے آگاہ کریں' جو ان کے قریبی عزیزوں اور رشتے داروں کے نام پر حاصل کی گئی ہیں (اس قسم کی تفصیلات سول ملازمین اور جج صاحبان سے تو حاصل کر لی گئی تھیں) ان تفصیلات کی ضروری جانچ پڑتال کے نتیجے میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی افسر نے اپنے موجودہ مالی وسائل اور ذرائع سے ماورایہ جائیداد حاصل کی ہے تو ایسی صورت میں اس کے خلاف مناسب اقدامات کئے جائیں۔

(19) اس ضمن میں بھی مناسب تحقیقات کی جانی چاہئیں کہ فوجی افسران کو کن وجوہ کی بناء اور کن حلات کے تحت زمینیں الاٹ کی گئی تھیں۔ اگر یہ الاٹمنٹ غلط یا ناجائز طریقوں سے حاصل کئے گئے تھے تو انہیں فوری طور پر منسوخ قرار دیتے ہوئے متعلقہ افسران کے خلاف ضابطے کی کارروائی کے لئے اقدام کیا جائے۔

(20) تینوں مسلح افواج میں سے ہر ایک کو اپنے افسران' جونیئر کمیشنڈ آفیسرز اور دیگر رینکس کے حاصل ملازمت کی شرائط اور مراعات کی تقابلی مطالعہ اور موازنہ کرتے ہوئے' اسے عدم مساوات کا تدارک کرنا چاہئے جو ان کے لئے بے اطمینانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں میجر جنرل افتخار خان جنجوعہ کی سربراہی میں قائم کی جانے والی کمیٹی کی وہ سفارشات جو جنرل ہیڈ کوارٹرز کو پیش کی گئی تھیں کافی مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

(21) آخر میں ہم یہ مشورہ دینا چاہیں گے کہ جنرل یحییٰ خان' جنرل عبدالحمید خان' میجر جنرل خداداد خان اور جنرل اے اے کے نیازی کے ذاتی کردار پر عائد کئے گئے سنگین نوعیت کے الزامات کی بھی مناسب طور پر تحقیقات کی جانی چاہئیں تا کہ ان کے خلاف ضروری اقدامات کئے جاسکیں۔

✿✿✿

"ضمنی رپورٹ"

حصہ اول

حمود الرحمٰن	صدر
ایس۔ انوار الحق	رکن'
طفیل علی اے۔ عبدالرحمٰن	رکن
مورخہ: لاہور 8 جولائی 1972ء	حکومت پاکستان
کمیشن آف انکوائری	جنگ۔ 1971
"ضمنی رپورٹ'	جلد اول
انتہائی خفیہ	حصہ اول

ضمنی رپورٹ کی تیاری کے اسباب

یہ انکوائری کمیشن صدر پاکستان نے ماہ دسمبر 1971ء میں قائم کیا تھا تا کہ ان حالات کی تحقیقات کی جائیں جن کے نتیجے میں مشرقی کمان کے کمانڈر نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔ ان کے زیر کمان پاکستان کی مسلح افواج نے بھی اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور مغربی پاکستان اور بھارت کی سرحد نیز ریاست جموں وکشمیر کی جنگ بندی لائن پر جنگ بندی کے احکامات صادر کردیئے گئے۔ چنانچہ کل دو سو تیرہ گواہان کے بیانات سننے کے بعد اس کمیشن نے جولائی 1972ء میں اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کردی۔

تاہم اس رپورٹ کو پیش کرنے سے قبل ہم ان بہت سے افراد کے بیانات قلمبند نہیں کرپائے جنہیں بھارت نے جنگی قیدی بنالیا تھا' جن میں بہت سی اہم شخصیات ایسی بھی تھیں جنہوں نے مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے جانے سے پیشتر وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات کے حوالے سے نہایت اہم کردار ادا کیا تھا بہرکیف' میجر جنرل رحیم خان ایسے افراد میں شامل نہیں تھے حالانکہ ہم نے اپنی بساط بھر یہ کوشش کی ہے کہ تمام موجودہ اور دستیاب مواد اور شواہد کی مدد سے مشرقی پاکستان کی داستان کو حقیقت کے عین مطابق دہرا سکیں۔ تاہم ہمارے اخذ کئے گئے نتائج کے حتمی اور آخری ہونے پر ہمیں قطعاً اصرار نہیں ہے۔ ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ بعض مخالفانہ اسباب و وجوہات کی موجودگی کی بنا پر ہم نے چند اہم شخصیات کی کارکردگی پر نکتہ چینی ضرور کی ہے تاہم ان کے خلاف کوئی حتمی اور آخری فیصلہ کئے جانے سے قبل انہیں اپنی صفائی اور وضاحت کا کوئی موقع نہ دینا' انصاف کے تقاضوں کے یکسر خلاف ہوگا چنانچہ اسی وجہ سے ہم نے کہا ہے کہ "مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے جانے اور اس سے متعلقہ دیگر امور و معاملات کے بارے میں ہمارے مشاہدات اور نتائج کو محض عارضی اور مشرقی کمان کے کمانڈر اور ان کے سینئر افسران کے شواہد اور بیانات کی روشنی میں کی جانے والی ترمیم اور تبدیلی سے مشروط تصور کیا جانا چاہئے جب کبھی ایسے شواہد کمیشن کو دستیاب ہوسکیں" (صفحہ 242 اصل رپورٹ)

"کمیشن کا دوبارہ فعال ہونا"

چنانچہ جنگی قیدیوں اور ان سول اہلکاروں کی واپسی کے بعد جو بھارت کی قید میں تھے وفاقی حکومت نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے یہ ہدایات جاری کیں کہ "کمیشن اپنی طے کردہ تاریخ اور مقام کے مطابق انکوائری کا آغاز کرتے ہوئے اپنی تحقیقات کے مکمل نتائج انکوائری شروع ہونے کی تاریخ سے دو ماہ کے اندر اندر صدر پاکستان کی خدمت میں پیش کرے' اس نوٹیفکیشن کی ایک کاپی اسباب کے ساتھ بطور ضمیمہ "الف" منسلک ہے۔ لہٰذا لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) الطاف قادر جو پہلے بھی اس کمیشن کے فوجی مشیر رہ چکے ہیں کمیشن کے سابق سیکرٹری ایم اے لطیف کے ہمراہ دوبارہ اپنی سابقہ حیثیتوں میں اس کمیشن سے منسلک ہوگئے۔ کمیشن کی درخواست پر حکومت نے کرنل ایم اے حسن کو بھی قانونی مشیر کی حیثیت سے مقرر کردیا۔

یکم جون 1974ء کو کمیشن نے ایک پریس ریلیز جاری کیا جس کے ذریعے بھارت کی قید سے رہائی پاکر آنے والے جنگی قیدیوں نیز مشرقی پاکستان سے تبادلہ آبادی کے نتیجے میں آنے والے افراد کو یہ پیشکش کی گئی کہ وہ اپنے علم میں آنے والی ایسی معلومات اور اطلاعات اس کمیشن کے روبرو پیش کریں جو اس کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں۔ اس پریس ریلیز کی ایک کاپی اس باب کے ہمراہ ضمیمہ ب کے طور پر منسلک ہے۔

"کارروائی"

3 جون 1974ء کو لاہور میں کمیشن کی ایک غیر رسمی میٹنگ میں متعدد ابتدائی امور و معاملات پر غور کرنے کے بعد 16 جولائی 1974ء سے ایبٹ آباد کے مقام پر کمیشن کی کارروائی کے آغاز کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی دوران متعدد افراد کو سوالنامے جاری کردیے گئے۔ بالخصوص ایسے افراد کو جو اس وقت مشرقی پاکستان کے معاملات سے گہرے طور پر منسلک تھے' نیز ایسے لوگوں کو بھی جو ہمارے خیال میں کمیشن کو مطلوبہ معلومات فراہم کرسکتے تھے۔ مسلح افواج کے اراکین سول سروس اور پولیس کے شعبے سے تعلق رکھنے والے افسران اور اہلکاروں سے تحریری بیانات بھی طلب کئے گئے۔ جن کی ضروری جانچ پڑتال اور معائنے کے بعد' گواہان کو کمیشن کے روبرو پیش ہونے کے لئے کہا گیا چنانچہ ہم نے تقریباً 72 افراد کے بیانات قلم بند کئے جن میں لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی کمانڈر ایسٹرن کمانڈ' میجر جنرل فرمان علی' میجر جنرل محمد جمشید

خاص طور پر شامل تھے نیز وہ جرنلز بھی جو اس زمانے میں وہاں ڈویژنوں کی کمان کر رہے تھے ان کے علاوہ ریئر ایڈمرل شریف جو سب سے زیادہ سینئر نیول آفیسر تھے فضائیہ کے سب سے سینئر آفیسر کموڈور انعام اور سویلین اہل کار جن میں اس وقت کے چیف سیکرٹری مظفر حسین اور انسپکٹر جنرل پولیس محمود علی چوہدری شامل تھے کے بیانات بھی اس کمیشن نے قلمبند کئے۔ اس کے ساتھ ساتھ میجر جنرل رحیم کو بھی دوبارہ بیان دینے کے لئے طلب کیا گیا۔ تاہم ناگزیر وجوہات کی بنا پر ڈاکٹر مالک کو' جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے کچھ ہی پیشتر وہاں کے گورنر رہ چکے تھے' گواہی کے لئے طلب نہ کیا جاسکا' بہر کیف ان کے حوالے سے بھی تمام اہم واقعات کے شواہد' اس کمیشن تک پہنچ چکے ہیں لہٰذا ہم محسوس کرتے ہیں کہ اب یہ کمیشن اس قابل ہے کہ اپنے حتمی نتائج پیش کر سکے۔

دستیاب بیانات اور شواہد کی ضروری جانچ پڑتال اور معائنے کے بعد کمیشن نے متعدد وجوہات کی بنا پر اس رپورٹ کو 15 ستمبر 1974ء تک پیش کرنے سے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے میعاد میں اضافے کی درخواست کی چنانچہ یہ مدت 15 نومبر 1974ء تک بڑھا دی گئی جس میں آگے چل کر مزید 15 یوم کا اضافہ کر دیا گیا...... تاہم 5 ستمبر 1974ء کو جب تمام بیانات اور شہادتیں قلم بند کی جاچکی تھیں ہمیں چند دیگر مصروفیات درپیش ہوگئیں۔ کمیشن کے دو اراکین کو 9 ستمبر سے 21 ستمبر تک سپریم کورٹ کے خصوصی اجلاس میں شرکت کی غرض سے کراچی جانا پڑا۔ جبکہ اس کمیشن کے صدر کو ایک اور سلسلے میں جینوا بھی جانا تھا۔ چنانچہ 23 اکتوبر 1974ء کو ہم دوبارہ ایبٹ آباد میں جمع ہوئے تاکہ یہ ضمنی رپورٹ تیار ہو سکیں۔

"ضمنی رپورٹ کا منصوبہ"

اگرچہ عمومی طور پر ہم نے خاصی تعداد میں تازہ ترین شواہد اور بیانات کا معائنہ کیا ہے۔ تاہم ہمیں اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ "اصل رپورٹ" میں بیان کئے گیے نتائج میں کوئی تبدیلی یا ترمیم کریں۔ مزید شہادتیں فراہم ہونے سے ہمارے نتائج کی تصدیق ہوتی ہے۔

چنانچہ ہم اصل رپورٹ میں بیان کردہ نتائج کی غیر ضروری تکرار سے بچتے ہوئے صرف وہی نتائج یہاں نہایت مختصر طر پر پیش کر رہے ہیں جن کا دوبارہ بیان کیا جانا اصولی اعتبار سے اس ضمنی رپورت کے ضمنی میں بے حد ضروری ہے اس کے علاوہ بھی چند معاملات ایسے ہیں

جن کے بارے میں اس وقت ہماری معلومات یا اطلاعات ناکافی تھیں اور جنہیں اب نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ہم ان کے بارے میں بھی یہاں تفصیل سے ذکر کریں گے۔ تاہم ممکنہ حد تک اس ضمنی رپورٹ کو بھی اسی طرز پر تیار کریں گے جس پر ہم نے اپنی اصل رپورٹ تیار کی تھی۔

اصل رپورٹ کے حصہ دوم میں ہم نے "سیاسی پس منظر" کا ذکر کیا تھا۔ اس میں صرف وہی واقعات اضافے کے طور پر شامل ہوں گے جو 1971ء کے دوران پیش آئے تھے بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ 25 مارچ 1971ء کو اور اس کے بعد رونما ہوئے تھے۔

اصل رپورٹ کے حصہ سوم میں جو بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں مزید کوئی اضافہ نہیں کریں گے' جہاں تک اصل رپورٹ کے حصہ چہارم کا تعلق ہے ہم ان فوجی پہلوؤں کے حوالے سے جن کا تعلق مغربی پاکستان سے ہے کوئی اضافہ نہیں کریں گے ماسوائے اس محدود تاثر کے کہ مشرقی پاکستان پر اس کے کیا اثرات اور نتائج مرتب ہوئے تھے۔ اور اس متنازعہ بحث پر بھی مختصراً گفتگو کریں گے جو اس کمیشن کے روبرو اٹھائی گئی ہے جس کی رو سے مغربی پاکستان کے محاذ کو کھولنے میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی؟

بہر حال ضرورت کے تحت ہم اصل رپورٹ کے باب دوم' سوم' چارم' پنجم' ششم' ہفتم' ہشتم اور نہم کے تحت بیان کئے جانے والے ان امور و معاملات پر زیادہ تفصیل کے ساتھ غور کریں گے جن کا تعلق مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والا حالات اور واقعات سے بنتا ہے۔ اس کے بعد ہم مشرقی پاکستان میں مسلح افواج کے ڈسپلن کے موضوع پر بات کریں گے' جس میں مسلح افواج کے ان مبینہ مظالم کا تذکرہ بھی شامل ہوگا جو مشرقی پاکستان میں ڈھائے گئے تھے۔

ضرورت کے تحت ہم اس حصے میں متعدد افراد کے انفرادی کردار اور رویوں کا جائزہ لیں گے جن کا ثبوت ابتدائی ابواب ہی سے مہیا ہوتا نظر آ جائے گا۔

بعد میں ہم ان شواہد پر بھی بحث کریں گے جو ہمارے روبرو پیش کئے گیے ہیں جن کے مطابق بھارت میں جنگی حراست کے دوران چند اعلیٰ فوجی افسران نے مسلسل طور پر ترقی خواہ صحیح ہو یا غلط' یہ کوششیں جاری رکھیں کہ مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات اور حقائق کی یکطرفہ تصویر پر پیش کی جائے۔ اس کے بعد اپنی سفارشات پیش کرتے ہوئے ہم اس ضمنی رپورٹ کو مکمل کرلیں گے۔

✿✿✿

ضمیمہ ’’الف‘‘

حکومت پاکستان

کیبنٹ سیکرٹریٹ (کیبنٹ ڈویژن)

نمبر107/19/74 جیسا کہ وزارت صدارتی امور کے نوٹیفکیشن نمبر 71(1) 632 مورخہ 26 دسمبر 1971ء کے تحت قائم کئے جانے والے انکوائری کمیشن نے اپنی رپورٹ مورخہ 8 جولائی1972ء میں کہا ہے کہ مشرقی پاکستان کے واقعات کے بارے میں اس کی رپورٹ حتمی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے یہ سفارش کی ہے کہ جب مشرقی کمان کے کمانڈراور دیگر سینئر فوجی افسران جو بھارت کی جنگی قید میں ہیں واپس آ جائیں تو مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے جانے کے حالات پر مزید تحقیقات کی جائیں۔ چونکہ اب تمام جنگی قیدی اوران کے ساتھ دیگر سویلین قیدی بھی پاکستان واپس آ چکے ہیں اور وفاقی حکومت کی یہ رائے ہے کہ انکوائری کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ضروری ہے کہ اس معاملے پر تحقیقات کو آخری اور حتمی شکل دی جائے کہ وہ کیا حالات اور واقعات تھے جن کی بناء پر مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے گئے چنانچہ ان جنگی قیدیوں اور سویلین نظر بندوں سے کمیشن اپنی ضرورت کے مطابق ضروری شہادتیں حاصل کرتے ہوئے ان کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد کوئی حتمی فیصلہ کرے۔

پاکستان کمیشنز آف انکوائری ایکٹ VI of 1956)) کی دفعہ تین کی ذیلی دفعہ i کے تحت حاصل شدہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے وفاقی حکومت انکوائری کمیشن کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ اپنی جانب سے طے کئے گئے وقت اور مقام پر مکمل تحقیقات کا آغاز کرے اور صدر پاکستان کو اپنی رپورٹ پیش کرے جس میں درج بالا معاملات کے حوالے کے حتمی نتائج دیئے گئے ہوں۔ کمیشن کو کارروائی کے آغاز سے دو ماہ کے اندر اندر یہ رپورٹ داخل کرنی ہوگی۔

دستخط

وقار احمد

کیبنٹ سیکرٹری، حکومت پاکستان

✪✪✪

ضمیمہ ’’ب‘‘

لاہور، یکم جون1974

پریس ریلیز

26 دسمبر 1971ء کو اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو کے احکامات کے مطابق ایک ’’جنگی تحقیقاتی کمیشن‘‘ قائم کیا گیا تھا جس کا بنیادی مقصد ان حالات اور اسباب و وجوہ کا تحقیقی جائزہ لے کر حکومت کو ایک حتمی رپورٹ پیش کرنا تھا جس کے نتیجے میں افواج پاکستان کی مشرقی کمان نے بھارتی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے، جس کے بعد مغربی پاکستان اور جموں و کشمیر کی سرحدوں پر بھی جنگ بندی عمل میں آئی تھی۔

یہ کمیشن چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس حمود الرحمٰن کی سربراہی میں قائم ہوا تھا جس کے دیگر دو اراکین میں مسٹر جسٹس انوار الحق اور مسٹر جسٹس طفیل علی عبدالرحمٰن بھی شامل تھے۔ لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) الطاف قادر اور مسٹر ایم اے الطاف اسسٹنٹ رجسٹرار سپریم کورٹ نے بالترتیب کمیشن کے فوجی مشیر اور سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔

کمیشن نے اپنی کارروائی کا آغاز بند کمرے میں یکم فروری 1972ء کو راولپنڈی سے کیا۔ اس کارروائی کے دوران دو سو تیرہ گواہوں کے بیانات قلمبند کئے گئے۔ 12 جولائی 1972ء کو کمیشن نے اس وقت کے صدر پاکستان کو اپنی رپورٹ پیش کردی۔ اپنی اس رپورٹ میں کمیشن نے اس امر کی وضاحت کردی تھی کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے جانے کے اسباب اور وجوہات کے حوالے سے اس کی یہ تفتیش حتمی اور آخری نہیں ہے چنانچہ کمیشن نے یہ سفارش کی تھی کہ مشرقی کمان کے کمانڈر اور دیگر سینئر فوجی افسران جو ان دنوں جنگی قیدی کی حیثیت سے بھارت میں تھے۔ کی پاکستان واپسی کے بعد اس سلسلے میں ہتھیار ڈالنے کے اسباب جاننے کے لئے مزید تحقیقات کی غرض سے کمیشن کی کارروائی جاری رہنی چاہیے۔

اب جبکہ تمام جنگی اور شہری قیدی بھارت سے واپس آ چکے ہیں حکومت نے کمیشن سے اپنی تحقیقات کا بقیہ حصہ بھی مکمل کرنے کو کہا ہے حکومت کی ہدایت کے بموجب کمیشن کا ایک عارضی دفتر لاہور میں سپریم کورٹ کی بلڈنگ میں قائم کیا گیا۔ کارروائی کے آغاز سے قبل کمیشن نے فیصلہ کیا کہ پبلک سول سروسز کے اراکین نیز وہ فوجی افسران اور اہلکار جو جنگی قیدی کی حیثیت سے بھارت میں تھے یا مشرقی پاکستان سے تبادلے کے نتیجے میں یہاں آئے ہیں ان سب کو یہ موقع فراہم کرنا چاہئے کہ وہ کمیشن کے روبرو پیش ہو کر وہ تمام متعلقہ اطلاعات اور معلومات پیش کریں جن کا تعلق مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے اسباب سے ہے۔ یہ معلومات مختصراً تحریری شکل میں 30 جون 1974ء تک سپریم کورٹ آف پاکستان لاہور کی معرفت سیکرٹری انکوائری کمیشن کو پیش کر دی جائیں۔ تحریری اطلاع فراہم کرنے والوں کو طلب کئے جانے کی صورت میں کمیشن کے روبرو پیش ہو کر اپنے بیان کی تصدیق میں مطلوبہ شواہد بھی پیش کرنا ہوں گے۔ ایسے تمام افراد کو کمیشن کی جانب سے اس امر کی مکمل ضمانت دی گئی تھی کہ ان کی فراہم کردہ اطلاعات معلومات افراد کے نام اور اس سلسلے میں دیگر تمام تفصیلات مکمل طور پر صیغہ راز میں رہیں گی۔ اس کے علاوہ ایک سرکاری اعلان کے ذریعے ایسے تمام افراد کو یقین دلایا گیا تھا کہ کمیشن کی تمام تر کارروائی بند کمرے میں ہوگی اور انہیں کمیشن کے روبرو پیش ہو کر ہر بات کی مکمل آزادی ہوگی۔ بہر حال انہیں غلط بیانی یا مبالغہ آرائی سے ہر قیمت پر گریز کرنا ہوگا......
کمیشن پاکستان کے کسی بھی شہری کو اس سلسلے میں اپنے روبرو پیش ہونے کی غرض سے طلب کرنے کی تمام تر اختیارات رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ کسی بھی فرد کی حاضری کو یقینی بنانے کے لئے تمام ضروری اقدامات بروئے کار لا سکتا ہے نیز بلا کسی ڈر خوف اور خدشے کے اپنا بیان اس کمیشن کے روبرو دے سکتا ہے۔

✿✿✿

”ضمنی رپورٹ“

حصہ دوم

حمود الرحمن	صدر
ایس۔ انوار الحق	رکن
طفیل علی اے۔ عبدالرحمن	رکن
مورخہ: لاہور 8 جولائی 1972ء	حکومت پاکستان
کمیشن آف انکوائری	جنگ۔ 1971
”ضمنی رپورٹ“	جلد اول
انتہائی خفیہ	حصہ دوم

1971ء کے دوران پیش آنے والے سیاسی واقعات:

رپورٹ کے گزشتہ صفحات (ا) میں ہم یحییٰ حکومت کے دوسرے مارشل لاء پر بڑی تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں تاہم اس دور کے سیاسی حالات اور واقعات کا جائزہ لینے کی غرض سے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ مختصراً وہ نتائج بیان کر دیں جو ہم نے اس سلسلے میں اخذ کئے تھے۔ اصل رپورٹ کے حصہ دوم کے باب ششم کے پیراگراف تین (کل صفحات 67) میں جنرل یحییٰ خان کی ریڈیو تقریر کا حوالہ دینے کے بعد ہم نے کہا تھا" چنانچہ جنرل یحییٰ خان کا اصل کردار محض ایک نگران کا تھا جسے ملک میں مختصر ترین مدت کے اندر امن عامہ کو بحال کرنے کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کرنا تھا جس کا واضح مفہوم یہ تھا کہ ایک نیا آئین وضع کیا جائے گا جسے خواہ یحییٰ خان خود نافذ کریں یا پھر اس کی تشکیل کے لئے کوئی مشینری قائم کریں"۔

جیسا کہ ہم نے کہا تھا وہی ہوا' امن وامان کی صورتحال فوری طور پر بحال ہو گئی لہٰذا اب دوسرے اہم کام کی جانب توجہ دینا ضروری تھا یعنی آئین کی تشکیل اس مقصد کے لئے جنرل یحییٰ خان نے اپنے لیگل فریم ورک آرڈر" کے تحت انتخابات منعقد کرانے کے احکامات صادر کر دیئے۔ ان وجوہات کی بناء پر جن کے بارے میں ہم تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ حقیقت واضح طور پر نظر آ رہی ہے کہ انتخابات کی صورت میں مشرقی پاکستان سے عوامی لیگ اور مغربی پاکستان سے پاکستان پیپلز پارٹی کو بھاری اکثریت حاصل ہو گی' (رپورٹ کے صفحات 76 تا 74) تاہم اس ضمن میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں اس قسم کے انتخابی نتائج حکومت کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھے۔ اگر چہ ہم اب تک یہ سمجھنے سے یکسر قاصر ہیں کہ حکومت اس نتیجے پر پہنچی کس طرح اس دو جماعتی کامیابی کا ایک اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کی تمام نشستیں عوامی لیگ نے حاصل کر لی تھیں۔ جبکہ پیپلز

(ا) ہماری مطبوعہ جلد دوم کا صفحہ 151 ملاحظہ فرمائیں (مترجم)

پارٹی کو مغربی پاکستان میں بھاری اکثریت اصل ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ملک میں عوامی لیگ کو مجموعی اعتبار سے بھی کامل اکثریت حاصل تھی کیونکہ "پیریٹی کا اصول" اس وقت تک ختم کیا جا چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں میں سے کسی بھی جماعت کو دوسرے صوبے میں قطعاً کوئی حمایت حاصل نہیں تھی۔

ان حالات میں مذاکرات کی ضرورت بے حد واضح ہو چکی تھی تاہم شروع ہی سے متعدد وجوہ کے علاوہ جن کی تکرار مناسب معلوم نہیں ہوتی' ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ یہ مذاکرات بڑے غیر حقیقت پسندانہ اور دھوکہ دہی کے سے انداز میں کئے گئے تھے۔ چنانچہ یہ اچھی طرح واضح تھا کہ یہ مذاکرات چل نہیں سکیں گے اور آخر کار ناکامی سے دوچار ہو جائیں گے! بہر کیف 25 مارچ 1971ء تک ان مذاکرات کی ناکامی کا کوئی سرکاری اعلان جاری نہیں کیا گیا۔

تاہم اس دوران یکم مارچ سے 25 مارچ 1971ء کے درمیانی عرصے میں شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی تھی جسے یحییٰ خان کی صوابدید سے زیادہ ان کی جانب سے کی جانے والی سازشوں کا نتیجہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا...... اصل رپورٹ کے صفحہ 89 پر ہم نے وہ ہدایت نامہ بھی درج کیا ہے جو شیخ مجیب الرحمٰن کی جانب سے جاری کیا گیا تھا جس میں وہ وقتاً فوقتاً اضافہ کرتے چلے جا رہے تھے...... یہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو کھلی چھوٹ دی جا رہی تھی۔ ہم اس وقت بھی نہیں سمجھ پائے اور آج بھی یہ سمجھنے سے یکسر قاصر ہیں کہ یحییٰ خان کی فوجی حکومت اپنے اختیارات کے استعمال میں اس قدر لاچار اور مجبور ہو چکی تھی کہ ایک منظم گروہ حکومت کے معاملات کو کنٹرول کر رہا تھا۔ جب کہ حکومت شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے کوئی بھی اقدام کرنے سے گریزاں تھی...... چنانچہ حکومت کی اس کمزوری کے نتیجے میں عوامی لیگ کی مہم دن بدن زور پکڑتی جا رہی تھی اور ہر طرف قتل و غارت اور خوف و دہشت کا راج تھا' جس کے سبب متحدہ پاکستان کے کٹر حامی بھی' حکومت سے برگشتہ خاطر ہو چکے تھے' اور اسی بناء پر ہماری مسلح افواج بھی' ان کی تمام ہمدردیوں سے محروم ہو چکی تھیں۔ عوامی لیگ کی جانب سے ان حرکات اور اقدامات کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ ان افراد کو خوف اور دہشت میں مبتلا کر کے عوامی لیگ کی حکومت اور اس کے سیاسی نظریات کو قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔ چنانچہ اس دور کے سیاسی حالات و واقعات کے پس منظر میں شروع کئے جانے والے یہ سیاسی مذاکرات نہ صرف ان افراد کی کھوئی ہوئی ہمدردیاں

واپس نہ لا سکے بلکہ انہیں مخالف کیمپ میں دھکیلنے کا سبب بھی بن گئے۔
یہ گویا 25 مارچ 1971 کو کئے جانے والے فوجی ایکشن کا ابتدائیہ تھا۔

✿✿✿

فوجی ایکشن اور مذاکرات کی ضرورت

ہم خواہ حکومت کو اس بات کا کتنا ہی ذمے دار قرار دے لیں کہ صورتحال کو اس نہج پر اس نے پہنچایا تھا اس کے باوجود اگر جنرل یحییٰ خان واقعی چاہتے کہ اقتدار عوامی نمائندوں کے سپرد کر دیا جائے تو اس کا واحد دانش مندانہ طریقہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں حکومتی اتھارٹی کو بحال کر دیا جاتا۔ اگر اس صورتحال کا موازنہ ان حالات سے کیا جائے جو 25 مارچ 1969ء کو پائے جاتے تھے تو دونوں میں گہری مماثلت دکھائی دے گی' اس وقت بھی اصل مسئلہ معمول کی سیاسی حالات کو بحال کرنا تھا۔ جنرل یحییٰ خان کی اس وقت کی نشری تقریر میں جو الفاظ استعمال کئے گئے تھے ان کا حوالہ دینا یہاں غیر مناسب نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا تھا ''چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے یہ میرا اولین فرض اور ذمہ داری ہے کہ ہوشمندی کی فضا کو بحال کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ انتظامیہ عوام کی تسلی اور اطمینان کے لئے اپنی معمول کی کارکردگی کا آغاز کر سکے'' اس بیان کی روشنی میں دیکھا جائے تو 25 مارچ 1971ء کو کیا جانے والا فوجی ایکشن ایک سیاسی اقدام نظر آتا ہے۔ یقیناً یہ کوئی جنگ نہیں تھی اور نہ ہی' اس مرحلے پر شورش اور بغاوت کو کچلنے کی کوشش تھی جس سے اسے بعد میں سابقہ پڑا تھا۔

کیا حکومت مذاکرات کے آغاز میں مخلص تھی؟

اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ملک کی سول انتظامیہ پر فوجی آمریت کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ایسی سول حکومت تھی جو فوجی آمریت کے سائے میں کام کر رہی تھی کیونکہ اس فوجی آمریت کا قیام محض عارضی تھا' اور وہ اس مقصد سے آئی تھی کہ سول حکومت کو بحال کر دیا جائے' ذاتی یا شخصی اقتدار کا حصول اس کا مطمع نظر نہیں تھا' تاہم اس وقت ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ جنرل یحییٰ خان کے حقیقی عزائم اور اصل نیت کیا تھی' لہٰذا 25 مارچ 1971ء کے فوجی ایکشن کو ضرورت کے تحت کئے جانے والے ایک سیاسی اقدام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کے بعد مزید سیاسی اقدامات کے نتیجے میں صورتحال کو معمول کے

مطابق لایا جاسکتا تھا۔ یہ بذات خود کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ مقصد تک پہنچنے کا محض ایک ذریعہ تھا۔
اب پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فوجی ایکشن کے بعد کتنی مدت میں سیاسی تصفیے کی غرض سے مزید اقدامات کئے جانے چاہئیں تھے۔ یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ ایسے وقت میں جن مخصوص افراد سے مذاکرات کئے جاتے تھے کیا وہ فی الواقعی موجود اور دستیاب تھے جو بہر حال ایک الگ معاملہ ہے جس پر ہم فوری طور پر اس کے بعد گفتگو کریں گے اور ان اقدامات کا جائزہ لیں گے۔ جو اس ضمن میں کئے گئے تھے اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ مذاکرات کے آغاز میں حکومت واقعی مخلص تھی یا یہ سب کچھ محض ایک ڈھونگ تھا۔

اصل رپورٹ میں ہم پہلے بھی بھارت کے ان عزائم اور مقاصد کی نشاندہی کر چکے ہیں۔ جو کبھی ڈھکے چھپے نہیں رہے یعنی پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے کے بعد مشرقی حصے میں آزاد بنگلہ دیش حکومت کا قیام! چنانچہ ان بھارتی عزائم کے پیش نظر تو عوامی لیگ سے سیاسی تصفیے کی اہمیت اور ضرورت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

اس کمیشن کے روبرو ان سویلین اور فوجی افسران اور اہلکاروں کے متعدد شواہد آ چکے ہیں جو اس زمانے میں مشرقی پاکستان میں موجود تھے۔ جن کا کہنا ہے کہ اس مسئلے کا سیاسی تصفیہ بے حد ضروری اور اہم تھا۔ ان افراد کا یہ بھی کہنا ہے کہ جنگ سے پیشتر اس قسم کے سیاسی سمجھوتے اور تصفیے کے لئے ساز گار فضا بھی پوری موجود تھی۔ چنانچہ اب کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ 25 مارچ 1971ء کو ہمارے فوجی ایکشن کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن کو غدار قرار دیئے جانے کے بعد بھی کوئی ایسا حل تلاش کیا جاسکتا تھا جسے متحدہ پاکستان کے نظریے کے مطابق مثالی کہا جاسکتا تھا۔ تاہم یہ ضرور ہو سکتا تھا کہ ملک کو ایک ہی پرچم تلے متحد رکھنے کی غرض سے نسبتاً کوئی ایسا قابل قبول حل تلاش کیا جاتا جس کے نتیجے میں انسانی جانوں اور عزت و آبرو کا اس قدر وسیع پیمانے پر اتلاف نہ ہوتا اور ہم اس شرمناک ذلت اور رسوائی سے بھی بچ جاتے' جس کا بدقسمتی سے ہمیں آج سامنا کرنا پڑا ہے۔

فوجی ایکشن کے نتائج دھیرے دھیرے سامنے آ رہے تھے اگرچہ اس ضمن میں دستیاب مختلف شواہد اس امر کی تصدیق نہیں کرتے کہ آیا یہ ایکشن اپنی نوعیت میں بھر پور تھا یا اس کے نتائج مؤثر اور امید افزا تھے؟ اس سلسلے میں اختلاف رائے کی اہمیت اپنی جگہ تاہم یہ کمیشن اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ مئی 1971ء کے اواخر سے کم از کم ایسی صورتحال ضرور پیدا ہو چکی تھی جس کے

نتیجے میں ستمبر 1971ء تک کسی نہ کسی حل یا سیاسی تصفیے کی تھوڑی بہت امیدیں باقی تھیں تاہم شواہد سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی کہ کسی بھی مرحلے پر یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ صوبے میں سرکاری کنٹرول معمول کے حالات' اور حکومتی اتھارٹی مکمل طور پر بحال ہو چکی ہے۔
حالانکہ شروع میں کی جانے والی مزاحمت میں بھی نمایاں کمی واقع ہو چکی تھی۔
مسٹر مظفر حسین نے (گواہ 214) جو 21 مارچ 1971ء کو قومی اسمبلی کے سیکرٹری کی حیثیت سے ڈھاکہ پہنچے تھے' اس کمیشن کے روبرو بیان دیتے ہوئے کہا کہ اس روز پورے شہر میں کرفیو کا سماں تھا۔ سڑکوں پر کسی بھی طرح کی چہل پہل نہیں تھی جو مکمل طور پر سول نافرمانی کی صورتحال کا مظہر تھی۔ جب وہ 6 اپریل 1971ء کو فوجی ایکشن کے بعد واپس پہنچے تو ان کا تاثر یہ تھا کہ ڈھاکہ ایک مردہ شہر میں تبدیل ہو چکا تھا چنانچہ اپنے بیان میں انہوں نے ڈھاکہ ائرپورٹ کے جو مہاجرین سے پٹا پڑا تھا جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ڈھاکہ سے باہر نکلنے کی کوششوں میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ جبکہ شہر بھر میں کرفیو کا سا سماں تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعی کرفیو آرڈر نافذ کیا گیا تھا بہر حال میں نے یہ ضرور دیکھا کہ ہر مقام پر فوجی دستے تعینات تھے اور ائرپورٹ سے لے کر گورنمنٹ ہاؤس تک تمام راستے پر مکمل ویرانی کا راج تھا" مئی 1971ء تک ان کے بقول نظم و نسق کی صورتحال مکمل طور پر قابو میں نہیں آ سکتی تھی تاہم علاقے پر حکام کا مکمل کنٹرول تھا۔ چنانچہ ان کے کہنے کے مطابق جولائی 1971ء میں صورتحال انتہائی پر سکون ہو چکی تھی اور اگست میں سیاسی تصفیے کی غرض سے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا جاسکتا تھا۔
مسٹر ایم اے کے چودھری (گواہ 219) جنہوں نے 15 مئی 1971ء کو مشرقی پاکستان کے انسپکٹر جنرل آف پولیس کا چارج سنبھالا تھا' اس کمیشن کو اپنے بیان میں بتایا کہ:

"جناب عالی! 25 مارچ 1971ء کو شروع کیا گیا فوجی ایکشن مکمل ہو چکا تھا۔ مشرقی پاکستان کے ایک بڑے علاقے کو باغیوں کے قبضے سے آزاد کرالیا گیا تھا اور مزید چھاپہ مار کارروائیاں جاری تھیں...... تاہم رنگ پور اور دیناج پور کے شمالی علاقوں کے کچھ حصوں پر ان باغیوں کا قبضہ ابھی برقرار تھا کیونکہ فوج اب تک ان باغیوں سے یہ قبضہ چھڑوانے میں ناکام رہی تھی...... باغیانہ سرگرمیاں بدستور جاری تھیں۔ بہر کیف اب ان میں اتنی شدت باقی نہیں رہی تھی"۔

ان کی رائے کے مطابق ستمبر کے اواخر حتیٰ کے اکتوبر کے شروع میں بھی سیاسی تصفیے

کے بھرپور امکانات موجود تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ سیاسی تصفیے کے موضوع پر عام طور پر گفتگو ہوتی رہتی تھی بالخصوص مسٹر نورالامین کے ساتھ جن سے وہ اکثر ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔ مرحوم نورالامین عوامی لیگ کے رکن نہ ہونے کے باوجود قومی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب ہوئے تھے اور ایک سینئر سیاست دان اور مدبر کی حیثیت سے ان کا اب بھی بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ان کی اس رائے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک سیاسی تصفیے ہی کو مسئلے کا حتمی حل تصور کرتے تھے۔

ہم ان اسباب کی بھی وضاحت کردیں کہ سابق آئی جی پولیس مشرقی پاکستان کو مسٹر نورالامین سے ملاقات کے یہ مواقع اس لئے میسر تھے کہ وہ ان کی حکومت میں اس سے پہلے بھی کام کر چکے تھے اس کے علاوہ ہمارے پہلے اجلاس میں مسٹر نورالامین کم وبیش یہی کچھ کہہ چکے تھے جو مسٹر ایم۔ اے۔ کے۔ چوہدری نے ان سے منسوب شدہ رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا۔ چوہدری صاحب نے دیگر معروف سیاسی شخصیات مثلاً مسٹر حبیب الرحمٰن' مولوی فرید احمد خان عبدالصبور خان سے بھی اسی نوعیت کی آراء منسوب کی ہیں اور کہا ہے کہ یہ حضرات بھی عوامی لیگ کے ساتھ ایک سیاسی تصفیے کے حق میں تھے۔

اسی طرح مسٹر ایس ایم نواب نے (گواہ نمبر 220) جنہوں نے 12 جولائی 1971ء کو ڈھاکہ میں' ڈی آئی جی' پولیس ہیڈ کوارٹر کا چارج سنبھالا تھا' اپنے بیان میں اس کمیشن کو بتایا کہ سیاسی تصفیہ ہر صورت میں ممکن ہوسکتا تھا جس کے لیے جون 1971ء تک کا وقت انتہائی موزوں اور مناسب تھا۔

سید علمدار رضا (گواہ نمبر 226) 23 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ کے کمشنر مقرر کئے گئے تھے۔ ان کی رائے میں' مئی اور جون 1971ء کے درمیانی عرصے میں' مشرقی پاکستان کے عوام کسی نہ کسی قسم کے سیاسی سمجھوتے اور تصفیے کے حق میں تھے تاہم یہ موقع بھی بتدریج گنوادیا گیا۔

مسٹر ہمایوں فیض رسول (گواہ نمبر 229) جو 20 مئی 1971ء کو سیکرٹری اطلاعات مقرر ہوئے' اس خیال کے حامی تھے کہ سیاسی سمجھوتہ ہر صورت میں ممکن تھا' کیونکہ عوام بھی ایسا ہی چاہتے تھے تاہم ان کا کہنا ہے کہ فوجی افسران سے اپنی گفتگو کے دوران انہوں نے یہ تاثر لیا کہ فوجی افسران کی بڑی تعداد اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ طاقت کا استعمال ہی اس صورتحال کا واحد

حل ہے۔

سیاسی سمجھوتے اور تصفیے کی غرض سے کی جانے والی کوششوں کو محض سویلین افسران ہی کی حمایت حاصل نہ تھی بلکہ تقریباً تمام سینئر فوجی افسران نے اس کمیشن کے روبرو سیاسی سمجھوتے کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے...... بہرکیف ان افسران کی اس خواہش کے برعکس غیر منطقی طور پر ایک اہم سیاسی مسئلے کو حل کرنے کی غرض سے فوجی ذرائع کا استعمال کیا گیا۔ ان افسران کے بیانات میں بین السطور یہ احساس پایا جاتا ہے کہ اس کنفیوژن اور کج فکری کے نتیجے میں ان کے کام کو مشکل بنادیا گیا۔

بہرکیف یہ ضروری بھی ہے اور ناممکن بھی کہ اس ضمن میں دیئے گئے تمام بیانات اور مجموعی شواہد کا حوالہ یہاں پیش کیا جائے کیونکہ اس غرض سے ایک پورا دفتر درکار ہوگا تاہم اپنے اطمینان کے لیے ہم چند سینئر فوجی افسران کے بیان سے منتخب کئے گئے اقتباسات یہاں درج کر رہے ہیں جو اسی خیال کے حامی تھے...... چنانچہ جنرل نیازی (گواہ نمبر 285) نے اپنے تحریری بیان میں کہا ہے کہ: ''25 مارچ 1971ء کو مشرقی پاکستان میں موجود فوجی دستوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ''اس سیاسی جھگڑے کو مکمل فوجی فتح میں تبدیل کردیا جائے'' چنانچہ مختصر سے عرصے میں یہ مقصد حاصل کرلیا گیا اور جون 1971ء تک ہمارے فوجی کافی حد تک صورتحال کو معمول کے مطابق لانے میں کامیاب ہوچکے تھے تاکہ حکومت ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان سمجھوتے کے لیے اپنی سیاسی مہم کا آغاز کرسکے تاہم مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والی شورش اور بغاوت کو کچلنے کی غرض سے کسی نوعیت کے سیاسی اہداف' قومی پالیسی یا حکمت عملی کا اس وقت کوئی تعین نہیں کیا گیا تھا۔ بہرکیف ہماری اعلیٰ کمان ان ابتدائی فوجی کامیابیوں کو ثمر آور بنانے میں بری طرح ناکام ہوگئی بلکہ اس کے برعکس دشمن نے وقت کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوجی ایکشن کے نتیجے میں بحال کئے گئے نظم ونسق کو نہ صرف ناکام بنادیا بلکہ بغاوت کو ایک منظم جنگ میں تبدیل کرتے ہوئے آزاد بنگلہ دیش کے قیام کی کوششیں بھی شروع کردیں۔

جنرل نیازی کے چیف آف اسٹاف' بریگیڈیئر جی ایم باقر صدیقی (گواہ نمبر 218) کا کہنا ہے کہ اگرچہ جون 1971ء تک مشرقی پاکستان میں حکومتی اتھارٹی کو بحال نہیں کیا جاسکا تھا تاہم اس وقت تک مزاحمت کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا اور انہیں ایک ایسے سیاسی مسئلے کا سامنا تھا جسے حل کرنے کے لیے محض فوجی ذرائع پر ہی انحصار کیا جارہا تھا۔

بریگیڈیئر ایم اے نعیم (گواہ نمبر 237) نے اگرچہ خاص تاریخوں کا ذکر تو نہیں کیا تاہم ان کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ حالات کو مکمل طور پر معمول پر لانے کے بعد سیاسی حل تلاش کیا جاسکتا تھا لیکن ان کے بقول ایسے کسی سیاسی حل یا سمجھوتے کی سرے سے کوئی نیت ہی نہیں تھی!

اسی طرح بریگیڈیئر بشیر احمد (گواہ نمبر 245) نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ مئی اور جون 1971ء سیاسی تصفیے کے لیے انتہائی موزوں تھے۔

بریگیڈیئر افتخار احمد رانا (گواہ نمبر 249) نے بھی اس بات پر زور دیا کہ سیاسی سمجھوتہ اشد ضروری تھا جس کے لیے مئی کے وسط یا تیسرے ہفتے کے دوران حالات انتہائی سازگار تھے۔

پرانی نسل کے لوگ' اب بھی نظریہ پاکستان سے وابستہ تھے

بریگیڈیئر ایم سلیم اللہ (گواہ نمبر 250) سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا عام معافی کا اعلان قدرے تاخیر سے نہیں کیا گیا تھا تو انہوں نے نہ صرف اس رائے سے اتفاق کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ مذاکرات اور عام معافی دونوں کا وقت گزر چکا تھا جس سے ان کی مراد غالباً مئی کی شروعات سے ہے۔

بریگیڈیئر ایس اے حسن (گواہ نمبر 251) کا کہنا ہے کہ ستمبر 1971ء تک بھی اتنی زیادہ تاخیر نہیں ہوئی تھی چنانچہ انہوں نے سیاسی حل تلاش کرنے کا مشورہ دیا لیکن کمانڈر انچیف مصر تھے کہ اس مسئلے کا فوجی حل ڈھونڈا جائے۔

بریگیڈیئر سعد اللہ خان (گواہ نمبر 253) کا بھی یہی خیال ہے کہ ستمبر 1971ء تک بھی اس مسئلے کا سیاسی حل تلاش کیا جاسکتا تھا۔

بریگیڈیئر عطا محمد خان ملک (گواہ نمبر 257) نے بتایا کہ اگر عام معافی کا اعلان ہی کرنا مقصود تھا تو اگست کا مہینہ اس کے لیے نہایت موزوں تھا کیونکہ اس وقت ہمیں مکمل بالادستی حاصل تھی اور سول اختیارات کو فوری طور پر بحال کرنا اشد ضروری تھا تاہم ان کے بقول ایسے وقت میں' گورنر کو تبدیل کرنا ایک بڑی غلطی تھی۔ ان کے خیال میں کسی سویلین کو گورنر مقرر کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سول اختیارات کی بحالی سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ اختیارات' شیخ مجیب انجمن کو منتقل کیے جاتے نہ کہ ڈاکٹر مالک کو' بہر کیف ان کا خیال ہے کہ یہ تمام باتیں بعد از وقت

تھیں کیونکہ ان کے لیے موزوں وقت اپریل اور مئی کا تھا۔

بریگیڈیئر ایس ایم ایچ عاطف (گواہ نمبر 255) نے ہمارے روبرو تصویر کا دوسرا رخ پیش کیا ہے ان کے خیال میں نومبر 1971ء تک بھی مشرقی پاکستان کے عوام مکمل طور پر ہمارے خلاف نہیں ہوئے تھے چنانچہ کلکتہ میں کی جانے والی رائے شماری کے نتیجے میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ صرف چالیس فیصد افراد بنگلہ دیش کے قیام کے حق میں ہیں۔ ان کی جانب سے پیش کی گئی اس وضاحت میں بھی ہمیں خاصا وزن محسوس ہوا کہ پرانی نسل کے لوگ' اب بھی نظریہ پاکستان سے وابستہ تھے جن کے حافظے میں تحریک پاکستان کی یادیں ابھی زندہ تھیں تاہم نئی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد ان معاملات سے قطعاً بے خبر تھے اور ان تصورات سے دور ہو چکے تھے۔

میجر جنرل محمد جمشید (گواہ نمبر 246) جو اس وقت ڈھاکہ میں متعین انتہائی سینئر آرمی آفیسر تھے کا بیان ہے کہ مئی کے مہینے تک سیاسی تصفیے کے لیے کوششیں کی جاسکتی تھیں تاہم عجیب و غریب بات یہ ہے کہ اپنے اس تاثر کا ذکر انہوں نے کسی سے بھی نہیں کیا۔ اس نوعیت کا ذہنی رویہ صرف انہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر بھی آرمی افسران نے اسی قسم کا رویہ ظاہر کیا ہے۔ بہر کیف یہ بات مزید دلچسپ ہو جاتی ہے جب ہم ان کے بیان کا حسب ذیل اقتباس پڑھتے ہیں:-

کمیشن کا سوال:- ان حالات اور واقعات کی روشنی میں جو اب وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور جن کے بارے میں آپ نے اپنے اعلیٰ فوجی حکام کو مطلع بھی کر دیا تھا کیا آپ ہم سے اتفاق کرتے ہیں کہ مارشل لا حکومت کا کوئی بھی فرد اس بات کے حق میں نہیں تھا کہ جمہوری صورتحال کو بحال کیا جائے!

میجر جنرل محمد جمشید (گواہ):- میرا خیال ہے کہ مارشل لاء حکام کا ہرگز ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا تاہم یہ میرا ذاتی نقطہ نظر ہے۔ میرا ہمیشہ ہی یہ تاثر رہا ہے کہ حکومت' جمہوریت بحال کرنا چاہتی تھی اور یہی سبب تھا کہ اس نے اسی مقصد سے منصفانہ انتخابات بھی منعقد کرائے تھے۔

کمیشن:- آپ فوجی حکومت میں شامل تھے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ اور آپ کے دیگر ساتھی یہ سوچ رہے ہوں کہ جمہوری نظام کی بحالی کے نتیجے میں متعدد چھوٹی چھوٹی سیاسی جماعتیں کامیاب ہو جائیں گی جن سے آپ اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق معاملات طے کر سکیں

گے!..... کیا ہم صحیح سمجھ رہے ہیں کہ دوسرے لفظوں میں آپ ایک ایسی جمہوری حکومت کے قیام کے خواہشمند تھے جو آپ کی ماتحت اور تابع ہو اور آپ کی امنگوں کے مطابق عمل کرتی رہے۔

میجر جنرل محمد جمشید (گواہ) میں نے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا تاہم میرا یہ خیال ضرور تھا کہ حقیقی جمہوریت کی بحالی میں کافی وقت لگ سکتا ہے۔

یہاں ہم ریئر ایڈمرل شریف کی اس رائے کا بھی حوالہ دینا چاہتے ہیں جو انہوں نے میجر جنرل جمشید کے بارے میں ظاہر کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جنرل جمشید اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک لیے دیئے رہنے والے شخص ہیں جو کسی بھی معاملے میں اپنی رائے یا خیال پیش کرنے سے کتراتا ہے۔

فوجی افسران میں سے جس افسر نے سیاسی امور اور معاملات کے حوالے سے تفصیلی رائے کا اظہار کیا ہے' وہ ہیں میجر جنرل راؤ فرمان علی (گواہ نمبر 284) یہ بات یوں بھی قبل فہم نظر آتی ہے کہ سیاسی معاملات سے ان کا تعلق کافی گہرا رہ چکا تھا انہیں مارشل لاء سے بہت پہلے مشرقی پاکستان میں تعینات کیا گیا تھا تاہم 25 مارچ 1969ء کو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد انہوں نے پہلے بریگیڈیئر اور بعد میں میجر جنرل' سول افیئرز کا عہدہ سنبھالا جس پر وہ 24 جولائی 1971ء تک فائز رہے اس کے بعد 3 ستمبر 1971ء تک وہ میجر جنرل سیاسی امور کے عہدے پر کام کرتے رہے اور بعد میں گورنر مشرقی پاکستان کے مشیر مقرر کر دیئے گئے اور آخر تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے..... اپنے تحریری بیان میں انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ وہ گورنر مشرقی پاکستان کے فوجی مشیر نہیں تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ کبھی اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ کوئی پالیسی تشکیل دے سکیں یا کسی نوعیت کا فیصلہ کریں..... حالانکہ یہ امر واضح ہے کہ وہ پالیسی سازی میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے تھے تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کے اختیارات محض مشورہ دینے تک ہی محدود تھے جن کا انہوں نے آزادانہ استعمال کی۔ اپنے پورے تحریری بیان نیز اس کمیشن کے روبرو انہوں نے متعدد بار یہ بات دہرائی ہے کہ وہ نہ صرف ایک سیاسی تصفیے کے حق میں تھے بلکہ فوجی ایکشن کے بھی سخت مخالف تھے۔

تاہم جیسا کہ ہم موجودہ ... تناظر میں پہلے بھی کہہ چکے ہیں' ہم 25 مارچ 1971ء کے فوجی ایکشن کو فوجی مہم کے طور پر نہیں بلکہ ایک ایسے اقدام کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جو مسلح افواج کی جانب سے سول اختیارات کی مدد اور بحالی کی غرض سے کیا گیا تھا چنانچہ

ہماری نظر میں یہ فوجی ایکشن ایک ایسا سیاسی اقدام تھا جس کے نتیجے میں مزید سیاسی اقدامات کے دروازے کھل سکتے تھے...... بے جا نہ ہوگا اگر یہاں حالات کو معمول پر لانے اور فوجی ایکشن کی غرض و غایت کے بارے میں ان کے تحریری بیان سے اقتباس پیش کیا جائے' انہوں نے لکھا ہے......

"نارمل حالات یا معمول کی صورتحال کیا ہوتی ہے؟ میری رائے میں نارمل حالات سے مراد ہے: (الف) مملکت کی مکمل علاقائی حدود کے اندر حکومت پوری طرح با اختیار ہو اور اس کے حکم کا سکہ چلتا ہو۔

(ب) نظم و نسق اور امن عامہ کی صورت حال ایسی ہو کہ عوام اپنے معمول کے فرائض اور ذمے داریاں آزادانہ طور پر ادا کر سکیں اور انہیں کسی قسم کا خوف یا خدشات لاحق نہ ہوں۔

(ج) قانون کے تحت قائم حکومتی ادارے' اصول مملکت اور قوانین کے تحت اپنی اپنی ذمے داریاں بغیر کسی دباؤ کے ادا کر سکیں۔

(د) مواصلات یعنی سڑکیں' ریلوے' ہوائی جہاز' ڈاک اور تار کا نظام اور ان سے متعلقہ تمام تنصیبات اور سہولتیں' نارمل طریقے سے کام کر رہی ہوں۔

(ہ) عوام آزادی کے ساتھ اپنی کاروباری' تجارتی' تعلیمی اور سماجی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔

(و) عوام کے مسائل پر پوری طرح توجہ دی جا رہی ہو۔

فوجی ایکشن کے حوالے سے انہوں نے اپنے تحریری بیان میں کہا ہے:

"قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کئے جانے کے اعلان کے فوری بعد' مشرقی پاکستان میں صورتحال معمول کے مطابق نہیں رہی تھی چنانچہ فوجی ایکشن لینا پڑا تاکہ حکومت کا کنٹرول بحال ہو سکے۔ یہ امید بھی تھی کہ حالات کو معمول پر لانے والے دیگر عوامل خود بخود بروئے کار آتے چلے جائیں گے تاہم بدقسمتی سے عوامی لیگ کی پہلے سے طے شدہ بغاوت کے نتیجے میں فوجی ایکشن لئے جانے کے بعد وہاں یہ کیفیت تھی:-

(الف) مشرقی پاکستان کے بڑے حصے پر باغیوں نے قبضہ کر لیا تھا' اسی کے ساتھ ساتھ نظم و نسق اور امن عامہ کی صورتحال بھی قانونی حکومت کی گرفت سے نکل چکی تھی۔ پولیس اور ایسٹ پاکستان رائفلز' کھلے بندوں باغیوں کی مدد کر رہے تھے جب کہ ہم ان تمام لازمی عناصر

سے محروم تھے جو حالات کو معمول کے مطابق لانے کے پہلے مرحلے پر موجود ہونا ضروری ہوتے ہیں۔

(ب) سول ملازمین اور افسران بھی عوامی لیگ سے مل چکے تھے...... ان کی ایک بڑی تعداد یا تو فرار ہو کر بھارت جا چکی تھی جو کسی خوف کے سبب یا پھر رضا کارانہ طور پر بھی ممکن تھا جب کہ دیگر سول ملازمین اپنی کام کی جگہوں کو چھوڑ کر مضافات میں جا بسے تھے...... چنانچہ' سول حکومت کالعدم نہیں تو مفلوج ضرور ہو چکی تھی۔

(ج) باغیوں کی جانب سے سبوتاژ' پلوں کو اڑانے اور تنصیبات کو تباہ کر دینے والی کارروائیوں کے نتیجے میں مواصلاتی نظام کے تار و پود بکھر چکے تھے چنانچہ خوراک اور بنیادی ضرورت کی اشیاء کی نقل و حمل اور رسد و فراہمی میں شدید مشکلات پیش آ رہی تھیں۔

(د) تعلیمی ادارے' اس احتجاج اور مزاحمت کے اہم اور بڑے مرکز تھے جو کافی عرصے سے بند پڑے تھے۔

(ہ) ان حالات کے نتیجے میں ملک کے عام قوانین نیز گرفتاریوں اور مقدمات کے مناسب قانونی طریقہ کار کا اطلاق بہت مشکل بلکہ ناپید ہو چکا تھا لہٰذا ان پر عمل درآمد کی غرض سے پولیس فورس کی موجودگی انتہائی ضروری ہو چکی تھی۔

جنرل یحییٰ خان باہمی مذاکرات کے حق میں نہیں تھے

اس سلسلے میں کئے جانے والے اقدامات کو بیان کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

(نارمل حالات کی بحالی کے محدود تناظر میں ہمارا بنیادی مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ عوام کا اعتماد واپس لایا جائے اور باغیوں کی سرکوبی کے لیے کی جانے والی حکومتی کوششوں میں ان کی حمایت حاصل کی جائے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے دل جیتنے کی کوششیں بھی جاری رکھی جائیں' اس سلسلے میں حسب ذیل متعلقہ فریقین شامل تھے:۔

(الف) صدر اور پاکستان کی وفاقی حکومت

(ب) گورنر اور مشرقی پاکستان کی صوبائی حکومت

(ج) افواج پاکستان

یہ بنیادی مطمع نظر صرف صدر پاکستان کی جانب سے کئے گئے سیاسی اقدام کے

ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا تھا کیونکہ میدان میں اصل کردار تو مسلح افواج ہی ادا کر رہی تھیں گورنر صرف ایسی پالیسی تشکیل دے سکتا تھا جو حالات کو نارمل بنانے کے محدود دائرے سے متعلق ہو چنانچہ مجموعی طور پر وہ کوئی اہم اور مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل نہیں تھا' اس کے باوجود فوجی ایکشن لئے جانے کے دو ماہ بعد ہی حالات معمول کے مطابق آ چکے تھے تاہم پہلے بالواسطہ اور بعد میں بلا واسطہ' بھارتی مداخلت سے بچنے کے لئے یہ نہایت ضروری تھا کہ حالات نارمل ہو جانے کے بعد انتخابات کرائے جاتے اور کسی بھی طرح ایک نمائندہ سول گورنمنٹ کے قیام کے بعد باہمی طور پر مل جل کر رہنے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ تلاش کر لیا جاتا"۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں بھی مئی 1971ء کے اواخر میں حالات معمول کے مطابق اور مذاکرات کے لئے قطعاً سازگار تھے۔

چنانچہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ خیال ہرگز قابل قبول نہیں ہے کہ حکومت کسی بھی مرحلے پر اس قابل نہیں تھی کہ اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے مذاکرات کے لئے سلسلہ جنبانی کر سکے یعنی طاقت کے یکساں مقام سے بات کر سکے! ابتدا میں یقیناً کمزوری اور لاچاری کے مقام سے ایسے مذاکرات کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں تھا تاہم ہم یہ بھی نہیں کہہ رہے کہ کسی بھی وقت ہمیں ایسی حیثیت حاصل ہو چکی تھی کہ ہم کوئی من مانا حل مسلط کر سکتے نہ ہی ہم اسے صحیح سمجھتے ہیں کہ ایسا کوئی حل زبردستی ان کے سر پر مسلط کیا جاتا...... بہرصورت کسی بھی اعتبار سے جنرل یحییٰ خان کی نیت اور عزم یہ نہیں تھا کہ باہمی مذاکرات کے ذریعے کوئی حل تلاش کیا جائے۔

✡✡✡

”مذاکرات کے امکانات“

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذاکرات کس سے کئے جاتے؟ ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمام تر ممکنہ نیک نیتی کے باوجود کوئی فرد بھی ایسا نہیں تھا جس سے مذاکرات کی غرض سے رابطہ قائم کیا جاتا...... ہم بعد میں ان نام نہاد سیاسی مذاکرات کی کوششوں پر بات کریں گے جن کا مقصد عوام کے منتخب نمائندوں یا پھر ایسے افراد سے بات چیت کرنا ہرگز نہیں تھا جو مشرقی پاکستان کے عوام کی جانب سے کچھ کہنے کا حق رکھتے تھے حالانکہ ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا چنانچہ مذاکرات صرف انہی اداروں سے کئے جاسکتے تھے جو عوام کے منتخب کردہ تھے یا ان کے مسلمہ لیڈر تھے تاہم ہمیں بتایا گیا ہے کہ حکومت کو ایسے افراد یا لیڈر دستیاب نہیں تھے جن سے وہ یہ مذاکرات کرتی۔ اگست میں عام معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا لیکن واضح شواہد کی موجودگی میں یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگرچہ عام معافی کا ردعمل کسی حد تک حوصلہ افزا تھا' پھر بھی اسے قابل ذکر نہیں کہا جاسکتا...... اس کی بہت سی وجوہ اور متعدد اسباب تھے جن کے لئے ہم یقیناً ذمے دار نہیں تھے' ان میں سب سے اہم اور بنیادی سبب یہ تھا کہ بھارتی حکام' عوامی لیگ کے منتخب نمائندوں کو کسی بھی طرح پاکستان واپس جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ بہر کیف! ہمارے لئے یہ تعجب خیز امر نہیں ہے آخر بھارت' ایسے قیمتی یرغمالیوں کو رہا کرنے پر کیسے تیار ہوسکتا تھا؟

یحییٰ خان کی ہٹ دھرمی

بہر کیف! ہماری رائے میں یہ کوئی حتمی اور آخری رکاوٹ نہیں تھی' بین الاقوامی ایجنسیوں کے توسط سے ان میں سے متعدد افراد کے ساتھ رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا۔ یہ شواہد ریکارڈ پر موجود ہیں کہ ایسے امکانات موجود تھے تاہم یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایسی رکاوٹوں اور دشواریوں کی شکایت کیوں کی جاتی ہے جب کہ عوامی لیگ کے غیر متنازع لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے بے حد قریبی اور بااعتماد ساتھی ڈاکٹر کمال حسین' دونوں مغربی پاکستان میں زیر حراست تھے۔ ڈاکٹر کمال حسین آج بھی شیخ مجیب الرحمٰن کی کابینہ کے ایک اہم رکن ہیں!

بہر کیف' جنرل یحییٰ خان نہ صرف شیخ مجیب الرحمٰن کو غدار قرار دے چکے تھے بلکہ ان پر مقدمہ بھی شروع کر دیا گیا تھا...... اسے یحییٰ خان کی ہٹ دھرمی کہا جائے یا ان کی بدنیتی پر محمول کیا جائے کہ جب اصل رپورٹ پیش کرنے سے قبل ہم نے ان کا بیان لیا تو ان کا جواب تھا کہ وہ کسی بھی صورت ایک غدار سے مذاکرات نہیں کر سکتے تھے! جنرل یحییٰ خان کی یہ رائے ان کی کم علمی کا ثبوت ہے۔ دنیا کی تاریخ اور بالخصوص اس برصغیر کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ ایسے افراد جنہیں غداری کے الزام میں سزائیں دی گئی تھیں انہیں قید سے باہر لا کر ان سے مذاکرات کئے گئے اور ان مذاکرات کی کامیابی کی صورت میں اقتدار ان کے سپرد کر دیا گیا...... اس سلسلے میں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے پاکستان اور بھارت کی آزادی کی مثالیں اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

✪✪✪

انتظامیہ کی سویلین خطوط پر تشکیل

جب حالات کسی حد تک نارمل ہوئے تو انتظامیہ کو سویلین خطوط پر تشکیل دینے کے نام نہاد اقدامات عمل میں آنے لگے تاہم متعدد وجوہ کی بنا پر ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ آخر اس کا مطلب کیا تھا نہ ہی ہم یہ سمجھ سکے ہیں کہ اس سے کیا حاصل کرنا مقصود تھا؟ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس قسم کی کوششوں کو بالآخر ناکامی کا منہ ہی دیکھنا تھا! مغربی پاکستان سے ایسے متعدد افراد کو مشرقی پاکستان روانہ کیا گیا جن میں اعلیٰ سول عہدے دار بھی شامل تھے تاکہ وہ سول حکومت کے معاملات کو چلا سکیں! اس کے علاوہ پولیس فورس سے تعلق رکھنے والا افراد کی بڑی تعداد کو بھی وہاں بھیجا گیا تھا تاہم یہ کسی بھی طرح سول حکومت اور انتظامیہ کو سویلین انداز سے چلانے کا کوئی بامقصد اقدام نہیں تھا بلکہ اس کی اصلی غرض و غایت یہ تھی کہ ان نقصانات کی تلافی کی جا سکے جو عدم تعاون کے نتیجے میں رونما ہوئے تھے کیونکہ اب ان کے ہم عہدہ بنگالی افسران کی وفاداری اور حب الوطنی مشکوک ہو چکی تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے جسے تمام افسران نے بہر حال قبول نہیں کیا کہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے افسران وہاں جانے پر قطعاً رضامند نہیں تھے جسے محض ڈر اور خوف کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ معاملات کی اکثریت کو دیکھتے ہوئے انہیں پورا یقین تھا کہ یہ سارا عمل فضول' بے کار اور رائیگاں جائے گا اگر اس کا مقصد عوام کا اعتماد حاصل کر کے انہیں یہ جتانا تھا کہ سول حکام' امور مملکت چلا رہے ہیں تو یہ ایک فریب کارانہ عمل تھا...... اپنی اپنی ملازمتوں کو چھوڑ کر چلے جانے والوں کی خالی جگہوں کو مغربی پاکستان کے سول افسران سے پر کرنا' بنگالی اذہان کو قائل نہیں کر سکتا تھا کہ فوج حکومت سے دست بردار ہو رہی ہے یا حکومت پر اپنی گرفت نرم کر رہی ہے! عوام اس وقت تک ناگزیر طور پر اس فوجی آمریت کو مغرب کے نو آبادیاتی تسلط کا ہی ایک روپ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ فوجی آمریت کو مغرب کے نو آبادیاتی نظام کی ایک شکل سمجھنے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف عوامی لیگ کے پروپیگنڈے نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا اور یوں مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے مطالبے نے زور پکڑنا شروع کر دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی مختصر' غیر قانونی مگر مؤثر حکومت چاہے اس کا ذکر تلخ ہی کیوں نہ ہو اور اس کے نتیجے میں

کیے جانے والے فوجی ایکشن کے اپنے اپنے اثرات تھے! چنانچہ سول انتظامیہ کے سینئر افسران کو کلیدی عہدوں پر فائز کر دینے سے کوئی خاص اور نمایاں فرق نہیں پڑا یہی سبب تھا کہ مسٹر شفیع الاعظم' بنگالی چیف سیکرٹری کی حیثیت سے خاصے مؤثر ثابت ہوئے تاہم حالات و واقعات کی رفتار پر ان کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا۔ کمیشن کے صدر کی جانب سے کیے گئے اس سوال کے جواب میں کہ مشرقی پاکستان کا چیف سیکرٹری بننے کے بعد کیا وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ سیاسی صورتحال اور حالات سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا' سابق چیف سیکرٹری مسٹر مظفر حسین نے حسب ذیل جواب دیا ''نہیں جناب' یہ یقیناً مجھ سے ہی متعلق تھا مجھے تو بھیجا ہی اس مقصد سے گیا تھا کہ ایک سویلین حکومت قائم ہوگی۔ دوسرے مجھے یہ یقین دہانی بھی کرائی گئی تھی کہ کوئی نہ کوئی سیاسی سمجھوتہ اور تصفیہ ضرور ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ عوامی لیگ کو دوبارہ دعوت دی جائے گی اور اگر اس نے انکار کر دیا تو ایسی صورت میں ضمنی انتخابات منعقد کرائے جائیں گے اور ان میں کامیاب ہونے والے امیدوار 19 دسمبر 1971ء کو اپنا اجلاس منعقد کریں گے چنانچہ 19 دسمبر 1971ء کو اسمبلی کا یہ اجلاس منعقد ہوتے ہی مجھے سبک دوش کر دیا جائے گا اور میری بجائے مسٹر رب کو مشرقی پاکستان کا چیف سیکرٹری مقرر کر دیا جائے......

چنانچہ سابق چیف سیکرٹری' شفیع الاعظم کے فوری بعد یہ عہدہ سنبھالتے ہوئے' میں نے ڈاکٹر مالک' گورنر مشرقی پاکستان سے طویل مذاکرات کیے جو طویل عرصے سے حکومت میں تھے لیکن ان کی حلف برداری کی رسم کے موقع کے بعد یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں نے خاص طور پر تمہیں چیف سیکرٹری کے لیے نامزد کیا تھا جس کی تصدیق بعد میں جنرل یحییٰ خان نے بھی کر دی تھی کہ مجھے ڈاکٹر مالک کے کہنے پر ہی مشرقی پاکستان کا چیف سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا...... ہمارے مذاکرات خاصے طویل تھے جن کے دوران میں اس حقیقت کا دل سے قائل ہو چکا تھا کہ ڈاکٹر مالک کی پہلی اور آخری خواہش یہ تھی کہ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر کے اپنے عہدے سے سبکدوش ہو جائیں۔ انہوں نے مجھے صاف اور واضح طور پر بتا دیا تھا کہ وہ فقط تین یا چار مہینے کے لیے اس عہدے پر فائز رہیں گے کیوں کہ وہ پیرانہ سالی کے سبب زیادہ کام نہیں کر سکتے چنانچہ یہ ان کا آخری عہدہ ہے جو انہوں نے قبول کیا ہے۔

چنانچہ ان حالات میں چیف سیکرٹری مظفر حسین واقعی کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتے تھے' ایک اور سینئر افسر مسٹر ایم۔ کے۔ چوہدری نے بھی واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

ڈھاکہ کے کمشنر سید علمدار رضا کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ ان حالات میں کوئی اہم اور مؤثر کردار ادا
نہیں کر سکتے تھے سید خالد محمود (گواہ نمبر 227) جنہیں چٹا گانگ کا کمشنر مقرر کیا گیا تھا کا بیان
ہے کہ اگرچہ جولائی 1971ء کے دوران حالات سیاسی سمجھوتے کے لئے سازگار تھے تاہم
انتظامیہ کو سویلین خطوط پر چلانے کی جو کوشش اس دوران فوجی حکومت کی جانب سے کی گئی اس
نے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اس پر مستزاد جنرل یحییٰ خان کا یہ بیان کہ ان کے مقرر
کردہ ماہرین آئینی مسودہ تیار کر رہے ہیں مزید تباہ کن ثابت ہوا۔

سویلین حکومت اور مارشل لاء ملٹری حکام کے مابین

پیدا ہونے والے اختلافات

اس ضمن میں مزید گواہوں کے بیانات پیش کئے جا سکتے تھے تاہم حقیقت یہی تھی اس
مرحلے پر سویلین حکومت اور مارشل لاء ملٹری حکام کے مابین پیدا ہونے والے اختلافات کے
بارے میں بھی کچھ کہنا مناسب ہوگا۔ ان سویلین افسران اور ملازمین نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ
انہیں کوئی کام نہیں کرنے دیا جاتا تھا' جب کہ مارشل لاء حکام کا کہنا ہے کہ یہ سول افسران سرے
سے کوئی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار ہی نہیں تھے تاہم ان دونوں فریقین کے بیانات میں'
صداقت کا کچھ نہ کچھ عنصر ضرور موجود ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اول تو یہ کہ ان میں سے
متعدد سویلین افسران مشرقی پاکستان جانے کے لئے سرے سے رضامند ہی نہیں تھے۔ دوم یہ کہ
اس وقت تک مشرقی پاکستانیوں کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ ''مغربی پاکستان
اور فوجی آمریت'' ایک ہی تصویر کے دو پہلو اور ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں چنانچہ اس بات سے
صورت حال میں' چنداں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ مغربی پاکستان سے آنے والے سول افسران
انتظامی امور و معاملات کی دیکھ بھال کریں گے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ یہ مغربی پاکستانی سویلین
افسران ایسے تشویش ناک حالات کی موجودگی میں قطعاً کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتے تھے......
یہ درست ہے کہ کچھ افسران نے کوشش ضرور کی کہ وہ آزادانہ طور پر مضافاتی اور نواحی علاقوں
اور مقامات کا دورہ کریں تاہم متعدد معاملات میں انہیں فوج کے حفاظتی دستوں کی ضرورت پیش
آتی تھی جن کے بغیر وہ کسی قسم کی نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ پورا ملک مغربی پاکستان سمیت
فوجی آمریت کی گرفت میں تھا اور سول انتظامیہ جو ضروری نہیں کہ فوجی آمریت کو پسند ہی کرے'

اسی کا ایک آلہ کار بننے پر مجبور کر دی گئی تھی چنانچہ ان سویلین افسران کے ساتھ مارشل لاء حکام
کے خراب رویوں اور بد مزاجی کے مظاہروں کی متعدد شکایات اس کمیشن کے روبرو پیش کی گئی ہیں
جن کی تردید بھی کی جاتی رہی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس نوعیت کے حالات کے تناظر میں یہ
تصادم اور اختلافات شاید ناگزیر تھے۔ ایک طرف ان سویلین اور تجربہ کار افسران کا احساس
محرومی تھا جنہیں کوئی کام نہیں کرنے دیا جا رہا تھا جب کہ دوسری طرف وہ تمام ذمے داریاں تھیں
جو مارشل لاء انتظامیہ اور حکام نے' نہ چاہتے ہوئے یا بادل ناخواستہ ان سول امور و معاملات کے
حوالے سے' اپنے سر لے رکھی تھیں۔

تاہم ان سویلین افسران اور سول اہلکاروں نے متفقہ طور پر اس بات کی تردید کی ہے
کہ سینئر فوجی حکام کا رویہ ان کے ساتھ ناشائستہ یا غیر مہذبانہ تھا۔ بہر کیف اس حوالے سے ایک
نمایاں مثال اس متکبرانہ اور سخت رویے کی ہے جس کا مظاہرہ جنرل محمد جمشید نے مسٹر ایم۔ اے۔
کے۔ چوہدری کے ساتھ کیا تھا جنہوں نے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ ان کے اس رویے کو
برداشت کیا۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل جمشید نے بعد میں اپنے اس فعل کی معذرت کر لی تھی؛ تاہم یہ
صرف ایک استثنائی مثال ہے۔ اس نوعیت کے اخلاقی رویے' نچلی سطحوں پر بالعموم پائے جاتے
تھے۔

ڈاکٹر مالک کی گورنر کی حیثیت سے تقرری کا بھی ایسے حالات میں کوئی فائدہ نہیں تھا
حالانکہ وہ اس وقت واحد سویلین گورنر تھے جنہیں فوجی حکومت نے پاکستان کے کسی بھی صوبے
کے لئے مقرر کیا تھا...... ایک تجربہ کار اور پرانے سیاست دان اور مدبر کی حیثیت سے ان کا خاصا
احترام کیا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس دور کے مروجہ سیاسی حالات کے
تحت انہیں مشرقی پاکستان کے عوام کا اعتماد بھی حاصل تھا...... وہ مشرقی پاکستانی عوام کے منتخب
لیڈر نہیں تھے چنانچہ انہیں معاملہ پر مؤثر کنٹرول بھی حاصل نہیں تھا...... نہ صرف یہ کہ اس وقت
مارشل لاء کا دور دورہ تھا بلکہ انہی کے دور میں حالات بد سے بدتر بھی ہوتے چلے گئے...... اس
میں کوئی شک نہیں کہ وہ صدر پاکستان کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اس عہدے پر فائز تھے
تاہم وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے ذاتی نمائندے ہرگز نہیں تھے۔ اس کے علاوہ سیاسی امور
پر انہیں مشورے دینے کی غرض سے ایک میجر جنرل (سیاسی امور) بھی موجود تھا اور ہمیں اس
میں شبہے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ گورنر کے یہ مشیر یعنی میجر جنرل راؤ فرمان علی اپنی مخصوص

ذمے داریوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی کام کرنے کے پابند تھے چنانچہ گورنر کے احکامات کو ہر اعتبار سے سبقت اور برتری حاصل تھی۔ بہرکیف اپنی گورنری کے آخری دور میں انہوں نے صدر کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اپنے تفویض شدہ اختیارات کو استعمال کرنے کی کوشش ضرور کی جس کے اثرات مزید تباہ کن ثابت ہوئے تاہم ڈاکٹر مالک کو اس کے لئے الزامات نہیں دیا جا سکتا۔

✡✡✡
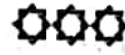
سروسز میں ترقیوں اور انتخاب کا نظام

اس کمیشن کے روبرو شہادتیں پیش کئے جانے کے دوران چند شکایات بھی سامنے آئی تھیں؛ جن میں سے بیشتر آرمی کے ان افسران کی جانب سے کی گئی تھیں جن پر دوسرے فوجی افسرن کو فوقیت وار سبقت دے دی گئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ افسران کی ترقیوں کا عمل صاف ستھرا اور منصفانہ نہیں ہے جن کے نتیجے میں؛ صرف انہی لوگوں کو ترقی کا اہل سمجھا جاتا ہے جو اعلیٰ افسران کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں۔ اس طرح اہل اور باصلاحیت آرمی افسران اپنی جائز ترقی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پیشہ ورانہ اعتبار سے قابل افسران؛ جو اپنی ایک آزادانہ رائے رکھتے ہیں اور اپنے افسران بالا کے سامنے برملا اظہار رائے کر دیتے ہیں انہیں بسا اوقات؛ اس قسم کے رویے کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس طرح انہیں جائز ترقی کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ یہ الزام بھی عائد کیا گیا ہے کہ چند ترقیاں؛ طے شدہ طریقہ کار کے برعکس کی گئی ہیں تا کہ سابق کمانڈر انچیف کے چہیتے افسران کو فائدہ پہنچایا جا سکے۔

(2) ان الزامات کے پیش نظر ہم نے لیفٹیننٹ کرنل اور اس سے اوپر کی سطح کے عہدوں پر ترقی اور انتخاب کے ضمن میں آرمی کے طریقہ کار کا تفصیلی جائزہ لیا ہے تاہم کمیشن نے فضائیہ اور بحریہ میں ترقیوں اور انتخاب کے طریقہ کار کا جائزہ ضروری نہیں سمجھا کیونکہ ان کے حوالے سے ایسی کوئی سنگین شکایت کمیشن کے علم میں نہیں آ سکی۔

(3) اعلیٰ عہدوں پر ترقی اور تقرر کے سلسلے میں بنیادی دستاویز تو یقیناً سالانہ خفیہ رپورٹ ہی ہوتی ہے جس کی بنیاد پر ان ترقیوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ ملٹری سیکرٹری کا 1970ء کا سرکلر میمورنڈم 72ء جو 1965ء کے میمورنڈم کے بعد جاری کیا گیا ہے ان تفصیلی ہدایات اور وضاحتوں پر مشتمل ہے جن کا تعلق خفیہ رپورٹوں (ACR) کی تیاری اور انہیں پیش کئے جانے

کے طریقہ کار سے ہے جس کے خلاف اس کمیشن کے روبرو کوئی شکایت نہیں کی گئی' تاہم یہ کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ 71-1970ء کے دوران مرتب کی جانے والی رپورٹ میں جسے آرمی ڈسپلن کے سلسلے میں قائم کی گئی ایک کمیٹی نے پیش کیا تھا جس کے سربراہ میجر جنرل افتخار خان جنجوعہ تھے (جو اس وقت آرڈیننس کے ماسٹر جنرل کے عہدے پر فائز تھے) یہ واضح کیا گیا تھا کہ سالانہ خفیہ رپورٹس ACR عموماً معروضی انداز سے تحریر نہیں کی جاتیں اور ان میں تکلف کا عنصر خاصا نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ کمیٹی نے اس بات پر بڑا زور دیا تھا کہ ان رپورٹوں کو مرتب کرتے وقت غیر جذباتی اور حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ کمیٹی نے اس رائے کا بھی اظہار کیا تھا کہ رپورٹنگ افسر کو سالانہ رپورٹ کا وہ حصہ بھی پر کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے جس کا تعلق کسی افسر کو دی جانے والی نصیحت یا مشورے سے ہوتا ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ افسران کی استعداد کار کے انڈیکس کی تیاری کا ایسا طریقہ وضع کیا جانا چاہئے جیسا کہ امریکی نظام کے تحت ہوتا ہے جس میں ہر رپورٹ کو ایک عددی انڈیکس میں تبدیل کرنے کے بعد کسی بھی ملازم یا افسر کی گذشتہ سات برسوں کی کارکردگی اور استعداد کار کا ایک مجموعی اوسط سامنے آجاتا ہے۔ کمیٹی کے مطابق اس قسم کے نظام کو اپنانے کے بعد رپورٹنگ افسران کے ہر دو قسم کے انتہاء پسندانہ رجحانات میں نمایاں کمی واقع ہو سکے گی' جس کے نتیجے میں یکساں سینارٹی اور رینک کے افسران کے مابین' جائزہ اور منصفانہ تقابل اور موازنہ ممکن ہو سکے گا۔

(4) ہم اس بات کی توثیق' بہرحال نہیں .پائے کہ آیا اس کمیٹی کی مرتب کی گئی رپورٹ کو جنرل ہیڈ کوارٹرز کی منظوری بھی حاصل ہو سکی تھی یا نہیں؟ کیونکہ محولہ بالا ملٹری سیکرٹری کے سرکلر میں افسران کی استعداد کار کے انڈیکس کی تجویز اور اس کی تیاری کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے تاہم اس کا فیصلہ جنرل ہیڈ کوارٹرز کو کرنا ہے۔

(5) جہاں تک افسران کے انتخاب کا تعلق ہے تو ہم نے محسوس کیا ہے کہ اس سلسلے میں بھی واضح ہدایت' سلیکشن بورڈ کے اراکین کی رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً جاری کی جاتی رہی ہیں جن کا تعلق پاکستان آرمی کے تمام جنرل افسران سے ہے۔ ماضی میں سلیکشن بورڈ کا اجلاس سال میں ایک بار اپریل کے مہینے میں فارمیشن کمانڈرز کی کانفرنس کے بعد ہوا کرتا تھا تاہم حالیہ برسوں میں بورڈ کے روبرو پیش آنے والے معاملات کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اب یہ اجلاس سال میں دو بار منعقد ہونے لگے ہیں۔ بورڈ نمبر ایک (جیسا کہ اسے کہا گیا ہے) کا

اجلاس لیفٹیننٹ کرنل اور اس سے اوپر کی سطح کا افسران کے انتخاب کی غرض سے مارچ اپریل جبکہ بورڈ نمبر دو کا اجلاس میجرز کے انتخاب کی غرض سے جولائی اگست میں منعقد ہوتا ہے۔ ترقی کے اہل تمام افسران کے نام ان کی ملازمت کے ریکارڈ کے خلاصے کے ہمراہ سلیکشن بورڈ کے اراکین میں پیشگی تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ بورڈ کے اجلاس کی صدارت کمانڈر انچیف کرتا ہے۔

بے قاعدہ ترقیاں

سلیکشن بورڈ کے طریقہ کار سے آگاہی رکھنے والے افسران کی رائے کے مطابق بورڈ کے اجلاس میں موجودہ اراکین آزادانہ طور پر اپنی رائے اور خیالات کا اظہار کرتے ہیں لہٰذا اجلاس کے صدر کی جانب سے کسی بھی قسم کی مداخلت یا دباؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! اس سلسلے میں ہمیں میجر جنرل اے آئی اکرم (گواہ نمبر 139) سے مفصل گفتگو اور تبادلہ خیال کا موقع ملا' جو ساتویں ڈویژن کی کمان سنبھالنے سے پیشتر' جنرل ہیڈ کوارٹرز میں' ملٹری سیکرٹری کے منصب پر کام کر رہے تھے۔ ان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی حد تک سلیکشن بورڈ' آزادانہ اور صاف ستھرے انداز سے کام کرتا ہے' تاہم میجر جنرل کے عہدوں پر ترقی کے پانچ یا چھ معاملات ایسے تھے جن میں بورڈ کے اجلاس سے پہلے ہی کمانڈر انچیف نے اپنی پیشگی منظوری دے دی تھی۔ میجر جنرل اکرم کے بیان کے مطابق ترقی پانے والے ان افسران کے نام یہ تھے (1) میجر جنرل عابد زاہد (2) میجر جنرل کیانی (3) میجر جنرل نذر حسین شاہ (4) میجر جنرل ریاض عظیم اور (5) میجر جنرل عبید الرحمٰن۔ اپنے حافظے پر زور دیتے ہوئے میجر جنرل اکرم نے اس کمیشن کو بتایا کہ میجر جنرل کیانی کے معاملے کو چھوڑ کر بقیہ تمام افسران کی ترقی کے لئے بورڈ کی باقاعدہ منظوری بعد میں ہونے والے اجلاس میں حاصل کی گئی تھی کیونکہ میجر جنرل کیانی کے بارے میں بورڈ کے تمام اراکین کی متفقہ رائے یہ تھی کہ وہ اس ترقی کے ہرگز اہل نہیں ہیں۔ تاہم جنرل یحییٰ خان نے جو اس اجلاس کی صدارت کر رہے تھے کہا کہ چونکہ وہ ان ترقیوں کی منظوری پہلے ہی دے چکے ہیں لہٰذا ان کی توثیق کر دی جائے۔

میجر جنرل اکرم کی وضاحت کے مطابق ان ترقیوں کے اسباب اور وجوہات دراصل یہ تھیں کہ آرمی میں ''رینک اسٹرکچر'' کی تبدیلیوں اور رد و بدل کے نتیجے میں سینئر عہدوں پر تقرر پانے والے افسران کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا' جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے

عہدے خالی پڑے تھے اور مزید کئی مہینوں تک ان کے پر ہونے کا بھی کوئی امکان نہ تھا کیونکہ اس صورت میں مارچ اپریل میں منعقد ہونیوالے سلیکشن بورڈ کے اجلاس کا انتظار کرنا پڑتا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انہی کی پیش کردہ تجویز کے مطابق کمانڈر انچیف نے سلیکشن بورڈ کے اجلاس سے قبل ہی ان ترقیوں کو منظور کر لینے کی دامی بھر لی تھی۔

یہ الزام کہ صرف افسران بالا کی ''ہاں میں ہاں'' ملانے والوں ہی کو ترقی کا مستحق سمجھا جاتا ہے، سلیکشن بورڈ کے اراکین کی جانب سے کئے جانے والے اظہار رائے اور ان افسروں کی ''سالانہ خفیہ رپورٹوں'' میں درج کئے گئے تاثرات سے متعلق ہے! یہ معاملات ایسے ہیں جن کا تعلق مروجہ طریقہ کار اور اس کے مقررہ ضابطوں سے ہوتا ہے چنانچہ اس شکایت کو رفع کرنے کے سلسلے میں کوئی تجویز پیش کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ تاہم یہ امید ضرور کی جاسکتی ہے کہ سینئر افسران اپنے ماتحتوں کی آزادانہ رائے اور ان کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے میں نسبتاً زیادہ کشادہ دلی سے کام لیں گے!

مجموعی طریقہ کار کو دیکھتے ہوئے ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کسی بڑی اور انقلابی تبدیلی کی کوئی ضرورت ہے۔ تاہم جنرل ہیڈکوارٹرز کو اس بات پر ضرور غور کرنا چاہئے کہ جنرل آفیسرز کی بہت بڑی تعداد کے پیش نظر یہ نسبتاً زیادہ آسان اور مؤثر ہوگا کہ سلیکشن بورڈ کے اراکین کی تعداد کو دس یا بارہ سینئر ترین جنرلوں تک محدود کر دیا جائے جو کسی بھی مخصوص وقت پر دستیاب ہوسکیں۔

جہاں تک سلیکشن بورڈ کے مقررہ اجلاس سے قبل ہی جنرل یحییٰ خان کی جانب سے منظور کی جانے والی ترقیوں کا تعلق ہے تو جس معاملے پر سب سے زیادہ تنقید اور نکتہ چینی کی گئی ہے اس کا تعلق میجر جنرل عابد زاہد کی ترقی سے ہے۔ جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جنرل یحییٰ خان کے کزن تھے اور 1971ء کی جنگ کے دوران پندرہ ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کی حیثیت سے ان کی کارکردگی خاصی مایوس کن رہی تھی۔ مرالہ ہیڈورکس کے دفاع کے حوالے سے اپنے مخصوص نظریات کے طفیل انہوں نے بھارتی افواج کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کے بھکلیاں سیلینٹ پر قابض ہوسکیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے جنگ کے خاتمے تک جنرل ہیڈکوارٹرز کو بھی صحیح صورتحال سے بے خبر رکھا تاہم یہ بات نوٹ کئے جانے کے قابل ہے کہ سلیکشن بورڈ نے ان کی ترقی کی منظوری تو دے دی جبکہ میجر جنرل کیانی کی ترقی پر ان کی مخالفت کی گئی۔

کمان کی پوزیشن پر تقرری

اس باب کو ختم کرنے سے پیشتر ہم یہ ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ ترقیوں کے معاملے سے قطع نظر متعدد کمان کی پوزیشنوں پر سینئر افسران کی تقرری میں بھی ذاتی پسند اور ناپسند کو خاصا دخل رہا ہے۔ چند کمانڈنگ افسرن مثلاً میجر جنرل بی ایم مصطفیٰ، میجر جنرل عابد زاہد اور لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان، اس جارحانہ جذبے اور فوری اقدام کی صلاحیت سے قطعاً محروم تھے جو انہیں سونپے گئے فرائض کی بجا آوری کے لئے انتہائی ضروری سمجھی جاتی ہے! ان کے علاوہ دیگر افسران مثلاً میجر جنرل (لیفٹیننٹ جنرل نہیں) عبدالعلی ملک اور میجر جنرل ایم بشیر خان جنہیں مغربی پاکستان سے کچھ ہی پہلے یا جنگ کے دوران کمانڈنگ پوزیشن پر تعینات کیا گیا تھا۔ میجر جنرل عبدالعلی ملک کو 22 نومبر 1971ء کو آٹھویں ڈویژن کی کمان سونپی گئی تھی جبکہ ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے خطہ جنگ کے بارے میں ضروری آگاہی حاصل کرسکیں۔ نہ ہی انہیں فوجی منصوبوں کا کوئی علم تھا نہ ہی وہ اپنے ان ماتحت کمانڈروں سے ہی واقف تھے جو ان منصوبوں پر عملدرآمد کے ذمہ دار تھے! ایسا لگتا ہے کہ ان کے پیش رو ڈویژن کمانڈر، میجر جنرل احسان الحق کو فوری طور پر ہٹانے کا فیصلہ، جنرل یحییٰ خان نے کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان کے اشارے پر اس وقت کا تھا جب جنرل یحییٰ خان اور جنرل عبدالحمید خان نے 20 یا 21 نومبر 1971ء کو سیالکوٹ سیکٹر کا دورہ کیا تھا۔

مغربی پاکستان میں جنگ چھڑنے کے چار دن بعد میجر جنرل ایم بشیر خان کو آرمی ریزرو نارتھ کا چارج لینے کے لئے بھیجا گیا تھا جو چھ آرمرڈ ڈویژنوں اور سترہ ڈویژنوں پر مشتمل تھا۔ دو میجر جنرل ان کے ماتحت تھے یعنی میجر جنرل ایم۔ آئی۔ کریم اور میجر جنرل آر۔ ڈی۔ شمیم جو پہلے ہی ان ڈویژنوں کی کمان کر رہے تھے اور کور دن کے لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان کے انتظامی کنٹرول کے ماتحت تھے۔ جنرل بشیر خان نے گواہ 137 کی حیثیت سے اس کمیشن کو بتایا کہ جب انہیں اچانک آرمی ریزرو نارتھ کی کمان سنبھالنے کے لئے کہا گیا تو ان کے پاس نہ ہی کوئی مناسب ہیڈکوارٹر تھا نہ ہی معمول کی سہولتیں اور ساز و سامان موجود تھا چنانچہ انہیں وقت ہی نہ مل سکا کہ وہ کسی قسم کی منصوبہ بندی کرسکیں۔ اس اچانک کئے گئے فیصلے کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ لہٰذا ہم صرف یہی قیاس کرسکتے ہیں کہ اگر یہ انتظام بہت ہی ضروری تھا تو اس کے لئے پہلے سے کوئی تیاری کیوں نہیں کی گئی؟

ڈسپلن

ملٹری ڈسپلن کے بارے میں ہم کچھ بھی نہیں کہنا چاہتے کیونکہ اعلیٰ قیادت کی کمزوریوں کے باوجود تینوں مسلح افواج میں ڈسپلن کی صورتحال خاصی حد تک بہتر رہی ہے۔ تاہم اس موضوع کو ہم نے اپنی رپورٹ میں 25 مارچ 1971ء کے فوجی اقدام کے بعد مشرقی پاکستان میں فوج کے مبینہ کردار کے پیش نظر شامل کر لیا ہے۔ ہم نے گڑبڑ کے ان واقعات کا بھی نوٹس لیا ہے جو جنگ کے خاتمے کے بعد مغربی پاکستان میں واقع پاکستان ایئر فورس کے ایک اڈے پر رونما ہوئے تھے اس کے علاوہ متعدد گواہان نے جن کا تعلق جونیئر کیشنڈ رینک سے ہے' موجودہ صورتحال کے بارے میں بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ بالخصوص سہولتوں میں اس عدم مساوات کے حوالے سے جو رہائش' تفریحات اور دیگر مراعات کی فراہمی کے سلسلے میں فوجی افسران اور دیگر رینکس کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس بے اطمینانی کو ملک میں ابھرتے ہوئے سماجی اور معاشرتی رجحانات کی ایک علامت بھی کہا جا سکتا ہے۔

انٹر سروسز مطالعے کی ضرورت

کمیشن کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ سروس کی تقابلی شرائط اور ضوابط کے تفصیلی مطالعے کے ساتھ ساتھ' فوجی افسران جونیئر کمانڈنگ آفیسرز اور دیگر رینکس کو دستیاب سہولتوں اور مراعات کا جائزہ لے سکے۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ دیگر اقدامات سے قطع نظر وکارکردگی اور ڈسپلن کی صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہیں یہ بھی از حد ضروری ہے کہ انٹر سروسز سطح پر ایک باضابطہ اور منظم مطالعے کے ذریعے اس عدم مساوات کا تجزیہ کیا جائے جو ان سروسز میں موجود ہے تا کہ بے اطمینانی اور بے چینی میں کسی بھی قسم کے سنگین اضافے سے پیشتر' اس کے تدارک کا کوئی مناسب علاج اور بندوبست کیا جا سکے۔ ملک میں پائی جانے والی محنت کشوں کی

بے چینی' عوام میں اپنے حقوق کا شعور اور یہ بڑھتا ہوا احساس کہ طبقاتی امتیاز کا فوری طور پر خاتمہ ہونا چاہئے' ایسے عوامل ہیں جن کا براہ راست اثر ڈسپلن کی صورتحال اور مسلح افواج کے مختلف شعبوں پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ حکومت اور سروس ہیڈ کوارٹرز کے لئے از حد ضروری ہے کہ وہ ان رجحانات پر فوری طور سے توجہ دے۔

انفرادی سروسز کا اقدام

خالصتاً پیشہ ورانہ فوجی زاویے سے دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نومبر 1970ء میں جنرل ہیڈ کوارٹرز نے ایک کمیٹی قائم کی تھی جس کا حوالہ ہم نے سابقہ باب میں دیا ہے' جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ آرمی میں کارکردگی اور ڈسپلن کے جڑواں مسائل کی جانچ پڑتال اور تجزیہ کیا جائے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ واقعی پڑھنے کے قابل ہے جس میں بے حد مفید تجاویز اور سفارشات پیش کی گئی ہیں جن کی مدد سے افسران کی بھرتی سے لے کر پاکستان ملٹری اکیڈمی میں ان کی تربیت تک ان کی کارکردگی اور ڈسپلن کی صورتحال کی بہتری کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ اس رپورٹ میں جونیئر کمانڈنگ آفیسرز اور دوسرے رینکس کی سروس اور رہن سہن کے حالات کو بہتر بنانے کے سوال پر بھی غور کیا گیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں جنرل ہیڈ کوارٹر کی "ماہرین کمیٹی" کی مرتب کردہ اس مفصل رپورٹ کے پیش نظر ہم اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جنرل ہیڈ کوارٹرز اس کمیٹی کی پیش کردہ سفارشات پر عملدرآمد کو یقینی بنائے گا۔

پاک بحریہ اور پاک فضائیہ کے لئے بھی یہ مناسب ہوگا کہ اپنے اپنے متعلقہ ماہرین کے ذریعے اس نوعیت کے تفصیلی مطالعے اور تجزیے کی جانب توجہ دیں تاہم اس قسم کی رپورٹ کو ان عام مسائل کے انٹر سروسز جائزے اور جانچ پڑتال کے علاوہ ہونا چاہئے جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں کیونکہ ہر سروس کی صورتحال ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

مشرقی پاکستان میں مبینہ مظالم

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' مارچ 1971ء کے بعد مشرقی پاکستان میں شورش اور بغاوت کو کچلنے کی غرض سے پاکستانی فوج کے کردار پر مختلف حلقوں کی جانب سے شدید نکتہ

چینی کی گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حقیقت سے قطع نظر کہ آرمی نے ضرورت سے زائد طاقت کا استعمال کیا جس کے نام نہاد شورش انگیزی کے خطرے کو دیکھتے ہوئے قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ آرمی کے بعض افسران اور جوان لوٹ مار' آتشزنی اور زنا بالجبر جیسے مکروہ اعمال میں بھی ملوث پائے گئے تھے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان فوجیوں نے بینکوں' دکانوں اور گھروں میں بھی لوٹ مار مچائی۔ متعدد بستیوں کو بے رحمی کے ساتھ نذر آتش کر دیا اور مجبور اور بے سہارا عورتوں کو زبردستی اٹھا لے جانے کے بعد ان کے ساتھ زنا بالجبر کے مرتکب پائے گئے۔ اس نوعیت کے الزامات صرف ان چشم دید گواہوں تک ہی محدود نہیں جو مشرقی پاکستان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے بلکہ ان فوجی افسران کی ایک بڑی تعداد نے بھی اس نوعیت کے واقعات کی تصدیق کی ہے جو مشرقی کمان کے تحت مشرقی پاکستان میں تعینات تھے اور فوجی ایکشن اور اس کے بعد کے کئی اقدامات میں شریک رہے۔

ہمیں مطلع کیا گیا کہ جنرل ہیڈ کوارٹر اور ایسٹرن کمانڈ کی جانب سے متعدد سرکلر جاری کئے گئے تھے' تاہم صورتحال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی' جس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ان اعمال میں ملوث رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے افراد کے خلاف کسی قسم کی مؤثر انضباطی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ڈسپلن کی اس المناک شکست و ریخت کا ایک اہم اور بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی خدمات انجام دینے والے سینئر آرمی افسران کا رویہ بھی اپنے ماتحتوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ بہتر نہیں تھا۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ لوٹ مار اور زنا بالجبر کے الزامات کی تحقیق کے لئے مشرقی کمان نے انکوائری شروع کی تھی تاہم ایسا لگتا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی مؤثر اقدامات نہیں کئے گئے۔

یہ تمام الزامات انتہائی سنگین نوعیت کے حامل ہیں اور ایسے افراد کی جانب سے عائد کئے گئے ہیں جن پر شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ پاکستان آرمی کو بدنام کرنے کے درپے ہیں! یہ بہت اہم بات ہے کہ ڈھاکہ کے حکام نے مشرقی پاکستان میں فوج کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کی تعداد لاکھ میں بتائی جب کہ جنرل یحیٰی کی حکومت نے اس سلسلے میں کوئی مستند اعداد و شمار پیش نہیں کئے جبکہ حکومت سے تعلق رکھنے والے مختلف افراد اس حوالے سے مختلف اعداد و شمار بیان کرتے رہے ہیں۔ ہمیں فراہم کئے گئے جنرل ہیڈ کوارٹر کے تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کے نتیجے میں مجموعی طور پر چھبیس ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ چنانچہ یہ اشد

ضروری ہے کہ آرمی ایکشن کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کا درست ریکارڈ رکھا جائے جس میں دیگر مبینہ مظالم کے واقعات بھی شامل ہونے چاہئیں! لہٰذا ہم سفارش کرتے ہیں کہ حکومت ایک اعلیٰ اختیاراتی کورٹ یا کمیشن کے ذریعے ان الزامات کی تحقیقات کرے تاکہ وہ افراد جو ان مظالم میں ملوث رہے ہیں اور پاکستان آرمی کو بدنام کرنے کے علاوہ اپنے ان مکروہ اعمال کے نتیجے میں مقامی آبادی کی تمام تر ہمدردیوں سے محروم ہو چکے تھے۔ قرار واقعی سزا پا سکیں!۔ اس تحقیقاتی عدالت کی تشکیل۔ (اگر کارروائی ممکن نہ ہو) کی عوامی سطح پر تشہیر کی جائے تاکہ ہمارا قومی ضمیر اور بین الاقوامی رائے عامہ دونوں کو مطمئن کیا جا سکے۔

ان لوگوں کی ایک بھی تعداد جو مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے ان تمام واقعات سے بخوبی آگاہ ہے مغربی پاکستان میں موجود ہے جو اس سلسلے میں ثبوت مہیا کر سکتی ہے۔ مزید ثبوت اس وقت فراہم ہو سکیں گے جب جنگی قیدی بھارت سے واپس آ ئیں گے۔ اس وقت تک کچھ فوجی افسران جو مبینہ مظالم کے ذمہ دار تھے عدالتی کارروائی میں شرکت کے لئے موجود ہوں گے۔

میجر جنرل رحیم خان کا معاملہ

اس باب کو ختم کرنے سے پیشتر ہم دو ایسے امور کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کی مناسب تحقیقات بہت ضروری ہیں۔ ان میں سے ایک میجر جنرل رحیم خان کا معاملہ ہے جو چیف آف دی جنرل اسٹاف مقرر کئے گئے ہیں۔ انہیں 10 اپریل 1971ء کو مشرقی پاکستان میں تعینات کیا گیا تھا۔ 4 جولائی 1971ء تک وہ چودہ ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کی حیثیت سے کام کرتے رہے جس کے بعد وہ مشرقی پاکستان کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے میجر جنرل اسٹاف مقرر ہوئے اور 20 نومبر 1971ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے جس کے بعد انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ 39 (ایڈہاک) ڈویژن کی کمان سنبھال لیں جو کومیلا سے چٹاکانگ تک کے علاقے کی نگرانی کر رہی تھی۔ انہوں نے اپنا ابتدائی ہیڈ کوارٹر فینی کے علاقے میں قائم کیا جہاں سے وہ چاند پور منتقل ہو گئے جنگی صورتحال کے مطابق وہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو آگے کی جانب لکشم، فینی اور کومیلا کی طرف لاتے لے جاتے رہے۔ تاہم 8 دسمبر 1971ء کو انہوں نے لیفٹیننٹ جنرل نیازی سے اجازت لیتے ہوئے ڈھاکہ کی جانب بڑھنا شروع کر دیا ابھی وہ

دریائی راستے سے ڈھاکہ کی جانب بڑھ رہے تھے کہ بھارتی طیاروں نے ان کے قافلے پر شدید فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں ان کی ایک ٹانگ زخمی ہوگئی جبکہ ان کے ہمراہ جانے والا ایک افسر اس فائرنگ سے ہلاک ہوگیا۔ ڈھاکہ پہنچنے کے بعد انہیں کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں داخل کر دیا گیا اور وہاں سے 16 دسمبر 1971ء کو انہیں ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے برما پہنچا دیا گیا ان کی پاکستان آمد کے بعد لیفٹیننٹ جنرل گل حسن نے جو اس وقت تک کمانڈر انچیف کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے انہیں چیف آف دی جنرل اسٹاف مقرر کر دیا۔

اس کمیشن کے روبرو پیش کئے گئے شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ میجر جنرل رحیم خان نے کمانڈر ایسٹرن کمانڈ کی اجازت سے ڈھاکہ منتقل ہونے کی کوشش کی جو ان کی ذمہ داریوں کا علاقہ ہی نہیں تھا۔ ایسا کرتے ہوئے انہوں نے اپنے فوجی دستوں کو بھی کوئی متبادل قیادت فراہم کئے بغیر ہی چھوڑ دیا۔ بہر کیف یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ جنرل عبدالحمید خان' چیف آف دی اسٹاف اور لیفٹیننٹ جنرل گل حسن' چیف آف دی جنرل اسٹاف کو ایسی کوئی اطلاع یا خبر نہیں مل پائی کہ میجر جنرل رحیم خان نے اس انداز سے اپنے فوجی دستوں کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ بات بھی خاصی دلچسپ ہے کہ اپنی پاکستان آمد کے بعد ان سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی گئی نہ ہی جنرل گل حسن نے ان سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا کی کہ وہ کن حالات میں زخمی ہوئے اور مشرقی پاکستان سے فرار ہونے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟ ان سوالات کا جواب حاصل کئے بغیر ہی انہیں چیف آف دی جنرل اسٹاف کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ میجر جنرل رحیم خان کے خلاف اپنی ڈویژن کو اس طرح چھوڑ دینے اور اپنی ذمہ داری کے علاقے سے دوسری جگہ پر منتقل ہونے (حالانکہ جنرل نیازی اس کی اجازت دے چکے تھے) کے الزام میں مناسب تحقیقات کی جائیں تاکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ سکے کہ وہ فرائض سے غفلت اور بزدلی کے مرتکب ہوئے تھے اس ضمن میں دیگر معاملات جن پر غور کیا جانا ضروری ہے' حسب ذیل ہیں۔

(الف) دن دہاڑے چاند پور سے ڈھاکہ تک دریائی سفر جس کے دوران ایک اسٹاف آفیسر کی جان چلی گئی۔

(ب) وہ اسباب جن کی بناء پر پاکستان آمد کے بعد ان سے ضروری پوچھ گچھ نہیں کی گئی!......

(ج) وہ وجوہات کیا تھیں جنہوں نے کمانڈر انچیف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کو اس بات سے باز رکھا کہ وہ محض زبانی طور پر اور غیر رسمی انداز میں سہی ان سے پوچھتے کہ وہ کن حالات میں ڈھاکہ منتقل ہوئے اور پاکستان واپس کیسے پہنچے اور وہ تمام تفصیلات جن کا تعلق جنگ اور مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے سے ہے!

(د) وہ حالات جن کے تحت میجر جنرل رحیم خان کو بغیر پوچھ گچھ کے ہی چیف آف دی جنرل اسٹاف کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

پاک بحریہ کے کمانڈر گل زریں کا معاملہ

کمانڈر گل زریں کو جنگ کے آغاز پر پی این ایس تیتو میر نیول بیس کھلنا کا کمانڈنگ آفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ 6 دسمبر 1971ء کو انہیں مطلع کیا گیا کہ پاکستان آرمی نے جیسور چھاؤنی کو خالی کر دیا ہے اور بھارتی افواج کھلنا کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ سینئر آرمی افسران نیز فلیگ آفیسر کمانڈنگ' ایسٹ پاکستان ہیڈ کوارٹرز سے ان کے رابطوں نے صورتحال کی تصدیق بھی کر دی تھی اور انہیں بتایا گیا تھا کہ آرمی کے ساتھ ساتھ وہ بھی کھلنا سے نکل جائیں۔ ان کے ایک تحریری بیان کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجویز کردہ ڈینائل پلان پر عمل درآمد کے بعد وہ پورٹ ڈائریکٹر کے ہمراہ ایک فرانسیسی بحری جہاز پر مونگا پورٹ جانے کی غرض سے سوار ہوئے تھے لیکن شپ ماسٹر نے مونگا پورٹ پر رکنے سے انکار کر دیا اور ان دونوں کو سنگا پور پہنچا دیا جہاں سے کمانڈر گل زریں 6 جنوری 1972ء کو کراچی پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

اگر کمانڈر گل زریں کے اس بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تب تو ان کے کردار اور رویے کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کے بیان سے ایسا لگتا ہے جیسے انہیں اپنی مرضی اور منشا کے برخلاف مشرقی پاکستان سے لے جایا گیا تھا۔ تاہم کمیشن یہ محسوس کرتا ہے کہ کمانڈر گل زریں کے اپنے مفاد میں یہ ضروری ہے کہ 7 دسمبر 1971ء کو کھلنا چھوڑنے کے بارے میں انہوں نے جو کچھ اپنے بیان میں لکھا ہے اس کی مکمل تصدیق اور توثیق کی جانی چاہئے اور اگر حقائق اس کے برعکس پائے جائیں تو ان کے خلاف فرائض سے غفلت برتنے کے الزام میں انضباطی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

سفارشات

ڈسپلن کے معاملے میں ہماری سفارشات کا خلاصہ یہ ہے!

(الف) تینوں سروسز کے مابین تفصیلی مطالعے کے ذریعے افسران، جونیئر کمانڈنگ آفیسرز اور دیگر رینکس کی سروس اور مراعات کی تقابلی شرائط وضوابط پر غور کیا جائے تا کہ اس ضمن میں پائی جانے والی عدم مساوات کا تدارک کیا جاسکے جس کے سبب جونیئر افسران اور دیگر رینکس میں بے اطمینانی پائی جاتی ہے!

(ب) جنرل ہیڈ کوارٹر کو مرحوم میجر جنرل افتخار خان جنجوعہ کی سربراہی میں قائم کی گئی ''ڈسپلن'' کمیٹی کی مرتب کردہ رپورٹ میں موجود سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنانا چاہئے۔

(ج) بحریہ اور فضائیہ کو بھی اپنی اپنی ''ڈسپلن کمیٹی قائم کرنی چاہئے تا کہ ان سروسز کے مخصوص نوعیت کے مسائل پر غور کیا جاسکے تاہم اس قسم کے اقدامات اور بیان کئے گئے انٹر سروسز مطالعے کے علاوہ ہونے چاہئیں۔

(د) ایک اعلیٰ اختیاراتی عدالت یا کمیشن آف انکوائری کے قیام کے ذریعے ان مبینہ مظالم بے رحمی اور غیر اخلاقی حرکات اور رویوں کی تحقیقات کی جائیں جو مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کے بعد پاکستان آرمی سے منسوب کئے جاتے رہے ہیں۔ اس عدالت یا کمیشن کے قیام کی عوامی سطح تشہیر کی جائے تا کہ قومی ضمیر اور بین الاقوامی رائے عامہ کو مطمئن کیا جاسکے۔

(ہ) 8 دسمبر 1971ء کو جنرل آفیسر کمانڈنگ 39 (ایڈہاک) ڈویژن میجر جنرل رحیم خان (موجودہ چیف آف دی جنرل اسٹاف) کی ڈھاکہ روانگی کے حالات پر بھی تحقیقات کی جائیں کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے ہی فوجی دستوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اپنی ذمہ داری کے علاقے سے باہر نکلنے کا اقدام کیا اور اپنی ڈویژن کی کمان کا کوئی متبادل انتظام نہ کر سکے جو ایک ایسا عمل ہے جسے فرائض کی ادائیگی سے غفلت اور بزدلی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے بالخصوص اس جنگی فضا اور حالات کے تناظر میں جو اس وقت ان کے ہیڈ کوارٹر چاند پور میں موجود تھے۔

(و) انہی تحقیقات سے منسلک ان حالات کا بھی تجزیہ بے حد ضروری ہے جن کے تحت میجر جنرل رحیم خان سے اس وقت کے کمانڈر انچیف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن نے کسی بھی قسم

کی پوچھ گچھ کیے بغیر ہی انہیں چیف آف دی جنرل اسٹاف کے عہدے پر فائز کر دیا تھا۔

(ز) ان حالات کی بھی تحقیقات ہونی چاہئیں جن کے تحت پاک بحریہ کے کمانڈر گل زریں کو 7 دسمبر 1971ء کو کھلنا سے سنگاپور لے جایا گیا تھا۔

❂❂❂

مسلح افواج کو دیئے گئے فوجی اور شہری اعزازات

اس کمیشن کے روبرو پیش ہونے والے چند گواہان نے جن کا تعلق مسلح افواج سے ہے یہ الزام عائد کیا ہے کہ مسلح افواج کو دیئے جانے والے فوجی اور شہری اعزازات کی تقسیم میں انصاف کے تقاضوں کو مدنظر نہیں رکھا گیا لہٰذا ان اعزازات کی یہ تقسیم غیر منصفانہ تھی۔ یہ گواہان جو عام طور پر جونیئر رینکس سے متعلق تھے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ماضی میں ان اعزازات کی تقسیم خالصتاً میرٹ اور صلاحیت کی بنیاد پر ہی ہوا کرتی تھی لیکن اب یہ ان سینئر فوجی افسران کی ذاتی پسند اور ناپسند کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں؛ جن کے ذریعے حکومت اس قسم کی سفارشات طلب کرتی ہے۔

کمیشن نے اس الزام کا نوٹس لیتے ہوئے اس سلسلے میں چند تحقیقات کی ہیں اور حکومتی پالیسی کے ساتھ ساتھ سروس کے اس طریقہ کار پر بھی غور کیا ہے جس کے ذریعے ان اعزازات کے مستحق افراد کے ناموں کو آخری شکل دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مارچ 1971ء کے بعد کے دور میں فوجی افسران اہلکاروں کو دیئے گئے فوجی اور شہری اعزازات کی تفصیلات بھی اس کمیشن کی نظر سے گزری ہیں۔

فوجی افسران کو بہادری کے فوجی نیز دیگر سول اعزازات دیئے جانے کی غرض سے سفارشات؛ جنرل ہیڈ کوارٹرز کی ملٹری سیکرٹری برانچ کو ارسال کی جاتی ہیں جنہیں وصول کرنے کے بعد ایک مقرر شدہ فارم پر نامزد کئے گئے افراد کی فہرست تیار کی جاتی ہے؛ جس کے بعد جنرل ہیڈ کوارٹر کی "ایوارڈ کمیٹی" ان کی ضروری جانچ پڑتال شروع کر دیتی ہے۔ یہ ایوارڈ کمیٹی درج ذیل افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔

(الف) چیئرمین۔ چیف آف جنرل اسٹاف

(ب) ملٹری سیکرٹری۔ رکن

(ج) ایڈ جوائنٹ جنرل۔ رکن

اعزازات کی تقسیم کے لئے طریقہ کار

یہ کمیٹی ہر کیس کو اس کے میرٹ پر دیکھتی اور پرکھتی ہے چیئرمین اراکین کمیٹی کا فیصلہ مقررہ فارم میں درج ہر ایک نام کے سامنے بنے ہوئے کالم میں محفوظ کر لیتا ہے جس کے بعد کمیٹی کی سفارشات اعزازات کے مستحق افراد کے ناموں کے ہمراہ چیف آف دی آرمی اسٹاف کو ان کی منظوری کی غرض سے پیش کر دی جاتی ہے۔

چیف آف دی آرمی اسٹاف کی منظوری کے بعد تجویز کئے گئے ان افراد کے نام جوائنٹ چیفس سیکرٹریٹ کے توسط سے صدر پاکستان کی حتمی منظوری کے لئے پیش کئے جاتے ہیں جس کے بعد انہیں گزٹ پریس میں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر بھی نشر کر دیا جاتا ہے جس کا اہتمام وزارت دفاع کرتی ہے۔

پاک بحریہ اور فضائیہ میں بھی اعزازات کی تقسیم کے لئے یہی طریقہ کار رائج ہے۔

گزٹ آف پاکستان نوٹیفکیشن نمبر ایف۔40 (30) پریس /57 اور جوائنٹ سروسز انسٹرکشن 28/59 اور 9/63 اور دیگر متعلقہ سروس آرڈرز/ہدایات کے معائنے کے بعد جو اس سلسلے میں مفصل طریقہ کار اور رہنما خطوط مہیا کرتے ہیں یہ انکشاف ہوا کہ یہ نظام صحیح اور مناسب طریقے پر مسلح افواج کی خصوصی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔ ڈسپلن کے مفاد کو دیکھتے ہوئے کسی بھی فرد کی اعزاز کے لئے نامزدگی اس کے متعلقہ کمانڈرز کی صوابدید کے مطابق عمل میں آتی ہے جو سروس کے دوران اس فرد کی فلاح و بہبود اور مفادات کی نگرانی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ مسلح افواج کو خود اس سلسلے میں کی جانے والی کسی بھی ممکنہ بدعنوانی پر گہری نظر رکھنی چاہئے جیسا کہ متعدد دیگر معاملات میں رکھی جاتی ہے جن کا تعلق افسروں اور جوانوں کے مجموعی اخلاق اور استعداد کار سے ہوتا ہے۔ 1965ء کی جنگ کے دوران یہ تاثر ابھر کر سامنے آیا تھا کہ اعلیٰ شجاعت کے فوجی اعزازات خاص طور پر صرف افسران ہی کو دیے گئے تھے بالخصوص سینئر فوجی افسران کو! جن میں سے ایک نشان حیدر اور دیگر کو ہلال جرات اور ستارہ جرات کے کئی اعزازات تھے جبکہ جونیئر کمانڈنگ آفیسرز اور دیگر رینکس کو محض تمغہ جرات ہی عطا ہو سکا تھا۔

1971ء کی جنگ کے دوران کارکردگی کے حوالے سے دیئے جانے والے فوجی اعزازات طے شدہ طریقہ کار پر عمل درآمد میں تبدیلی کی واضح نشاندی کرتے ہیں جس کے مطابق ''نشان حیدر'' کے دو اعزازات دیگر رینکس کو بھی دیے گئے تھے...... مشرقی پاکستان میں قبل از جنگ بہترین کارکردگی کے مظاہرے پر ایک جونیئر آفیسر کو بعد از مرگ ''نشان حیدر'' دیا گیا تھا تاہم ''ہلال جرات'' اور ''ستارہ جرات'' کے وہ اعزازات جن کا اعلان 1971ء میں کیا گیا تھا ان کا تعلق مشرقی پاکستان میں بغاوت اور شورش کو کچلنے کی غرض سے کئے جانے والے فوجی آپریشن سے تھا۔

ہمیں ایسا لگتا ہے کہ اس مقررہ طریقہ کار میں کسی بھی طرح کا کوئی سقم نہیں ہے تاہم سروس ہیڈ کوارٹر کے لئے یہ طریقہ بے حد سود مند رہے گا کہ وہ وقتاً فوقتاً اطلاعاتی مراسلوں کے ذریعے اپنے اہلکاروں کو ان اعزازات اور انعامات کو دیئے جانے کی بنیادی منطق سے آگاہ کرتا رہے۔

✪✪✪

چند سینئر آرمی کمانڈرز کی انفرادی ذمے داری

جنگ کے فوجی اور سیاسی پہلوؤں پر گفتگو کے دوران ہم نے تفصیل کے ساتھ جنرل یحییٰ خان اور دیگر سینئر آرمی افسران پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید اظہار خیال دوسرے باب میں کیا گیا ہے جو ہماری تحقیقات کے دائرہ کار کے مطابق ہمارے اخذ کردہ نتائج اور سفارشات کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ فی الوقت ہم مختصر طور پر ان ذمہ داریوں کا ذکر کر رہے ہیں جو چند مخصوص سینئر فیلڈ کمانڈرز پر انہیں تفویض کئے جانے والے فوجی اور جنگی فرائض کے سلسلے میں عائد ہوتی ہیں۔

لیفٹیننٹ جنرل ارشاد احمد خان

کمانڈر 1 کور

مغربی پاکستان کی جنگ کے متعلقہ باب میں ہم نے بڑی تفصیل کے ساتھ سیالکوٹ شکر گڑھ۔ نارووال سیکٹر میں فوجی آپریشن کا تجزیہ کیا ہے جو کور 1 کی ذمہ داری کا علاقہ تھا۔ اس سلسلے میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کور 1 نے انفعالی رویے کا مظاہرہ کرتے ہوئے جارحانہ دفاع کی کوئی کوشش نہیں کی نہ ہی اس دن اپنے علاقے سے دست بردار ہوتے وقت کوئی مزاحمت کرتے ہوئے دشمن کو کسی بھی طرح کا کوئی نقصان پہنچایا' حالانکہ جنگ کے دوران اسے یہ موقع مہیا ہوا تھا کمانڈر کور 1 کی جانب سے کئے گئے آپریشن پر متعدد فوجی افسروں سمیت اعوان کمیٹی نے بھی شدید اعتراضات کئے ہیں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ کور 1 کی اس ناکامی کے نتیجے میں جنوب کے علاقے میں کئے جانے والے پاکستانی فوج کے حملے کو خاصا شدید نقصان اٹھانا پڑا اور شکر گڑھ تحصیل کے پانچ سو دیہات دشمن کے حوالے کرنا پڑے جبکہ ان دیہاتوں کے باشندوں کو بھی کسی قسم کی پیشگی اطلاع نہیں دی جا سکی۔ اس کے علاوہ شکر گڑھ۔ ظفر وال روڈ پر

ہمارے اہم دفاعی مقامات کو دشمن کی جانب سے لاحق سنگین خطرے کے پیش نظر غیر ضروری طور پر جانوں کا اتلاف الگ ہوا۔ ان تمام واقعات کی ذمہ داری کور کمانڈر پر عائد ہوتی ہے (جو آرمی سے ریٹائر ہو چکے ہیں)۔

میجر جنرل عابد زاہد

جنرل آفیسر کمانڈنگ 15 ڈویژن

دیگر ذمہ داریوں کے علاوہ میجر جنرل عابد زاہد کو سیالکوٹ ڈسٹرکٹ میں مرالہ ہیڈ ورکس کے دفاع کے فرائض بھی سونپے گئے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہیں ذکر کر چکے ہیں اپنے مخصوص دفاعی نظریے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انہوں نے بھارتی فوج کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کے پھکلیاں کے ایک وسیع علاقے پر قابض ہو سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے کے تقریباً اٹھانوے دیہات کے باشندے نہ صرف یہ کہ بے دخل ہونے پر مجبور ہو گئے بلکہ مرالہ ہیڈ ورکس کی سلامتی کو بھی سنگین خطرہ لاحق ہو گیا کیونکہ بھارتی افواج اس ہیڈ ورکس سے صرف پندرہ سو گز دور رہ گئی تھی۔ انہوں نے جارحانہ جذبے اور اقدام کے فقدان کا افسوسناک مظاہرہ کرتے ہوئے جنرل ہیڈ کوارٹر کو بھی پھکلیاں سیلیجٹ پر بھارتی افواج کے قبضے سے مکمل طور پر بے خبر رکھا تاوقتیکہ جنگ ختم ہونے کے بعد اس بڑے نقصان کا انکشاف نہیں ہو گیا۔ یہ جنرل کور 1 کے تحت کام کر رہے تھے۔ بہرکیف یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ ڈویژنل اور کور کمانڈر دونوں ہی بیک وقت جارحانہ جذبے اور روح سے محروم تھے۔ (میجر جنرل عابد زاہد بھی اب فوج سے ریٹائر ہو چکے ہیں)۔

میجر جنرل بی۔ ایم مصطفیٰ

جنرل آفیسر کمانڈنگ 18 ڈویژن

اس رپورٹ کے ابتدائی حصے میں اٹھارہ ڈویژن کی کارکردگی پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حملے کا وہ جارحانہ منصوبہ جس کا مقصد راجستھان کے علاقے رام گڑھ پر قبضہ کرنا تھا' فوجی اعتبار سے ناقص اور افراتفری میں تیار کیا گیا تھا جسے بالآخر

ناکامی سے دوچار ہونا ہی تھا۔ میجر جنرل مصطفیٰ نے اس ناکامی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس جارحانہ حملے کا منصوبہ چیف آف اسٹاف نے زبردستی ان پر تھوپ دیا تھا جس پر انہوں نے بادل ناخواستہ عمل کیا کیونکہ وہ بزدلی یا کم ہمتی کا الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتے تھے۔ تاہم چیف آف جنرل اسٹاف نے ان کی یہ وضاحت تسلیم نہیں کی اور تاثر دیا کہ یہ منصوبہ خود میجر جنرل مصطفیٰ نے ہی تیار کیا تھا۔ بہرکیف اصل واقعہ کچھ بھی ہو یہ حقیقت اپنی جگہ بدستور موجود ہے کہ یہ منصوبہ بری طرح ناکامی سے دوچار ہوا جس کے نتیجے میں صحرائی علاقے میں ہماری فوجی گاڑیاں اور دیگر ساز و سامان بڑے پیمانے پر تباہ ہو گئے۔ چنانچہ اس نقصان کی بنیادی ذمہ داری جنرل آفیسر کمانڈنگ پر ہی عائد ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے تفویض کردہ فرض کی انجام دہی میں قطعاً ناکام رہے بلکہ انہوں نے بروقت جنرل ہیڈ کوارٹر کو اس منصوبے کی خامیوں سے بھی آگاہ نہیں کیا جو ان کے خیال میں اس منصوبے میں پوشیدہ تھیں۔

✡✡✡
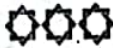
خلاصہ اور سفارشات

الف۔ ''خلاصہ''

یہ کمیشن 26 دسمبر 1971ء کو تشکیل دیا گیا تھا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ان حالات کی تحقیقات کی جائیں جن کے نتیجے میں 16 دسمبر 1971ء کو پاکستان کی مسلح افواج نے ذلت آمیز انداز میں دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور فوری طور پر بھارتی وزیراعظم کی جانب سے اعلان کردہ یک طرفہ جنگ بندی کو بھی من وعن تسلیم کرلیا۔ دو سو تیرہ گواہوں اور متعدد دستاویزی ثبوت دیکھنے کے بعد یہ کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ جنگ مختلف عوامل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی جن میں سیاسی، اخلاقی، نفسیاتی اور فوجی سب ہی عوامل شامل تھے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس جنگ کے فوجی عوامل اور پہلوؤں سے ہٹ کر دیگر اہم عوامل کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پاکستان کا قیام انگریز کی اس پالیسی کے تحت عمل میں آیا تھا جس کا مقصد تھا ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' جس کا منطقی اور فطری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ برصغیر کی دو بڑی قومیتوں یعنی ہندو اور مسلمانوں میں نفرت اور اختلافات کی خلیج دن بدن گہری ہوتی چلی گئی۔

انگریز سرکار کی پالیسیوں کے نتیجے میں ہندوؤں کو جو بالادستی حاصل ہو چکی تھی اس نے مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے رویے کو بڑی تیزی کے ساتھ تبدیل کردیا وہ مسلمانوں کو نہ صرف اچھوت سمجھنے لگے تھے بلکہ انہیں ان غیر ملکی اور بیرونی حملہ آوروں اور فاتحین کی اولاد سمجھتے تھے جنہوں نے ایک ہزار برس تک برصغیر پر حکومت کی تھی۔ ملکہ برطانیہ کے اعلان 1858ء میں سیلف گورنمنٹ کے وعدے کی تکمیل کرتے ہوئے انگریز نے برصغیر میں جمہوری سیاسی اداروں کی پرورش شروع کردی تھی جس کے نتیجے میں ہندو پورے برصغیر پر ''ہندو راج'' کے قیام کا خواب دیکھنے لگے تھے۔ اس طرح دونوں فرقوں میں تلخی بڑھتی ہی چلی گئی اور فرقہ وارانہ فسادات

کی آگ نے برصغیر کے ایک بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ 1905ء میں لارڈ کرزن نے خالصتاً انتظامی وجوہ کے پیش نظر صوبہ بنگال کی تقسیم کا منصوبہ پیش کیا تھا جس کے خلاف ہندوؤں نے شدید احتجاج شروع کردیا کیونکہ اس منصوبے پر عملی درآمد کے نتیجے میں مشرقی بنگال اور آسام کا ایک نیا صوبہ وجود میں آجاتا جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ تاہم انگریز سرکار نے ہندوؤں کے اس احتجاج کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے اور بنگال کی تقسیم کا یہ منصوبہ منسوخ کردیا گیا۔ اس واقعے نے مسلمانوں کو متحد اور منظم ہونے کی ضرورت کا احساس دلایا چنانچہ 1906ء میں ڈھاکہ شہر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا جس کی کوششوں کے نتیجے میں 1909ء کی مورلے منٹو اصلاحات میں جداگانہ انتخابات کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے الگ نشستوں کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا۔ اس واقعے سے برصغیر پر ہندو راج کے قیام اور تسلط کو شدید دھچکا پہنچا یہاں تک کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اسے ''پاکستان کی پرچھائیں'' سے تعبیر کردیا۔

1916ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں کے نتیجے میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ''میثاق لکھنو'' عمل میں آیا جس کی رو سے نہ صرف مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات کے اصول کو تسلیم کیا گیا تھا بلکہ آبادی میں ان کے تناسب سے زیادہ اسمبلی نشستیں دینے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ تاہم 1928ء میں نہرو رپورٹ (آل پارٹیز کانفرنس کی درخواست پر پنڈت موتی لال نہرو کی جانب سے تیار کیا گیا آئینی مسودہ) میں یہ سفارش کی گئی کہ مسلمانوں کے علیحدہ انتخابی حلقوں سمیت ان تمام اداروں کو ختم کردیا جائے جو مسلمانوں کو سیاسی قوت فراہم کرنے کا سبب بنتے ہوں۔ دسمبر 1928ء کی کلکتہ کانفرنس میں مسلمانوں کی جانب سے نہرو رپورٹ کی ان تجاویز اور سفارشات کی شدید مخالفت کی گئی لیکن اس مخالفت کے باوجود جب اس آئینی مسودے کو منظور کرلیا گیا تو مسلمان قائداعظم کی سربراہی میں کانفرنس سے باہر آگئے اور قائد نے اعلان کردیا کہ آج سے ان کے اور ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔ اس کے باوجود 1929ء میں مسلم لیگ نے ایک آخری کوشش کے طور پر چودہ نکاتی مطالبہ پیش کیا جس میں انگریز سرکار کے خلاف آزادی کی جنگ میں کانگریس سے تعاون کی غرض سے کم سے کم شرائط پیش کی گئی تھیں۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے نفاذ کے بعد کانگریس اور مسلم لیگ کے

درمیان ایک اور معاہدہ عمل میں آیا جس کے مطابق اس نئے ایکٹ کے تحت ہونے والے یوپی کے انتخابات میں دونوں جماعتیں مل کر حصہ لیتیں اور کامیابی کی صورت میں مخلوط اور مشترک حکومت کا قیام عمل میں آتا۔ کانگریس کو یوپی کے انتخابات میں زبردست فتح حاصل ہوئی تاہم اس نے معاہدے کے مطابق مسلم لیگ کو حکومت میں کوئی حصہ دینے سے صاف انکار کر دیا اور یہ شرط لگا دی کہ مسلمانوں کو صرف اسی صورت میں حکومت میں شریک کیا جاسکتا ہے کہ وہ کانگریس پارٹی میں شمولیت اختیار کرلیں۔ اس واقعے سے مسلمانوں میں تلخی کا احساس بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوا اور وہ اچھی طرح جان گیے کہ ہندو کبھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس حقیقت کا مزید ثبوت ان گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں میں کانگریس کے انداز حکمرانی سے بھی ملتا ہے جہاں اسے بھاری اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ ان صوبوں کے مسلمانوں کو ہندی زبان سیکھنے پر مجبور کیا گیا تاکہ وہ اپنی زبان اور کلچر سے دور ہوجائیں۔ ودیا مندر تعلیمی اسکیم روشناس کرائی گئی، مسلمانوں کو بندرے ماترم گانے پر مجبور کیا گیا حتیٰ کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر انہیں گائے کی قربانی سے بھی روک دیا گیا۔ مسلم لیگ کے زیر اہتمام 1939ء میں دو رپورٹیں یعنی ''پیر پور رپورٹ'' اور ''شریف رپورٹ'' تیار کی گئیں جو کانگریسی حکومت کے دوران مسلمانوں پر گزرنے والے مصائب کی داستان سناتی ہیں۔ مسلمان بنگال کے رہنما مسٹر فضل الحق بھی اس احتجاج میں شریک ہوگئے چنانچہ انگریز مصنفین بھی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ 1937ء سے 1939ء تک کانگریسی حکومتوں کا رویہ دو قومی نظریے کی اشاعت اور تحریک پاکستان کا ایک اہم اور بنیادی سبب تھا۔

یہ تلخی بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے بالآخر فروری 1940ء میں اپنے دہلی اجلاس میں یہ حتمی فیصلہ کرلیا کہ ایک قرارداد کے ذریعے مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں آزاد مسلم حکومتوں کے قیام کا مطالبہ پیش کیا جائے۔ یہ قرارداد 23 مارچ 1940ء کے لاہور کے جلسہ عام میں صوبہ بنگال کے اس وقت کے وزیراعلیٰ مسٹر فضل الحق نے پیش کی جسے 24 مارچ 1940ء کو متفقہ طور پر منظور کرلیا گیا۔ تاہم اس قرارداد میں لفظ پاکستان کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا اور صرف یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ جغرافیائی طور پر ملحقہ وحدتوں کو ضروری علاقائی ردوبدل کے بعد اس طرح تشکیل دیا جائے کہ وہ علاقے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں یعنی ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں کو ملا کر ایک آزاد حکومت

اور ریاست کا قیام عمل میں آجائے۔

تاہم اپریل 1946ء میں مسلم لیگ کے منتخب ممبران اسمبلی کے ایک کنونشن میں اس قرارداد میں ترمیم کردی گئی اور اس بات کو خاص طور سے بیان کیا گیا کہ شمال مشرق میں بنگال اور آسام پر مشتمل علاقے اور شمال مغرب میں پنجاب شمال مغربی سرحدی صوبے سندھ اور بلوچستان کے علاقے کو ملا کر (جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے) ایک آزاد اور خود مختار واحد مملکت کی تشکیل کی جائے۔ اپنے قومی وجود کو حالات کے مطابق ڈھالتے ہوئے تمام مسلمانوں (جن میں بنگال کے مسلمان بھی شامل تھے) نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ اب ان کے پاس کوئی بھی متبادل نہیں بچا سوائے ایک علیحدہ اور خود مختار مملکت کے قیام کے!

1940ء کی ''قرارداد لاہور'' کی ہندوؤں نے شدت کے ساتھ مخالفت شروع کردی اور کانگریسی صوبوں میں وسیع پیانے پر مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ تاہم خوش قسمتی سے یہ کشت وخون تھم گیا کیونکہ کانگریس نے اگست 1942ء میں جب دوسری عالمگیر جنگ کے شعلے ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچ چکے تھے، انگریز سرکار کے خلاف ''ہندوستان چھوڑ دو تحریک'' چلانے کا اعلان کردیا تھا۔ اس تحریک کے نتیجے میں کانگریسی حکومتیں برطرف کردی گئیں اور اس کے لیڈروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس واقعہ پر مسلم لیگ نے ''یوم نجات'' منایا اور قائداعظم نے انگریز حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کو تقسیم کرنے کے بعد چھوڑ دیں۔

تاہم دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمے پر، جب لیبر پارٹی، برطانیہ میں برسراقتدار آئی تو انگریز سرکار کی پالیسی میں بھی نمایاں تبدیلیاں آئیں اور ہندوؤں سے مصالحانہ طرز عمل دوبارہ شروع کردیا۔ برطانوی حکومت نے سر اسٹیفورڈ کرپس کی سربراہی میں ایک مشن کو دو یا دو سے زیادہ آزاد ریاستوں کے قیام کی تجاویز کے ہمراہ ہندوستان روانہ کیا۔ تاہم کانگریس نے ان تجاویز کو مسترد کردیا جس کے بعد عبوری حکومت کے قیام کا ''ویول پلان'' سامنے آیا چنانچہ 1945ء میں انتخابات منعقد ہوئے اور مسلم لیگ نے مرکزی اسمبلی کی تمام مسلمان نشستوں پر کامیابی حاصل کرلی۔ اس کے باوجود کانگریس اپنے اس دعوے پر مسلسل اصرار کرتی رہی کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ برطانیوں نے ایک اور وفد ہندوستان روانہ کیا جسے کیبنٹ مشن کہا جاتا ہے تاکہ اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کیا جاسکے۔ کیبنٹ مشن نے بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مساوی بنیادوں پر فوری عبوری حکومت کے قیام کی تجویز پیش

کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ایک سہ طرفہ فیڈریشن کے قیام کا طویل المیعاد منصوبہ بھی پیش کیا جس کے تحت مرکز کو صرف تین محکمے یعنی امور خارجہ' دفاع اور مواصلات دیے جانے تھے یہ فیڈریشن تین گروپوں پر مشتمل ہوتی یعنی (1) ریاستیں (2) ہندو اکثریتی صوبے اور (3) مسلم اکثریتی صوبے۔ مسلم لیگ نے اس منصوبے کو منظور کر لیا لیکن کانگریس نے صرف طویل المیعاد فیڈریشن کی تجاویز قبول کیں اور وہ بھی کافی تحفظات کے ساتھ اسی دوران پنڈت جواہر لال نہرو نے اس تجویز کے بنیادی مقاصد کی ایسی تعبیر و تشریح شروع کر دی جس کے نتیجے میں کانگریس نے بالآخر اسے بھی مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ برطانوی حکومت نے ان کوششوں کی ناکامی کے باوجود ہندوستان میں عارضی حکومت کے قیام کی جدوجہد کو جاری رکھا جس کی مسلم لیگ نے مخالفت کی اور پاکستان کے حصول کے لئے ''ڈائریکٹ ایکشن'' کا اعلان کر دیا۔

''یوم ڈائریکٹ ایکشن'' 14 اگست 1946ء کو منایا جانا تھا تاہم کلکتہ کے ہندوؤں نے ان مسلمانوں کے جلوسوں پر حملے شروع کر دیے جو اس تاریخ کو ہونے والے بڑے جلسہ عام میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ جس کے بعد کلکتہ میں سنگین ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے' جن میں بیس ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔ ان فسادات نے ہندوستان کے دیگر علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جہاں فرقہ وارانہ فسادت پہلے ہی چلے جا رہے تھے اور مزید انسانی جانیں ضائع ہو رہی تھیں۔ ان واقعات کے نتیجے میں انگریز اور ہندوؤں نے بھی اس حقیقت کو بخوبی محسوس کر لیا کہ ہندوستان کی تقسیم کے علاوہ اس مسئلے کا کوئی اور حل نہیں ہے۔

لارڈ ویول کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوئے تا کہ برٹش انڈیا میں اقتدار کی منتقلی کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچ سکے کیونکہ برطانوی حکومت بالآخر ہندوستان چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ انہوں نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالنے سے قبل یہ شرط رکھی کہ پہلے اس تاریخ کا اعلان کیا جائے جس دن برٹش راج کا خاتمہ کیا جائے گا چنانچہ اس مقصد سے 20 فروری 1947ء سے پہلے پہلے مکمل ہونا تھا۔ تاہم لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو مجبور کیا کہ وہ مسلم اکثریتی صوبوں میں بھی ''تقسیم کے اصول'' کو منظور کر لیں چنانچہ اس طرح بنگال اور پنجاب کے صوبے بھی تقسیم کر دیے گئے جبکہ آسام کے ضلع سلہٹ اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں ریفرنڈم کرایا گیا۔ اس کے بعد ریڈکلف ایوارڈ کے تحت دو مسلم اکثریتی علاقے یعنی بنگال میں مرشد آباد اور پنجاب میں گورداسپور بھارت کے حوالے کر دیے گئے۔ حالانکہ ابتدائی اسکیم کی

رو سے یہ علاقے پاکستان میں شامل ہونے تھے۔ جس طرح مرشد آباد ضلع کے بالائی علاقے میں دریائے جنگی دریائے گنگا سے الگ ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح اس وقت جموں اور کشمیر کو جانے والا واحد راستہ ضلع گورداسپور سے ہو کر گزرتا تھا چنانچہ یہ دونوں علاقے مسلمانوں کو نہیں دیے گئے۔

ملک کی تقسیم کے فیصلے کو اگرچہ کانگریس تسلیم کر چکی تھی اس کے باوجود ہندوؤں کی اکثریت نے اس فیصلے کی مزاحمت کی جس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ فسادات ایک بار پھوٹ پڑے جن میں ہزاروں لاکھوں آدمی مارے گئے۔ عورتوں کو اغوا کر لیا گیا اور لاکھوں افراد گھر سے بے گھر ہو گئے' چنانچہ ہندوستان سے بڑی تعداد میں مہاجرین کے قافلے مشرقی اور مغربی پاکستان پہنچنا شروع ہو گئے اسی طرح ہندو شرنارتھی بھی' پاکستان چھوڑ کر جانے لگے۔ لوگوں کی جان' مال کی حفاظت کے لئے ایک باؤنڈری فورس بھی تشکیل دی گئی تھی جو کچھ زیادہ مؤثر ثابت نہ ہو سکی کیونکہ یہ فورس خود بھی فرقہ وارانہ جذبات سے مبرا نہ تھی چنانچہ 15 اگست 1947ء کو اسے ختم کرنا پڑا۔

قائداعظم لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا پہلا گورنر جنرل تسلیم کرنے سے انکار کر چکے تھے جس کے سبب وہ قائداعظم سے بے حد ناخوش تھا جس کے نتیجے میں پاکستان کے لئے مزید مالی اور انتظامی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ ریزرو بینک میں موجود نقد رقومات میں سے پاکستان کو اس کے حصے کی طے شدہ ادائیگی نہیں کی گئی' نہ ہی درخواستوں کے باوجود مہاجرین کی حفاظت کے لئے برٹش فوج کے دستے ہی تعینات کئے گئے تھے بھارت سے کشمیر کے الحاق کے لئے بھی ماؤنٹ بیٹن نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا جس کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر پہلی جنگ چھڑی تھی۔ تاہم جنوری 1949ء میں اقوام متحدہ کے زیر انتظام جنگ بندی کا معاہدہ طے پا گیا اور کشمیر میں جنگ بندی لائن کھینچ دی گئی جس پر آج بھی دونوں ممالک کے فوجی دستے تعینات رہتے ہیں۔

پاکستان کے لئے آئین وضع کرنے کی غرض سے ایک سیاسی مشینری 10 اگست 1947ء کو کراچی میں تشکیل دی گئی تھی جس نے قائداعظم کو اپنا پہلا صدر اور مولوی تمیز الدین خان کو اپنا اسپیکر منتخب کیا اور وفاقی آئین ساز ادارے کی حیثیت سے کام شروع کر دیا تاہم حکومتوں کی تشکیل کے بے شمار مسائل اور وقتاً فوقتاً بھارت سے ہجرت کر کے آنے والے

مہاجرین کی آبادکاری کے پیش نظر پاکستان کے لئے آئین کی تیاری میں کافی مشکلات حائل تھیں۔ ملک کو ایبر جنسی اختیارات کے تحت چلایا جارہا تھا جو گورنر جنرل کو تفویض کئے گئے تھے جو وزیراعظم کے مشوروں سے کام کرتے تھے۔ تاہم ستمبر 1948ء میں جب یہ فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی بجائے آل پاکستان مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا جائے تو سیاسی رہنماؤں کے باہمی اختلافات کھل کر سامنے آنے لگے۔ مشرقی بنگال کی مسلم لیگ کونسل سے حسین شہید سہروردی کو نکال باہر کیا گیا۔ جس کے بعد انہوں نے عوامی مسلم لیگ قائم کرلی اور خود اس کے سربراہ بن گیے۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور مولانا عبدالحمید خان بھاشانی اس نئی سیاسی پارٹی کے نمایاں اراکین میں شامل تھے۔ پنجاب میں بھی غیر مطمئن مسلم لیگیوں نے جناح عوامی لیگ قائم کرلی تھی۔ نواب ممدوٹ کو پنجاب میں کابینہ بنانے کی دعوت دی گئی تو اس نئی سیاسی جماعت سے تعلق رکھنے والوں نے ان کے لیے کافی مشکلات پیدا کردیں جس کے نتیجے میں جنوری 1949ء میں ان کی حکومت کو برطرف کردیا گیا۔ صوبہ سندھ میں مسٹر ایوب کھوڑو کو کرپشن کے الزامات میں برطرف کردیا گیا تھا تاہم اس کے باوجود صوبائی مسلم لیگ پر ان کی گرفت کافی مضبوط تھی جس کے سبب سندھ میں مسلم لیگی حکومت کی تشکیل اور قیام میں کافی دشواریوں کا سامنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کراچی کو مرکزی دارالخلافہ بنائے جانے کے خلاف زبردست مہم کا آغاز کردیا جس نے اتنا زور پکڑا کہ قائداعظم کو خود اس معاملے میں مداخلت کرنا پڑی تاکہ صورتحال کو مزید سنگین ہونے سے بچایا جاسکے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے میں ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت کو برطرف کردیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے پاکستانی پرچم کشائی کی تقریب میں شریک ہونے سے انکار کردیا تھا۔ چنانچہ ان کے بجائے خان عبدالقیوم خان صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ بنادیے گئے۔ ادھر مشرقی پاکستان میں زبان کا تنازع پیدا ہوگیا اور قائداعظم کو خود وہاں جاکر اس تنازع کو ختم کرنا پڑا۔

11 ستمبر 1948ء کو قائداعظم کی رحلت کا سانحہ قوم کے لئے ایک بڑے صدمے کا باعث تھا۔ ان کے بعد خواجہ ناظم الدین پاکستان کے گورنر جنرل اور مسٹر نورالامین مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ مقرر ہوئے۔ اسی دوران ہندوؤں نے ایک بار پھر مشرقی پاکستان کی سیاست میں فعال حصہ لینا شروع کردیا تھا جس کے نتیجے میں عوامی مسلم لیگ سے لفظ مسلم ہٹادیا گیا تاکہ ہندوؤں کو بھی اس جماعت میں شامل کیا جاسکے۔

عوامی لیگ میں شامل بائیں بازو کے عناصر بھی مولانا بھاشانی کی سربراہی میں خاصے سرگرم ہوچکے تھے چنانچہ عوامی لیگ سے الگ ہوکر انہوں نے مولانا بھاشانی کی قیادت میں ایک نئی جماعت نیشنل عوامی پارٹی قائم کرلی تھی۔ اسی اثناء میں 1950ء کے دوران بھارت میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے جس کے ردعمل میں مشرقی پاکستان کی صورتحال بھی خاصی تشویشناک ہوچکی تھی چنانچہ وزیراعظم خان لیاقت علی خان فوراً بھارت پہنچ گئے تاکہ بھارتی وزیراعظم سے اس مسئلے پر گفت وشنید کرسکیں جس کے بعد "لیاقت نہرو معاہدہ" وجود میں آیا اور امن وامان کے حالات کافی حد تک پرسکون ہوگیے۔ وزیراعظم نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ سیاسی پارٹیاں آئین کی تشکیل میں تاخیر اور نئے انتخابات نہ ہونے کی وجہ سے بےاطمینانی کا شکار ہیں۔ آئین ساز اسمبلی کو فعال بنانے کی کوششیں شروع کردیں اور "بنیادی اصولوں کی کمیٹی" کی پہلی رپورٹ دسمبر 1950ء میں شائع کردی گئی جو کسی کے لئے بھی قابل قبول نہیں تھی۔ اس رپورٹ کے خلاف کیا جانے والا احتجاج اتنا شدید تھا کہ اسے آئین ساز اسمبلی کو واپس کرنا پڑا تاکہ اس پر نظر ثانی کی جاسکے۔

مارچ 1951ء میں ایک دوسرا خطرناک واقعہ سامنے آیا جس کے مطابق کچھ فوجی افسران حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں مبینہ طور پر شریک تھے۔ تاہم اس سازش کو فوری طور پر بھانپ لیا گیا اور سازش میں ملوث ملزمان پر مقدمہ دائر کردیا گیا جو "راولپنڈی سازش کیس" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے فوراً بعد ہی اکتوبر 1951ء میں وزیراعظم خان لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران گولی مار کر شہید کردیا گیا۔ بپھرا ہوا مجمع قاتل پر ٹوٹ پڑا اور اسے ہلاک کردیا چنانچہ آج تک اس قتل کا راز ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ وزیراعظم کی شہادت کے نتیجے میں ملک مزید مشکلات اور مصائب میں گرفتار ہوتا چلا گیا۔ خواجہ ناظم الدین کو ان کے شدید احتجاج کے باوجود مجبور کیا گیا کہ وہ گورنر جنرل کے عہدے سے سبکدوش ہوکر وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالیں اور اپنی بجائے غلام محمد کو گورنر جنرل کے عہدے کے لیے نامزد کردیں۔ خواجہ ناظم الدین ایک سیدھے سادھے مسلمان تھے جو وزارت عظمیٰ جیسے عہدے کے لئے قطعاً ناموزوں تھے۔
چنانچہ ان کی وزارت عظمیٰ کے دوران سیاسی لیڈروں کے باہمی اختلافات اور رقابتوں کے سبب مسلم لیگ کا شیرازہ بکھرنے لگا اور ملکی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ بنیادی ضرورت کی اشیاء کی قلت ہوگئی بالخصوص مشرقی پاکستان اس قلت سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔

دوسری طرف سیاست دان ہنوز اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ ملک میں کس طرز کا آئین نافذ ہونا چاہئے۔ مجلس آئین ساز نے دسمبر 1952ء میں اپنا دوسرا آئینی مسودہ پیش کیا' لیکن وہ پنجاب کو منظور نہیں تھا کیونکہ اس کے تحت ایوان بالا میں ملک کے دونوں بازوؤں کو یکساں نمائندگی دی گئی تھی۔ اس کا مطالبہ تھا کہ ہر فیڈرل یونٹ یا وفاقی اکائی کو اس کی آبادی یا رقبے سے قطع نظر یکساں نمائندگی دی جانی چاہئے۔ یہیں سے مشرقی اور مغربی بازو کے درمیان تصادم اور تنازع کا آغاز ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان سے آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کا مطالبہ زور پکڑنے لگا جس کے نتیجے میں مکمل تعطل کی صورتحال پیدا ہوگئی۔ خواجہ ناظم الدین نے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کرتے ہوئے دونوں بازوؤں کے درمیان ''پیریٹی'' یعنی مساوات کا نظریہ پیش کیا جو دونوں بازوؤں میں ان کی عدم مقبولیت کا سبب بن گیا۔ اسی دوران لاہور میں قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی جس کے نتیجے میں پنجاب میں فسادات پھوٹ پڑے تاہم چند لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کا مقصد خواجہ ناظم الدین کو ان کے منصب سے برطرف کروانا تھا جب کہ کچھ افراد کا خیال یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی رواداری اور صبر و برداشت کے مذہبی رویے نے اس بحران کو جنم دیا تھا۔ بہرکیف وجوہات کچھ بھی رہی ہوں۔ نوکر شاہی کے ہاتھ تو اک بہانہ لگ چکا تھا جو ان کی مخالف ہو چکی تھی اور ان کے خلاف سیاسی سازشوں میں مصروف تھی۔

1951ء میں مشرقی پاکستان کی سیاسی صورتحال خاصی حد تک خراب ہو چکی تھی۔ عوام ضروری اشیاء کی قلت اور کمیابی کا رونا رو رہے تھے اور دونوں بازوؤں کے درمیان تعمیر و ترقی کے نمایاں فرق کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے۔ اس صورت حال کے پس منظر میں مخالف سیاسی جماعتوں کے اکسانے پر طلبا نے بنگال زبان کو قومی زبان بنانے کا مطالبہ شروع کر دیا اور پنجاب میں انتخابات کے بعد وہ مشرقی پاکستان میں بھی نئے انتخابات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ 1952ء میں بنگلہ کو قومی زبان کی حیثیت دینے کا مطالبہ ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ صوبائی اسمبلی کا اجلاس ہونے ہی والا تھا کہ ان طلباء نے ہڑتال کا اعلان کر دیا اور جلوس کی شکل میں اسمبلی ہال پہنچنا شروع ہو گئے جہاں پہنچ کر انہوں نے بنگلہ کو قومی زبان کی حیثیت دلوانے کی غرض سے ایک قرارداد کی منظوری کے حق میں زبردست نعرے بازی شروع کر دی۔ طلباء اور پولیس کے درمیان تصادم کی نوبت آ گئی اور معاملہ اتنا آگے بڑھ گیا کہ پولیس کو فائرنگ کرنا پڑی جس کے نتیجے میں چند طلباء ہلاک ہو گئے حکومت نے اپنے ایمرجنسی اختیارات کا غیر ضروری

استعمال کرتے ہوئے معاملے کو سختی کے ساتھ دبانے کی کوشش کی۔ مسٹر سہروردی کو مشرقی پاکستان میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور عوامی لیگ کے لیڈروں کو حراست میں لے لیا گیا جن میں نمایاں نام شیخ مجیب الرحمٰن اور مولانا عبدالحمید خان بھاشانی کے تھے!

صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ میں بھی سیاسی صورتحال انتہائی تشویشناک تھی۔ خان عبدالقیوم خان اور محمد ایوب کھوڑو ایک مرتبہ پر فعال ہو چکے تھے۔ ٹھیک یہی وقت تھا جب گورنر جنرل غلام محمد نے ''خواجہ ناظم الدین کی'' عدم مقبولیت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپریل 1953ء میں انہیں وزارت عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا حالانکہ ایک ماہ قبل ہی وہ ایک محفوظ اکثریت کی حمایت سے اسمبلی میں اپنی حکومت کا پیش کردہ بجٹ منظور کروانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور اب بھی انہیں اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل تھا۔

یہی وہ دن تھا جب پاکستان میں جمہوریت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی گئی تھی۔ سیاست دان اس قدر بدعنوان اور پست اخلاق ہو چکے تھے کہ انہوں نے بلا کسی چوں چرا کے اس تبدیلی کو بڑی خاموشی کے ساتھ قبول کر لیا۔ امریکہ سے ایک نئے وزیراعظم کو درآمد کیا گیا جو وہاں بطور سفیر تعینات تھے اور مزید تعجب انگیز بات یہ ہے کہ وہ کسی اسمبلی کے منتخب رکن بھی نہیں تھے۔ انہیں وزیراعظم کی حیثیت سے نہ صرف یہ کہ تسلیم کر لیا گیا بلکہ مسلم لیگ کا لیڈر بھی منتخب کر لیا۔ اس تبدیلی کا دوسرا اہم شاخسانہ یہ تھا کہ پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف کو تمام پارلیمانی روایات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کابینہ میں وزیر دفاع کی حیثیت سے شامل کر لیا گیا تھا۔

یہیں سے پاکستان کی خارجہ پالیسی میں نیا موڑ آنا شروع ہوا۔ اسی زمانے میں پاکستان نے غیر جانبداری کی پالیسی کو ترک کرتے ہوئے مئی 1954ء میں امریکہ کے ساتھ باہمی دفاعی تعاون کے معاہدے میں شمولیت اختیار کر لی' جس کے بعد وہ بغداد پیکٹ (سینٹو) اور ''سیٹو'' کا بھی ممبر بن گیا۔

مسٹر محمد علی آف بوگرا نے بھی اس سیاسی تعطل کو ختم کرنے کی غرض سے ایک فارمولا پیش کیا جس کی رو سے پیریٹی کے اصول کو کچھ تبدیلیوں کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے اسمبلیوں میں نشستوں کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی کہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں دونوں بازوؤں کے درمیان پیریٹی کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس کو مزید تحفظ دینے کی غرض سے یہ بھی تجویز کیا گیا تھا کہ کسی ایک صوبے کو متاثر کرنے والے معاملات کی صورت میں مجموعی اراکین کی ایک تہائی تعداد

کو جس کا تعلق اسی صوبے سے ہوگا ان اقدامات کی حمایت میں اپنا ووٹ دینا ہوگا۔ امید کی جا رہی تھی کہ اس فارمولے کی منظوری کے نتیجے میں ایک نیا آئین جلد ہی وضع کیا جا سکے گا۔ تاہم حالات کسی اور ہی سمت جاتے دکھائی دے رہے تھے 1954ء میں مشرقی پاکستان کے صوبائی انتخابات کے نتیجے میں ایک بڑی اور واضح تبدیلی رونما ہوئی جن میں مسلم لیگ کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مشترکہ حزب اختلاف یعنی ''جگتو فرنٹ'' کو مسٹر فضل الحق، حسین شہید سہروردی اور مولانا بھاشانی کی سربراہی میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس اسمبلی میں مسلم لیگ بمشکل پندرہ نشستیں حاصل کر سکی تھی۔

مسلم لیگ کے اس طرح مزید کمزور ہونے کے بعد گورنر جنرل اور نوکر شاہی کو یہ حیثیت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ حکومت سے اپنی شرائط منوا سکیں کیونکہ حکومت وقت گورنر جنرل کے رحم و کرم پر تھی چنانچہ اپنی اہمیت کو منوانے اور طاقت کو تسلیم کرانے کی غرض سے مشرقی پاکستان کے مسٹر فضل الرحمن کی قیادت میں اٹھارہ گھنٹوں کے اندر اندر اسمبلی سے ایک قانون منظور کرایا گیا جس کے تحت:-

(i) کابینہ کی ذمہ داریاں مشترکہ ہوں گی۔

(ii) کسی بھی وزیر کے خلاف عدم اعماد کے ووٹ کا مطلب ہوگا پوری کابینہ کے خلاف اظہار عدم اعتماد۔

(iii) گورنر جنرل کابینہ کے مشوروں کے مطابق عمل۔

چنانچہ گورنر جنرل کو جو اس وقت کسی پہاڑی مقام پر گئے ہوئے تھے، جب یہ اطلاع ملی کہ کابینہ ان کے اختیارات کو سلب کرنے کی کوشش کر رہی ہے تو وہ فوراً واپس آ گئے۔ اپنے غیر معمولی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے انہوں نے پروڈا ایکٹ مجریہ 1949ء کو فوراً منسوخ کر دیا اور ان تمام سیاسی مخالفین کو رہا کر دیا گیا جنہیں حکومت نے اس ایکٹ کے تحت زیر حراست رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے آئین ساز اسمبلی کو بھی تحلیل کر دیا اور اس کا سبب یہ بتایا کہ اسے عوام کا اعتماد حاصل نہیں رہا تھا۔ تاہم اسمبلی کے اسپیکر نے گورنر جنرل کے اس اقدام کو عدالت میں چیلنج کر دیا۔ انہیں ہائی کورٹ میں تو کامیابی حاصل ہو گئی لیکن اپیل کے دوران فیڈرل کورٹ نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ان کی یہ درخواست قابل سماعت نہیں ہے کیونکہ جس قانون کے تحت اسے دائر کیا گیا تھا وہ اب مؤثر نہیں رہا۔ کیونکہ اسے گورنر جنرل کی تائید حاصل نہیں رہی۔ گورنر

جنرل نے فیڈرل کورٹ میں کامیاب ہونے کے بعد اس غلطی کی اصلاح کرتے ہوئے ایک آرڈیننس جاری کر دیا جس کے تحت آئین ساز اسمبلی کے منظور شدہ چند آئینی اقدامات کو مؤثر قرار دیا گیا تھا تاہم فیڈرل کورٹ نے اس آرڈیننس کو بھی غیر مؤثر قرار دے دیا کیونکہ بقول اس کے گورنر جنرل کو کسی بھی آئینی اقدام کا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔ اس کے بعد گورنر جنرل نے کورٹ میں ریفرنس داخل کرتے ہوئے مشورہ طلب کیا جس نے حکومت کو مشورہ دیا کہ عدالت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق نئی اسمبلی کی تشکیل کی جائے جس کے بعد ایک نئی اسمبلی تشکیل دی گئی اور محمد علی بوگرہ کو ایک بار پھر وزیراعظم مقرر کر دیا گیا اگرچہ یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ فضل الرحمن کی جانب سے کی جانے والی کوششوں کو ان کی درپردہ تائید اور حمایت بھی حاصل تھی۔ اس وقت تک گورنر جنرل کی جسمانی صحت اور حالت بے حد بگڑ چکی تھی۔ چنانچہ انہیں رخصت پر بھیج دیا گیا اور ان کی جگہ اسکندر مرزا کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا جو اس وقت کابینہ کے ایک رکن تھے یہ سب کچھ چوہدری محمد علی کی مدد اور تعاون سے کیا گیا تھا جو وزیر خزانہ کے عہدے پر فائز تھے چنانچہ ایک بار پھر نئی حکومت تشکیل دی گئی جس کے سربراہ محمد علی بوگرہ اور حسین شہید سہروردی قائد حزب اختلاف تھے۔ تاہم جلد ہی محمد علی بوگرہ کو سفیر کی حیثیت سے امریکہ روانہ کر دیا گیا اور ان کے بجائے وزیر خزانہ چوہدری محمد علی کو مسلم لیگ کا قائد اور ملک کا وزیراعظم مقرر کر دیا گیا۔

چوہدری محمد علی اپنی محدودات کے باوجود 1956ء میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مساوات کی بنیاد پر آئین کو منظور کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ پورے مغربی پاکستان کو ایک واحد صوبے کی شکل دے دی گئی تھی۔ مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے تمام سیاسی لیڈروں نے بھی مساوات کے اصول کو تسلیم کر لیا جن میں حسین شہید سہروردی اور فضل الحق جیسے لیڈر بھی شامل تھے۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اس طرح مشرقی پاکستان بھی حکومتی امور میں صرف ایک مؤثر اور قابل ذکر کردار ادا کر سکے گا بلکہ پالیسی ساز فیصلوں میں بھی شریک ہوگا جس کے لئے اہم وزارتوں کا دونوں صوبوں کے درمیان یکساں طور پر تقسیم ہونا ضروری تھا۔ بدقسمتی سے ایسی کوئی صحت مندانہ روایت قائم نہ کی جا سکی۔ نئے صدر اسکندر مرزا بھی محلاتی سازشوں کے معاملے میں سابقہ گورنر جنرل سے کسی بھی طرح کم نہ تھے۔ وہ محض مملکت کا آئینی سربراہ رہنے پر اکتفا نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے محلاتی سازشوں کے ذریعے سیاسی

جماعتوں کو کمزور کرنے کی کوششیں شروع کردیں اور ڈاکٹر خان صاحب کی سربراہی میں اپنی ایک سیاسی پارٹی بھی قائم کرلی جس کا نام ''ری پبلکن پارٹی'' رکھا گیا تھا۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر خان صاحب کو صوبہ سرحد کی وزارت اعلیٰ سے اس وقت برطرف کردیا گیا تھا جب آزادی کے بعد انہوں نے پاکستانی پرچم کشائی کی تقریب میں شرکت سے انکار کردیا تھا۔ مسلم لیگ میں اخلاقی اور سیاسی انحطاط کا یہ عالم تھا کہ اس کے بہت سے اراکین' مسلم لیگ کو چھوڑ کر ری پبلکن پارٹی میں شریک ہونے لگے۔ صدر اسکندر مرزا عام طور پر کہا کرتے تھے کہ اسمبلی میں کوئی پارٹی ایسی نہیں' جو ان کی مخالفت کی ہمت کرسکے یا ری پبلکن پارٹی کی تائید اور حمایت کے بغیر کوئی اکثریت حاصل کرنے کی اہل ہو یا اس کے بغیر مخلوط حکومت بنا سکتی ہو۔ حکومت کو بنانا اور توڑ دینا صدر کے لئے ایک مشغلہ بن چکا تھا اور آئے دن وزراء تبدیل ہونے لگے تھے۔ صدر اسکندر مرزا' کنٹرولڈ' جمہوریت میں یقین رکھتے تھے اور سیاست کو مذہب سے بالکل الگ رکھنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے یہ دونوں نظریات پاکستان کی بنیاد پر کاری ضرب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب بھی اکثر و بیشتر انہی خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ان حالات میں جمہوریت کو بالآخر ناکامی سے دوچار ہونا ہی تھا جس کے مواقع سیاست دان اپنے ذاتی اختلافات اور باہمی رقابتوں کے طفیل روز بروز فراہم کرتے جارہے تھے۔ حتیٰ کہ اسمبلی کے ایوان میں گتھم گتھا ہونے کے واقعات نے نوکر شاہی کو بالآخر وہ موقع فراہم کرہی دیا جس کا اسے بڑی بے چینی سے انتظار تھا چنانچہ 7 اکتوبر 1958ء کو جنرل اسکندر مرزا نے آئین کو منسوخ' اسمبلی کو تحلیل اور وزراء کو برطرف کرتے ہوئے مارشل لاء نافذ کردیا اور آرمی کے کمانڈر انچیف کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کردیا گیا۔

اس طرح کا اقدام کرتے ہوئے جنرل اسکندر مرزا یہ بات قطعاً فراموش کرگئے کہ ان کا حشر بھی اچھا نہیں ہوگا اور ہوا بھی وہی 27 اکتوبر 1958ء کو انہیں حراست میں لے کر بیرون ملک روانہ کردیا گیا اور انہی کے مقرر کردہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے بالآخر اقتدار کی باگ ڈور خود سنبھال لی۔

چنانچہ ڈھائی برس کے مختصر سے عرصے ہی میں پاکستان کی آئینی جمہوریت کا گلا گھونٹ دیا گیا تاہم یہ کہے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کہ سربراہ حکومت کی بے لگام خواہش اقتدار اور مفاد پرست سیاست دانوں کی تمام تر سازشوں' ریشہ دوانیوں اور اخلاقی پستی کے باوجود' مشرقی

پاکستان میں اس وقت تک کسی نے بھی علیحدگی کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی تھی اور یہ محسوس کیا جارہا تھا کہ آئینی ذرائع سے طرز حکومت میں تبدیلی آجانے کے بعد ملک کی سالمیت اور وحدت برقرار رکھی جاسکتی ہے لہٰذا ملکی معاملات میں شرکت کا احساس ابھی باقی تھا۔ تین وزرائے اعظم کا تعلق مشرقی پاکستان سے رہ چکا تھا جب کہ گورنر جنرل اسکندر مرزا کا تعلق بھی اسی علاقے سے تھا۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے کئی وزراء مرکزی کابینہ میں بھی شامل تھے اور اگر مشرقی پاکستان کے عوام کسی ایک سیاسی پارٹی کے پرچم تلے جمع ہوسکتے تو اس بات کا بھی امکان تھا کہ ملک پر ان کی حکومت قائم ہوسکے۔

مسلم لیگ کا شیرازہ بکھرنے کے بعد مشرقی پاکستان میں متعدد چھوٹی چھوٹی سیاسی جماعتیں وجود میں آگئی تھیں جنہوں نے ہندوؤں کو یہ موقع فراہم کردیا تھا کہ وہ ایک بار پھر اہم سیاسی حیثیت حاصل کرسکیں چنانچہ پرانی ہندو کانگریس پارٹی کا مشرقی پاکستان میں احیاء کیا گیا اور مسٹر بسنت کمار داس اس کے سربراہ مقرر ہوئے جو سلہٹ کے علاقے سے تعلق رکھنے والے ایک پرانے کانگریسی تھے جو کبھی آسام کا ایک حصہ تھا۔ اس پارٹی نے بہت جلد دیگر مسلم جماعتوں کے درمیان ''طاقت کے توازن'' کی سی حیثیت حاصل کرلی جن میں عوامی لیگ' نیشنل عوامی پارٹی اور کرشک سرامک پارٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس ہندو پارٹی کا اثر و رسوخ رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ گیا کہ وہ کسی بھی حکومت بنانے والی سیاسی پارٹی سے ہندو مفادات کے حوالے سے سودے بازی کرنے کی پوزیشن میں آچکی تھی اور اس کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوسکتی تھی۔ چنانچہ عوامی لیگ کے وزیر اعلیٰ مسٹر عطاء الرحمٰن خان کو اس پارٹی کے اثر و رسوخ کے سامنے جھکتے ہوئے وہ تمام سخت اقدامات روکنے پڑے' جو فوج کے تعاون سے اسمگلنگ کو روکنے کی غرض سے کئے جا رہے تھے۔ مشرقی پاکستان کی عدالتوں میں ہندوؤں کے خلاف دائر کئے گئے فوجداری مقدمات بھی اسی پارٹی کے دباؤ میں آکر واپس لے لئے گئے تھے۔

سیاست دانوں میں اقتدار کے حصول کی وحشیانہ دوڑ اور مال و دولت حاصل کرنے کی ہوس نے ملک کو تباہی اور بربادی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔ پاکستان جو کبھی ایک مضبوط اور مستحکم ملک تھا۔ دنیا کی نظر میں مذاق اور تمسخر کا نشانہ بن کر رہ گیا تھا۔ ''آئین کی منسوخی'' اور ''جمہوریت کا قتل'' اس مرض کا علاج ہرگز نہیں تھا حالانکہ یہ آئین اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود ہماری رائے میں اس قابل تھا کہ اس پر عمل کیا جاسکے۔ ملک کو تباہی اور بربادی کی حالت تک

پہنچانے میں صرف سیاست دان ہی شریک نہ تھے بلکہ ملک کی نوکرشاہی بھی یکساں طور پر اس کی ذمہ دار تھی جس نے آئین پر عملدر آمد کو ناممکن بنا دیا تھا اور جنرل اسکندر مرزا دیانت داری سے یہ کوشش کرتے کہ آئین پر صاف ستھرے اور غیر جانبدارانہ انداز سے عمل کیا جائے گا تو وہ ایسی مضحکہ خیز شکل اختیار نہ کرتا۔ چنانچہ پاکستان کے پہلے صدر بھی ہماری نظر میں اتنے ہی قصوروار ہیں جتنے کہ سیاست دان جنہوں نے ملک کو بحران در بحران سے دوچار کر دیا تاکہ وہ خود زیادہ سے زیادہ قوت اور اختیارات اصل کر سکیں۔ تاہم وہ اپنی ہی خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیے گئے جب ان کے مقرر کردہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے انہیں مارشل لاء نافذ کرنے کے تین ہفتے بعد ہی گرفتار کر کے بیرون ملک روانہ کر دیا یہ کہتے ہوئے کہ وہ بھی ان سیاست دانوں میں شامل تھے' جو ملک میں بحران پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

کمانڈر انچیف اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر' جنرل ایوب خان کی جانب سے اقتدار پر اس قبضے کا امکان پس منظر تین روز قبل ہی سپریم کورٹ کی جانب سے کیا جانے والا یہ اعلان تھا جو "مملکت بخلاف ڈوسو" (پی ایل ڈی 1958ء ایس سی 53) کے مقدمے کے سلسلے میں کیا گیا تھا جس کی رو سے کامیاب فوجی انقلاب بذات خود اقتدار کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جو ایک نئے قانونی نظام کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ملکی اقتدار پر قبضے کی سازش اصل میں ایوب خان نے ہی تیار کی تھی جس کی تکمیل کے لئے انہوں نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیتے ہوئے جنرل اسکندر مرزا کو اپنا آلہ کار بنایا تھا۔ چنانچہ جونہی انہوں نے اپنا یہ مقصد حاصل کر لیا بیک بنی دوگوش' اسکندر مرزا کو چلتا کر دیا اور اس طرح یہ ملک دہرے مصائب سے دوچار کر دیا گیا۔

بہرکیف! جنرل ایوب خان کی شروعات اچھی تھیں۔ انہوں نے چند ایسے اقدامات کئے جن کے نتیجے میں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ اشیاء کی قیمتوں میں کمی واقع ہوگئی' بلیک مارکیٹنگ کا خاتمہ ہوگیا اور ذخیرہ اندوزی نیز اسمگلنگ کا سلسلہ بھی بند ہوگیا کرپٹ افسران کو ملازمت سے نکال دیا گیا اور اسمگل شدہ سونے کی ایک بڑی مقدار برآمد کر لی گئی۔ حتی کہ مارشل لاء ضابطوں کے ڈر سے بھارت سے آنے والے مہاجرین بھی اپنے جعلی کلیموں سے از خود دست بردار ہوگئے۔ بڑے بڑے تاجروں نے اپنی خفیہ آمدنی ظاہر کر دی' اور جمع شدہ' غیر ملکی زرمبادلہ حکومت کے سپرد کر دیا۔ عوام نے شروع شروع میں تو ان اقدامات کا بڑی خوش دلی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور یہ سوچ سوچ کر چین کا سانس لیا کہ یہ مارشل لاء محض عارضی طور پر نافذ کیا

گیا ہے اور جونہی حالات بہتر ہوئے اسے فوری طور پر اٹھا لیا جائے گا۔ جنرل ایوب خان کی ابتدائی کامیابی کا دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ انہوں نے آرمی کو حتی الامکان بیرکوں تک ہی محدود رکھا تھا اور بڑی حد تک مارشل لاء پر عملدر آمد کی غرض سے وہ سویلین اداروں پر ہی انحصار کرتے رہے تھے۔ سول اور مارشل لاء حکام کے فرائض اور ذمہ داریوں کی بھی واضح طور پر وضاحت کر دی گئی تھی تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی یا کنفیوژن پیدا نہ ہو۔ مارشل لاء حکومت کی وہ تمام کوششیں جن کا تعلق اصلاحات اراضی نیز قانونی اور طبی اصلاحات اور سائنسی تعلیم اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے تھا' پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جا رہی تھیں۔ اسی طرح مہاجرین کی بحالی اور آبادکاری کے سلسلے میں کراچی' ڈھاکہ اور چٹاگانگ میں ٹاؤن شپ کی تعمیرات نے بھی عوام کے دل جیت لئے تھے تاہم تھوڑے ہی عرصے بعد بالخصوص مشرقی پاکستان کے عوام میں اک احساس فریب نے جنم لینا شروع کر دیا جس کا اہم اور بنیادی سبب "بنیادی جمہوریت" کا متعارف کیا گیا نیا نظام تھا کیونکہ جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے یہ ایک الٹے قدم کے مترادف تھا جس سے لازمی طور پر یہ تاثر بھی ملتا تھا کہ موجودہ فوجی حکومت جمہوریت بحال کرنے کے معاملے میں قطعاً سنجیدہ نہیں ہے۔ تاہم ان کا یہ تاثر کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا کیونکہ جنرل ایوب خان تہہ دل سے اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ پاکستانی عوام کے لئے مغربی پارلیمانی جمہوریت کسی بھی لحاظ سے موزوں اور مناسب نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ کم از کم پوری ایک نسل جب تک بنیادی جمہوریت کے نظام حکومت کا تجربہ نہ کر لے' یہ ملک مغربی جمہوریت کا اہل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ 1959ء کے بنیادی جمہوریتوں کے حکم نامے کے ذریعے انہوں نے جمہوریت کو نیا رنگ روپ دینے کی کوششیں شروع کر دیں۔ تاہم مشرقی پاکستان کے عوام نے جو سیاسی اعتبار سے نسبتاً زیادہ باشعور تھے اس تصور کی مزاحمت کی۔ انہیں یہ احساس ہونے لگا کہ ان کے صوبے کو ایک نوآبادیاتی علاقے میں تبدیل کیا جا رہا ہے نیز یہ کہ اس قسم کے نظام میں وہ ملکی امور و معاملات میں شرکت سے قطعاً محروم ہو جائیں گے! اس احساس محرومی میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب فروری 1960ء میں سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جسٹس کی سربراہی میں ایک آئینی کمیشن قائم کیا گیا۔ اس کمیشن نے اپریل 1961ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی جس کے مطابق پاکستان میں امریکی طرز کے صدارتی نظام حکومت کے قیام کی سفارش کی گئی تھی جس میں توازن اقتدار کے معقول بندوبست اور دو ایوانی مقننہ کے تحت وفاقی نظام حکومت کی تجویز بھی شامل تھی۔ اس

کے علاوہ رپورٹ میں یہ تجویز بھی پیش کی گئی تھی کہ صدر مملکت' نائب صدر اور قومی اسمبلی کا انتخاب محدود بالغ رائے دہی کے ذریعے منتخب کئے گئے انتخابی ادارے کے توسط سے عمل میں آئے گا۔ تاہم جنرل ایوب خان نے کمیشن کے مجوزہ صدارتی نظام حکومت کو تسلیم کر لیا لیکن بقیہ سفارشات کو نامنظور کر دیا۔ چنانچہ 1962ء کے وضع کردہ آئین کے تحت تمام تر اختیارات صدر کے ہاتھوں میں مرکوز کر دیے گئے تھے جس کا انتخاب بالواسطہ طور پر بنیادی جمہوریت کے اسی ہزار ممبران کے ذریعے ہونا تھا۔ شہریوں کے لئے بنیادی حقوق کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی تھی اور اسمبلیوں کے اختیارات میں بھی سنگین حد تک تخفیف کر دی گئی تھی۔ مالیاتی امور کے سلسلے میں ان کے اختیارات کو محدود کرتے ہوئے صوبوں کو براہ راست مرکز کے ماتحت کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ صوبائی وزراء کے تقرر کی منظوری بھی براہ راست صدر مملکت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اس آئین کی وجہ سے ملک کے دونوں بازوؤں میں شدید مایوسی اور بے اطمینانی پھیل گئی۔ تاہم اس کی مخالفت کو سختی کے ساتھ کچل دیا گیا۔ تمام سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی اور تمام قابل ذکر سیاستدانوں کو ''ایبڈو'' کے تحت سال کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا تھا۔ پریس کی آزادی کا گھونٹ دیا گیا اور ''نیشنل پریس ٹرسٹ'' کے نام سے ایک کنٹرولڈ پریس کی داغ بیل ڈالی گئی۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو ''ایبڈو'' کے تحت سیاست کے لئے نااہل قرار نہیں دیا گیا تھا بلکہ ان پر بحیثیت وزیر کرپشن اور سرکاری اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزام میں مقدمہ دائر کیا گیا تھا جس سے وہ باعزت طور پر بری کر دیے گئے تھے۔ چنانچہ شیخ مجیب الرحمٰن کو حزب مخالف کے ہیرو کا رتبہ حاصل ہو چکا تھا۔ طلباء ایک مرتبہ پھر مخالف سیاسی جماعتوں کی اگلی صفوں میں شامل ہو گئے تھے اور انہوں نے عجلت اور افراتفری میں نافذ کی گئی تعلیمی اصلاحات کے خلاف شدید احتجاج شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ڈھاکہ' راج شاہی اور چٹاگانگ میں طلباء اور پولیس کے درمیان سخت تصادم ہوا جس کے دوران پولیس کو ان طلباء پر فائرنگ کرنا پڑی۔ جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس طرح یہ احتجاج مغربی پاکستان منتقل ہو گیا۔ ادھر مشرقی پاکستان کے طلباء نے 17 اکتوبر 1962ء کو عام ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے طلباء نے بھی ان کا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس احتجاج نے اتنی سنگین صورت اختیار کر لی کہ حکومت کو آخر کار ان طلباء کے سامنے جھکنا پڑا اور یوں تین سالہ ڈگری

کورس کی تجویز واپس لے لی گئی۔ جولائی 1962ء میں ''پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ'' منظور کیا گیا جس کی رو سے سیاسی جماعتوں کو محدود سرگرمیوں کی اجازت دے دی گئی تھی' چنانچہ ان کی جانب سے بنیادی حقوق کی بحالی کا مطالبہ شروع ہو گیا۔ جسے 1963ء میں آئینی ترمیم کے ذریعے منظور کر لیا گیا۔ اب مخالف سیاسی جماعتیں دن بدن زور پکڑتی جا رہی تھیں۔ چنانچہ 1962ء کے آئین کے تحت منعقد ہونے والے بنیادی جمہوریتوں کے پہلے انتخابات میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ مشرقی پاکستان میں نوے فیصد جب مغربی پاکستان میں بہتر فیصد عوام نے ان انتخابات میں ووٹ ڈالے۔ تاہم حقیقی جوش و خروش صدر مملکت کے انتخاب کے موقع پر دکھائی دیا۔ تمام مخالف سیاسی جماعتوں نے متفقہ مشترک طور پر محترمہ فاطمہ جناح کو ایوب خان کے مقابلے پر صدارتی امیدوار نامزد کر دیا تھا۔ طلباء بھی ان کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ انتخابی مہم کے دوران غیر معمولی ہیجان اور سرگرمی کے نتیجے میں پولیس اور طلباء کے درمیان کئی مقامات پر تصادم کی نوبت آ گئی جو محترمہ فاطمہ جناح کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ چنانچہ ڈھاکہ' کراچی' لاہور اور پشاور میں ہونے والے انتخابی جلسوں کے دوران پولیس نے ان طلباء پر فائرنگ کر دی جس کے بعد طلباء کے ہنگاموں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس صدارتی انتخاب کے دوران ایوب خان کے خلاف احتجاج اور مظاہروں کو منظم کرنے میں شیخ مجیب الرحمٰن بھی پیش پیش تھے تاہم جب نتائج کا سرکاری اعلان ہوا تو عوام یہ جان کر حیرت زدہ رہ گئے کہ فیلڈ مارشل اکیس ہزار دو سو ساٹھ ووٹوں کی اکثریت سے یہ انتخاب جیت گئے تھے۔ چنانچہ حکومت پر ان انتخابات میں دھاندلی اور بے ایمانی کے الزامات لگنا شروع ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخالف سیاسی جماعتوں نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں ذرہ برابر دلچسپی کا اظہار نہیں کیا اور اس طرح فیلڈ مارشل کی اپنی سیاسی جماعت' کنونشن مسلم لیگ' ان انتخابات میں بھارتی اکثریت سے کامیاب ہو گئی۔

انہی انتخابات کے دوران شیخ مجیب الرحمٰن نے پہلی بار جون 1964ء میں اپنی سیاسی جماعت ''عوامی لیگ'' کا منشور جاری کیا جس کی رو سے دو معیشتوں کے ساتھ ایک ایسے آئین کا مطالبہ کیا گیا تھا جو 1940ء کی قرارداد لاہور پر مبنی ہو جس میں بقول ان کے دو آزاد اور خودمختار مملکتوں کا مطالبہ شامل تھا۔

صدارتی انتخاب میں بھاری اکثریت سے اپنی کامیابی کے نتیجے میں ایوب خان اپنی

حکومت کے طویل المیعاد منصوبے بنانے میں مصروف ہی تھے کہ اپریل 1965ء میں بھارتی افواج نے رن آف کچھ کے علاقے پر اچانک حملہ کر دیا۔ تاہم ہماری افواج نے بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور جون 1965ء میں جنگ بندی کا اعلان ہونے کے بعد یہ سرحدی تنازع ثالثی کی غرض سے انٹرنیشنل ٹریبونل کے حوالے کر دیا گیا۔ تاہم یہ امن وقتی اور عارضی ثابت ہوا اور اگست 1965ء میں بھارتی فوجوں نے ایک بار پھر آزاد کشمیر پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کے جواب میں پاکستانی افواج نے بھی جنگ بندی لائن عبور کرتے ہوئے چھمب اور جوڑیاں پر قبضہ کر لیا اور اکھنور کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ ابھی وہ اکھنور سے چھ میل دور تھیں کہ بھارت نے چھ ستمبر کو مغربی پاکستان کی بین الاقوامی سرحد پر حملہ کر دیا۔ دونوں ممالک کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی جو سترہ دنوں تک جاری رہی' جس کے بعد عالمی طاقتوں کی مداخلت کے نتیجے میں 23 ستمبر 1965ء کو جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔

بحالی جمہوریت کی احتجاجی تحریک شروع ہونے سے پہلے ہی دم توڑ گئی

اس جنگ کے دوران مشرقی پاکستان کے بالکل الگ تھلگ اور تنہا رہ جانے کے نتیجے میں یہ نظریہ باطل ثابت ہو گیا کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر چین' بھارت کو برملا جارح ملک قرار نہ دے دیتا اور سکم کی سرحد سے اسے اپنی فوجی تنصیبات ہٹانے پر مجبور نہ کرتا تو یہ بات یقینی تھی کہ بھارت' مشرقی پاکستان کو بھی اپنے حملوں کا نشانہ بناتا۔ تاہم مشرقی پاکستان کے اس طرح تنہا اور الگ تھلگ رہنے کے باوجود بھی مشرقی پاکستان کے عوام کے جذبہ حب الوطنی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی اور وہ اب بھی اسی طرح اپنے مغربی پاکستانی ہم وطنوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ انہیں رنج تھا تو اس بات کا انہیں دشمن کو للکارنے کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ بہر حال جنگ کے خاتمے کے بعد الگ تھلگ رہ جانے کا یہ احساس' محرومی کے اس احساس میں بدلنے لگا کہ کسی بھی مصیبت کی صورت میں مغربی پاکستان اس قابل نہیں ہوگا کہ مشرقی پاکستان کی مدد کو آ سکے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد روس کے وزیر اعظم کوسیجن نے صدر ایوب اور بھارتی وزیر اعظم لال بہادر شاستری کو تاشقند آ کر مذاکرات کرنے کی دعوت دی جس کے نتیجے میں دونوں ممالک کے درمیان امن کا سمجھوتہ ہو گیا جسے ''معاہدہ تاشقند'' کہا جاتا ہے۔ جنوری

1966ء کے اس معاہدے کے رو سے دونوں ممالک اس بات پر تیار ہو گئے کہ وہ اپنی مسلح افواج کو اپنے علاقوں میں واپس بلانے کے بعد مسئلہ کشمیر سمیت تمام تنازعات پر باہمی مذاکرات اور گفت و شنید جاری رکھیں گے۔ تاہم اس معاہدے کو پاکستانی عوام کی جانب سے قبولیت حاصل نہ ہو سکی اور انہوں نے اسے مسترد کر دیا جس کے نتیجے میں مخالف سیاسی جماعتوں نے کھل کر حکومت کی مذمت شروع کر دی۔ نواب زادہ نصر اللہ خان نے 5 جنوری 1966ء کو لاہور میں تمام مخالف سیاسی جماعتوں کی کانفرنس طلب کر لی تاکہ ایوب حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کی جا سکے۔ تاہم یہ کانفرنس کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ شیخ مجیب الرحمٰن نے پہلی مرتبہ اسی کانفرنس میں اپنے چھ نکات پیش کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کے لئے مکمل علاقائی خود مختاری کا مطالبہ کیا تھا۔ اس مطالبے کے نتیجے میں مخالف جماعتوں کے درمیان باہمی اختلافات پیدا ہو گئے اور بحالی جمہوریت کی یہ احتجاجی تحریک شروع ہونے سے پہلے ہی دم توڑ گئی۔

چھ نکات کا اصل خالق کون تھا؟

بیشتر سیاسی رہنما جن میں شیخ مجیب الرحمٰن بھی شامل تھے گرفتار کر لئے گئے اور انہیں ایمرجنسی اختیارات کے تحت جیل بھیج دیا گیا۔

بہت سے افراد کا یہ خیال ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن اس ذہانت اور اہلیت کے حامل نہیں تھے جو ان چھ نکات کی تخلیق کے لئے ضروری تھی چنانچہ اس سلسلے کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ ان چھ نکات کا اصل خالق کون تھا؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی تخلیق کے پیچھے کسی غیر ملکی طاقت کا ہاتھ تھا' کچھ کا یہ کہنا ہے کہ مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے نوجوان سی ایس پی افسران ان نکات کی تشکیل کے ذمہ دار تھے' جب کہ دیگر کچھ افراد کے مطابق یہ چھ نکات جنرل ایوب خان کے ایک قریبی اور بااعتماد سی ایس پی افسر نے ایوب خان کے اشارے پر تخلیق کئے تھے تاکہ آل پارٹیز کانفرنس کو ناکامی سے ہمکنار کیا جا سکے' بہر کیف حقائق چاہے کچھ بھی ہوں یہ حقیقت اپنی جگہ بدستور موجود ہے کہ چھ نکات اسی کانفرنس کے موقع پر ہی پیش کئے گئے تھے اس کے نتیجے میں بحالی جمہوریت کی تحریک ناکامی سے دوچار ہو گئی۔

1962ء کے آئین کے تحت مقرر کئے جانے والے صوبائی گورنروں کے بے رحمانہ رویوں اور انداز حکومت کے نتیجے میں شہریوں کے مصائب اور مسائل میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا

تھا۔ مشرقی اور مغربی دونوں بازوؤں میں ایوب حکومت کے خلاف نفرت اور غم و غصے کے احساسات روز بروز بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔ کرپشن کے فروغ' اقربا پروری اور دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جانے کے سبب دونوں صوبوں میں شدید بے چینی اور بے اطمینانی پائی جاتی تھی۔ ایک طرف مغربی پاکستان میں دولت کی مساوی تقسیم اور یکساں مواقع کا مطالبہ کیا جا رہا تھا تو دوسری طرف' مشرقی پاکستان میں یہ شکایت عام تھی کہ مغربی پاکستان ان کا استحصال کر رہا ہے کیونکہ مسلح افواج کی اکثریت کا تعلق بھی اسی صوبے سے تھا۔ رفتہ رفتہ مشرقی پاکستان کے عوام میں یہ احساس جڑ پکڑنے لگا کہ 1958ء کے "فوجی انقلاب" کا بنیادی سبب اور اصل محرک مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ان فوجی جرنلوں کا یہ خوف اور خدشات تھے کہ اگر ملک میں جمہوری عمل مسلسل جاری رہا تو ایک دن انہیں بنگالیوں کے زیر اقتدار آنا پڑے گا۔ چنانچہ فوجی حکومت کو نوآبادیاتی حکومت کی ایک علامت سمجھا جانے لگا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ملکی حکومت کے امور میں مشرقی پاکستان کو اس کے جائز قانونی حق سے محروم رکھتے ہوئے اسے مغربی پاکستان کی ایک کالونی میں تبدیل کر دیا جائے۔

اسی اثنا میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے وزیر خارجہ کے منصب سے استعفیٰ دیتے ہوئے اپوزیشن میں شمولیت اختیار کر لی اور 1967ء میں اپنی سیاسی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی قائم کی' جس نے ایوب حکومت کے خلاف اپنی تحریک کا آغاز کر دیا۔ دیگر سیاسی جماعتیں' قدرے محتاط تھیں' چنانچہ ان کا مطالبہ صرف ایمرجنسی اٹھالئے جانے تک ہی محدود تھا چنانچہ انہوں نے متحدہ قومی کمان کی صورت میں کام شروع کر دیا تھا تاہم حکومت پر کسی تحریک اور احتجاج کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مسٹر بھٹو کے علاوہ دیگر سیاسی لیڈر بھی گرفتار کر لئے گئے اور حکومت قومی اسمبلی سے ایک قرارداد منظور کرانے میں کامیاب ہو گئی جس کی رو سے ایمرجنسی کی صورتحال کو برقرار رکھا جا سکتا تھا۔

مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن اور دیگر پینتیس افراد پر بغاوت کی سازش کے ذریعے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا الزام عائد کیا گیا اور ان کے خلاف جون 1968ء میں "اگرتلہ سازش کیس" کے نام سے مقدمہ قائم کر دیا گیا۔

تاہم مغربی پاکستان میں صورتحال دن بدن بگڑتی چلی جا رہی تھی جس کے نتیجے میں نومبر 1968ء میں راولپنڈی کے مقام پر طلباء اور پولیس کے درمیان سنگین تصادم ہوا۔ حکومت

کے خلاف تحریک میں معاشرے کا ہر طبقہ شریک ہو چکا تھا۔ وکلاء' ڈاکٹرز اور طلباء اپنے اپنے جلوسوں میں فیلڈ مارشل ایوب خان کو برا بھلا کہہ کر ان سے استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ خود ایوب خان پر پشاور میں ایک جلسے سے خطاب کے دوران قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا تھا۔ یہ احتجاجی تحریک' رفتہ رفتہ اتنا زور پکڑ گئی کہ ایوب خان نے ایمرجنسی اٹھانے اور تمام گرفتار شدہ سیاسی لیڈروں کو رہا کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے راولپنڈی میں ایک گول میز کانفرنس طلب کر لی۔ پیپلز پارٹی کو چھوڑ کر دیگر سیاسی جماعتوں نے ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی قائم کر لی جس نے ایمرجنسی اٹھالئے جانے کے بعد اس گول میز کانفرنس میں شمولیت پر آمادگی ظاہر کر دی تاہم پاکستان پیپلز پارٹی عوامی لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی نے اس کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی نے مطالبہ کر دیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو بھی اس کانفرنس میں شریک کیا جائے۔ پہلے تو شیخ مجیب الرحمٰن پیرول پر رہا ہو کر کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہو گئے بعد میں وہ ضمانت پر رہا ہو کر بھی اس میں شرکت پر تیار ہو گئے تھے لیکن ابھی ان کی شمولیت کا انتظام ہو ہی رہا تھا کہ اچانک پراسرار طور پر اگرتلہ سازش کیس کے ایک ملزم کو اس الزام میں گولی مار دی گئی کہ وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی میت رشتے داروں کے حوالے کر دی گئی جو اسے جلوس کی صورت میں ڈھاکہ چھاؤنی سے شہر کی جانب لے کر چلے جس کے نتیجے میں سنگین نوعیت کے ہنگامے' بلوے اور گڑبڑ پیدا ہو گئی۔ بہت سے مکان نذر آتش کر دیے گئے جن میں مقدمہ چلانے والے ٹریبونل کے چیئرمین کا گھر بھی شامل تھا۔ یہ ہنگامے دوسرے شہروں میں بھی پھیل گئے چنانچہ ڈھاکہ' کشتیا اور نواکھالی میں پولیس کو ہجوم پر فائرنگ کرنا پڑی جس کے نتیجے میں نو افراد ہلاک ہو گئے جبکہ اکیاون افراد شدید زخمی ہوئے۔ ان واقعات کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے اس وقت تک راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا جب تک اگرتلہ سازش کیس واپس نہ لے لیا جائے۔

فیلڈ مارشل ایک مرتبہ پھر' ان مطالبات کے سامنے جھک گئے چنانچہ 21 فروری 1969ء کو انہوں نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا کہ وہ آئندہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔ 22 فروری 1969ء کو وہ آرڈیننس بھی منسوخ کر دیا گیا جس کے تحت شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے دیگر ساتھیوں پر ایک ٹریبونل کے ذریعے مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ آرڈیننس کی منسوخی کے نتیجے میں شیخ مجیب الرحمٰن آزاد کر دیے گیے تاہم یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ مقدمے سے

بری ہو گئے تھے یا ان پر الزام ثابت ہو گیا تھا۔ تاہم شیخ مجیب الرحمٰن نے اس کانفرنس میں شرکت کی لیکن ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی کے اراکین سے کیے گیے معاہدے کے برعکس انہوں نے اس کانفرنس میں اپنے چھ نکات پیش کر دیے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان پارلیمانی طرز حکومت اور براہ راست بالغ رائے دہی کی بنیاد پر اسمبلیوں کے انتخابات پر رضامند ہو گئے جسے تمام مخالف سیاسی جماعتوں نے تسلیم کر لیا لیکن پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی اپنے پرانے موقف پر قائم رہیں اور کانفرنس میں شریک ہونے سے مسلسل انکار کرتی رہیں' اسی اثناء میں ایوب خان نے دونوں بازوؤں کے گورنروں کو بھی تبدیل کر دیا اس کے باوجود مشرقی پاکستان میں ہنگاموں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ گول میز کانفرنس کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی سے بھی یہ کہہ کر علیحدگی اختیار کر لی کہ اس نے عوامی لیگ کے چھ نکاتی پروگرام کی تائید اور حمایت نہیں کی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کانفرنس کے دوران شیخ مجیب الرحمٰن نے کمانڈر انچیف کی رہائش گاہ پر جنرل یحییٰ خان اور جنرل عبدالحمید خان سے خفیہ ملاقات کی تھی جس کے بعد ان کا رویہ کافی سخت ہو گیا تھا' چنانچہ انہوں نے ڈائریکٹ ایکشن کمیٹی سے برملا یہ کہہ دیا تھا کہ اب انہیں مارشل لاء سے کسی قسم کا خوف لاحق نہیں رہا۔ شیخ مجیب کے رویے میں اس تبدیلی کے بارے میں کمیشن کے رو برو پیش ہونے والے چند گواہوں کا کہنا ہے کہ انہیں جنرل یحییٰ خان کی جانب سے یہ یقین دہانی کرادی گئی تھی کہ گول میز کانفرنس کی ناکامی کے نتیجے میں مارشل لاء ہرگز نہیں لگایا جائے گا۔

ابھی یہ انتظامات کئے جا رہے تھے کہ گول میز کانفرنس کے دوران طے پا جانے والے امور اور معاملات کے مطابق 1962ء کے آئین میں ضروری ترامیم کر دی جائیں کہ پورا ملک یہ جان کر حیرت زدہ رہ گیا کہ 25 مارچ 1969ء کو جب حکومت کے خلاف کئے جانے والے احتجاج کی شدت میں نمایاں کمی آ گئی تھی فیلڈ مارشل ایوب خان نے حکومت سے علیحدہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے اقتدار کمانڈر انچیف کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان نے اسی دن اقتدار سنبھال لیا اور مارشل لاء نافذ کرنے کا اعلان کرتے ہوئے آئین کو منسوخ کر دیا۔ اس طرح دوسری عوامی جمہوریہ پاکستان کے ساتھ ساتھ ایوب حکومت کے عہد کا بھی خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

ایوب خان کا گیارہ سالہ دور اقتدار نسبتاً استحکام اور تمام شعبوں میں تعمیر و ترقی کا دور تھا جس کے اثرات مشرقی پاکستان تک بھی پہنچے تھے۔ یہ ایک ایسا دور تھا جس میں پاکستان نے زرعی اور صنعتی شعبے میں بڑے پیمانے پر ترقی کی۔ مشرقی اور مغربی دونوں صوبوں میں متعدد اہم منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچے۔ ملک آہستہ آہستہ صنعتی انقلاب کی سمت بڑھ رہا تھا اور نہ صرف اندرونی استحکام موجود تھا بلکہ اقوام عالم میں بھی اس کے وقار میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ تاہم سیاسی عمل اور ترقی کر جانے کا بنیادی سبب فیلڈ مارشل کا یہ طے شدہ نظریہ تھا کہ پاکستانی عوام مغربی جمہوریت کے لئے قطعاً موزوں نہیں ہیں' اگر وہ ذرا سی بھی سیاسی دانش مندی کا مظاہرہ کر کے بڑے پیمانے پر عوام کو ملکی امور میں شریک کر لیتے اور تمام تر اختیارات اس طرح اپنی ہی ذات میں مرتکز نہ کرتے تو اس بدقسمت ملک کی تاریخ قطعاً مختلف ہوتی۔

علالت کے سبب فیلڈ مارشل کوئی واضح اور مضبوط فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکے تھے

فیلڈ مارشل ایوب خان کے اس طرح حکومت سے علیحدگی اختیار کرنے کے اسباب کیا تھے؟ ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا' تاہم کمیشن کے روبرو جو شہادتیں اور واقعات پیش کئے گئے ہیں ان سے ایسا لگتا ہے کہ گول میز کانفرنس کے دوران اس معاملے پر کافی حد تک اتفاق رائے ہو چکا تھا کہ ضروری آئینی ترامیم کے ذریعے ملک کے موجودہ حالات اور سیاسی طور پر کشیدہ ماحول کو سازگار بناتے ہوئے ایک نئے سیاسی دور کا آغاز کیا جائے گا جو ملک کے عوام کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام لائے گا۔

اس بات پر بھی شبہات کا اظہار کیا گیا ہے کہ آخر کمانڈر انچیف کو اقتدار منتقل کرنے میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی جبکہ 1962ء کے آئین میں ایک ایسی مشینری موجود تھی جو صدر کے اپنے عہدے سے استعفیٰ کی صورت میں پیدا ہونے والے خلاء کو با آسانی پر کر سکتی تھی! تاہم کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شاید جنوری 1968ء کے دوران اپنی سنگین علالت کے نتیجے میں فیلڈ مارشل ایوب خان کسی قسم کا واضح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے' چنانچہ جنرل یحییٰ خان کی سربراہی میں آرمی ہائی کمانڈ نے ان پر دباؤ ڈال کر یہ اقدام اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا کیونکہ طے شدہ منصوبے کے مطابق انہوں نے سول حکومت کی کوئی مدد کرنے سے انکار کر دیا

تھا تاوقتیکہ اقتدار مکمل طور پر ان کے سپرد نہ کر دیا جائے۔ دیگر افراد کا کہنا ہے کہ جنرل ایوب خان مخمصے کی انتہا پر پہنچ چکے تھے' چنانچہ وہ قومی اسمبلی کے اسپیکر یا کسی بھی سیاست داں کو اقتدار منتقل کرنا نہیں چاہتے تھے اس کے علاوہ کوئی بااعتماد ساتھی بھی انہیں میسر نہیں تھا جبکہ ملک کی صورتحال ایسی ہو چکی تھی جس میں کسی سخت اقدام کی اشد ضرورت تھی۔ یہ اقدام "علاقائی مارشل لاء" کے نفاذ کی صورت میں کیا جا سکتا تھا' لیکن آرمی اس اقدام کی تائید اور حمایت سے گریز کرتی رہی تاوقتیکہ اقتدار مکمل طور پر اس کے سپرد نہ کر دیا جائے۔ یہی وہ پس منظر تھا جس میں انہوں نے اس یقین کے ساتھ آرمی کو اقتدار منتقل کر دیا کہ وہ کم از کم انہیں اور ان کے افراد خانہ کو نہ صرف مکمل تحفظ فراہم کرے گی بلکہ انہیں مزید تحقیر سے بھی بچا لے گی۔

جنرل یحیٰی خان نے کہا ہے کہ منتقلی اقتدار کا فیصلہ ایوب خان نے خود کیا تھا' اور ان کا اس فیصلے سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک سے زیادہ دو بار یہ بھی کہا ہے کہ اپنی علالت کے سبب فیلڈ مارشل کوئی واضح اور مضبوط فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آئین کے بارے میں بھی پس و پیش کا شکار تھے اور ہر وقت اس کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ اس حوالے سے ان کے اور یحیٰی خان کے مابین بحث مباحثہ بھی ہوا ہو جس کے نتیجے میں انہوں نے یہ حتمی فیصلہ کیا۔

صدر کی جانب سے کمانڈر انچیف کو اقتدار کی منتقلی کئے جانے کی قانونی حیثیت سے قطع نظر جو آئین دفعات کی صریح خلاف ورزی کے ذیل میں آتی ہے۔ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ایوب خان کے حتمی فیصلے کا اصل اور حقیقی پس منظر آرمی کی ہائی کمانڈ کا یہ مطالبہ تھا کہ وہ سول حکومت کی مدد اسی صورت میں کرے گی کہ اقتدار مکمل طور پر اسے سونپ دیا جائے۔

کمیشن کے روبرو پیش کئے گئے شواہد کی روشنی میں ہمیں اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی کہ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس کی آرمی ہائی کمانڈ کو ایوب خان کی جانب سے پوری توقع تھی کیونکہ وہ پہلے ہی ان کی جانب سے اس قسم کے اقدام کی پوری منصوبہ بندی کر چکی تھی۔ تاہم ہمیں جنرل یحیٰی خان کی جانب سے کی جانے والی اس وضاحت پر یقین کرنا مشکل لگتا ہے کہ اس نوعیت کی امکانی منصوبہ بندی آرمی میں ایک معمول کی بات ہوتی ہے آرمی کے معمول کے فرائض میں یہ شامل نہیں ہے کہ وہ اپنے ہی ملک کی حکومت پر قبضہ کر لے! لہٰذا اس قسم کے قبضے کی غرض سے اس وقت تک کوئی امکانی منصوبہ ہرگز تیار نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ اس کی

تیاری پہلے ہی سے نہ کر لی گئی ہو۔

اگرچہ ہم کمیشن کے روبرو پیش کئے جانے والے ان شواہد سے پوری طرح مطمئن نہیں ہیں کہ جنرل یحیٰی خان نے جنوری 1968ء میں ایوب خان کی علالت کے نتیجے میں ان سے باقاعدہ اقتدار چھین لیا تھا' تاہم اس امر کے کافی شواہد موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس کے بعد سینئر سول ملازمین حتیٰ کہ وزراء نے بھی ملک کے سول معاملات اور مسائل کے بارے میں جنرل یحیٰی خان سے مشورہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اس زمانے میں آرمی جنرل ہیڈ کوارٹر میں کمانڈر انچیف' اور ان کے اسٹاف سے سینئر سول سرکاری ملازمین اور کابینہ کے وزیروں کی ملاقاتیں عام طور پر ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا منصوبہ تیار کیا جا رہا تھا جس کے تحت سیاسی جماعتوں کے ساتھ ایوب حکومت کے کسی سیاسی تصفیے پر پہنچنے میں ناکامی کی صورت میں آئین کو منسوخ کر کے کمانڈر انچیف کی سربراہی میں ایک فوجی حکومت قائم کر دی جاتی۔

جس طریقے سے' کمانڈر انچیف اور ان کے آرمی ہیڈ کوارٹر نے ملکی اقتدار پر قبضے کا پیشگی منصوبہ تیار کیا جس طرح سے وہ علاقائی مارشل لاء کے نفاذ کی تجویز پر لیت و لعل سے کام لیتے رہے اور کمانڈر انچیف کی جانب سے گول میز کانفرنس کے دوران سیاست دانوں سے انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے ملک کی سیاسی امور و معاملات میں خلاف معمول دلچسپی کا مظاہرہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ جنرل یحیٰی خان نے اقتدار صرف و محض اس لئے نہیں سنبھالا تھا کہ وہ عام معمول کے حالات کی بحالی اور جمہوری عمل کی بازیابی کے خواہشمند تھے بلکہ اقتدار اس لئے سنبھالا تھا کہ وہ شخصی قوت اور اختیارات کے طلب گار تھے' ان کے دیگر ساتھی بھی اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے اور ان کی نیت اور عزائم کا بھرپور ادراک رکھتے تھے۔

چنانچہ جنرل یحیٰی خان کے بعد کے رویے اور کردار سے بھی اس شبے کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے' بحالی جمہوریت کے عمل کی نگرانی پر ان کا اصرار دراصل ایک ایسا پردہ تھا جس کے پیچھے ان کے حقیقی عزائم پوشیدہ تھے۔ پاکستان کی سابقہ سیاسی تاریخ کے تناظر میں یحیٰی خان کی توقعات بھی بلاشبہ یہی تھیں کہ اگر انتخابات کرا دیے جائیں تب بھی چھوٹی چھوٹی سیاسی جماعتوں کو ان میں کامیابی حاصل ہو گی اور کسی ایک جماعت کو اتنی بھاری اکثریت حاصل نہیں ہو سکے گی کہ وہ اسمبلی میں کوئی مؤثر کردار ادا کر سکے چنانچہ انہوں نے جنرل اسکندر مرزا کے نقش قدم پر

چلتے ہوئے یہی چال چلنے کی کوشش کی بلکہ وہ ایک قدم آگے بڑھ گئے اور بندش لگا دی کہ اگر ایک سو بیس دن کی مدت میں اسمبلی آئین تیار نہ کر سکی تو اسے تحلیل کر دیا جائے گا۔ انہیں پوری امید تھی کہ اسمبلی اس مدت کے دوران آئین نہیں بنا سکے گی اور اس طرح خود بخود کالعدم ہو جائے گی جس کے نتیجے میں جنرل یحییٰ خان اور ان کے آرمی کمانڈرز کو اقتدار پر قبضے کا از خود جواز فراہم ہو جائے گا۔

جنرل یحییٰ خان اور ان کے افسران اپنی پسندیدہ سیاسی پارٹیوں کی انتخابی کامیابی کے لئے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے

ان کی جانب سے اٹھائے گئے ہر قدم کا تجربہ ان کے پوشیدہ عزائم پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ چنانچہ انتخابات کے پروگرام کا اعلان کرنے میں کی جانے والی تاخیر' اہم اور بڑے سیاسی مسائل معاملات کے حوالے سے کئے جانے والے پیشگی فیصلے' لیگل فریم ورک آرڈر میں صوبوں کو دی جانے والی خود مختاری کی حدود کے تعین میں ناکامی یہ جانتے ہوئے بھی کہ مشرقی پاکستان میں انتخابات کے حوالے سے یہ ایک غیر معمولی اہمیت کا حامل مسئلہ ثابت ہوگا اور ووٹنگ کے طریقہ کار کے بارے میں معلومات کی عدم فراہمی ہماری رائے میں یہ تمام اقدامات اس غرض سے کئے گئے تھے کہ کسی نہ کسی مرحلے پر تعطل پیدا ہو جائے جس کے نتیجے میں اس فوجی حکومت کو اقتدار پر اپنے قبضے کو جاری رکھنے کا موقع فراہم ہو سکے۔

اگر ان کے عزائم نیک ہوتے اور نیت میں کوئی فتور نہ ہوتا تو وہ 1956ء کے آئین کو بحال کر دیتے جسے ایک منتخب آئین ساز اسمبلی نے وضع کیا تھا اور اس میں کسی بھی ترمیم اور تبدیلی کا اختیار' انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والی سیاسی جماعتوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا' کیونکہ یہی ایک واحد اور صحیح طریقہ تھا جس کی مدد سے ملک کی سیاسی اور جمہوری اقدار کا تحفظ کیا جاسکتا تھا اور ملک کے سیاسی نظام میں خوشگوار تبدیلی آ سکتی تھی۔ اور جنرل یحییٰ خان ون یونٹ کو توڑنے اور پیریٹی کے اصول کو منسوخ کرنے کا فیصلہ کر سکتے تھے تو یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ انہوں نے صوبوں کو دی جانے والی خود مختاری کی حدود اور آئین ساز اسمبلی میں ووٹنگ کے طریقہ کار کا تعین کیوں نہیں کیا؟

یہ بات وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ "ایک آدمی ایک ووٹ" کے اصول کو تسلیم کر لینے

کے بعد مشرقی پاکستان کو آئین ساز اسمبلی میں اکثریت حاصل ہو جائے گی اور اگر وہ ایک واحد اکثریتی جماعت کی تشکیل نہ کر سکا تب بھی یہ امکان بہرحال موجود تھا کہ وہ باہم متحد ہو کر سادہ اکثریت کی رائے ہی کے حق میں موقف اختیار کر لے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شیخ مجیب الرحمٰن فروری 1966ء کے بعد سے چھ نکات کی بنیاد پر آئین کی تشکیل کا مطالبہ کرتے چلے آ رہے تھے' جس کا حقیقی مفہوم کنفیڈریشن تھا نہ کہ فیڈریشن اس کے باوجود انہوں نے چھ نکات کے مطالعے اور تجزیئے کی کوئی زحمت گوارا نہیں کی تاکہ ان نکات کے گہرے اثرات اور نتائج کا اندازہ لگایا جاسکے نہ ہی انہوں نے چھ نکاتی پروگرام کی بنیاد پر انتخابات میں حصہ لینے پر عوامی لیگ سے کوئی باز پرس کی حالانکہ ان کے اپنے پیش کردہ لیگل فریم ورک آرڈر میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ درج کیا گیا تھا کہ پاکستان کے لئے وضع کیا جانے والا آئین وفاقی نوعیت اور طرز کا ہوگا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے کھلے عام اعلان کر دیا تھا کہ یہ انتخابات محض آئین ساز اسمبلی کے لئے نہیں ہو رہے بلکہ یہ چھ نکات پر ریفرنڈم کی بھی حیثیت رکھتے ہیں اس کے باوجود نہ تو جنرل یحییٰ خان اور نہ ہی ان کے مشیروں نے اس کے خلاف کوئی احتجاج کیا اور نہ ہی شیخ مجیب سے اس ضمن میں کوئی باز پرس ہی کی گئی۔

اپنے ووٹروں کو ہراساں کرنے اور ان سے زبردستی ووٹ لئے جانے کے حوالے سے عوامی لیگ کو جو مکمل چھوٹ دے دی گئی تھی اسے بھی بآسانی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت کی حکومت کا یہ کہنا کہ یہ انتخابات منصفانہ اور شفاف تھے قرین حقیقت نہیں ہے۔ متعدد گواہوں نے اس کمیشن کو بتایا ہے کہ حکومت نے عوامی لیگ کی غنڈہ گردی اور بدعنوانیوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا نہ ہی اس کی جانب سے کی جانے والی دھاندلی کو روکنے کی کوئی کوشش کی جس کے دوران جعلی ووٹ بھگتائے گئے' ووٹروں کو ہراساں کیا گیا اور انہیں پولنگ اسٹیشنوں تک جانے سے بھی روک دیا گیا۔

یحییٰ خان اقتدار سے چمٹے رہنا چاہتے تھے؟

اس بات پر یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ جنرل یحییٰ خان انتخابی مہم کے دوران اور پولنگ والے دن مشرقی پاکستان کے حالات سے قطعاً بے خبر تھے چنانچہ حکومت کی جانب سے کی جانے والی اس غفلت کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا جس کے نتیجے میں یہ انتخابات منصفانہ اور غیر

جانبدارانہ طریقے سے نہیں ہو سکے۔ تاہم اگر وہ یہ کہتی ہے کہ اس کا رویہ انتخابات کے دوران قطعاً غیر جانبدارانہ رہا اور اس نے فریقین میں سے کسی کا بھی ساتھ نہیں دیا تب بھی یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا۔ ہمارے پاس متعدد شواہد ایسے موجود ہیں کہ جنرل یحییٰ خان اور ان کے افسران اپنی پسندیدہ سیاسی پارٹیوں کی انتخابی کامیابی کے لئے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے اور اس غرض سے انہوں نے غیر قانونی طریقوں سے تاجروں اور صنعتکاروں سے بھاری رقومات حاصل کی تھیں تا کہ انہیں اپنی منظور نظر سیاسی جماعتوں میں تقسیم کر سکیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اس سلسلے میں جنرل عمر اور مسٹر رضوی کا کردار انتہائی غیر مناسب تھا۔

تاہم انتخابات کے نتائج کا اعلان ہو جانے کے بعد جب جنرل یحییٰ خان نے محسوس کیا کہ یہ نتائج ان کی توقعات کے بالکل برعکس ہیں تو ان کے اقدامات اور رویے مزید مشکوک ہوتے چلے گئے اور ان کے درپردہ حقیقی عزائم سامنے آنے لگے۔ چنانچہ ان کا بعد میں اختیار کیا جانے والا طرز عمل بخوبی ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پیچھے ان کا یہ عزم کارفرما تھا کہ وہ بدستور اقتدار سے چمٹے رہیں چاہے اس خواہش کی تکمیل میں ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اقتدار کے منصب پر فائز رہنے کی غرض سے انہوں نے جو امکانی منصوبے بنا رکھے تھے انتخابات کے نتائج نے انہیں خاک میں ملا دیا تھا جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کی واحد سیاسی جماعت عوامی لیگ کو مطلق کو اکثریت حاصل ہو چکی تھی جبکہ مغربی پاکستان سے پاکستان پیپلز پارٹی نے ایک سو چوالیس میں سے بچاسی نشستیں حاصل کی تھیں۔ چنانچہ ان حالات میں جنرل یحییٰ خان کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ لہٰذا وہ اسے جہاں تک ممکن ہو سکا ٹالتے رہے لیکن جب عوامی لیگ نے یہ دھمکی دی کہ وہ خود ہی قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لے گی تو وہ بڑی عجلت میں جنوری 1971ء میں ڈھاکہ پہنچ گئے تا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو اس اقدام سے باز رکھا جا سکے۔ انہوں نے نہ صرف شیخ مجیب کی خوشامد شروع کر دی بلکہ انہیں مستقبل کا وزیراعظم بھی قرار دے دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے عوامی لیگ کے سربراہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ مغربی پاکستان کی اکثریتی سیاسی جماعت سے کوئی سمجھوتہ کر لیں! اس کے عوض شیخ مجیب نے انہیں ملک کی صدارت کی پیشکش کی اور اس طرح ملاقات کا خاتمہ بڑے خوشگوار انداز میں ہوا۔

مغربی پاکستان واپس آنے کے بعد یحییٰ خان لاڑکانہ پہنچ گئے تا کہ مسٹر بھٹو کو شیخ مجیب

سے کسی سیاسی سمجھوتے کے لئے رضامند کر سکیں۔ عوامی لیگ چاہتی تھی کہ قومی اسمبلی کا اجلاس 15 فروری 1971ء تک طلب کر لیا جائے تاہم پیپلز پارٹی نے اس غرض سے مارچ کے آخری ہفتے کی تجویز پیش کی تھی۔ جنرل یحییٰ خان نے دونوں سیاسی جماعتوں کو باہم قیاس آرائی میں مصروف رکھا اسی دوران پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے گیارہ فروری کو یحییٰ خان سے ملاقات کی اور یہ تاثر دیا کہ انہوں کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کی تجویز کو منظور کر لیا ہے۔ بعد ازاں جب مشرقی پاکستان کے گورنر نے یحییٰ خان کو یہ اطلاع دی کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے پندرہ فروری کو اپنے منتخب شدہ اراکین اسمبلی کا ایک اجلاس طلب کر لیا ہے اور اگر اس تاریخ سے پہلے جنرل یحییٰ خان اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کرتے تو وہ خود ہی ایسا کر لیں گے' جنرل یحییٰ خان نے بڑی عجلت میں 13 فروری 1971ء کو یہ اعلان کر دیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس 3 مارچ کو ہو گا تا کہ شیخ مجیب کو کوئی موقع نہ دیا جائے کہ وہ خود ہی یہ اجلاس بلا سکیں۔

اس اعلان نے قدرتی طور پر پیپلز پارٹی کے چیئرمین کو برگشتہ خاطر کر دیا' اور انہوں نے تین مارچ 1971ء کو ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا اور جنرل یحییٰ خان کی درپردہ آرزوئیں بر آئیں چنانچہ اب انہوں نے دوسری سیاسی جماعتوں کے لیڈروں سے بھی اسی نوعیت کے اعلان پر اصرار شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لئے جنرل عمر اور مسٹر رضوی کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے رشوت اور دھونس دھاندلی کے ذریعے دیگر سیاسی جماعتوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

22 فروری 1971ء کو گورنروں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز کی راولپنڈی میں ہونے والی ایک میٹنگ میں قومی اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تاہم ایڈمرل احسن گورنر مشرقی پاکستان اور زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحبزادہ محمد یعقوب خان نے اجلاس کے التوا کی مخالفت کی۔ ان دونوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ مشرقی پاکستان واپس جائیں اور 28 فروری کو شیخ مجیب الرحمٰن کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیں کیونکہ اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنے کا عام سرکاری اعلان یکم مارچ 1971ء کو کیا جانا تھا۔ اسی اثناء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے جو اجلاس ملتوی کئے جانے کے حکومتی فیصلے سے لاعلم تھے اپنی پارٹی کے منتخب شدہ اراکین سے حلف لیا کہ وہ تین مارچ 1971ء کو ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں ہرگز شریک نہیں ہوں گے۔ 28 فروری کو انہوں نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ نہ ہی ان

کی پارٹی قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرے گی نہ ہی مغربی پاکستان سے کسی اور کے اس اجلاس میں شرکت کی اجازت دے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر مغربی پاکستان کا کوئی سیاسی لیڈر وہاں جانے کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے یکطرفہ ٹکٹ لے کر جانا ہوگا کیونکہ اسے یہاں واپس نہیں آنے دیا جائے گا۔ یہ مسٹر بھٹو کا خاص انداز تخاطب تھا جس کے دوران انہوں نے ایسے افراد کی ٹانگیں توڑنے اور خیبر سے کراچی تک ملک کو آگ لگانے کی دھمکیاں بھی دی تھیں۔ تاہم یہ بات ان کے حق میں جاتی ہے کہ انہوں نے متبادل کے طور پر آئین سازی کی غرض سے 120 دن کی طے شدہ مدت میں نرمی کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ لیکن جنرل یحیٰ خان نے اسے قطعاً نظر انداز کردیا کیونکہ یہ ان کے عزائم کی راہ میں حائل ہوسکتی تھی۔

مشرقی پاکستان کے گورنر اور وہاں کے زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر دونوں نے جنرل یحیٰ خان کو قائل کرنے کی سرتوڑ کوششیں کیں کہ وہ اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنے کے ساتھ ہی ساتھ نئی تاریخ کا بھی اعلان کردیں' لیکن ان کی یہ ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ بہرکیف! یکم مارچ 1971ء کو پریس اور دیگر ذرائع سے یہ سرکاری اعلان نشر کردیا گیا کہ قومی اسمبلی کا تین مارچ کو ہونے والا اجلاس ملتوی کردیا گیا ہے جس کے لئے کسی نئی تاریخ کا تعین نہیں کیا گیا کیونکہ مغربی پاکستان کا کوئی بھی سیاسی لیڈر اس میں شرکت کے لئے تیار نہیں ہے لیکن اب پتہ چلتا ہے کہ یہ مکمل سچائی نہیں تھی۔

گورنر ایڈمرل احسن اور صاحبزادہ یعقوب خان کے خدشات بالکل درست تھے۔ اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کئے جانے کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کے طول وعرض میں شدید غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور پرتشدد ردعمل کے مظاہرے شروع ہوگئے۔ عوامی لیگ نے ہڑتال کا اعلان کردیا جس کے دوران ڈھاکہ' چٹاگانگ اور دیگر شہروں میں لوٹ مار قتل اور غارت نیز آتش زنی کے متعدد واقعات رونما ہوئے جن میں غیر بنگالیوں کو خاص طور سے نشانہ بنایا گیا۔ زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے حالات پر قابو پانے کی غرض سے فوج کو طلب کرلیا جس پر عوامی لیگ نے شدید احتجاج کرتے ہوئے اس کی واپسی کا مطالبہ کردیا۔ چنانچہ 5 مارچ 1971ء کو راولپنڈی سے موصول ہونے والے احکامات کے تحت فوج کو واپس بلا لیا گیا تاہم اس وقت تک عوامی لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی تھی۔ تمام دفاتر بینک اور دیگر پبلک ادارے بند کردیئے گئے تھے شیخ مجیب الرحمٰن کی جانب سے امن قائم رکھنے کی متعدد اپیلوں کے باوجود لوٹ مار قتل و غارت

اور آتش زنی کے واقعات' برابر جاری تھے۔ گھروں سے لائسنس یافتہ اسلحہ زبردستی لوٹ لیا گیا۔ طلباء اور طالبات نے رائفلوں سے مسلح ہوکر سڑکوں پر گشت کرنا شروع کردیا جس کے نتیجے میں خوفزدہ غیر بنگالی ڈھاکہ چھوڑ کر جانے لگے۔ فوج کے خلاف اخبارات میں اشتعال انگیز مضامین شائع ہورہے تھے۔ دراصل 7 مارچ 1971ء سے مشرقی پاکستان کا حکومتی کنٹرول عوامی لیگ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا چنانچہ اس نے بینکوں اور دیگر تجارتی اداروں کو ہدایات جاری کردیں کہ وہ اس وقت تک کسی بھی قسم کی ادائیگی نہ کریں' تاوقتیکہ انہیں اس کی ہدایت نہ کی جائے۔ اس نے عوام کو ٹیکسوں کی ادائیگی سے بھی روک دیا۔ فوج کو فراہم کیا جانے والا راشن بھی بند کردیا گیا جسے بعد میں مغربی پاکستان سے ہوائی جہازوں کے ذریعے بھیجا گیا۔ تمام زمینی' دریائی اور ریل کے راستوں پر چیک پوسٹ قائم کردی گئی تھیں جہاں فرار ہونے والے غیر بنگالیوں کی تلاشی کے بہانے انہیں لوٹا جاتا تھا۔ ان چیک پوسٹوں پر عوامی لیگ کی قائم کردہ "سنگرام پریشد" کے کارکن تعینات کئے گئے تھے۔ 7 مارچ 1971ء کو شیخ مجیب الرحمٰن نے ڈھاکہ ریس کورس میدان میں ایک بہت بڑے جلسہ عام سے خطاب کیا۔ خیال تھا کہ اس جلسہ عام میں وہ آزادی کا یکطرفہ اعلان کردیں گے تاہم انہوں نے آزادی کا اعلان نہیں کیا اور سول نافرمانی کی تحریک کو مسلسل جاری رکھتے ہوئے مشرقی پاکستان کی سول حکومت کو قطعاً مفلوج کرکے رکھ دیا۔

یکم مارچ 1971ء کو مشرقی پاکستان کے گورنر ایڈمرل احسن نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ 4 مارچ 1971ء کو زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحبزادہ یعقوب خان نے بھی اپنا استعفیٰ پیش کردیا' تاہم ان سے کہا گیا کہ وہ اپنی کمان سے فارغ کئے جانے کے وقت تک اس کی منظوری کا انتظار کریں۔ چنانچہ 7 مارچ 1971ء کو لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خان نے ان سے گورنر مشرقی پاکستان اور زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدوں کا چارج لے لیا لیکن ڈھاکہ شہر میں کوئی بھی جج دستیاب نہیں تھا جو ان سے اپنے عہدے کا حلف اٹھوا سکے۔ امن عامہ کی صورتحال اس حد تک بگڑ چکی تھی کہ عدالتیں تک بند پڑی تھیں اور کوئی جج فوج کا ساتھ دے کر اپنی جان کے لئے خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ چنانچہ جنرل ٹکا خان محض زونل مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ہی کام کرتے رہے لیکن اپنی اس حیثیت میں بھی وہ ڈھاکہ اور دیگر شہروں میں ہونے والی گڑبڑ کے واقعات پر مؤثر قابو حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہے۔ جس کا عذر انہوں نے یہ بیان

کیا کہ ''مجھ سے کہا گیا تھا کہ مذاکرات کے دروازے کھلے رکھے جائیں'' تاہم کمیشن ان کی اس وضاحت سے مطمئن نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بڑا حیرت انگیز ہے کہ سینئر اور تجربہ کار فوجی افسران اس طرح کھڑے ہو کر قانون شکنی اور گڑبڑ کے واقعات کا محض تماشا دیکھتے رہیں اور وفادار شہریوں کی جان و مال کے تحفظ کی انہیں قطعاً کوئی پرواہ نہ ہو۔ کیونکہ جہاں تک ہمارے علم میں آیا ہے آرمی ہیڈ کوارٹر یا مارشل لاء ہیڈ کوارٹر کی جانب سے ایسا کوئی واضح حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اس قسم کے واقعات کے خلاف قطعاً کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس عرصے کے دوران مشرقی پاکستان میں خدمات انجام دینے والے فوجی افسران امن عامہ برقرار رکھنے کے فرض سے غفلت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر وہ فرض شناسی سے کام لیتے تو شاید 25 مارچ 1971ء کو کئے جانے والے فوجی ایکشن کی نوبت ہی نہ آتی۔

بہرحال جنرل یحییٰ خان کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل یعقوب جنہوں نے اس نوعیت کے ہنگاموں کو روکے جانے کی غرض سے ''آپریشن بلٹز'' کے نام سے ایک امکانی منصوبہ تشکیل دیا تھا لیکن بعد میں وہ بوجوہ اس منصوبے پر عملدرآمد نہ کر سکے لیکن جنرل ٹکا خان کے پاس تو 7 مارچ 1971ء کے بعد اس طرح کے طرز عمل کا کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حقیقت چاہے کچھ بھی ہو' جنرل یحییٰ خان نے بہرحال کوشش کی کہ وہ 10 مارچ 1971ء کو شیخ مجیب الرحمٰن ان سے ملاقات کے لئے رضامند ہو جائیں تاہم مجیب الرحمٰن اس ملاقات پر راضی نہیں ہوئے جس کے بعد وہ خود 15 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ پہنچ گیے تاکہ عوامی لیگ سے مذاکرات کر سکیں ان کے ہمراہ جانے والوں میں مسٹر جسٹس اے آر کارنیلیس' لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ' جے اے جی برانچ کے کرنل حسن' جنرل عبدالحمید خان اور میجر جنرل مٹھا شامل تھے۔ پریس رپورٹس کے مطابق یہ مذاکرات اتنی خوش اسلوبی سے جاری تھے کہ بعد میں مغربی پاکستان کے لیڈروں کو بھی ان مذاکرات میں شمولیت کی غرض سے ڈھاکہ بلوالیا گیا۔ ان سیاسی لیڈروں' بالخصوص پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ انہیں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ اگر مغربی پاکستان کے سیاسی لیڈر بھی رضامند ہوں تو یحییٰ خان شیخ مجیب الرحمٰن کے مطالبات منظور کر لیں گے۔ بہرحال یہ سیاسی مذاکرات تعطل کا شکار ہو گئے اور پیپلز پارٹی کے سوا بقیہ تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے کہہ دیا گیا کہ وہ 24 مارچ 1971ء تک ڈھاکہ چھوڑ دیں۔

تاہم ان مذاکرات کے حوالے سے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ کسی بھی مشترکہ

اجلاس میں ان سیاسی لیڈروں کی براہ راست ملاقات جنرل یحییٰ خان سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ ہر پارٹی نے انفرادی طور پر علیحدہ علیحدہ ان سے ملاقات کی' چنانچہ دوسری پارٹیوں کے خیالات جنرل یحییٰ خان کے توسط سے ان تک پہنچتے رہے صرف ایک ہی اجلاس ایسا ہوا تھا جس میں مغربی پاکستان کی چھوٹی پارٹیوں کے لیڈروں نے مشترکہ طور پر جنرل یحییٰ خان سے مذاکرات کئے تھے جس کے بعد وہ شیخ مجیب الرحمٰن سے بھی ملے تھے تاہم جنرل یحییٰ خان کی موجودگی میں شیخ مجیب اور بھٹو کے مابین کوئی سنجیدہ گفتگو نہیں ہو سکی۔ ان تینوں کے مابین فقط ایک ہی ملاقات ہوئی تھی جس کے دوران بات چیت رسمی نوعیت کے جملوں سے آگے نہیں بڑھ سکی تاہم جب شیخ مجیب الرحمٰن وہاں سے اٹھ کر جانے لگے اور مسٹر بھٹو انہیں رخصت کرنے کی غرض سے باہر گئے تو ایوان صدر کے برآمدے میں دونوں کے درمیان کچھ کھسر پھسر ہونے لگی اور شیخ مجیب الرحمٰن بھٹو سے یہ اصرار کرتے رہے کہ وہ ان کی تجاویز کو قبول کر لیں۔ جنرل یحییٰ خان جو بالائی کمرے سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے اس بات کا برا مان گئے اور مسٹر بھٹو پر فقرہ بازی کرتے ہوئے بولے ''کیا چونچیں لڑ رہی تھیں آخر تم دونوں میں'' ......

ان سیاسی جماعتوں سے ''مذاکرات کے دوران'' کس قسم کی تجاویز اور شرائط پر گفتگو ہوئی' اس کے بارے میں ہم اب تک لاعلم ہیں۔ جنرل یحییٰ خان کا کہنا یہ ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن یہ چاہتے تھے کہ ''آئین ساز اسمبلی کے دو علیحدہ علیحدہ'' اجلاس ہونے چاہئیں جن میں سے ایک مشرقی پاکستان منتخب اراکین اسمبلی اور دوسرا مغربی پاکستان سے منتخب ہونے والے اراکین اسمبلی پر مشتمل ہو' جو اپنے اپنے طور پر ایک آئینی مسودہ تیار کریں جس پر بعد میں ایک مشترکہ اجلاس میں غور کیا جائے! تاہم شیخ مجیب الرحمٰن نے خان عبدالولی خان سے بات چیت کے دوران اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ بقول ان کے تحریک پاکستان کے ایک سپاہی کی حیثیت سے وہ کبھی پاکستان کی یکجہتی کے خلاف ایسی کوئی تجویز ہرگز پیش نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ مارشل لاء فوری طور پر اٹھا لینے کے بعد مکمل طور پر خود مختار صوبائی حکومتیں قائم کر دی جائیں۔ ایک مرحلے پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں مرکزی حکومت میں شمولیت سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اور ان کا خیال تھا کہ جنرل یحییٰ خان جس طرز کی وفاقی حکومت تشکیل دینا چاہتے ہیں دے لیں لیکن مشرقی پاکستان کو مکمل خود مختاری بہر صورت ملنی چاہیے تاہم ایسا لگتا ہے کہ وہ اہم نکتہ جہاں پہنچ کر یہ سیاسی مذاکرات تعطل کا شکار ہو گئے مارشل لاء کو فوری طور پر اٹھالئے جانے

سے متعلق تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جنرل یحییٰ خان کے مشیروں کا یہ خیال تھا کہ ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں ایک خلا پیدا ہو جائے گا جس کے نتیجے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے جنرل یحییٰ خان مکمل طور پر غیر مؤثر ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ ان کی رائے کے مطابق اقتدار اس وقت تک منتقل نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد نہ ہو اور وہ متفقہ طور پر مارشل لاء کو اٹھائے جانے کے سلسلے میں کوئی قرار داد منظور نہ کر لے! بہر حال جب جسٹس کارنیلیس نے عوامی لیگ کو اس خیال سے آگاہ کیا تو اس کے ایک لیڈر نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ سابق چیف جسٹس اس عہد سے مکر رہے ہیں جو جنرل یحییٰ خان نے بذات خود ہم سے کیا تھا تاہم اس شبے سے اب تک پردہ نہیں اٹھایا جا سکا! کہیں یہ سب کچھ اس مقصد سے تو نہیں کیا گیا تھا کہ یہ مذاکرات بالآخر ناکامی سے دوچار ہو جائیں؟......

ہمارے لئے اس بحث کی تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے تاہم اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ اس مسئلے کی اصل جڑ جس کی وجہ سے یہ مذاکرات ناکام ہوئے' یہ تھی کہ مارشل لاء حکام نے فوری طور پر مارشل لاء اٹھا لینے اور بیرکوں میں واپس چلے جانے سے واضح طور پر انکار کر دیا تھا۔ وہ اس عمل کو ناممکن سمجھتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے فوج کے پاس ملک پر حکومت کرنے کا کوئی قانونی جواز موجود نہ رہتا جس کے نتیجے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر' جنرل یحییٰ خان' مکمل طور پر بے دست و پا ہو کر رہ جاتے۔

ان سیاسی مذاکرات کی ناکامی کے اسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ 25 مارچ 1971ء کی نصف شب کو عوامی لیگ کی تحریک کو کچلنے کی غرض سے جس طرز کا اقدام کیا گیا اور جس انداز سے اس پر عمل درآمد ہوا وہ انتہائی غیر دانشمندانہ تھا کیونکہ ایسا اقدام کرنے سے پیشتر سیاسی فراست اور دور اندیشی سے قطعاً کام نہیں لیا گیا جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کو المناک تباہی سے دوچار ہونا پڑا اور یہ باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

اس کمیشن کے روبرو اس خیال کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ 25 اور 26 مارچ 1971ء کی درمیانی شب کو جنرل یحییٰ خان کے بڑی خاموشی کے ساتھ مغربی پاکستان روانہ ہو جانے کے بعد شروع کیا جانے والا فوجی ایکشن بے حد ضروری ہو چکا تھا' کیونکہ مارشل لاء حکام کو ایسی اطلاعات ملی تھیں کہ 26 مارچ 1971ء کی نصف شب کو عوامی لیگ بھی ایسا ہی اقدام کرنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ اس بات کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دوسرے ہی

دن بنگلہ دیشی ریڈیو کی نشریات شروع نہ ہوتیں اور نہ ہی راتوں رات "لبریشن آرمی" کا قیام عمل میں آ جاتا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انٹیلی جنس رپورٹ کے مطابق ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس کے مسلح سپاہی بھی اپنی وفاداریاں تبدیل کر لینے کے بعد لبریشن آرمی میں شامل ہو چکے تھے۔ جبکہ دوسری جانب سے یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ جنرل یحییٰ خان کی طرف سے کئے جانے والے مذاکرات دراصل ان کے طے شدہ فوجی ایکشن کے عزائم کو پوشیدہ رکھنے کی ایک چال تھی جس کے لیے "آپریشن بلٹز" کے نام سے ایک امکانی منصوبہ پیشگی طور پر تیار کیا جا چکا تھا چنانچہ ان مذاکرات کو جاری رکھنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ فوجی ایکشن کی غرض سے مطلوبہ فوجی قوت کو مجتمع کیا جا سکے۔

کچھ لوگوں نے تو یہاں تک بھی کہا ہے کہ جب یہ فوجی ایکشن شروع کیا گیا اس وقت بھی عوامی لیگ سے مذاکرات کا سلسلہ مکمل تعطل کا شکار نہیں ہوا تھا کیونکہ جنرل یحییٰ خان اور شیخ مجیب الرحمٰن کے معاونین کے درمیان ہنوز گفت و شنید جاری تھیں اور 25 مارچ 1971ء کو ان کی ملاقات بھی طے ہو چکی تھی۔ دوسری طرف پاکستان پیپلز پارٹی کے لیڈروں کو یہ تک بتانے کی زحمت نہیں کی گئی کہ جنرل یحییٰ خان اور ان کے معاونین 25 مارچ کو ہی مشرقی پاکستان سے روانہ ہو چکے ہیں۔

اس فوجی ایکشن کا جواز خواہ کچھ ہی رہا ہو تاہم اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اس فوجی اقدام کی غرض و غایت اپنی نوعیت میں تعزیری تھی نہ کہ احتیاطی! کیونکہ فوج کے لئے خوراک کی فراہمی دو ہفتوں سے معطل تھی اور انہیں مسلسل حملوں اور گالیوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا' چنانچہ جب انہیں ایکشن لینے کے احکامات دیئے گئے تو انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور بے محابا گولیاں برسانا شروع کر دیں! ان کا یہ اقدام خاصی حد تک انتقامی کہا جا سکتا ہے کیونکہ فوج سے تعلق رکھنے والے متعدد افسران نے بھی اس حقیقت کی تصدیق کی ہے کہ چند مقامات پر تو انتہائی وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے تھے عمر اور جنس کا لحاظ کئے بغیر' گاؤں کے گاؤں نیست و نابود کر دیئے گئے اور عورتوں اور مردوں کو بہت بڑی تعداد میں گرفتار کرنے کے بعد ایک ساتھ بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ اگرچہ اصل حقیقت کا سراغ لگانا تقریباً ناممکن ہے تاہم ایسے متعدد شواہد اور اسباب ہمیں دستیاب ہوئے ہیں جن کی بنا پر ہم اس حتمی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس نوعیت کے واقعات کی تعداد اس سے بہر حال کہیں زیادہ تھی جو "وہائٹ پیپر" میں بیان کی گئی ہے اور اس میں

بھی کوئی شبہ نہیں کہ بغیر کسی وجہ اشتعال اس قسم کے متعدد انتقامی مظالم ڈھائے گئے تھے حتیٰ کہ چار ماہ بعد حکومت کی جانب سے شائع کئے گئے ''وہائٹ پیپر'' میں بھی فوج کی جانب سے ڈھائے گئے مظالم کے نتیجے میں ہونے والے جانی نقصانات کے اعداد و شمار کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی حالانکہ اس وہایٹ پیپر میں مکتی باہنی کے ہاتھوں ہلاک اور زخمی ہونے والے افراد کے مکمل اعداد و شمار موجود ہیں۔ تاہم اب بھی کوئی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اس سلسلے میں کوئی صحیح اعداد و شمار پیش کر سکے۔ بہر حال جنرل ٹکا خان نے اس کمیشن کے روبرو بیان دیتے ہوئے فوج کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کی تعداد پندرہ ہزار بتائی ہے لیکن بعد میں ایک اخباری انٹرویو میں انہوں نے اس تعداد کو تیس ہزار بتایا ہے اس کے علاوہ اعداد و شمار جو مشرقی کمان کی جانب سے پیش کی جانے والی ''صورتحال کی رپورٹس'' میں درج ہیں درست معلوم نہیں ہوتے ان کے مطابق ہلاک ہونے والوں کی کل تعداد چھبیس ہزار بتائی گئی ہے' ایسا لگتا ہے کہ مقامی کمانڈر فوجی ایکشن کے نتیجے میں ہونے والے جانی نقصانات کی تعداد دانستہ طور پر گھٹا کر بیان کر رہے ہیں۔ ان بلا امتیاز ہلاکتوں اور انتقامی اقدامات کا ثبوت اس حقیقت سے بھی مل جاتا ہے کہ خود مشرقی کمان کی جانب سے وقتاً فوقتاً اپنے مقامی کمانڈروں کو یہ ہدایت دی جایا کرتی تھیں کہ وہ اپنے فوجی دستوں کے طرز عمل پر بطور خاص نظر رکھیں کیونکہ ان کے خلاف ناپسندیدہ طرز عمل اور قابل اعتراض رویوں کی عام شکایات موصول ہو رہی ہیں۔ ہمارے روبرو یہ شواہد بھی آئے ہیں کہ زنا بالجبر' آتش زنی' بلا امتیاز ہلاکتوں اور لوٹ مار کے بڑے پیمانے پر ہونے والے واقعات میں فوجی افسران بھی ملوث پائے گئے ہیں اور چند معاملات کی تحقیقات بھی کی جا رہی تھیں جن میں چند فوجی اہلکاروں کو سزائیں بھی سنائی گئی تھیں تاہم یہ سزائیں ہرگز ایسی نہیں جنہیں عبرت انگیز کہا جا سکے! چنانچہ ضروری ریکارڈ کی عدم دستیابی اور مشرقی کمان کے اہلکاروں کی عدم موجودگی میں یہ قطعاً ممکن نہیں ہے کہ ان مظالم کی نوعیت اور تعداد کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کیا جا سکے جن کے نتیجے میں ہماری افواج کا وقار دنیا بھر میں مجروح ہو۔ لہٰذا ہم نے تجویز کیا ہے کہ ان الزامات کی (جنگی قیدیوں کی بھارت سے واپسی کے بعد) مکمل اور بھرپور تحقیقات کی جائیں۔

اس معاملے کے تمام شواہد اور پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ہم اس حتمی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جنرل یحییٰ خان اور ان کے قریبی ساتھیوں کی یہ نیت ہرگز نہ تھی کہ مارچ کے دوران کئے گئے سیاسی مذاکرات کو کسی بھی طور نتیجہ خیز بنایا جائے! وہ فوجی اور سیاسی صورتحال کا مکمل

ادراک وار شعور رکھتے تھے اس کے باوجود انہوں نے یہ پختہ عزم کر رکھا تھا کہ کسی بھی مرحلے پر اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل نہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں شیخ مجیب الرحمٰن کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے ہم اس نکتے کی جانب توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ابتداء میں شیخ مجیب الرحمٰن اپنے پیش کردہ چھ نکاتی پروگرام کو اپنا بنیادی اور حتمی مقصد نہیں سمجھتے تھے' تاہم انتخابات کے بعد وہ اس پروگرام کے اسیر ہو کر رہ گئے تھے اور اس سے دامن چھڑانا ان کے بس میں نہیں رہا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ انتخابات سے قبل انہوں نے کونسل مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کو مشرقی پاکستان سے کچھ نشستوں کی پیشکش بھی کی تھی جسے یہ جماعتیں قبول کر لیتیں تو عوامی لیگ کو ایوان میں مطلق اکثریت حاصل نہیں ہو سکتی تھی' اور اس کی حیثیت محض ایک واحد بڑی سیاسی جماعت تک ہی محدود رہتی۔ ظاہر ہے ان دونوں سیاسی جماعتوں کو نشستوں کی اس پیش کش کا بنیادی سبب یہ تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن مطلق اکثریت کی اس صورتحال سے بچنا چاہتے تھے جس کے تحت انہیں اپنی پارٹی کے تمام منتخب ارکان کا زبردست دباؤ برداشت کرتے ہوئے چھ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کے لئے اصرار کرنا پڑتا۔ 7 مارچ 1971ء تک ان کا یہ رویہ برقرار رہا جب انہوں نے اپنی پارٹی کے منتخب اراکین اسمبلی کے دباؤ سے خود کو آزاد رکھنے کی غرض سے جنرل آفیسر کمانڈنگ 14 ڈویژن میجر جنرل خادم حسین راجہ کو یہ پیغام بھیجا کہ انہیں حفاظتی تحویل میں لے لیا جائے۔ تاہم ہمیں اس امر کا موقع نہ مل سکا کہ شیخ مجیب الرحمٰن اور جنرل یحییٰ خان کے مابین ہونے والی گفتگو کے بارے میں صراحت کے ساتھ کچھ جان سکتے۔ بہر کیف خان عبدالولی خان کا یہ کہنا ہے کہ جنرل یحییٰ خان نے ایک خط کے ذریعے شیخ مجیب الرحمٰن کو چھ نکات سے بھی زیادہ کی پیش کش کی تھی لیکن کسی بھی طور ان کے اس بیان کی تصدیق نہیں کی جا سکی لہٰذا حقائق کی روشنی میں اس بات کو تسلیم کرنا کافی دشوار ہے کہ واقعی جنرل یحییٰ خان نے انہیں اس نوعیت کی پیشکش کی تھی تاہم کچھ سیاسی لیڈروں کے بقول شیخ مجیب نے انہیں بتایا تھا کہ دو آئینی کمیٹیوں کا فارمولا جنرل یحییٰ خان نے خود ہی تجویز کیا تھا جس کے بعد وہ صوبوں کو فوری اقتدار منتقل کرنے پر آمادہ تھے' کیونکہ عوامی لیگ کے اپنے مسودہ اعلان میں بھی اس بات کا تذکرہ موجود ہے۔ چنانچہ ایک بار پھر یہ تسلیم کرنا دشوار نظر آتا ہے کہ دو علیحدہ کمیٹیوں پر مشتمل آئین ساز اسمبلی کی تجویز جنرل یحییٰ خان کی جانب سے پیش کی گئی تھی۔ ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ جنرل یحییٰ خان نے پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کے مابین مخلوط حکومت کی

تشکیل کی تجویز پیش کی ہوگی کیونکہ انہیں کامل یقین تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کوئی سیاسی تجویز ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بہرکیف حقائق خواہ کچھ بھی رہے ہوں ہمیں لگتا ہے کہ تصادم کے راستے کا انتخاب کرکے شیخ مجیب الرحمٰن نے ایسی سیاسی عدم فراست کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں یہ ملک بالآخر دو ٹکڑے ہوگیا۔ انہیں صوبے اور مرکز دونوں میں غیر معمولی اختیارات حاصل ہو چکے تھے جن کی مدد سے وہ مشرقی پاکستان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے ساتھ ساتھ ملک میں جمہوری طرز زندگی کی بحالی کے لئے بھی اہم کردار ادا کر سکتے تھے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ علیحدگی کا راستہ منتخب کرتے تو وقت گزرنے کے ساتھ یہ سب کچھ خون خرابے اور ایک غیر ملکی طاقت کی مداخلت کے بغیر بھی ممکن ہوسکتا تھا۔

ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیرمین نے بھی سیاسی دوراندیشی کے فقدان کا مظاہرہ کیا اور قومی اسمبلی کے جلاس کو ملتوی کئے جانے کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے متوقع ردعمل کی شدت کا اندازہ لگانے میں بری طرح ناکام رہے۔ انہوں نے اس کمیشن کے روبرو برملا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہیں یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ مشرقی پاکستان میں اس کا اتنا شدید جذباتی ردعمل ہوگا۔ اگر شیخ مجیب الرحمٰن کے موقف میں کوئی لچک نہیں تھی تو پیپلز پارٹی کے لیڈر بھی اپنے موقف پر کوئی سمجھوتہ کرنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ شیخ مجیب نے جنرل یحییٰ کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ مغربی پاکستان کی چھوٹی سیاسی پارٹیوں کے تعاون سے وہ ایوان کی دو تہائی اکثریت سے آئین منظور کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن پیپلز پارٹی اس موقف پر اڑی رہی کہ اس کی تائید اور رضامندی کے بغیر کوئی آئین نہیں بن سکتا۔ تاہم کمیشن یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ دعویٰ کس بنیاد پر کیا گیا تھا؟ اگر آئین سازی کی غرض سے اتفاق رائے کی ضرورت تھی تو اس کے لئے ہر وفاقی وحدت کی رائے معلوم کرنا زیادہ ضروری تھا نہ کہ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کی رائے جاننا' جسے دو وفاقی وحدتوں یعنی صوبہ سرحد اور بلوچستان میں قطعاً کوئی اکثریت حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔

پیپلز پارٹی کی جانب سے پیش کیا جانے والا دو اکثریتی جماعتوں کا نظریہ اور مخلوط حکومت کی تجویز کنفیڈریشن کی بنیاد تو بن سکتی تھی فیڈریشن کی نہیں! کیونکہ فیڈرل یا وفاقی طرز حکومت میں اکثریتی پارٹی کو حکومت سازی کا حق حاصل ہوتا ہے اور مخلوط حکومت کی تشکیل کا سوال صرف اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب اکثریتی پارٹی خود اتنی طاقتور نہ ہو کہ حکومت

بنا سکے یا پھر پہلے سے ایک قومی حکومت کی تشکیل پر غور و خوض کیا جا چکا ہو۔ لہٰذا ہمیں لگتا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی بھی سیاسی صورتحال کا درست اندازہ لگانے میں ناکام رہی' جو ملک کی وحدت اور سالمیت کو محفوظ رکھنے کی غرض سے اس قسم کے حالات میں بے حد ضروری تھا۔

جنرلوں نے کسی سیاسی حل کی ضرورت کا کماحقہ احساس نہیں کیا

ہم پاکستان پیپلز پارٹی کی جانب سے پیش کی جانے والی ان وضاحتوں سے بھی مطمئن نہیں ہیں جو اس نے تین مارچ 1971ء کو منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے انکار کے سلسلے میں پیش کی ہیں۔ پہلے اگر اس نے عوامی لیگ کے چھ نکاتی پروگرام کو انتخابی مسئلہ نہیں بنایا تھا اور انتخابات کے دوران بھی اس پروگرام کے خلاف کوئی مہم نہیں چلائی تھی تو ایسی صورت میں یہ بات قطعاً ناقابل فہم ہے کہ آخر انتخابات کے بعد جن میں عوامی لیگ نے ان چھ نکاتی پروگرام کی بنیاد پر کامیابی حاصل کی تھی اس اصرار کا کیا جواز تھا کہ قومی اسمبلی کے اجلاس سے قبل وہ اپنے چھ نکاتی روگرام سے دست بردار ہو جائے یا ان پر کوئی سمجھوتہ یا تصفیہ کرلے۔ اگر کوئی سمجھوتہ یا سیاسی تصفیہ ضروری تھا تو وہ ایوان کے اندر یا پھر کمیٹیوں میں گفت و شنید کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتا تھا۔ ہم یہ سمجھنے سے یکسر قاصر ہیں کہ اسمبلی میں نسبتاً خاصی مضبوط پوزیشن رکھنے کے باجود پیپلز پارٹی نے جمہوری طریقے پر عمل کرتے ہوئے چھ نکاتی پروگرام کی برملا مخالفت کے بارے میں یا ایوان میں ان کے خلاف رائے شماری کے لئے کیوں نہیں سوچا؟

اس بات میں بھی شبہے کی کوئی گنجائش نہیں ہے فوجی ایکشن کسی بھی طرح اس مسئلے کا حل نہیں تھا اس ایکشن کا واحد مقصد یہ ہونا چاہئے تھا کہ ایسے حالات بحال کر دیئے جائیں جن میں سیاسی مذاکرات کا عمل شروع کیا جا سکے ہم اس کا دار و مدار ان افراد کی نیت پر تھا جنہوں نے اس طرح کے فوجی ایکشن کا فیصلہ کیا تھا' اور جو ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ سیاسی تصفیے کا کوئی بھی دروازہ کھلا رکھا جائے۔ سینئر فوجی افسران نے اس کمیشن کو بتایا ہے کہ اگر فوجی ایکشن سازگار سیاسی ماحول کو بحال کرنے اور مذاکرات کے سلسلے کو شروع کرنے کی غرض سے ہی کیا گیا تھا تو اس مقصد کے لئے اپریل۔ مئی 1971ء بہترین وقت تھا جب امن و امان کی صورتحال ممکنہ حد تک اطمینان بخش تھی کیونکہ اس وقت تک یہ پتہ چل چکا تھا کہ بھارت مکتی باہنی کے گوریلوں کو تربیت فراہم کر رہا ہے اور مون سون کا زمانہ شروع ہوتے ہی وہ ان گوریلوں کو مشرقی پاکستان

میں داخل کردے گا۔ چنانچہ کوئی بھی با معنی حل صرف اسی وقت تلاش کیا جا سکتا تھا جب عوامی لیگ سے مذاکرات کئے جاتے نہ کہ شکست خوردہ سیاست دانوں سے جنہیں عوام کا اعتماد تک حاصل نہیں تھا۔ تاہم نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد سنجیدگی سے عوامی لیگ کے ساتھ مذاکرات کی کوئی کوشش کی گئی حالانکہ اس کے دو لیڈر اس وقت حکومت کی تحویل میں تھے اور ایک غیر ملکی طاقت نے یہ پیشکش بھی کر دی تھی وہ عوامی لیگ کے ان لیڈروں کو بھی مذاکرات میں شریک کرنے کے سلسلے میں پوری مدد کرے گی جو مشرقی پاکستان سے فرار ہو کر بھارت پہنچ چکے تھے۔ اگر ایک طرف ہمارے اعلیٰ فوجی قیادت میں سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا شدید فقدان تھا تو دوسری طرف ان غیر ملکی طاقتوں اور دوست ممالک کی بھی کمی نہیں تھی جو ہماری فوجی قیادت کو مسئلے کے سیاسی کی اہمیت اور ضرورت کا بار بار احساس دلا رہے تھے! سیاسی مسائل سیاسی طریقوں سے ہی حل کئے جا سکتے ہیں چنانچہ جنرل یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کو یہ حقیقت بخوبی سمجھ لینا چاہئے تھی کہ اپنی ہی عوام کے خلاف زبردستی کوئی فوجی حل نہیں تھوپا جا سکتا۔ بہرکیف ہمیں یہ کہتے ہوئے بڑا رنج ہوتا ہے کہ ہمارے فوجی جنرلوں نے کسی سیاسی حل کی ضرورت کا کما حقہ احساس نہیں کیا اور نہ اس کی اہمیت ہی کو سمجھ سکے! ہماری رائے میں لاپروائی اور بے تعلقی کے اس رویے کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ان سنگین خطرات کا صحیح اندازہ نہ لگایا جا سکا جو ایک دشمن ہمسایہ ملک کی جانب سے کی جانے والی مسلح فوجی مداخلت کی شکل میں سروں پر منڈلا رہے تھے، جس کے نتیجے میں ملک کے ٹکڑے ہو سکتے تھے بلکہ اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی خواہش کے مدنظر کوئی مناسب سیاسی حل بھی تلاش نہیں کیا گیا کیونکہ اس طرح انہیں اقتدار سے محروم ہو جانے کا خدشہ تھا۔

جنرل یحییٰ خان اور ان کے قریبی معاونین کا یہ رویہ ہمارے لئے خاصا تشویشناک رہا ہے جس کے نتیجے میں ہم ان حالات کا جائزہ لینے پر مجبور ہیں جن کے سبب اس نوعیت کے رویوں نے جنم لیا تا کہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ آیا جنرل یحییٰ خان کی نیت اور ارادے نیک تھے یا ان کے پیچھے اقتدار کو بدستور اپنے قبضے میں رکھنے کی خواہش کو کوئی دخل تھا؟ چنانچہ اس کمیشن کے روبرو پیش کئے گئے حالات و واقعات ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں۔

25 مارچ 1969ء کو جنرل یحییٰ خان کا برسر اقتدار آنا نہ صرف یہ کہ سراسر غیر قانونی اور غیر آئینی تھا بلکہ پہلے سے طے شدہ بھی تھا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ 25 مارچ 1969ء سے قبل ہی تمام ضروری قانونی دستاویزات اقتدار پر قبضے کی غرض سے تیار کی جا چکی تھیں ایک طرف اقتدار پر قبضے کی منصوبہ بندی کا یہ عمل جاری تھا جس کے دوران فیلڈ مارشل ایوب خان کو اندھیرے میں رکھتے ہوئے یہ باور کرایا جا رہا تھا کہ علاقائی مارشل لاء کا نفاذ کسی بھی صورت میں کارگر نہیں ہوگا جبکہ دوسری جانب یہ کوششیں کی جا رہی تھیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ ساز باز کے ذریعے فیلڈ مارشل کی ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا جائے جو وہ مخالف سیاسی لیڈروں سے سیاسی تصفیے کی غرض سے جاری رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ بہت ممکن ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن پر اپنے مطالبات کی تکمیل کے لئے زور دینے کی غرض سے یحییٰ خان کا یہ مقصد وابستہ ہو کہ اس طرح "گول میز کانفرنس" کو ناکامی سے دوچار کیا جا سکے۔

بحالی جمہوریت کے واشگاف اعلان کے ساتھ اقتدار حاصل کرنے کے باوجود 28 نومبر 1969ء تک انہوں نے انتخابات کے انعقاد کا کوئی ٹائم ٹیبل نہیں دیا۔ یہی نہیں بلکہ سیاسی سرگرمیاں بھی یکم جنوری 1970ء سے شروع کرنے کی اجازت دی گئی جبکہ لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت اکتوبر 1970ء کو ہونے والے انتخابات دسمبر 1970ء میں منعقد کرائے گئے۔

انتخابی مہم کے دوران جنرل یحییٰ خان نے روپے پیسے کے بے دریغ استعمال اور دیگر ذرائع سے انتخابی نتائج پر اثر انداز ہونے کی پوری کوشش کی تا کہ کوئی ایک یا دو جماعتیں ان میں کامیاب نہ ہو سکیں بلکہ چھوٹی چھوٹی سیاسی جماعتوں کا ایک ملغوبہ سامنے آئے جن میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہو کہ اپنی من مانی شرائط ان پر مسلط کر سکے۔

شیخ مجیب الرحمٰن کے پیش کردہ چھ نکاتی پروگرام کے تنقیدی جائزے کے حوالے سے
جنرل یحییٰ خان اور ان کے مشیروں کی ناکامی اور شیخ مجیب الرحمٰن کو اس پروگرام کی بنیاد پر عام

انتخابات میں حصہ لینے کی کھلی چھوٹ دینا جو متواتر اپنی تقاریر میں کہہ رہے تھے کہ یہ انتخابات ان کے چھ نکاتی پروگرام پر عوامی ریفرنڈم کا درجہ رکھتے ہیں یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ نہ جنرل یحییٰ خان اور نہ ہی ان کے ساتھیوں اور مشیروں میں سے کسی کو بھی انتخابی نتائج کی کوئی پرواہ تھی۔

لیگل فریم ورک آرڈر میں صوبوں کو دی جانے والی خود مختاری کی حدود کے تعین اور ایوان میں رائے شماری کے طریقہ کار کی عدم موجودگی بھی جنرل یحییٰ خان کی ناکامی کا ایک ثبوت ہے حالانکہ ان کی 28 نومبر 1969ء اور 28 مارچ 1970ء کی تقریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ووٹنگ کے طریقہ کار اہمیت سے بخوبی آشنا تھے۔

فوجی حکومت کی جانب سے اس بات پر اصرار کہ لیگل فریم ورک آرڈر میں آئین سازی کی غرض سے دی جانے والی ایک سو بیس دنوں کی مہلت انتہائی مقدس ہے جسے کسی بھی صورت تبدیل نہیں کیا جا سکتا درحقیقت اس چیز کو یقینی بنانے کی سوچی سمجھی سازش تھی کہ آئین ساز اسمبلی آئین سازی کے عمل میں ناکام ہو جائے اور اس طرح اس کی تحلیل کا جواز فراہم ہو سکتا ہے کہ جنرل یحییٰ خان بدستور اقتدار کے منصب پر فائز رہ سکیں۔

یحییٰ خان کو سیاسی تصفیے سے ہرگز کوئی دلچسپی نہیں تھی

قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے میں یحییٰ خان کا لیت و لعل سے کام لینا اور پھر بغیر کسی نئی تاریخ کا اعلان کئے اسے ملتوی کر دینا (جبکہ وہ اور ان کے ساتھی افسران سیاسی لیڈروں پر یہ دباؤ ڈالنے میں بھی مصروف تھے کہ وہ قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے انکار کر دیں) یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ تعطل کی ایسی صورتحال پیدا کرنا چاہتے تھے جس کے نتیجے میں وہ بدستور منصب اقتدار پر براجمان رہ سکیں۔

مارچ 1971ء کے دوران ڈھاکہ میں ہونے والے مذاکرات جس انداز سے کئے گئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنرل یحییٰ خان ہر سیاسی جماعت کے مطالبات کو منظور کرنے کے بعد اسے یہ تاثر دیا کرتے تھے کہ دوسری سیاسی جماعتیں ان سے اتفاق نہیں کر رہیں چنانچہ ان کے لئے کافی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اس طرح وہ ایک سیاسی جماعت کو دوسری جماعت سے لڑوانے کا کھیل کھیلنے میں مصروف رہے اور تعطل کی ساری ذمے داری ان سیاسی جماعتوں کے سر ڈالتے رہے۔

چنانچہ مارچ کے دوران کئے جانے والے یہ مذاکرت بھی اپنے حتمی نتائج تک نہ پہنچ سکے کیونکہ وہ خود تو چوری چھپے 25 اور 26 مارچ کی درمیانی شب کو ہی ڈھاکہ سے روانہ ہو چکے تھے جس کا علم ان کے قریبی سویلین معاونین کو تھا نہ ہی پیپلز پارٹی کے لیڈروں کو۔

دوست ممالک اور غیر ملکی طاقتوں کی جانب سے سیاسی مذاکرات کی بحالی کے متفقہ مشوروں کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے جنگ کا خطرہ مول لیا حالانکہ شیخ مجیب الرحمٰن سے سیاسی مذاکرات کے تمام راستے ابھی کھلے تھے۔ ان کا یہ اقدام اس امر کا ثبوت ہے کہ انہیں سیاسی تصفیے سے ہرگز کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

16 دسمبر 1971ء تک وہ ایک ایسے آئین کی تیاری کے لئے کوشاں رہے جو صدر اور کمانڈر انچیف کی حیثیت سے ان کے اختیارات کے تسلسل کے ساتھ اس بات کی بھی ضمانت دیتا ہو کہ وہ جب چاہیں مارشل لاء نافذ کر سکتے ہیں۔ ان کی جانب سے کی جانے والی یہ آخری کوشش تھی جو ان کے اس پختہ عزم کا بین ثبوت ہے کہ وہ آئین کے تحت سپریم اتھارٹی کے حصول کے ساتھ ہی اس بات کے خواہش مند تھے کہ آئین پر بھی اپنی بالادستی مستقل قائم رکھ سکیں۔

ملک میں جنگ کے ہنگامی حالت کی موجودگی کے باوجود اپنی نجی زندگی کی بعض مصروفات کے سبب وہ امور مملکت کے بارے میں شرمناک لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے رہے جو ہمارے نزدیک سرکاری فرائض سے مجرمانہ غفلت برتنے کے ذیل میں آتا ہے گویا یہاں وہی محاورہ صادق آتا ہے کہ

روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا

مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جنرل یحییٰ خان اور ان کے فوجی معاونین ایک دوسرے کے ساتھ باہمی سازشوں اور ساز باز میں مصروف اور ملوث تھے تا کہ جنرل یحییٰ خان کو منصب اقتدار پر براجمان رکھ کر ان کے سائے میں اپنے اپنے مخصوص مفادات کی تکمیل کر سکیں خواہ اس مقصد کے لئے غیر قانونی طریقے ہی کیوں نہ استعمال کرنا پڑیں۔

ظاہر ہے کہ آرمی کی مکمل تائید اور حمایت کے بغیر ان اختیارات کو استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا تاہم یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ آرمی کے تمام افسران اور جوان اس ساز باز میں شریک

تھے۔ بہرکیف جن افسران کی بھرپور تائید اور حمایت جنرل یحییٰ خان کو حاصل تھی ان میں جنرل حمید، لیفٹیننٹ جنرل گل حسن، لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ، میجر جنرل عمر اور میجر جنرل مٹھا کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ میجر جنرل مٹھا کے بارے میں لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کا کہنا ہے کہ وہ جنرل یحییٰ خان کے انتہائی قریبی اور بااعتماد ساتھی شمار کیے جاتے تھے۔

ہم نے جنرل یحییٰ خان کی سویلین مشیروں اور ان کی حکومت کے سیکرٹری صاحبان کے معاملات کا بھی جائزہ لیا ہے تاہم انہیں اس کیٹگری میں شامل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انہیں ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ جنرل یحییٰ خان کو ایسے اقدامات سے باز رکھ سکتے یا انہیں اقتدار کے تخت پر مستقل براجمان رہنے سے روکتے۔ چنانچہ معمول کے معاملات کو چھوڑ کر نہ ہی کسی اہم سیاسی مسئلے پر ان سے کوئی مشورہ طلب کیا گیا اور نہ ہی ان کی کوئی بات سنی گئی۔ یہ کہتے ہوئے ہم اس بات کی طرف بھی توجہ دینا چاہتے ہیں کہ ان سویلین مشیروں نے بالخصوص ایک سابق چیف جسٹس نے اس سلسلے میں جس کم ہمتی اور جرأت کے فقدان کا مظاہرہ کیا وہ ہرگز قابل تحسین نہیں ہے۔ عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی دونوں نے سابق چیف جسٹس کے اس کردار کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اگر انہیں یہ شکایت تھی کہ بقول ان کے کسی نے بھی ان کی بات کو سمجھنے کی سنجیدگی سے کوشش نہیں کی تو یہ جان کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اس بے معنی منصب سے سبکدوش کیوں نہیں ہو گئے جس پر فائزرہ کر وہ جنرلوں کو کسی منطق اور دلیل کی مدد سے قائل نہیں کر سکتے تھے۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان سیاسی تصفیے کا آغاز سربراہان مملکت کی بے لگام خواہش اقتدار اور مفاد پرست سیاست دانوں کی سازشوں کے لازمی نتیجے کے طور پر ہوا جو فیلڈ مارشل ایوب خان کے مارشل لاء کے زمانے میں اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ مشرقی پاکستان کے عوام میں یہ احساس عام ہو چکا تھا کہ جب تک ملک میں فوجی حکومت موجود رہے گی مشرقی پاکستان ملکی امور و معاملات میں شرکت سے یکسر محروم رہے گا۔ چھ نکاتی پروگرام جو پہلی مرتبہ جنوری 1966ء میں منظر عام پر آیا۔ درحقیقت علیحدگی کا مطالبہ تھا تاہم اس کے باوجود یحییٰ حکومت ہوس اقتدار میں مبتلا ہو کر اسی احمقانہ سوچ میں مبتلا رہی کہ سخت قسم کے فوجی ایکشن کے ذریعے مشرقی پاکستان کے عوام کو جھکنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ بہرطور جس طریقے اور انداز سے یہ فوجی ایکشن لیا گیا وہ نہ صرف انتہائی غیر اخلاقی تھا بلکہ سیاسی فہم و فراست سے بھی قطعاً مبرا تھا۔

عام معافی کا اعلان

اب ہم بھارت چلے جانے والوں کے لئے عام معافی کی پیش کش کے اعلان پر گفتگو کریں گے اس سلسلے میں ہم پہلے بھی یہ حوالہ دے چکے ہیں کہ عام معافی کی پیشکش کے اس اعلان کا کوئی خاطر خواہ اور مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا جس کے اسباب ہمارے کنٹرول سے قطعاً باہر تھے تاہم چند اسباب ایسے بھی تھے جو ہمارے ہی خود ساختہ تھے۔ اول تو یہ کہ عام معافی کا یہ اعلان انتہائی تاخیر سے کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ جو شرائط وابستہ کی گئی تھیں انہوں نے اسے بے معنی بنا کر رکھ دیا تھا...... اس اعلان کی رو سے یہ تو کہا گیا تھا کہ وہ تمام افراد جنہوں نے مملکت کے خلاف یا اسی نوعیت کی دیگر تخریب کارانہ سرگرمیوں میں حصہ لیا تھا انہیں عام معافی دے دی جائے گی لیکن اس کے برعکس ان لوگوں کے لئے عام معافی کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا جن پر معمولی جرائم کے ارتکاب کا الزام تھا! نظریاتی اعتبار سے تو یہ امتیاز قابل فہم نظر آتا ہے لیکن اگر اسے حالات اور واقعات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ دیکھا جائے تو تمام متعلقہ افراد ملک کے تعزیری قوانین کی روشنی میں یکساں طور پر جرائم کے مرتکب ہوئے تھے چنانچہ جس طریقے سے عام معافی کے اعلان پر عمل درآمد کیا گیا وہ اس حقیقت کا بین ثبوت تھا۔ اسکریننگ کمیٹیاں قائم کی گئیں جنہوں نے ان تمام افراد کو تین کیٹگریز میں تقسیم کر دیا یعنی (1) سیاہ (2) سفید اور (3) بھورے۔

اس تھیوری کے مطابق و شواہد اس کمیشن کے روبرو پیش کیے گئے ہیں وہ انتہائی مبہم تھے ہماری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ کون سا معیار تھا جس کی بنیاد پر یہ درجہ بندی کی گئی تھی اگر بھارت مشرقی پاکستان سے فرار ہو کر آنے والے لوگوں کو واپس جانے سے نہ روکتا، جب بھی اس نوعیت کی درجہ بندی کے سبب یہ لوگ کبھی بھارت سے واپس نہ آتے۔

(2) بریگیڈیئر عبدالقادر خان نے (گواہ نمبر 243) جو انٹرسروسز اسکریننگ کمیٹی کے سربراہ تھے ہمیں اس نوعیت کی اسکریننگ کی تمام تفصیلات دی ہیں، اپنے تحریری بیان میں وہ کہتے ہیں۔

مشن

''جنرل ہیڈکوارٹر کے لیٹر نمبر''

2721/77/2/EP/GSI

مورخہ...... 14 مئی 1971ء کے مطابق انٹر سروسز اسکریننگ کمیٹی (F1) کو سونپا جانے والا مشن یہ تھا:-

''مسلح افواج' مجاہدین' انصار' پولیس' سویلین اور بھارتی سویلین / آرمی / بارڈر سیکورٹی فورس کے ان افسران اہل کاروں سے جو مشرقی پاکستان میں آرمی کی حراست میں ہیں' تفصیلی پوچھ گچھ اور تفتیش کی جائے......

''اسکریننگ کمیٹی کا دائرہ کار''

(2) انٹر سروسز اسکریننگ کمیٹی کو تفویض کیے گئے مشن کے مطابق درج ذیل امور کا تعین کرنا تھا۔

(الف) زیر حراست افراد کو مختلف درجہ بندیوں کے تحت تقسیم کرنا:-

(ب) کیا ایسا کوئی منصوبہ یا سازش تیاری کی گئی تھی جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں عام بغاوت نے جنم لیا؟......اس حوالے سے ایسٹ پاکستان رائفلز کے یونٹوں / عناصر' پولیس اور سرکاری حکام کے کردار کا تعین:-

(ج) اس بغاوت میں' غیر ملکی تعاون اور حمایت کا سراغ لگانا:-

(د) یکم مارچ سے /25 مارچ 1971ء کے درمیانی عرصے میں' عوامی لیگ کی جانب سے متوازی حکومت کے قیام کا منصوبہ:-

(ہ) مسلح افواج سے تعلق رکھنے والے مشرقی پاکستانیوں کی جانب سے کی جانے والی تخریب کاری کی سرگرمیوں کے اسباب اور ان کی حدود کا تعین:-

(و) ان مظالم اور زیادتیوں کی تفصیلات جو غیر مقامیوں / مغربی پاکستانی افواج اور فوجی اہل کاروں پر' مشرقی پاکستانیوں کی جانب سے روا رکھی گئیں۔

(ز) مشرقی پاکستان میں مقیم ان معروف شہریوں اور فوجی اہل کاروں کی تفصیلات جو حکومت کے وفادار تھے اور جنہوں نے غیر مقامی افراد اور مسلح افواج کے اہل کاروں کی جانیں بچائیں۔

(ح) ان مشکوک افراد' باغیوں اور علیحدگی پسندوں کی تفصیلات جن سے تفتیش کی جانی تھی لیکن جو فرار ہو چکے ہیں۔

''زیر حراست افراد کی درجہ بندی''

(3) اس سلسلے میں تین بنیادی درجہ بندیاں کی گئی تھیں یعنی (1) سیاہ (2) بھورے اور (3) سفید۔ ان میں سے بھی ہر درجہ بندی کے الگ الگ گریڈ مقرر کئے گئے تھے جن کی بابت درج ذیل اصولوں کی بنیاد پر فیصلے کئے جانے تھے۔

(الف) سیاہ:-

(1) مستقل' گہرے سیاہ:

باغیوں / علیحدگی پسندوں اور منصوبہ سازی کے شعبے سے تعلق رکھنے والے ایسے ذہین مگر سازشی افراد جو سوسائٹی اور ملک کی یکجہتی کے لئے ہمیشہ سے ایک خطرہ بنے ہوئے تھے:

(2) گہرے سیاہ:- مستقل

گہرے سیاہ افراد کے وہ بااعتماد پیروکار جو آخر وقت تک ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور سوسائٹی اور ملک کی یک جہتی کے لئے ایک سنگین خطرہ تھے۔

(3) سیاہ:-

وہ فوجی اہلکار جو بعد میں سروسز کے لئے قابل قبول نہیں رہے تھے اور معاشرے کے آزاد اور پر امن شہریوں کی حیثیت سے جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

(ب) ''بھورے''

(1) گہرے بھورے:-

ایسے افراد جو جذبات کی رو میں بہہ کر اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور جنہیں فوجی ملازمتوں سے برطرف کرنا ضروری ہے تاہم ضروری ضمانتوں کے حصول کے بعد سوسائٹی ایسے افراد کو قبول کر سکتی ہے' بہر کیف ان کی کڑی نگرانی ضروری ہوگی۔

(2) بھورے اور

(3) ہلکے بھورے / سفیدی مائل بھورے:-

ان کے خلاف انتظامی کارروائی اور اقدام ضروری ہے تاہم چند معاملات میں انہیں فوجی ملازمتوں اور سوسائٹی میں قبول کیا جاسکتا ہے لیکن انہیں لڑاکا فوج میں شامل نہیں کیا جائے گا' ان میں سے بیشتر کی مختصر عرصے کے لئے کڑی نگرانی ضروری ہے۔

(ج) سفید:-

وہ جن کے خلاف کوئی الزام نہیں ہے' ایسے افراد سوسائٹی کے آزاد اور پرامن شہریوں کی حیثیت سے قابل قبول ہوں گے!

(4) ان زیر حراست اہل کاروں اور افراد کی متعدد درجہ بندیوں اور گریڈ کا تعین' درج ذیل' اہم بنیادوں کے حوالے سے کیا گیا تھا:-

(الف)

(1) مستقل' گہرے سیاہ:

(i) عوامی لیگ کے سول اور فوجی شعبوں میں منصوبہ سازی کرنے والے اراکین۔

(ii) ایسے افسران جو مسلح باغیوں کی رہنمائی یا کمان کر رہے تھے۔

(iii) ایسے افراد جنہوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لئے بغاوت کی منصوبہ بندی کی تھی۔

(2) گہرے سیاہ:

(i) مستقل گہرے سیاہ افراد کے قریبی ساتھی اور پیروکار

(ii) جو ہر قیمت پر باغیوں اور علیحدگی پسندوں کے لیڈروں کے نقش قدم پر چلنے کے لئے پوری طرح کمر بستہ تھے۔

(iii) ایسے افراد جنہوں نے بغاوت کی منصوبہ سازی اور اسے منظم کرنے میں عملی طور پر حصہ لیا۔

(iv) پاکستان کی مسلح افواج کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور ان پر گولیاں چلائیں یا انہیں قتل کیا۔

(v) ایسے افراد جنہوں نے غیر ملکی فوجوں / بیرونی ملک یا اس کے کسی ایجنٹ کو خفیہ

اطلاعات اور معلومات بہم پہنچائیں۔

(vi) ایسے افراد جنہوں نے غیر ملکی فوج یا کسی غیر ملکی سے کوئی مواد یا کسی بھی قسم کی مدد حاصل کی۔

(vii) اپنے افسر بالا کو ہلاک کیا۔

(viii) ایسی حرکت کے مرتکب ہوئے جس کا مقصد مسلح افواج کی وفاداری اور ملک کی یک جہتی و سلامتی کو گزند پہنچانا تھا۔

(3) سیاہ:-

(i) وہ افراد جنہوں نے مسلح افواج یا حکومت کی کسی بھی جائیداد کو تباہ کیا:

(ii) غیر مقامیوں کو ہلاک کیا:

(iii) سبوتاژ' آتش زنی' لوٹ مار' زنا بالجبر اور قتل و غارت جیسے بھیانک جرائم کے مرتکب ہوئے۔

(iv) دانستہ یا بالارادہ' کسی بھی طریقے سے باغیوں کی اعانت کے جرم میں ملوث ہوئے۔

(ب) بھورے:-

(1) گہرے بھورے......

ایسے افراد جنہوں نے (i) دانستہ اور بالارادہ مسلح افواج کی نقل و حرکت اور ان کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کیں:-

(ii) کسی ایسے عمل کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجے میں مسلح افواج یا سرکاری اہل کاروں کی اہانت ہوئی یا ان میں عدم وفاداری کے جذبات پیدا ہوئے۔

(iii) عوامی لیگ کی تحریک عدم تعاون میں شریک ہوئے۔

(iv) اپنے افسران بالا کو تحفظ کی فراہمی میں ناکام رہے۔

(v) غیر مقامی افراد کے قتل میں شامل تھے۔

(2) بھورے:-

(i) ایسے افراد جو بغاوت کے منصوبے سے پوری طرح آگاہ تھے تاہم اپنے افسران بالا اور حکومت کو بغاوت کے اس منصوبے سے لاعلم رکھا۔

(iv) پاکستان کی مسلح افواج کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور ان پر گولیاں چلائیں یا انہیں قتل کیا۔

(v) ایسے افراد جنہوں نے غیر ملکی فوجوں / بیرونی ملک یا اس کے کسی ایجنٹ کو خفیہ اطلاعات اور معلومات بہم پہنچائیں۔

(vi) ایسا فراد جنہوں نے غیر ملکی فوج یا کسی غیر ملک سے کوئی مواد یا کسی بھی قسم کی مدد حاصل کی۔

(vii) اپنے افسر بالا کو ہلاک کیا۔

(viii) ایسی حرکت کے مرتکب ہوئے جس کا مقصد مسلح افواج کی وفاداری اور ملک کی یک جہتی و سلامتی کو گزند پہنچانا تھا۔

(3) سیاہ:-

(i) وہ افراد جنہوں نے مسلح افواج یا حکومت کی کسی بھی جائیداد کو تباہ کیا:

(ii) غیر مقامیوں کو ہلاک کیا:-

(iii) سبوتاژ، آتش زنی، لوٹ مار، زنا بالجبر اور قتل و غارت جیسے بھیانک جرائم کے مرتکب ہوئے۔

(iv) دانستہ یا بالارادہ، کسی بھی طریقے سے باغیوں کی اعانت کے جرم میں ملوث ہوئے:

(ب) بھورے:-

(1) گہرے بھورے......

ایسے افراد جنہوں نے (i) دانستہ اور بالارادہ مسلح افواج کی نقل و حرکت اور ان کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کیں:-

(ii) کسی ایسے عمل کے مرتکب ہوئے جس کے نتیجے میں مسلح افواج یا سرکاری اہل کاروں کی اہانت ہوئی یا ان میں عدم وفاداری کے جذبات پیدا ہوئے۔

(iii) عوامی لیگ کی تحریک عدم تعاون میں شریک ہوئے۔

(iv) اپنے افسران بالا کو تحفظ کی فراہمی میں ناکام رہے۔

(v) غیر مقامی افراد کے قتل میں شامل تھے۔

(2) بھورے:-

(i) ایسے افراد جو بغاوت کے منصوبے سے پوری طرح آگاہ تھے تاہم اپنے افسران بالا اور حکومت کو بغاوت کے اس منصوبے سے لاعلم رکھا۔

(ii) دوسروں کو اس بات کے لئے اکسایا یا ترغیب دی کہ وہ اپنی سرکاری ذمہ داریں اور فرائض کو چھوڑ کر علیحدگی پسند باغیوں کی تحریک میں شامل ہو جائیں۔

(iii) مزاحمت کرنے والے باغیوں کے کسی اجلاس میں شریک ہوئے۔

(iv) اپنے افسران بالا کے تحفظ میں ناکام رہے۔

(v) مسلح افواج اور سرکاری اہلکاروں نیز ایجنسیوں کو ضروری اشیاء اور سہولتوں کی فراہمی میں ناکام رہے۔

(vi) اسلحے سمیت فوج سے فرار ہو گئے۔

(3) ہلکے بھورے / سفیدی مائل بھورے:-

(i) ایسے افراد جنہوں نے رضاکارانہ طور پر ہتھیار ڈال دیئے تھے اور "سیاہ افراد" کی درجہ بندی کے تحت کئے جانے والے کسی عمل اور حرکت میں ملوث نہیں پائے گئے۔

(ii) جنہیں زبردستی باغیوں کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کیا گیا تھا۔

(iii) جنہوں نے لوٹ مار میں انفرادی طور پر حصہ تو لیا تاہم وہ کسی منظم بغاوت میں شریک نہیں رہے۔

(iv) جو اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر رہے۔

(v) اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون "بی" کی ہدایات کے باوجود اپنی ڈیوٹی پر واپس آنے میں ناکام رہے۔

(vi) غیر دانستہ طور پر علیحدگی پسندوں کی تحریک عدم تعاون کی حمایت اور پروپیگنڈے میں ملوث ہو گئے۔

(vii) اسلحہ چھوڑ کر فوج سے فرار ہو گئے۔

(viii) کسی ایسے عمل میں شریک ہوئے جو امن عامہ کے مفادات کے خلاف تھا۔

(ix) سرکاری جائیداد کی حفاظت میں ناکام رہے۔

(ج) سفید:-

(1) وہ افراد جو کسی ریاست مخالفت یا باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث نہیں پائے گئے۔

(2) جو رخصت پر تھے اور مروجہ حالات کے سبب اپنی اپنی ڈیوٹی پر واپس نہیں آ سکے۔

(3) جنہیں شرپسند عناصر یا باغیوں نے زبردستی غیر قانونی حرکات کے لئے مجبور کیا......

(4) جنہوں نے شرپسند عناصر اور باغیوں کی جانب سے مجبور کئے جانے کے نتیجے میں مسلح افواج کے راستوں اور نقل و حرکت میں رکاوٹیں پیدا کیں۔

(5) جو باغیوں اور شورش پسند عناصر کی جانب سے اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر رہنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔

(6) جنہیں باغیوں اور شرپسندوں نے مجبور کر دیا کہ وہ مسلح افواج اور سرکاری اہل کاروں کو ضروری اشیاء خدمات اور معمول کی سہولتیں فراہم نہ کریں۔

(7) کسی غیر قانونی اجتماع میں تماشائی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

(8) غیر دانستہ طور پر یا لاعلمی کے باعث' کرفیو آرڈر کی تعمیل میں ناکام رہے۔

توثیقی اختیارات

(5) مندرجہ بالا درجہ بندیوں اور گریڈنگ کی توثیق اور تصدیق کی غرض سے حسب ذیل کو متعلقہ اختیارات دیئے گئے تھے۔

(الف) سفید: کمانڈرز انٹر سروسز اسکریننگ کمیٹی

(ب) بھورے:

(1) مسلح افواج کے اہل کار: کمانڈر ایسٹرن کمانڈ

(2) سویلین: جی ایم جی جنرل' سول افیئرز (ہیڈکوارٹرز مارشل لاء اتھارٹی زون "بی")

صدر پاکستان کی جانب سے مشرقی پاکستان میں عام معافی دینے کے حتمی اختیارات یکم اکتوبر 1971ء کو گورنر مشرقی پاکستان کو تفویض کئے گئے تھے۔

(ج) سیاہ:-

(1) سویلین: گورنر مشرقی پاکستان اپنے نامزد کردہ کسی فرد کی اعانت سے:-

(۲) آرمڈ فورسز پر سول جی ایچ کیو:-

(۳) اس کمیٹی کے مقاصد سے متعلق نہایت تفصیلی بیان سننے کے باوجود ہم اس سے متاثر نہیں ہوئے نہ ہی ہمارے سابقہ موقف میں کوئی تبدیلی ہوئی۔

درحقیقت انہوں نے اپنے بیان حلفی میں ایک دلچسپ انکشاف بھی کیا ہے اس سلسلے میں درج ذیل عبارت قابل غور ہے۔

"لیگل ایڈوائزر: آپ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ہتھیار ڈالنے والوں اور عام معافی دیئے جانے والوں کی چھان بین بھی کی جانی چاہئے تھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمل عام معافی کے بنیادی مقاصد ہی کے منافی تھا جن لوگوں سے ایک بار ہتھیار ڈلوا دیئے گئے ان سے مزید چھان بین کا کوئی جواز نہیں تھا۔ یقیناً اس سے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہوا ہوگا۔

گواہ: یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ عام معافی کی پیشکش اسی وجہ سے مؤثر ثابت نہیں ہو سکی۔

رکن نمبر 1: یہ بہت سی وجوہات میں سے ایک ہے تاہم آپ کو ان لوگوں کی چھان بین کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

گواہ: مجھے ان لوگوں کی چھان بین تو کرنا ہی تھی کیونکہ ان میں سے بعض افراد ایسے بھی تھے جن کے اپنے سابقہ عہدوں پر بحال کئے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا تاہم اس معاملے میں تفصیلی چھان بین کی کوئی ضرورت اس لئے بھی نہیں تھی کہ یہ کام دراصل ایف آئی سی کا تھا۔

(۴) چنانچہ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عام معافی کے اعلان میں تاخیر کی گئی۔ غلط اندازوں اور بددیانتی سے کام لیا گیا اور مجموعی اعتبار سے اس پر عملدرآمد میں گڑبڑ کی گئی لہٰذا اس قسم کے اعلان سے مفید نتائج کے حصول کی توقع ہی فضول تھی۔

✿✿✿

ضمنی انتخابات

اسی دوران مشرقی پاکستان کی بعض اہم سیاسی شخصیات سے کسی ممکنہ سمجھوتے اور تصفیے کے امکانات سے مایوس ہوجانے کے بعد جعلی انتخابات کا ڈھونگ رچایا گیا۔ ایسے امیدواروں کی فہرستیں خاص طور پر جنرل راؤ فرمان علی کی ہدایات اور نگرانی میں تیار کی گئیں جو مختلف پارٹیوں کے ٹکٹ پر ان ضمنی انتخابات میں حصہ لینے پر رضامند ہوچکے تھے۔ چنانچہ بیشتر حلقوں سے امیدوار بلا کسی مقابلے کے منتخب ہوگئے اس کے علاوہ ان چند نشستوں پر بھی انتخابات کی کوششیں آخر وقت تک جاری رہیں جو اس وقت تک خالی پڑی تھیں تاہم یہ تمام کوششیں بری طرح ناکامی سے دوچار ہوگئیں۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں کسی قسم کے سیاسی مذاکرات ممکن نہیں تھے لہٰذا ایک ہی صورت تھی کہ حکومت اپنا من مانا حل مسلط کردیتی جو کسی بھی طور قابل قبول نہیں ہوسکتا تھا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مقصد صرف انتخابات منعقد کرانا ہی نہیں تھا بلکہ امیدواروں کو منتخب کرنے کی ذمہ داری بھی میجر جنرل راؤ فرمان علی کے سپرد کی گئی تھی۔ مظفر حسین کا بیان ہے:

"آرمی کے ذریعے ضمنی انتخابات کے حوالے سے امیدواروں کی چھان بین کرنے میں یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ عوام اس بات کا یقین کرلیں کہ یحییٰ خان انتخابات پر مکمل کنٹرول رکھنا چاہتے تھے چنانچہ جنرل فرمان علی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ایم این اے اور ایم پی اے کی نشستوں کے امیدواروں کے انٹرویو کریں۔

بہرطور! جنرل نے مظر حسین سے اس معالے پر گفتگو کی تردید کی اور ایک طویل وضاحت پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اصل حقیقت کیا تھی ہمارا خیال ہے کہ ان کے بیان حلفی سے ایک اقتباس یہاں درج کرنا مفید ہوگا۔

گواہ: انہیں اسی وقت مجھے بتا دینا چاہئے تھا کہ ان کی اس معاملے میں کیا رائے ہے۔ میں عام انتخابات کے دنوں سے بات شروع کرتا ہوں کہ صورتحال کیا تھی انتخابات سے قبل میرا پاکستان نواز جماعتوں سے قریبی رابطہ تھا ان کا دعویٰ تھا کہ وہ میرا احترام کرتی ہیں ان عام انتخابات میں' میں ان پارٹیوں کو کسی مشترکہ پلیٹ فارم پر رضامند نہ کرسکا کیونکہ میرا موقف اتنا

مضبوط نہیں تھا تاہم فوجی ایکشن کے بعد مجھے ان جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ رابطے قائم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی میں ان سب کو پہلے سے جانتا تھا چنانچہ میں نے ان کی ہر ممکن مدد کی سیاسی رہنماؤں کو اپنے اپنے حلقہ انتخابات میں جان پہچان کی شدید ضرورت ہوتی ہے اور جو کچھ میں کرسکتا تھا دوسروں سے بھی ایسا کرنے کو کہہ دیا کرتا تھا۔ جب انتخابات قریب آئے تو صورتحال یہ تھی کہ فوج کی توجہ امن وامان برقرار رکھنے کی جانب مبذول ہوگئی کیونکہ اس وقت امن وامان کی صورتحال کافی خراب تھی آرمی کی مدد کے بغیر الیکشن کمیشن کام نہیں کرسکتا تھا حبیب الرحمٰن صاحب نے جو وہاں ڈپٹی الیکشن کمشنر تھے مجھے پولنگ بوتھوں کے قیام اور ان کے انتظام میں مدد دینے کو کہا کیونکہ پولنگ بوتھ اس انداز سے نہیں بنائے جاسکتے تھے جیسے عام حالات میں بننے چاہئیں چنانچہ ان کے لئے ایسے علاقے منتخب کئے گئے جہاں قانون نافذ کرنے والے ادارے بروقت پہنچ سکتے تھے۔

رکن نمبر 1: یہ تو آپ کی ذمہ داریوں کا تقاضا تھا۔

گواہ: یہ تو اس کا صرف ایک پہلو تھا دوسرا پہلو یہ تھا کہ مجھے صدر کی جانب سے یہ مشن سونپا گیا تھا کہ انتخابات منعقد کراؤں۔ میں جانتا تھا کہ امن وامان کی مروجہ صورتحال اور جذباتی ماحول کے باوجود آزاد امیدواروں کے لئے اب بھی یہ ممکن تھا کہ دیگر پارٹیوں کے متحد نہ ہونے کی صورت میں وہ منظر عام پر آسکیں لہٰذا ہم نے کسی بھی آزاد امیدوار کو انتخابات میں حصہ لینے سے نہیں روکا عوامی لیگ آزاد امیدواروں کے ذریعے انتخابات میں حصہ لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ کسی نے بھی اس کو ایسا کرنے سے نہیں روکا۔

صدر: کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کا مقصد ان آزاد امیدواروں کو بلا مقابلہ منتخب کرانا تھا۔

گواہ: ایسے علاقوں میں جہاں امن وامان کی صورتحال کے پیش نظر انتخابات نہیں ہوسکتے تھے کیونکہ یہ علاقے مکمل طور پر مکتی باہنی کے زیر اثر تھے مثال کے طور پر شمال باریسال کے جنوب اور سلہٹ کے کئی علاقے اس کے باوجود کہا گیا کہ وہاں بھی انتخابات ہونے چاہئیں سیاسی رہنما روزانہ مل کر باہمی اختلافات طے کرنے کی کوشش کررہے تھے میں ان پر اپنی رائے مسلط نہیں کرسکتا تھا تاہم انہیں قائل کرنے کی کوشش ضروری کی جس سے مجھے انکار نہیں ہے کہ اگر انہوں نے عام انتخابات کی طرح ان انتخابات میں حصہ لیا تو آزاد امیدوار انہیں ہرا دیں گے دوسرے یہ کہ وہ علاقے جہاں امن وامان کی صورتحال ٹھیک نہیں تھی وہاں وہ اپنے ایک متفقہ

امیدوار کو نامزد کردیں۔

رکن نمبر 1: لیکن آپ نے آزاد امیدوار نامزد کئے آپ نے چیف سیکرٹری کے خیالات بھی سنے ہم آپ کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ کچھ ایم این اے، ایم پی اے اور سول افسروں نے بھی اسی قسم کے بیانات دیئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تمام امیدوار آپ کے پسندیدہ اور منتخب کردہ تھے۔

گواہ: جناب یہ درست نہیں ہے۔

رکن نمبر 1: ایک ایس پی کے بقول ان امیدواروں کو اس مقصد سے آپ کے پاس بھیجا گیا تھا۔

گواہ: بالکل غلط اگر وہ ایس پی میرے سامنے یہ کہہ دے تو پھر آپ میرے کے خلاف جو چاہیں کررروائی کر سکتے ہیں۔

رکن نمبر 1: آپ اصل واقعہ بیان کیجئے!

گواہ:۔ میں نے تمام سیاسی جماعتوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جو امیدواروں کی ایک مخصوص تعداد پر باہم متفق ہو گئیں بس صرف اس طریقے سے میں نے ان کی مدد کی تھی مثال کے طور پر میں نے انہیں گزشتہ عام انتخابات کے تجزیئے کے ساتھ ساتھ مختلف سیاسی جماعتوں کو فیصدی بنیاد پر ملنے والے ووٹوں کی تعداد سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ ان انتخابات میں سیاسی جماعتوں کی کارکردگی کا کیا معیار تھا۔ مثال کے طور پر عوامی لیگ کے بعد جماعت اسلامی، دوسری اکثریتی پارٹی تھی جس نے پندرہ فیصد ووٹ حاصل کئے تھے۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ میرے تعلقات سیاسی رہنماؤں سے بہت اچھے تھے جو کہتے تھے کہ وہ میرا بے حد احترام کرتے ہیں بہر صورت مجھے نہیں معلوم کہ واقعی ایسا تھا یا نہیں۔

صدر: تو یوں کہئے کہ آپ نے فیصلہ تجویز کر دیا جسے انہوں نے فوری طور پر قبول کر لیا۔

گواہ: ہاں یہ کہا جا سکتا ہے تاہم فیصلہ انہوں نے خود ہی کیا تھا۔

صدر: اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ بادشاہ گر تھے۔

گواہ: جب کسی کے خلاف الزامات عائد کر دیئے جائیں تو اس کے لئے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنا خاصا مشکل کام ہوتا ہے تاہم میں پوری ایمانداری سے کہتا ہوں کہ میں نے کسی پر بھی ناجائز دباؤ نہیں ڈالا۔

صدر: ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا آپ کو فی الواقعی اس بات پر یقین تھا کہ جو سیاسی حل آپ کے یا صدر پاکستان کے ذہن میں تھا وہ واقعی قابل عمل بھی تھا کیونکہ عام انتخابات ہو چکے تھے اور وہ تمام لوگ جنہیں آپ آگے لائے تھے ان انتخابات میں پہلے ہی ناکام ہو چکے تھے اب آپ ضمنی انتخابات کے ذریعے ان ناکام افراد کو دوبارہ سامنے لا کر عوام کے سروں پر مسلط کرنا چاہتے تھے کیا آپ ایسے افراد کو منتخب شدہ کہہ سکتے ہیں۔

گواہ: جناب! یہ نکتہ میں نے پہلے بھی اٹھایا تاہم بدقسمتی سے تمام سیاسی جماعتیں اسی صورتحال پر رضامند ہو چکی تھیں۔

ہمارے خیال کے مطابق یہ حقیقت بخوبی واضح تھی کہ یہ انتخابات ہر اعتبار سے جعلی تھے چنانچہ یہ توقع رکھنا کہ ان انتخابات میں نام نہاد کامیاب امیدواروں سے سیاسی مذاکرات کے نتیجے میں کوئی سودمند تصفیہ ہو سکتا تھا محض خام خیالی ہے تاہم ہمیں افسوس ہے کہ ہم محض خام خیالی پر مبنی اس نکتے کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ جنرل یحیٰی خان پہلے ہی یہ اعلان کر چکے تھے کہ وہ ایک آئینی مسودہ تیار کروا رہے ہیں اور منتخب ہونے والے نئے ارکان صرف قانون ساز اسمبلی کے اراکین تصور ہوں گے چنانچہ آئین سازی کے عمل میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا ہمیں علم ہے کہ دراصل جنرل یحیٰی خان نے ایک آئین تیار بھی کرا لیا تھا جسے اشاعت کے لئے پریس کو بھیج دیا گیا تھا تاہم کسی تنقیح کی غرض سے اسے آخری لمحوں میں واپس لے لیا گیا تھا اس معاملے پر ہم نے اصل رپورٹ کے باب ہفتم حصہ دوم میں تفصیلی تبصرہ کیا ہے خاص طور پر صفحہ 126 سے 128 کے پیراگراف دس سے پندرہ تک، ضمنی انتخابات کے بارے میں اس کے سوا مزید کچھ کہنا قطعاً غیر ضرورتی ہے کہ ایک سیاسی حل کی تلاش کے لئے کسی بھی قسم کے مؤثر اقدامات نہیں کئے گئے تھے۔

✿✿✿
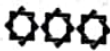
قومی دفاع کا عسکری نظریہ

اس معاملے پر ہم اصل رپورٹ میں پہلے ہی کچھ تفصیل دے چکے ہیں جس میں ہم نے اس بات کی نشاندہی کی تھی کہ اگرچہ 9 اگست 67ء کو جاری کئے گئے جنگی ہدایت نامے نمبر 4 پر جولائی 17ء میں نظرثانی کی ایک لاحاصل کوشش کی گئی تھی تاہم بھارت اور سوویت یونین میں باہمی دفاع کے معاہدے مشرقی پاکستان میں مکمل تبدیل ہوتی ہوئی صورتحال' مقامی لوگوں کے تبدیل شدہ رویے اور بغاوت پر قابو پانے کے لئے آپریشنز میں پاک فوج کے مسلسل ملوث ہونے جیسے حالات کی روشنی میں اس پر عمل نہیں کیا جاسکا اور یہ بنیادی تصور کہ ''مشرقی پاکستان کا دفاع' مغربی پاکستان سے کیا جائے گا'' ہمارے تمام سطح کے فوجی کمانڈروں کے ذہنوں پر مسلسل مسلط رہا۔

نئے فوجی اور سیاسی حالات میں یہ ضروری ہوگیا تھا جس کی ہم نے نشاندہی بھی کی ہے کہ 1967ء کے جنگی ہدایت نامے نمبر 4 پر نظر ثانی کی شدید ضرورت تھی جو نہیں کی گئی اس حقیقت کے باوجود اگست 1971ء میں جنرل ہیڈ کوارٹرز اور بحریہ ہیڈکوارٹرز نے ان میں سے کچھ ہدایات پر نظرثانی کی تجویز بھی دی تھی۔

لیفٹیننٹ جنرل اے اے کے نیازی اس روایتی موقف کے پرزور حامی تھے کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان کی طرف سے ہوگا تاہم اس موقف میں تبدیلی آچکی تھی کیونکہ دشمن اب مشرقی پاکستان کے اردگرد تقریباً 8 ڈویژن فوج تعینات کر چکا تھا اور مزید تین یا چار ڈویژن فوج تیار حالت میں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ دشمن مغربی پاکستان پر کبھی حملہ نہیں کرے گا اس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی اس لئے وہاں افواج کا تناسب تقریباً یکساں تھا اور اس یقین کی وجہ سے انہوں نے جی ایچ کیو والوں سے استدعا کی براہ مہربانی جنگ مت شروع کیجئے دشمن آپ پر حملہ نہیں کرے گا وہ کھلی جنگ کے لئے نہیں نکلے گا وہ بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ جب ان کے چیف آف اسٹاف اور جنرل جمشید نے 15 نومبر 1971ء کو جی ایچ کیو کا دورہ کیا تھا تو انہوں نے تحریری اور زبانی طور پر بھی اس درخواست کا اعادہ کیا تھا بدقسمتی سے ایسی کوئی تحریر

دستیاب نہیں ہوئی۔ جنرل جمشید نے بھی اس کی تصدیق نہیں کی اور اپنی گواہی میں ایسی کسی استدعا کا ذکر نہیں کیا۔

لیفٹیننٹ جنرل نیازی یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ مشرقی کمان کو 11 نومبر 69ء کے پاک آرمی کے جاری کردہ احکامات کے تحت دیئے گئے مشن میں وقتاً فوقتاً زبانی سگنل اور دیگر طریقوں سے تبدیلیاں کی گئی تھیں درحقیقت انہوں نے یہاں تک اصرار کیا کہ انہیں جو نئے کام اور ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں ان کی وجہ سے درج بالا حکم بیکار ہو چکا تھا کیونکہ متعدد ٹروپس کی تعداد بھی تبدیل ہوگئی تھی لہٰذا حکم کا اطلاق ممکن ہی نہیں تھا۔

جنرل نیازی کو گیارہ یا بارہ جنرلوں پر فوقیت دے کر منتخب کیا گیا

1971ء میں صورتحال ایسی لگتی تھی کہ دونوں فلیگ آفیسر' مشرقی پاکستان میں کمانڈنگ اور ریئر آفیسر کمانڈنگ براہ راست اپنے متعلقہ کمانڈر انچیف کے ماتحت کام کرتے تھے تاہم انہیں کمانڈر ایسٹرن کمانڈ سے رابطے اور تعاون کی ہدایت کی گئی تھی۔

اس لئے جنرل نیازی کے اس موقف میں وزن ہے کہ اس کے باوجود کہ ایسٹرن کمانڈ ہیڈکوارٹرز اور آرمی ہیڈکوارٹرز میں فضائی فاصلہ 3 ہزار میل تک بڑھ گیا تھا کیونکہ بھارتی فضائی علاقہ پر سے پروازیں بند ہوگئی تھیں مگر ان کی پوزیشن اب بھی تبدیل نہیں ہوئی تھی کیونکہ رابطے کی خفیہ اور کھلی لائنیں آخر وقت تک دستیاب تھیں۔

تکنیکی اعتبار سے جنرل نیازی درست معلوم ہوتے ہیں کہا جاتا ہے وہ تھیٹر کمانڈر نہیں تھے نہ ہی انہیں کبھی ایسی ذمہ داری سونپی گئی تھی تاہم ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کم از کم 3 دسمبر 1971ء سے آخر تک تھیٹر کمانڈر کے تمام اختیارات' ان کے پاس تھے حتیٰ کہ اعلیٰ کمان کو بھی ان سے یہی توقع تھی کہ وہ یہ کردار ادا کریں چنانچہ ان کی جگہ ان کے عہدے کے برابر کسی اور کمانڈر کے تقرر کا امکان بھی نہیں رکھا گیا۔

اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ خود جنرل نیازی کے بقول ان کو اس عہدے کے لئے گیارہ یا بارہ جنرلوں پر فوقیت دے کر منتخب کیا گیا تھا یہ جنرل عہدے یا کم از کم سروس کے اعتبار سے ان کے سینئر تھے۔

وہ لوگ جو اس وقت جنرل نیازی کے انتخاب کے ذمہ دار تھے مشرقی پاکستان کی

صورتحال سے مکمل طور پر آگاہ تھے یا نہیں آگاہ ہونا چاہئے تھا بھارت کی طرف سے عوامی لیگ کی بغاوت کی تحریک کی بالواسطہ مدد کی جا رہی تھی۔ براہ راست بھارت کی مداخلت کا خدشہ بڑھ رہا تھا اور اس کی جانب سے کھلی جارحیت کا اندازہ لگا لیا گیا تھا۔ 1971ء کی آپریشنل ہدایات نمبر 3 جنرل نیازی نے خود جولائی 1971ء میں جاری کی تھیں جس سے یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ایسٹرن کمانڈر کو بھارت کے ساتھ کھلی جنگ لڑنے کے لئے تیار کیا جا چکا تھا چنانچہ یہ یقین کرنا ذرا مشکل ہے کہ جنرل نیازی یہ جواز کیسے پیش کر سکتے ہیں کہ وہ صرف جی ایچ کیو کے حکم پر عمل کرتے تھے اور ایک کھلی جنگ کے منصوبے اور آزادانہ فیصلے کرنے کے سلسلے میں ان پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔

جنرل نے 1969ء کے احکامات کو کبھی پڑھنے تک کی زحمت گوارا نہیں کی

ہمارے خیال میں رسمی طور پر جنرل نیازی تھیٹر کمانڈر مقرر نہیں کئے گئے تھے تاہم جنگ کے آخری مرحلے میں بلاشبہ ان سے یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ ضرورت پڑنے پر آزادانہ طور پر جنگ کنٹرول کرنے کی مجموعی ذمہ داری قبول کر لیں گے! تھیٹر کمانڈر اور دور دراز تھیٹر میں تعینات آزاد کور کمانڈر میں فرق حقیقی معنوں میں تکنیکی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ تھیٹر کمانڈر کے پاس بحریہ اور فضائیہ پر کنٹرول کا براہ راست اختیار ہوتا ہے اس وقت مشرقی پاکستان کی صورتحال میں اس فرق کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

لہٰذا اس کی روشنی میں ہمیں دوران جنگ ان کے رویے کا اندازہ لگانے کا موقع ملا نیز ہتھیار ڈالنے کے حتمی فیصلے کا بھی اندازہ ہوا۔

کمانڈر ایسٹرن کمان کی حیثیت سے ان کے مشنوں اور کام سے متعلق ان کے اپنے تصور کے بارے میں ہم اگلے باب میں مزید کچھ کہیں گے تاہم یہاں یہ کہنا کافی ہوگا کہ جنرل نے 1969ء کے احکامات کو کبھی پڑھنے تک کی زحمت گوارا نہیں کی۔ بقول ان کے یہ اب پرانے ہو چکے تھے جب کبھی حکم نامے کی کوئی کاپی ان کو دکھائی گئی تو انہوں نے اسے دیکھنے سے بھی انکار کر دیا ان میں سے کچھ حکم نامے انہیں سنائے گئے تاہم آخر میں انہوں نے یہ بات تسلیم کر لی کہ انہیں سنائے گئے حکم ناموں کے بیکار ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس موقع پر ہم صرف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جنرل نیازی اپنے سینئر کمانڈروں کی طرح دشمن کے خطرے کا صحیح اندازہ لگانے میں ناکام رہے جو کہ ایسٹرن تھیٹر میں بڑی تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا اور اس جھوٹی امید کے دھوکے میں رہے کہ بھارت کبھی کھلی جنگ نہیں کرے گا حالانکہ غیر اعلانیہ جنگ شروع ہو چکی تھی ہم بڑے افسوس کے ساتھ تو یہ کہتے ہیں جنرل اس خیال کا اس قدر اسیر ہو چکا تھا کہ جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا بھارتی منصوبوں کی اطلاعات اس کے چیف آف اسٹاف کو اکتوبر 71ء میں جی ایچ کیو کی طرف سے دی جا چکی تھیں وہ اپنی بات پر بدستور اڑا رہا اور اس نے زور دے کر کہا۔

"میں پھر کہوں گا کہ میرا اندازہ ہے کہ دشمن اپنی سرحدی حدود سے کبھی آگے نہیں بڑھے گا۔" (صفحہ 30)

ان کی گواہی سے نہ صرف ہمارے اس سابقہ موقف کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ اعلیٰ کمان کی مجموعی ناکامی ہے جس نے جغرافیائی سیاسی حالات اور پاکستان کے فوجی حالات میں تبدیلیوں کے تناظر میں دشمن کے خطرے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی بلکہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ کمانڈر ایسٹرن کمان بذات خود دشمن کے نئے خطرے کے خلاف زیادہ حقیقی حکمت عملی اپنانے میں ناکام رہے اور خود کو مکمل طور پر حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا' حالانکہ ان حالات کا قبل از وقت آسانی کے ساتھ اندازہ لگا کر ان سے نمٹا جا سکتا تھا۔

ان کے عملی (Operational) منصوبے جو انہوں نے ترتیب دیئے تھے اگلے باب میں زیر غور لائے جائیں گے تاہم اس مرحلے پر بھی یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جنرل کا مفروضہ مکمل طور پر غلط تھا یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ مکتی باہنی بھارت سے تربیت حاصل کرنے کے باوجود پاکستانی فوج کے ساتھ جنگ کرنے کے قابل نہیں تھی اور بھارت بھی غیر معینہ مدت تک پراکسی جنگ جاری نہیں رکھ سکتا تھا بنگلہ دیش بنانے کے لئے اگر مشرقی پاکستان کے کسی بڑے علاقے پر قبضے کا کوئی منصوبہ تھا بھی تو اس پر ہماری ہراول افواج نے پانی پھیر دیا تھا چنانچہ ایک بھرپور جنگ ناگزیر ہو چکی تھی اور اس صورت میں اگر پاکستان کی سالمیت کے دفاع کا کوئی امکان تھا تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ کھلا تھا اور وہ یہ کہ مؤثر طریقے سے مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کے دفاع کے روایتی منصوبہ پر عملدرآمد کیا جاتا۔

جنرل کے مفروضے کا بھونڈا پن اس وقت کھل کر سامنے آ گیا جب انہوں نے مغرب

میں موجود اعلیٰ کمانڈ کی جانب سے بے حسی کی شکایت کی جیسا کہ انہوں نے اپنے ایک تحریری بیان میں کہا ہے کہ "مشرقی پاکستان میں بھارت کے ساتھ جنگ کے منصوبے انفرادی نہیں ہو سکتے تھے مشرقی پاکستان میں آپریشن بھارت کے ساتھ جنگ کے مجموعی منصوبے یا حکمت عملی کا حصہ ہونا چاہئے تھا۔"

یہ تصور جیسا کہ ہم اپنی اصل رپورٹ میں واضح کر چکے ہیں ایک معقول تصور تھا اور اگر اس کو کبھی بروئے کار لانے کی ضرورت تھی بھی تو اس غرض سے یہ 21 نومبر 1971ء بہترین وقت تھا جب بھارتی افواج نے ہماری مشرقی سرحدیں عبور کر کے کھلی جارحیت کا ارتکاب کیا تھا اصل رپورٹ میں ہماری شکایت مغربی محاذ کھولنے کے خلاف نہیں ہے بلکہ تاخیر سے اور نیم دلی کے ساتھ یہ محاذ کھولنے کے خلاف ہے۔ جس کے نتیجے میں نہایت عجلت میں مدد فراہمی کی گئی جس کے سبب بالآخر مشرقی پاکستان کو تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔

۞۞۞

دفاعی منصوبوں کی تشکیل

اصل رپورٹ کے اسباب پر ہم 1967ء کے جنگی ہدایت نامے نمبر 4 کی بنیاد پر پاک آرمی کی جانب سے 11 نومبر 69ء کو جاری کئے گئے احکام اور خود جنرل نیازی یک طرف نے جی ایچ کیو کی منظور سے 15 جولائی 71ء کی آپریشنل ہدایات جاری کرنے کی غرض سے مشرقی کمان کے بتائے گئے منصوبوں پر پہلے ہی بحث کر چکے ہیں اور نشاندہی کر چکے ہیں کہ بعد کے منصوبوں کی کمزوریاں اور خامیاں کیا تھیں تاہم اب تک ایسی کوئی شہادت ہمارے روبرو پیش نہیں کی گئی جس کے نتیجے میں ہمیں اپنی رائے تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو۔

(۲) جنرل نیازی نے اپنا بیان اس طرح شروع کیا کہ جب ان کو ایسٹرن کمانڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے تقرر کیا گیا تو ان کو جی ایچ کیو کمانڈر انچیف 'صدر' چیف آف آرمی اسٹاف اور سی جی ایس کی طرف سے زبانی بریفنگ دی گئی تھی تاہم انہوں نے اس کے تحریری نوٹس نہیں لئے انہیں جو اجتماعی مشن دیئے گئے وہ یہ تھے کہ:

(۱) مشرقی پاکستان میں حکومتی ساکھ بحال کرنا۔

(۲) بغاوت کے خلاف جنگ کا آغاز کرنا۔

(۳) اس بات کو یقینی بنانا کہ علاقے کا کوئی حصہ باغیوں کے قبضے میں نہ چلا جائے جہاں وہ بنگلہ دیش حکومت قائم کر سکیں۔

(۴) سرحدیں بند کر دینا۔

(۵) محب وطن شہریوں کی حفاظت کرنا۔

(۶) دریائی اور زمینی رابطوں کو تجارتی 'انتظامی اور فوجی مقاصد کے لئے کھلا رکھنا۔

(۷) بیرونی جارحیت کے خلاف مشرقی پاکستان کا تحفظ کرنا۔

(۸) باقاعدہ فوج کو مخصوص شہروں میں تعینات کرنا اور ان خاص شہروں کا بطور قلعہ یا گڑھ دفاع کرنا۔

(۹) دشمن کی زیادہ سے زیادہ فوج کو مشرقی پاکستان کی طرف متوجہ رکھنا اور انہیں اپنا

رخ مغربی پاکستان کی طرف نہ کرنے دینا۔

اس سوال کی طرف جائے بغیر کہ یہ "مشن تھے جیسا کہ آرمی کی اصطلاح میں سمجھا جاتا ہے یا صرف "ہمیں" درج ذیل مفروضوں کی بنیاد پر ایک منصوبہ تیار کرنے کا آغاز کیا گیا وہ مفروضے یہ تھے۔

(۱) بھارت کے ساتھ دشمنیوں کا آغاز ہو سکتا ہے۔

(۲) شرقی اور مغربی پاکستان کا معمول کا مواصلاتی رابطہ ٹوٹ سکتا ہے اور یہ کہ بھارت اپنی بڑھی ہوئی فوجی صلاحیت کے ساتھ ممکنہ طور پر شرقی پاکستان کے سمندری رابطوں کی مکمل ناکہ بندی کر سکتا ہے۔

(۳) چین کی طرف سے پاکستان کے لئے امداد سیاسی بیانات اور بھارت چین سرحد پر فوجی مظاہروں کی حد تک ہی محدود ہو سکتی ہے۔

(۴) بھارت کی طرف سے کوئی وارننگ دیئے جانے کے زیادہ سے زیادہ چار دنوں کے اندر کسی بڑی فوجی کارروائی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔

(۵) اس مرحلے پر ان کا بعض دلائل کے ساتھ یہ خیال تھا کہ بھارتی حکمت عملی اس طرح ہوگی کہ بنگلہ دیش قائم کرنے کے لئے شمالی بنگال یا چٹا گانگ ڈویژن کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا جائے یا دوسری صورت میں تو دامین سنگھ کے عمومی راستے سے ڈھاکہ پر فوری قبضہ کر کے پورے شرقی پاکستان کو شکست سے دوچار کر دیا جائے یہ دوسرا طریقہ بہترین اپروچ پر مبنی تھا چنانچہ اس کا امکان مسترد نہیں کیا گیا تھا پھر بھی ان کی آپریشنل ہدایات کے پس پردہ آگے بڑھ کر دفاع کرنے کی حکمت عملی کارفرما تھی جس میں مضبوط گڑھ اور قلعہ بندیوں کے لئے بھی جگہ تھی اور ان جگہوں کو کم از کم 30 روزہ جنگ کے لیے تیار کرنے کی غرض سے سامان کے اعتبار سے خود کفیل بنایا جانا تھا۔ یہ توقع بھی تھی کہ یہ جگہیں مضبوط Bases یا Points Jumping-off کا کام دیں گی جہاں سے گزر کر دشمن کے عقب میں کارروائی کی جا سکے تاہم ڈھاکہ کا ہر قیمت پر دفاع کرنا بے حد ضروری تھا۔

خیال ہے کہ اس تصور کا بڑا مقصد دشمن کی فوج کے ایک بڑے حصے کو ملوث کرنا تھا تاکہ وہ جنگ میں الجھی رہیں اور مغربی پاکستان کے محاذ پر موجود فوجوں کی یکساں صورتحال کو تبدیل نہ کر سکیں ہماری فوج سے بھی جو بھارت سے شرقی پاکستان آنے والے اہم راستوں پر

تعینات کی گئی تھی یہ توقع کی جا رہی تھی کہ دشمن کی فوج کو مضبوط پوائنٹس پر مصروف رکھے گی۔ ڈھاکہ شہر کا دفاع بھی ایک قلعہ بندی کی صورت میں ہر قیمت پر ضروری تھا کیونکہ سیاسی اور فوجی اعتبار سے اس کی اہمیت شرقی پاکستان کے اعصابی مرکز کی سی تھی۔

تاہم جنرل نیازی نے وضاحت کی۔ یہ کوئی انوکھا تصور نہیں ہے اگرچہ پاکستان میں انہوں نے اس تصور کے فروغ میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا کیونکہ یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ ہمارے پاس وسائل کی کمی ہے اور یہی وہ بات تھی جس سے ہمیں زیادہ نقصان کا احتمال تھا۔ آپریشن ہدایات کا مسودہ انہوں نے خود تیار کیا تھا جس پر ان کے بیان کے مطابق 12 جون 71ء کو ان کی فارمیشن کمانڈروں کے اجلاس میں غور کیا گیا تھا اور جسے بعد ازاں جی ایچ کیو میں تبصرے کے لئے بھیجا گیا تھا مگر اس پر کوئی تبصرہ موصول نہیں ہوا ان آپریشنل ہدایات کو جنہیں 71ء کے نمبر 3 کے طور پر جانا جاتا ہے۔ بعد ازاں 15 جولائی 71ء کو فارمیشن کمانڈروں کے اجلاس میں حتمی صورت دی گئی اور جائزے اور منظوری کے لئے پھر جی ایچ کیو بھیجا گیا یہ منظوری جی ایچ کیو نے لیٹر نمبر MO-2/21/4037 بتاریخ 9 اگست 1971ء کو دی۔ جنرل نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس کی منظوری چیف آف آرمی اسٹاف اور سی جی ایس لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کی تحریک پر ہوئی اس طرح یہ منصوبہ جی ایچ کیو کی منظوری کے بعد آرمی کے منصوبے میں شامل ہو گیا۔

جنرل نے مزید دعویٰ کیا کہ قلع بندی کا تصور 1969ء کے فوجی حکم کی بنیاد پر قبل ازیں ان کے پیشرووں میں سے ایک لیفٹیننٹ جنرل یعقوب کے منصوبوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ 1969ء کے فوجی حکم کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ جنرل کے خیال میں وہ شرقی پاکستان کی بدلتی ہوئی صورتحال سے زیادہ مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

لہٰذا اس تصور کے گہرے تنقیدی تجزیے کی ضرورت ہے نہ صرف اس لئے کہ اس پر بعض دیگر سینئر کمانڈروں کی طرف سے کڑی نکتہ چینی کی گئی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس کی بنیاد پر ان نازک حالات میں شرقی پاکستان کے لئے حکمت عملی وضع کی گئی تھی۔

1971ء کے آپریشنل احکامات نمبر 3 جو اب ایک خفیہ دستاویز نہیں رہے گی ایک نقل اس باب میں شامل کی گئی ہے اور اس میں قلعہ بندیوں کے محل وقوع کا منصوبہ بھی منسلک ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ 25 قلعہ بندیوں اور 9 مضبوط مورچوں کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ یہ قلعہ بندیاں اور مورچے زیادہ تر ضلع یا سب صوبڑل ہیڈ کوارٹر ٹاؤن، بڑے دیہاتوں اور کنٹونمنٹس

میں واقع تھے ان میں اوسطاً 30 روز کے لئے اسلحہ اور راشن ذخیرہ کیا جاتا تھا اور ان کے دفاع کا مناسب بندوبست بھی کرنا تھا۔ تعداد میں کمی کے باعث ان مقامات پر فوجیں تعینات نہ کی جاسکیں تاہم یہ توقع کی گئی تھی کہ سرحدوں پر موجود افواج اور بغاوت کے خلاف آپریشن میں معروف فوجی بتدریج پسپائی اختیار کرتے ہوئے ان قلعوں اور مضبوط مورچوں کو استعمال کریں گے اور یہاں سے دفاعی جنگ لڑیں گے دونوں میں فرق بہت واضح نہیں ہے مگر یہ بات آسانی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ قلعہ بندیوں کا آخری آدمی اور آخری گولی تک دفاع کیا جاسکتا ہے ان کے محل وقوع سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زیادہ تر غیر محفوظ علاقوں کے درمیان بکھرے ہوئے تھے جس سے یہ واضح تھا کہ وہ نہ تو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی پوزیشن میں تھے اور نہ ہی دشمن کے وہاں سے آگے نکل چکنے کی صورت میں اسے پریشان کرنے کی مؤثر صلاحیت رکھتے تھے خود جنرل نے اپنے منصوبے کی اس کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"مضبوط مورچے ایک دوسرے کی مدد نہیں کر پا رہے تھے تو اس خلا کو فوجی گشت بارودی سرنگوں اور آر اینڈ ایس ایلی منٹس سے پر کیا گیا مضبوط مورچوں سے فوجی نقل و حرکت کی جاتی ہے تاکہ درمیانی خلا پر کنٹرول پایا جائے اور دشمن کی مواصلاتی لائنوں کو کاٹا جائے۔

(۱۱) جنرل صاحب جانتے تھے کہ قلعہ بندی کی حکمت عملی میں کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یہ بات ان کی گواہی سے بھی واضح ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"قلعوں کو ایک دوسرے کا دفاع یا باہمی مدد کرنی چاہئے قلعہ بندی کیا ہوتی ہے؟ قلعہ بندی مضبوط مورچوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے جو دفاع کے لئے تعمیر کئے جاتے ہیں اور جن کے اردگرد رکاوٹیں کھڑی کردی جاتی ہیں جن میں سے کسی کو بھی گزرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور متعین مؤثر افواج جوابی حملہ کرکے یا فائر کرکے یا قوت بازو سے آنے والے کو نکال باہر کرتی ہیں اگر ایک مضبوط مورچہ کسی قلعہ میں واقع ہے اور کمانڈر کے پاس فوج کی کمی ہے محفوظ کمک بھی نہیں اور نہ ہی قلعے میں اپنی پوزیشن کو منظم کرسکتا ہے تو وہ یکسر ناقابل دفاع نہیں ہوجاتا مضبوط مورچہ ایک چھوٹی چیز ہے۔ قلعہ کئی مضبوط مورچوں پر مشتمل ہوسکتا ہے جیسے قصبوں میں کئی محلے۔ مضبوط مورچہ چھوٹا مقام ہوتا ہے جس میں ہتھیار، یونٹ اور سب یونٹ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہوتے ہیں اور جس میں کسی گھسنے والے کو نکال باہر کیا جاتا ہے اگر آپ ایسا نہ کرسکیں تو پھر آپ پسپا یا دستبردار ہوجاتے ہیں اور دشمن کسی اور جگہ چلا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں آخری خندق تک

جنگ لڑنے کی غرض سے یہ پسپائی ضروری ہوجاتی ہے تاوقتیکہ اگلا کمانڈر ان کو نہ بتائے کہ وہ کسی اور طرف چلے جائیں تو وہ خندق کی آخری جنگ تک کے لئے تیاری کرے گا۔ اب وہاں آپ کی محفوظ فوج تین وجوہات کی بنا پر ضروری ہوجاتی ہے قلعہ بندی پرانا طریقہ ہے جو بھی کمزور ہوتا تھا وہ اپنے آپ کو اس میں محصور کرلیا کرتا تھا دفاعی جنگ لڑنے والا حملہ آوروں کو ایک قلعے سے دوسرے تک بھیج کر کمزور کرسکتا تھا مشرقی پاکستان میں ہمیں ان تمام جگہوں پر ایک دوسرے کی باہمی مدد حاصل نہیں تھی کیونکہ وہاں ان جگہوں (Positions) کو ملانے کے لئے بغلی راستے موجود نہیں تھے۔

جنرل کا یقیناً ایک دعویٰ یہ بھی تھا کہ ان کا یہ تصور مشرقی پاکستان میں درست ثابت ہوگیا تھا کیونکہ ہتھیار ڈالنے تک افواج کئی قلعوں اور مضبوط مورچوں پر قابض تھی مثلاً سید پور، رنگ پور، بوگرا، سراج گنج، پتنا، راج شاہی، سلہٹ، چٹاگانگ اور ڈھاکہ۔

قلعوں پر انچارج کے طور پر مقرر کئے گئے مقامی کمانڈر اور مجموعی آپریشن کے لئے مقرر اعلیٰ کمانڈر دونوں کے پاس ان کی صوابدید کے مطابق مناسب Reserves ہونے ضروری ہیں اول الذکر گزرنے والے دشمن کو ہراساں کرنے کے لئے اور اس کے لئے کہ قلعے ایک دوسرے کی مدد کریں مؤخر الذکر اس لئے کہ کمانڈروں کو قلعوں کی مدد کے لئے آنے کے قابل بنایا جائے۔

(۲) قلعے ایسی جگہ واقع ہونے چاہئیں جہاں سے وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے قابل ہوسکیں۔

(۳) جن علاقوں میں یہ قلعے واقع ہوں وہاں کی آبادی آپ کی مخالف نہ ہو۔

جنرل صاحب ان شرائط سے پوری طرح آگاہ تھے۔ جیسا کہ قبل ازیں ان کے تصور کی توضیح کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ اس بات سے بھی مکمل آگاہ تھے کہ وہ مشرقی پاکستان کے حالات کے تناظر میں ان شرائط میں سے کسی پر بھی پورے نہیں اترتے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان 34 قلعوں اور مضبوط مورچوں کے لئے 29 بٹالین کی نفری کافی نہیں ہے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے قلعے اور مضبوط مورچے اس طرح واقع ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرسکیں گے اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر ان کی افواج قلعوں کے اندر گھیرے میں آگئیں تو کمتی باہنی اور مخالف مقامی آبادی ان کی نقل و حرکت کو ناممکن بنادیں گے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ

قلعوں اور مضبوط موروچوں کے اردگرد قائم کیا گیا دفاع دشمن کے ٹینکوں اور بھاری توپ خانے کے خلاف مزاحمت کرنے کے قابل نہیں ہوگا اب تک قلعوں کے لئے جو علاقہ منتخب کیا گیا اس کے بارے میں کافی تشویش پائی جاتی ہے انہوں نے یہ بات خود تسلیم کی ہے کہ ان علاقوں سے جن فوائد کی وہ توقع کر رہے تھے وہ پورے نہیں ہوئے اور مخالف آبادی کے باعث یہ علاقے الٹا ہمارے خلاف ہو گئے اس کے باوجود انہوں نے کامیابی کی توقع کیسے رکھی؟

کمانڈر اپنے مشن میں کلی طور پر ناکام رہے

اگر جیسا کہ جنرل نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کا تصور غلط نہیں تھا تو پھر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جس انداز سے انہیں اس پر عملدرآمد کرانا چاہئے تھا اس میں وہ ناکام رہے۔ شواہد یہ بات واضح کرتے ہیں کہ نہ ان قلعوں میں سے کسی میں بھی پوری طرح فورسز و اسلحہ رکھا گیا اور نہ ہی حملوں کی صورت میں بکتر بند کی مدد سے دفاعی تحفظ کرنے کی اہلیت ہی موجود تھی آگے متعین افواج کے پسپا ہو کر قلعہ بند ہونے کی صورت میں ان سے یہ توقع تھی کہ وہ ہمت سے کام لیں گے حالانکہ توپخانہ اور بھاری ہتھیار‘ جوان کے قبضے میں تھے ان قلعوں میں واپس لانے کے بارے میں اب تک تشویش پائی جاتی ہے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ 14 دسمبر 1971ء تک ڈھاکہ سے رات کے وقت ہیلی کاپٹروں کے ذریعے بعض قلعوں کو ہتھیار مہیا کئے جا رہے تھے جب بھارت نے حملہ شروع کر دیا تو مکتی باہنی والے ان قلعوں کے اردگرد جمع ہو گئے اور مقامی آبادی بھی دشمن ہو گئی حتیٰ کہ قلعے کے باہر نقل و حرکت کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔

افواج کے ہتھیار ڈالنے پر قلعوں میں کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا کہ ہتھیار ڈلوائے جاتے بلکہ اکثر صورتوں میں بغیر کسی حکم کے پسپائی اختیار کی گئی حتیٰ کہ اپنے بھاری ہتھیار بھی پیچھے چھوڑ دیئے گئے اس طرح تھکی ماندی فوج جب واپس قلعوں میں پہنچی تو اس نے کوشش ضرور کی لیکن وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ کوئی مؤثر مزاحمت کر سکے 16 ویں ڈویژن کے سوا تمام مقامی کمانڈروں کے پاس محفوظ دستے موجود نہیں تھے اور صرف ایک بریگیڈ تھی جو مشرقی سیکٹر میں مصروف تھی جس کے راستے دشمن نے بڑا حملہ کیا تھا اس طرح قلعوں کی تعمیر کے تصور کا پول‘ بالآخر اس کی ناکامی پر مکمل طور سے کھل گیا۔

(۱۶) اگر اس منصوبے کا مقصد محض یہ تھا کہ افواج کو الگ تھلگ رہنا چاہئے خواہ دشمن

باقی ملک پر قبضہ کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کر لے تب تو یہ منصوبہ واقعی کامیاب رہا تھا۔

ان حالات میں ہم اس قابل نہیں ہیں کہ اس بات سے اتفاق کر سکیں کہ جن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ منصوبہ بنایا گیا تھا وہ حاصل کر لئے گئے تھے ہمارے خیال میں کمانڈر مشرقی پاکستان کو مشرقی پاکستان کے دفاع اور دشمن کی طرف سے پیدا کردہ صورتحال کے باوجود اپنی موجودگی برقرار رکھنے کے لئے جو مشن تفویض کیا گیا تھا اس کی تکمیل میں وہ کلی طور پر ناکام رہے۔

ان کے اپنے ذرائع یعنی نفری اور اسلحہ میں پائے جانے والے عدم توازن کے ساتھ یہ حقیقت کہ ان کے فوجی دستے‘ بغاوت اور شورش کو کچلنے کے اقدامات میں آٹھ ماہ تک مسلسل مصروف رہنے کے سبب تھکان سے چور چور ہو چکے تھے۔ اس صورتحال سے نمٹنے کا دانشمندانہ طریقہ یہی تھا کہ چاروں اطراف رکاوٹوں سے گھرے ہوئے محفوظ اور مختصر علاقے میں فوجی دستوں کو مشرقی پاکستان کے اہم ترین سیاسی اور فوجی مرکز ڈھاکہ کے اردگرد تعینات کر دیا جاتا۔

جنرل اور ان کے چیف آف اسٹاف نے ڈھاکہ کے ٹرائی اینگل انداز میں دفاع کے تصور کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے اسے دشمن کے جھانسے سے تعبیر کیا تھا مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان حالات میں کمانڈر کے لئے اپنے تحفظ کی غرض سے اسے اپنانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ڈھاکہ کا ٹرائی اینگل کی طرف سے کسی بھی قیمت پر پسپا ہونے کا ایک امکانی منصوبہ موجود ہونا چاہئے تھا تاکہ ہم بری‘ فضائی اور دیگر وسائل اور صلاحیتوں کے حامل اپنے برتر دشمن کے ساتھ ایک بھرپور جنگ لڑ سکتے۔ ہمارے خیال میں ایسٹرن کمانڈ نے سنگین لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا منصوبہ بنایا جس کا مقصد میدان جنگ میں کمزوری دکھانا اور پھر منتشر ہو کر پسپا ہو جانا تھا۔ قلعہ بندی کی حکمت عملی میں الٹا دشمن کو فائدہ ہوا جس نے بڑے اطمینان کے ساتھ ہماری فوج کو منتشر کیا اور اپنی بھرپور توجہ ڈھاکہ کی جانب پیشقدمی پر مرکوز رکھی۔

قلعہ بندی کی حکمت عملی بغاوت کچلنے کے لئے مناسب ہو سکتی ہے مگر جیسا کہ 21 نومبر 1971ء کو جنرل کے رفیق کار جونیئر کمانڈروں میں سے ایک 16 ڈویژن کے میجر جنرل نذر حسین شاہ نے یہ تسلیم کیا ”قلعوں کے تصور کا مقصد بنگلہ دیش کی اسٹیبلشمنٹ کا تحفظ کرنا تھا تاہم یہ نظریہ از کار رفتہ ہو چکا تھا“۔ جنرل نیازی نے اس کی تردید کی ہے وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قلعہ بندی کا منصوبہ دونوں صورتوں (جنگ کرنے یا نہ کرنے) کے لئے تھا کیونکہ ان کی حکمت عملی

یہ تھی کہ بھارت سے آنے والے اہم راستوں پر اس کے بھرپور حملے کو روکا جائے یہ ۔یقیناً اس
بات کی طرف اشارہ تھا کہ انہیں مشرقی پاکستان میں بھارت سے کسی بڑی جنگ کے لئے نہیں بلایا
گیا تھا۔ جب اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بڑے پرزور انداز میں کہا ہاں میں
نے ان لوگوں کے ساتھ طویل عرصے تک تقسیم برصغیر سے قبل بھی فوجی خدمات انجام دی ہیں۔
میں ان کے بارے میں مثبت رائے رکھتا ہوں میں ان کی سوچ سے واقف تھا وہ ایسی سنگین غلطی کا
ارتکاب ہرگز نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ ایک کھلی جنگ لڑے بغیر ہی اپنا مقصد حاصل کر سکتے تھے۔
یہ گمراہ کن سوچ اس وقت غلط ثابت ہوگئی جب بھارت نے مشرقی پاکستان کے گرد
جنگی تیاریاں شروع کر دیں مگر ہم جنرل نیازی کی گمراہ کن دلیل پر حیران ہیں کیا واقعی ان کا یہ
خیال تھا کہ بھارتیوں نے 8 ڈویژن ریگولر فوج اور 35 بٹالین' بارڈر سیکورٹی فورس' محض مکتی باہنی
کو بنگلہ دیش قائم کرنے کی غرض سے ایک حصے پر قبضہ کرنے میں مدد دینے کے لئے جمع کر رکھی
تھی؟ اگر کسی بھی لمحے ان کے ذہن میں یہ غلط فہمی تھی کہ مشرقی پاکستان میں انہیں بھارت کے
ساتھ کسی بڑی جنگ کے لئے نہیں بلایا گیا تھا تو ان کی یہ غلط فہمی جی ایچ کیو میں ان کے چیف
آف اسٹاف کی بھارتی منصوبے پر مکمل بریفنگ کے بعد دور ہو جانی چاہئے تھی اس بریفنگ کے
بعد اپنی افواج کی دوبارہ صف بندی میں ناکامی پر کوئی معذرت قبول نہیں کی جا سکتی۔ شواہد سے
مزید پتہ چلتا ہے کہ چیف آف جنرل اسٹاف اور وائس چیف آف جنرل اسٹاف نے بھی اپنے
آخری دورہ ایسٹرن تھیٹر میں انہیں افواج کی دوبارہ تعیناتی کا مشورہ دیا تھا تاہم یہ سب کچھ جنرل
نیازی نے بھارت کی جانب سے نئی دھمکی ملنے کے بعد کیا اور عجلت میں تمبر میں عبوری طور پر دو
ڈویژن جنہیں 36 ڈویژن کہا جاتا تھا اس وقت تعینات کئے جب بھارت کے مقاصد بخوبی
واضح ہو چکے تھے اور 39 ویں ڈویژن کے لئے مزید تازہ دم فوجی دستے فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔
جنرل نے اس بات کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ چیف آف اسٹاف
اور جنرل جمشید کی جی ایچ کیو میں مزید افواج کے لئے بات چیت کے نتیجے میں ان سے 8 مزید
بٹالین بھیجنے کا وعدہ کیا گیا تھا اور اگر انہیں بھیج دیا جاتا تو محفوظ افواج کی بڑی تعداد کے نتیجے میں
نئی ایڈہاک فارمیشن کی کمی بھی پوری کی جا سکتی تھی۔

شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ جی ایچ کیو کی طرف سے ریزرو مہیا کرنے کا کوئی وعدہ نہیں
کیا گیا تھا البتہ ضرورت پڑنے پر ممکنہ رسد کا وعدہ کیا گیا تھا اور 27/26 نومبر کو 3 بٹالین بھیج بھی دی

گئی تھیں مگر ان کے استعمال کا کوئی منصوبہ نہیں تھا حتیٰ کہ دیگر 5 بٹالین ایسی پوزیشنوں پر بھیج دی
گئیں جو عملی اعتبار سے بہتر نہ تھیں کیونکہ انہیں وہاں تعینات کرنے کا کوئی واضح منصوبہ موجود نہیں
تھا۔

جنرل جمشید ایسے کسی وعدہ سے متعلق کچھ نہیں کہتے مگر جنرل نیازی نے اپنے ایک ضمنی
بیان میں اپنی بات ثابت کرنے کے لئے یہ اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ صرف ایک وعدہ
ہی نہیں تھا بلکہ جی ایچ کیو کی طرف سے کیا گیا ایک پکا عہد تھا چنانچہ وہ کوئی منصوبہ اس وقت
بنا سکتے تھے جب ان کے ہاتھ میں کچھ ہوتا۔ ان کے منصوبے ان کے حقیقی وسائل کے مطابق
ہونے چاہئے تھے وہ جی ایچ کیو کی مشکلات سے پوری طرح آگاہ تھے انہوں نے چیف آف
آرمی اسٹاف کے آخری دورے کے موقع پر اپنے فارمیشن کمانڈروں کو خبردار کیا تھا کہ اگر کسی نے
بھی آرمی چیف کے سامنے تازہ دم افواج بھیجنے کا سوال اٹھایا تو وہ سب کے سامنے اس کی بے
عزتی کریں گے اسی سبب سے ہم اس بات سے متفق نہیں ہو سکتے کہ وہاں ایسا کوئی وعدہ کیا گیا
تھا جس کو سچ ثابت کرنے کے لیے جنرل نیازی خود کو بے نقاب کر رہے ہیں۔

کمانڈر صاحب نے اپنی برات کے لئے اگلا عذر اپنے منصوبوں میں ترمیم نہ کرنے
سے متعلق پیش کیا ہے انہوں نے کہا کہ انہیں مشرقی پاکستان کی ایک ایک انچ زمین کے دفاع کی
ذمہ داری سونپی گئی تھی جسے اعلیٰ کمان نے کبھی تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی وہ بڑے
وثوق سے کہتے ہیں کہ اس سے قبل یہ ایک سیاسی مشن تھا جسے تبدیل کرنے کے اختیارات ان کے
پاس نہیں تھے مگر اس لمحے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جیسے ہی 21 نومبر 1971ء کو جنگ کے شعلے بلند
ہوئے میں نے بھارت کے ساتھ جنگ میں فوراً دفاعی پوزیشن اختیار کر لی تھی جن علاقوں میں
ضرورت نہیں تھی وہاں سے فوجی دستے نکال لئے گئے تھے تاہم جن علاقوں کی سیاسی فوجی یا
جغرافیائی اہمیت تھی وہاں فوجی دستے تعینات کر دیئے تھے۔

تقریباً ہر بڑے مسئلے پر متنازع پوزیشن اختیار کرنے کے بعد جنرل نے اپنے بارے
میں یہ تاثر چھوڑا ہے کہ انہیں اپنے کام کے انداز اور اس کی تکمیل کا واضح ادراک نہیں تھا۔ ان سے
خاص طور پر یہ پوچھا گیا تھا کہ فوجوں کی واپسی کے موقع پر اگر کچھ منصوبے جنگی علاقے میں ظاہر
ہونے والے تھے تو کیا ایسے علاقوں میں دفاعی پوزیشن تیار کر لی گئی تھی تو انہوں نے اس سوال کا
درج ذیل غیر ذمہ دارانہ جواب دیا'' کور کمانڈر کے طور پر جولائی آف' ایف ایل ایل آپ نے

ڈویژنل کمانڈروں کو دی وہ اس سے آگے نہیں جاسکتے تھے جبکہ آپ نے ان کی ذمہ داری کے علاقوں کا تعین بھی کر دیا تھا انہوں نے کہا کہ یہ تمام میرے منصوبے میں شامل تھا جو ڈویژنل کمانڈروں کو میں پہلے ہی دے چکا تھا چنانچہ ڈھاکہ شہر سے پس پائی اختیار کرنے کی یہ ذمہ داری ان کی تھی"۔

یہ حیران کن جواب ہے جو یقینا بنیادی فوجی منصوبہ بندی کے فقدان کا مظہر ہے۔

ڈھاکہ کے دفاع کے لیے کبھی کوئی منصوبہ بنایا ہی نہیں گیا تھا

شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ کسی بھی جنگی محاذ یا قلعہ بند علاقے سے افواج منظم طریقے سے پسپا نہیں ہوئیں درحقیقت انہیں جنرل کے 3 دسمبر 1971ء کے حکم کے مطابق یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اس وقت تک کسی محاذ سے پسپا نہ ہوں جب تک 75 فیصد نقصان نہ ہو جائے اس پابندی سے مقامی کمانڈروں میں بداعتمادی نے جنم لیا جس کے سبب فوج میں ایک ابہام کی سی صورتحال پیدا ہوئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس حکم پر کبھی عملدرآمد کیا ہی نہیں گیا ہماری فوج نے پسپا ہونے سے قبل کسی بھی جگہ 75 فیصد نقصان برداشت ہی نہیں کیا نچلے درجے کے مقامی کمانڈروں نے جو بھارتی پیش قدمی پر اپنے علاقے میں ناکام ہوئے اس احمقانہ حکم کی پرواہ ہی نہیں کی۔

107 بریگیڈ کے بریگیڈیئر حیات نے اپنی ناکامی کی وجہ یہ بتائی کہ انہوں نے جیسور کے قلعے (جہاں سے روٹ شروع ہوا) میں آدمی متعین کئے تھے یہ پلان کے مطابق تھا لیکن ہوا یہ کہ وہ اگلی پوزیشنوں بنیاپول اور ستاکھیرا سے کمپنیاں ہٹانے میں ناکام رہے معذرت کے اس جواز کا تجزیہ آئندہ باب میں کیا جائے گا اس مرحلے پر ابہام پیدا کرنے والے حکم کا محض ذکر کیا گیا ہے۔

جب 16 ویں ڈویژن متعین ٹھاکرگاؤں نے دشمن کے دباؤ پر یہ علاقہ خالی کیا تو کمانڈر مشرقی محاذ نے جو خود بھی اس معاملے میں تحقیق کرنے کے لئے آئے یہ علاقہ دوبارہ لینے کے احکامات جاری کئے۔ اسی طرح سلہٹ کے علاقے میں جنرل نے 21 نومبر 1971ء کے بعد بھی شمشیر نگر اور لاتو کی بیرونی چوکیوں پر قبضہ برقرار رکھنے کا اصرار جاری رکھا۔

ان واقعات کی دیگر مثالیں بھی اس وقت سامنے آئیں گی جب آئندہ ابواب میں ان پر بحث ہو گی مگر فی الحال ہمیں یہ دیکھنے دیجئے کہ کمانڈر نے دھمکی دیئے جانے پر اپنے ردعمل کا

اظہار کیسے کیا۔

جب جنرل نے بتدریج اپنے آپ کو دشمن کے نرغے میں پایا جو منظم طریقے سے ان کی قلعہ بندیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے فرید پور' کھلنا' داؤد کندی اور چاند پور تک (جو ڈھاکہ پہنچنے کا مختصر ترین راستہ ہے) پہنچ چکا تھا تو بدحواسی میں انہوں نے کچھ افواج کو واپس بلا کر انہیں ڈھاکہ کے دفاع پر لگا دیا حالانکہ قبل ازیں وہ 14 ویں ڈویژن کے میجر جنرل مجید کی جانب سے ڈھاکہ کے دفاع کے لئے دو بٹالین فوج بھیجنے کی پیشکش کو ٹھکرا چکے تھے بدقسمتی سے 16 ویں ڈویژن کے علاقے سے بڑے دریائے جمنا کو عبور کرنے کے لئے کشتیاں موجود نہیں تھیں کیونکہ مکتی باہنی نے علاقے کا محاصرہ کر کے گاڑیوں کی نقل و حرکت ناممکن بنادی تھی 93 ویں بریگیڈ کو میمن سنگھ سے بڑی عجلت میں واپس بلایا گیا جنہوں نے اپنی گاڑیاں اور بھارتی ہتھیار بھی وہاں چھوڑ کر 100 میل پیدل مارچ کیا راستے میں یہ دشمن کی افواج سے الجھ گئے تنجائل کے علاقے میں افواج پیچھے رہ گئیں اور بریگیڈ کمانڈر کے بغیر صرف 6 کمپنیاں ڈھاکہ پہنچ سکیں۔

اسی طرح 14 ویں ڈویژن کے علاقہ سے ایک اور بٹالین دستبردار ہونے کے بعد اپنے بھاری ہتھیار اور گاڑیاں چھوڑ کر ڈھاکہ روانہ ہوگئی۔ 57 بریگیڈ جس نے 16 ویں ڈویژن کے علاقے سے یا کسی پل کے راستے 9 ویں ڈویژن کا علاقہ عبور کیا بوگرا پر آ کر رک گیا۔ کیونکہ دریائے جمنا عبور کرنے کے کوئی انتظامات نہیں تھے۔

درج بالا صورتحال کی روشنی میں جنرل کا یہ دعویٰ فضول ہے کہ ان کا عسکری تصور یا ان کے آپریشنل منصوبے اچھے تھے یا تمام امکانات کو سامنے رکھ کر بنائے گئے تھے دشمن کا حملہ روکنے کے لئے ڈویژن یا بریگیڈ کی جنگ کے لئے کسی بھی مرحلے پر مشترکہ جدوجہد کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا گیا تھا اگر جنرل کا یہ منصوبہ تھا کہ وہ بٹالین جنگ میں دشمن کی ہر سیکٹر میں کم از کم دو ڈویژن فوج کو روک دیں گے تو ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے دشمن کی صلاحیت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔

ہمارا اخذ کردہ نتیجہ اصل رپورٹ میں موجود ہے تاہم مزید شواہد دستیاب ہوں تو انہیں ہمارے روبرو پیش کیا جائے ہمیں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کی بنیاد پر ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ منصوبہ بندی (اگر کوئی تھی) بے حد مایوس کن اور ناقص تھی اور ڈھاکہ کے دفاع کے لیے کبھی کوئی منصوبہ بنایا ہی نہیں گیا تھا۔ اس ناکامی کا ذمہ دار کمانڈر ایسٹرن کمانڈ ہی نہیں بلکہ

جی ایچ کیو بھی ہے جو ایسٹرن کمان کی غلطیوں کی اصلاح کرنے میں ناکام رہا ہم مشرقی پاکستان کے دفاع کے حوالے سے ذمہ داری کے تعین پر دیئے گئے دلائل سے کبھی متاثر نہیں ہوئے کیونکہ ڈھاکہ شہر کا دفاع کرنا صرف مشرقی کمانڈ کی ذمہ داری تھی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ یہ جی ایچ کیو کا بھی فرض تھا کہ وہ ایسٹرن تھیٹر (اگر اس کے کمانڈروں میں جنگ لڑنے کی صلاحیت نہیں تھی) میں اپنے اثر ورسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے جنگ کی براہ راست رہنمائی کرتا۔

(۳۵) کمانڈر ایسٹرن کمانڈ کا موجودہ کیس ایک ایسے شخص کا ہے جو اپنے کہے پر یقین رکھتا تھا کہ جنرل شپ کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہر ضرورت پوری نہیں کر سکتا چنانچہ کمانڈر صاحب کا کہنا ہے کہ اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے اور ہماری بدقسمتی کہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

۞۞۞

ضمیمہ

''مشرقی کمانڈ کے آپریشن کا تصور

میجر جنرل محمد حسین انصاری ہی ایس سی جنرل آفیسر کمانڈنگ 9 ڈویژن' میجر جنرل قاضی عبدالماجد خان اے ڈبلیو سی پی ایس سی جنرل آفیسر کمانڈنگ 14 ڈویژن' میجر جنرل نذر حسین شاہ بی ایس سی جنرل آفیسر کمانڈنگ 16 ڈویژن' میپس: 1 مشرقی پاکستان اور اس کے اردگرد کے علاقے کا 250000 میپ کور۔

مفروضات برائے آپریشنل منصوبہ بندی

(ا) یہ منصوبہ مندرجہ ذیل مفروضات کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔

(a) بھارت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کرنے کے اقدامات کا آغاز ہوگا۔

(b) مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مواصلاتی رابطوں میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔ بھارت اپنی بحری صلاحیت میں اضافہ کر کے مشرقی پاکستان کے سمندری رابطے کی مکمل ناکہ بندی کر سکتا ہے۔

(c) پاکستان کے لئے چین کی حمایت سیاسی بیانات اور سرحدوں پر فوجی مظاہروں تک محدود رہے گی۔

(d) ہم زیادہ سے زیادہ چار روز میں بھارت کی طرف سے بڑی فوجی کارروائی کی توقع کر سکتے ہیں تاہم یہ وقت اس صورت میں کم ہو سکتا ہے اگر دشمن اپنی موجودہ پوزیشن سے آگے نہ بڑھنے کا فیصلہ کرے۔

مشن:۔

(۲) مشرقی پاکستان کے دفاع کے لئے۔

(a) ہمیں تری پورہ، کلکتہ یا سلی گری (ایل وائی 28) کمپلکس کی طرف اسی ترتیب کے لحاظ سے جارحانہ حملوں کی پوزیشن اختیار کرنی ہوگی۔

(b) موقع ملنے پر بھارت کے زیادہ سے زیادہ علاقے پر قبضہ کرنا ہوگا۔

(c) ہر قیمت پر ڈھاکہ کے دفاع کو یقینی بنانا ہوگا۔

مشن کے مقاصد

(a) ہمیں مغربی پاکستان سے کسی مدد کے بغیر آزادانہ طور پر بھارت کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ جنگ کی تیاری کرنی چاہئے۔ تاہم مغربی پاکستان سے ''جمپ روٹ'' کے ذریعے بہت محدود ہنگامی امداد کی توقع رکھنی چاہئے۔

(b) سیاسی مذاکرات کے دوران سودے بازی کا پلڑا بھاری رکھنے کے لئے بھارت کے بڑے اور حساس علاقے پر قبضہ ضروری ہوگا۔

(c) مستقبل میں اندرونی صورتحال بہتر نہ ہونے کے امکان کے پیش نظر ہمیں بیرونی خطرے کے ساتھ ساتھ باغیوں اور شرپسندوں سے بھی نمٹنا ہوگا۔

(d) دفاعی منصوبوں کی کامیاب تکمیل کی غرض سے قابل لحاظ اور متحرک فوج بنانی چاہئے۔

(e) کلکتہ سلی گری اور تری پورہ پر قبضے کے خطرے کے مدنظر بھارت کے لئے نہ صرف مواصلات کو قائم رکھنے کا بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو جائے گا جس کے نتیجے میں اس کی معاشی مشکلات بڑھ جائیں گی بلکہ اس کی توجہ ان حساس علاقوں کے دفاع پر مرکوز ہو جائے گی۔ چنانچہ ان علاقوں پر جتنا جلد ممکن ہو قبضہ کرنا ہوگا۔

تھیٹر کے آپریشنل ماحول کے نمایاں خدوخال

(۴) جغرافیائی لحاظ سے مشرقی پاکستان، بھارت کے مشرقی علاقے کی نیم دائرے پر مشتمل مواصلاتی گزرگاہوں کے قریب واقع ہونے کے سبب علاقے میں بڑی اہمیت کا حامل تصور کیا جاتا ہے کلکتہ سے چلیں تو دیگر مرکزی علاقوں سے گزرتے ہوئے خاص طور پر سلی گری کا تنگ راستہ جو تری پورہ سیکٹر کے سلہٹ (آر جے 06) تک چلا جاتا ہے اول الذکر آسام کا داخلی

راستہ یہ جو بھارت کا چین کے خلاف جنگ کا گڑھ تھا کچھ دیگر حساس بھارتی علاقے یہ ہیں۔

(الف) برسات (کیوٹی 30)

(ب) کرشناگر (کیوٹی 38)

(ج) اسلام پور (ایل وائی 03)

(د) سلی گری کا تنگ راستہ

(ر) سلچر یا اگرتلہ (آر ایم 43)

بھارتی علاقے کے حساس شمالی حصے کو چین کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا ہے جبکہ سلچر، تری پورہ سیکٹر میں میزو قبائل اور ناگالینڈ والوں کی طرف سے بھی اسے مستقل خطرات ہیں۔

چنانچہ ان حساس مقامات کی وجہ سے بھارت ہمیشہ انتشار کے خوف میں مبتلا رہتا ہے اور یہ بات اس کے فائدے کے خلاف جاتی ہے چنانچہ بڑی تعداد میں فوج کی اس علاقے سے منتقلی اور اس طرح کی منتقلی میں صرف ہونے والے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

بڑے دریا مشرقی پاکستان کو چار نمایاں حصوں (سیکٹرز) میں تقسیم کرتے ہیں جن کی وجہ سے ان سیکٹروں کے درمیان آمدورفت اور مواصلات میں رکاوٹ اور تاخیر پیدا ہوتی ہے حتی کہ سڑکوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ان سیکٹروں کے درمیان آمدورفت میں خاصی مشکل ہو جاتی ہے آمدورفت کی ان مشکلات کی وجہ سے اندرون لائنوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا جو فوج کی تیزی سے منتقلی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

اکثر سیکٹروں میں زمین کی قدرتی ساخت کو دریائی راستوں نے کاٹ رکھا ہے ریل، روڈ، مواصلات کا فقدان شاہراہوں کی عدم موجودگی فیری پل اور گھنی جھاڑیاں وغیرہ یہ سب تیز رفتار دشمن کے حملے کے خلاف ہمیں قدرتی تحفظ مہیا کرتے ہیں خاص طور پر ٹھوس حکمت عملی سے کام لے کر ان تمام عوامل سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

فضائی کمتری کے باعث مختلف سیکٹروں کے درمیان بڑے پیمانے پر نقل و حرکت کی مشکلات ہوں گی جس کے باعث درج بالا مختلف سیکٹروں کو الگ تھلگ رکھنے پر توجہ دینی ہوگی اور جس کی وجہ سے ہم رات کے وقت یا خراب موسم میں حرکت کرنے پر مجبور ہوں گے۔

مشرقی پاکستان میں آبادی کے بڑے حصے کا رویہ ہمارے خلاف ہوگا جو اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے بھارتی حمایت سے تخریب کاری اور سبوتاژ کی کارروائیاں کرے گا جس کے

باعث مخصوص علاقوں اور آبادی کے مراکز میں سیکورٹی کا انتظام ناگزیر ہو جائے گا جس کے نتیجے میں آپریشنل پلاننگ مشکل ہو جائے گی۔

(۱۱) ڈھاکہ دشمن کے لئے اہم ترین سیاسی اور فوجی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱۲) دشمن کی فوجی حکمت عملی کے بارے میں ہم دو صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

(ا) مغربی اور مشرقی محاذ:۔

صورت (الف) دشمن مغربی پاکستان پر حملہ کرتا ہے بلکہ مشرقی پاکستان میں وہ دفاعی پوزیشن اختیار کر لیتا ہے۔

صورت (ب) جب بھارتی حملہ مشرقی پاکستان کے خلاف ہو یا بالکل الگ یا مغربی پاکستان پر بھی ساتھ میں حملہ کرے یا صرف مشرقی پاکستان حملہ کرے اور مغربی پاکستان میں دفاعی پوزیشن اختیار کرے موجودہ حالات میں یہ اس کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

(ج) امکانی منصوبے "ب" کا احاطہ آپریشنل ہدایت پر عملدرآمد کے ذیل میں کیا گیا۔

(د) جہاں تک امکانی منصوبے "الف" کا تعلق ہے ہمارا بنیادی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ دشمن کو اپنی فوجیں مغربی محاذ پر منتقل کرنے سے ممکنہ حد تک روک سکیں یہ مقصد کلکتہ، سلی گری سیکٹرز اور تری پورہ پر دیدہ و دانستہ حملہ کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ بھارت کی تمام فوجیں اپنے علاقوں میں جمع ہونے پر مجبور ہو جائیں گی۔

دشمن کی جنگی حکمت عملی:۔

(اے) امکانی منصوبے "ب" کی حدود میں رہتے ہوئے بھارت درج ذیل وسیع جنگی پالیسیوں میں سے کوئی ایک پالیسی اختیار کر سکتا ہے۔

(ا) بنیادی طور پر علاقائی پالیسی! مثال کے طور پر پورے مشرقی پاکستان پر یا اس کے کسی حصے پر قبضہ۔

(۲) بنیادی طور پر سیاسی پالیسی!

(بی) اول الذکر صورت میں وہ دریائے جمنا اور برہما میگھنا کے مغربی علاقے پر قبضہ

کر کے مطمئن ہو سکتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ:

(۱) اس کے مواصلاتی راستے بشمول سلی گری گیپ محفوظ ہو جائیں گے۔

(۲) علاقے میں موجود ریلوے کا نظام محفوظ ہو جائے گا۔

(۳) مناسب حد تک کلکتہ کے دفاع کو مضبوط بنایا جا سکے گا۔

(۴) علاقے کو اس حد تک محفوظ بنا دے گا کہ اس پر قبضہ کر کے کوئی سودے بازی نہ کی جا سکے۔

(۵) ہمیں چالنا کی بندرگاہ (کیو زیڈ 48) استعمال نہیں کرنے دے گا۔

(ڈی) مؤخر الذکر صورت میں وہ۔

(۱) شمالی بنگال کے ایک حصے پر قبضہ کر سکتا ہے یا چٹا گانگ کے شہری علاقوں میں پاکستان کی سرزمین پر بنگلہ دیش قائم کر کے اس کی مزید توسیع کے لئے مدد فراہم کر سکتا ہے۔

(۲) ڈھاکہ پر سرعت کے ساتھ قبضہ کر کے مشرقی پاکستان پر اچانک کاری ضرب لگا سکتا ہے اس کے لئے بہترین راستہ تورا (اے آر 24) میمن سنگھ (آر ایف 45) کا ہے اگرچہ یہ بات خلاف قیاس ہے کہ بھارتی کوششوں کا مرکزی نقطہ اس ہدایت پر ہی عمل کرتا ہے کیونکہ یہاں سے فوجوں کو چین کے خلاف کسی ممکنہ کارروائی کے لئے ہٹانا خاصا دشوار ہوگا دوسرے اس سیکٹر میں رابطے کی سہولتوں کا فقدان ہے تاہم اس سلسلے میں بھی امکانی منصوبے کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کیونکہ اس کے نتائج سنگین بھی ہو سکتے ہیں۔

(ای) دوسرا امکان یہ ہے کہ بھارت باغیوں کی مادی اور اخلاقی امداد جاری رکھتے ہوئے ان کے ذریعے ہمارے مواصلات پر حملے اور چھاپہ مار کارروائیوں کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی براہ راست مداخلت کے بغیر ہی ہمیں زیادہ سے زیادہ جانی اور مادی نقصان ہونے کا اندیشہ ہے یہ سلسلہ پہلے ہی شروع ہو چکا ہے چنانچہ جب تک باغیوں کی مکمل سرکوبی نہیں کر دی جاتی ہمیں مستقبل کی منصوبہ بندی میں اس پر خاص توجہ دینی ہوگی۔

مشرقی پاکستان کے خلاف دشمن کی استعداد کا اندازہ

(a) مستقبل میں کسی تصادم کی صورت میں بھارت اپنی افواج کا جو حصہ مشرقی پاکستان کے خلاف تعینات کر سکتا ہے اس کا انحصار اس کے خلاف چین کے رویے (سیاسی اور

فوجی) پر بے اندازاً وہ ایک بکتر بند بریگیڈ گروپ (پی ٹی 76) کے ساتھ 5 ڈویژن مزید افواج تعینات کرنے کے قابل ہوگا مزید براں کیونی کیشنز زون ٹروپس اور بارڈر سیکورٹی فورسز بھی قابل ذکر تعداد میں تعینات کی جا سکتی ہیں (بحوالہ بھارتی آرمی آربیٹ جاری کردہ جی ایچ کیو انٹیلی جینس نوٹس نمبر 1 اور 2)

(b) بھارت ایک بریگیڈ گروپ کی مدد سے دریاؤں میں بھی فوجی آپریشن کی صلاحیت رکھتا ہے (بحوالہ بھارتی بحریہ آربیٹ جو پہلے ہی جاری ہو چکی ہے جی ایچ کیو انٹیلی جینس نوٹ نمبر 14 ملاحظہ فرمائیے)

(سی) بھارت ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ایک بٹالین فوج منتقل کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔

(ڈی) بری جنگ میں اپنی فوج کی مدد کے لئے بھارت مکمل تربیت یافتہ پیرا بریگیڈ بھی تعینات کر سکتا ہے۔

(ای) بھارتی بحریہ کی جاب سے مشرقی پاکستان کی ناکہ بندی کے علاوہ اسے جنوبی علاقوں یا چٹا گانگ میں مؤثر بری مدد ملنے کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔

(ایف) مشرقی محاذ پر بھارت کے پاس کل گیارہ اسکواڈرن (10 لڑاکا اور ایک بم برسانے والا اسکواڈرن) موجود ہیں (بحوالہ بھارتی فضائیہ آربٹ جو پہلے ہی جاری ہو چکی ہے جی ایچ کیو انٹیلی جینس نوٹ نمبر 12 ملاحظہ کیجئے)۔

۞۞۞

مفروضات

امکانات اور خطرات کی ترتیب کے اعتبار سے

(الف) ایچ 1- بوگرا سیکشن میں بنیادی کوشش (دو ڈویژن اور بکتر بند بریگیڈ کثیر تعداد میں) ہلی (کیوڈی 91) پر زیر ہدایت کی بندانیک (کیوای 51) جس کا مقصد بالآخر بوگرا (کیوکے 36) نرباڑی (کیوبی 65) پر قبضہ کرنا ہے۔

(ب) ایچ 2: جیسور سیکٹر میں بنیادی کوشش کرتے ہوئے جیسور اور جھیدا پر توجہ کرتے ہوئے دریائے گیرائی (کیوپی 40) مدھومتی کے پورے مغربی علاقے کو قبضے میں لینا' بوگرا سیکٹر میں ثانوی کوشش کرتے ہوئے فوج کو الجھائے رکھنا۔

(ج) ایچ 3: بوگرا سیکٹر میں ابتدائی اور ثانوی دونوں کوششوں کا مقصد ہلی گیبدا پر توجہ مرکوز کرنا بالآخر اس کا مقصد دریائے جمنا کے پورے مغربی علاقے پر قبضہ کرنا ہے۔

(د) ایچ 4- ابتدائی کوشش ایک اضافی ڈویژن جس کا مقصد بھیوب بل (آر ایم 16) داؤد کندی (آر ایل 70) اور چاند پور (آر کیو 76) پر قبضے کے ساتھ ثانوی کوشش ڈویژن کمانڈر توراا اور دریائے جمنا کو زیر کرکے اس جانب سے ڈھاکہ کے لئے خطرات پیدا کرنا۔ درج بالا کے یکجا ہونے سے مزید مربوط کوشش' اضافی ایک ڈویژن کے ساتھ بکتر بند ہلی گیلبند کے خلاف استعمال کرنا۔

نوٹ:- درج بالا تمام مفروضات کو اس طرح بھی یکجا کیا جا سکتا ہے۔

(۱) سلہٹ کے خلاف کچھ جارحانہ اقدامات۔

(۲) فینی میں مواصلاتی رابطوں کا انقطاع۔

(۳) سمندر کے راستے چٹا گانگ پر قبضہ۔

(4) بڑے پیمانے پر تخریبی کارروائیاں اور مواصلات دیگر غیر محفوظ مقامات کو سبوتاژ کرنا۔

(5) ایک ہیلی کاپٹر بٹالین کی تعیناتی۔

(6) پیرا بریگیڈ کی تعیناتی۔

(7) شمال کی طرف سے گائے بندا کے خلاف دریائی آپریشن ''آپریشنل فریم ورک''

(16) اپنے مشن کے حصول کے لئے میرا آپریشنل فریم ورک درج ذیل ہوگا۔

(a) آگے کی جانب پیشقدمی کرتے ہوئے دفاعی انداز اپنایا جائے گا۔

(b) دفاعی جنگ کو جارحانہ دفاعی انداز میں لڑنے کے لئے زیادہ سے زیادہ چھپ کر اور اچانک ایسے حملے کئے جائیں گے جس سے دشمن کو نقصان پہنچے۔

(c) قدرتی رکاوٹوں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے گا اور جہاں ضرورت پڑی وہاں ان رکاوٹوں کو مستقل محاذ کے طور پر مصنوعی رکاوٹوں سے مربوط کیا جائے گا۔

(d) فارمیشن کمانڈرز کو آزادنہ عسکری ایکشن کے لئے تیار کیا جائے گا اور سونپی گئی ذمہ داریوں کے فریم ورک کے تحت عسکری کارروائیوں کے لئے انہیں ممکنہ حد تک چھوٹ بھی دی جائے گی۔ پوری کمان کے دوران جاری کئے جانے والے احکامات پر مشن کے طرز پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

(e) ان علاقوں میں جو براہ راست حملوں کی زد میں نہیں آتے دفاعی پوزیشنوں کو آگے بڑھایا جائے گا تا کہ دشمن کے زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کیا جاسکے۔ اس طرح بعد میں دشمن سے سودے بازی کے لئے ہمارے ہاتھ مضبوط ہونے کے علاوہ مقامی طور پر ہماری عسکری پوزیشن بھی مضبوط ہوگی۔

(f) اہم راستوں پر کنٹرول کو مضبوط رکھا جائے گا اور کمزور مقامات کی نگرانی جاسوسی کے آلات وکورنگ دستوں سے کی جائے گی۔

(g) اہم علاقوں میں تعینات دشمن سے مڈبھیڑ کر کے اسے زیادہ سے زیادہ ناکارہ بنایا جائے گا۔

(h) جنگ شروع ہوتے ہی میمن سنگھ کے شمال میں ہلی اور تری پورہ کی گھاٹیوں میں تعینات دشمن کی پہل کا انتظار کئے بغیر حملے کئے جائیں گے تا کہ وہ ہماری پیش قدمی پر ردعمل کا اظہار کرے۔

(i) دشمن کو جارحانہ حملوں کے ذریعے غیر متوازن کر کے تباہ کرنے کے لئے ایسی صورتحال پیدا کی جائے گی جس سے وہ دفاعی جنگ پر مجبور ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے آرچا (QP73) میں مرکزی طور پر رکھی گئی مضبوط موبائل ریزرو فوج کی ضرورت ہوگی۔

(j) جب تک احکامات نہیں ملتے فوج واپس نہیں آئے گی۔

(k) سول آرمڈ فورسز، ایسٹ پاکستان آرمڈ فورسز (EP CAF)' ویسٹ پاکستان رینجز اور فرنٹیر کور کو آپریشنل لان میں ضم کیا جائے گا جو چٹا گانگ اور سلہٹ سیکٹروں کے سوا تمام علاقوں میں مقامی آرمی کمانڈرز کی کمان میں کام کریں گی' چٹاگانگ اور سلہٹ سیکٹر ایسٹرن کمانڈ کے ہیڈ کوارٹر کی براہراست نگرانی میں ہوں گے۔

(l) تمام سول آرمڈ فورسز کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے لیے ان کی ایک ساتھ گروپ بندی اور اپنے اپنے کمانڈروں کی زیرنگرانی لڑنے دیا جائے گا تا کہ مؤثر کمان اینڈ کنٹرول اور انتظامیہ کے امور میں آسانی ہو سکے۔

(m) فی الوقت ہمیں مقامی بنگالیوں کی حمایت حاصل نہیں ہے لہٰذا ان کی حمایت حاصل کرنے کی تمام کوششیں کی جائیں گی۔ مواصلاتی رابطوں اور اہم تنصیبات کے تحفظ اور امن وامان برقرار رکھنے کے منصوبے بھی بنائے جائیں گی' ان کاموں کے لئے مجاہدین پولیس اور رضاکاروں کی مدد حاصل کی جائے گی۔

(n) حملے کرنے اور اس کیفیت کو برقرار رکھنے کے لئے 3 ٹاسک فورس (پیرا 22b) تشکیل دی جائیں گی۔

(o) کسی بھی سیکٹر میں اگر کوئی ٹاسک فورس بنائی گئی تو وہ اس ڈویژن کی کمان میں کام کرے گی۔ اس طرح نہ صرف ڈویژن کمانڈرز کو اپنی ریزرو افواج کے لئے اضافی نفری مل جائے گی بلکہ اپنے اپنے سیکٹروں میں جنگ پر اثر انداز ہونے کے لئے بھی کہیں زیادہ بڑی فوج دستیاب ہوگی۔

(p) متوقع طور پر اپنی کم قابل ذکر حد تک فضائی طاقت کے پیش نظر ہمیں۔

(1) اپنی اہم ایئر فیلڈز' کشتیوں اور پلوں کی حفاظت موجودہ طیارہ شکن توپوں اور چھوٹے ہتھیاروں سے کرنی چاہیے۔

(2) زیادہ تر کارروائیاں اندھیرے اور خراب موسم میں کی جائیں گی۔

(3) اہم چوکیوں پر وسیع اسٹاک رکھنا ہوگا تا کہ بائی پاس کی صورت میں بھی لڑائی جاری رہے اور دشمن کے خلاف اندر یا باہر سے کارروائیاں کرنے کے لئے مضبوط چوکی بھی موجود رہے۔

(q) ریل یا سڑک کے رابطوں کا سبوتاژ جاری رہنے کے پیش نظر زیادہ تر انحصار دریائی رابطوں پر کیا جائے گا' اس کے لئے کشتی گھاٹوں اور کشتیوں پر باغیوں کے فدائی حملوں کا بھرپور موثر طریقے سے دفاع کرنا پڑے گا۔

(r) دریا کی طرف آنے والے راستوں اور سمندری دفاعی مقامات کے تحفظ کے لئے بحریہ سے مل کر مربوط کارروائی کی جائے گی۔

(s) نقل و حرکت میں درپیش مشکلات اور مختلف سیکٹروں کی جغرافیائی ساخت کے باعث ان کے عارضی طور پر کٹ جانے کے خطرے کے پیش نظر ہر سیکٹر کو دفاعی لحاظ سے اتنا خود کفیل بنایا جائے گا کہ جنگ 30 دن تک لڑی جا سکے۔ نقل و حرکت' رکاوٹوں کو پار کرنے' دشمن سے بچنے اور قیام و رسد کے لئے مقامی وسائل اور آبی راستوں کا بھرپور استعمال کیا جائے گا۔

عسکری حرکت کی اسکیمیں

اپنی ذمہ داری کے علاقوں کے تحفظ کے لئے میں دریائے جمنا و پدما کے مغربی علاقوں میں دفاعی کارروائی کے سلسلے میں بھی دفاعی نقل و حرکت بڑھانا چاہتا ہوں۔ اس دوران جارحانہ کارروائی کی صورت میں اس سے نمٹنے کے لئے فوج کا مناسب سائز کا موبائل ریزرو دستہ بھی رکھنا چاہتا ہوں۔

تاخیری حربوں کے ذریعے دشمن کو گہرائی والے علاقوں میں قائم اہم چوکیوں اور رکاوٹوں پر دفاعی جنگ میں الجھائے رکھوں گا۔

دفاعی پوزیشن مستحکم بنانے کے لئے تری پورہ کے پہاڑی مقامات اور میمن سنگھ کی گھاٹیوں میں موقع ملتے ہی فوری جارحانہ کارروائی کروں گا۔

میں تین ٹاسک فورسیں (پیرا 2b) بناؤں گا۔ ان میں سے دو کو جنگ کے آغاز سے ہی صرف جارحانہ مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا اور شہری ٹاسک فورس کمانڈ ریزرو ہوگی۔

(b) ابتدا میں ان ٹاسک فورسوں کو گہرائی میں تعینات کیا جائے گا تا کہ دشمن کی جانب سے میری جارحانہ کارروائی کے خلاف ریزرو فوج اکٹھا کرنے کی کوششوں کو ناکام بنایا جا سکے اس انتظام سے مجھے گہرائی اور لچک حاصل ہوگی اور دشمن میرے اقدامات پر ردعمل کے لئے بھی مجبور ہو جائے گا۔ ردعمل میں توقع ہے کہ دشمن جارح کے طور پر پہل کرنے کی ہمت سے

محروم ہو جائے گا۔

مختصراً مطلوبہ مقاصد یہ ہیں کہ جنگ کو طول دیا جائے اور دشمن کو جنگ میں الجھا کر اس کی جارحانہ طاقت کو منتشر کیا جائے' اس سے پہل کرنے کی طاقت چھین لی جائے۔ اس دوران دشمن کو بھاری جانی نقصان پہنچا کر کمزور اور آخر کار تباہ کر دیا جائے۔

اس اختتام کے لئے میں۔

(a) اپنے تھیٹر کو درج ذیل سیکٹروں میں تقسیم کر کے درج ذیل ذمہ داریاں تفویض کروں گا۔

(1) جیسور سیکٹر:9

مشرقی پاکستان سول آرمڈ فورسز کے بریگیڈ کے بغیر 3 ونگز کے 9 ڈویژن۔

(2) بکتر بند کی 16 رجمنٹ' ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسٹ کے 5 ونگز۔

(3) ڈھاکہ سیکٹر: 14 ڈویژن' ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسٹ کے 6 ونگز ویسٹ پاکستان رینجرز کے 3 ونگز (اس سیکٹر کی مزید شاخوں کے لئے درج ذیل دیا گیا پیرا b22 ملاحظہ کریں)۔

(4) سلہٹ سیکٹر ایک انفنٹری بٹالین ایکس 313 بریگیڈ 3 ونگز فرنٹیئر کور۔

(5) چٹاگانگ سیکٹر: ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسز کے ونگز' ویسٹ پاکستان رینجرز کا ایک ونگ

(6) کمان ریزرو: ٹینک آرٹلری رجمنٹ کا ایک بریگیڈ اسکواڈرن۔

(b) ٹاسک فورسز کا تصور:-

(1) 27 بریگیڈ گروپ' جمال پور میں مدھو پور کے جنگلات والے علاقے میں تعینات ٹاسک الفا 27 جنگ شروع ہونے پر مہندرا گنج برنگا پاڑا (R5A 20) اور بلغ امرا (RA 60) کی گھاٹیوں پر قبضہ کرے گی۔ میمن سنگھ کے علاقے کے تحفظ کے لئے 27 بریگیڈ کے علاوہ ویسٹ پاکستان رینجرز کے 3 ونگز بھی ہوں گے۔

(2) 313 بریگیڈ (شامل نہیں)' ٹاسک فورس 313- BRAVO کو جنگ کے آغاز سے ہی تری پورہ کے خلاف کارروائی کے لئے مولوی بازار کے علاقے میں تعینات کیا جائے گا۔ سلہٹ ضلع کے دفاع کے لئے 313 بریگیڈ کی طرف سے کم کی جانے والی ایک بٹالین کے علاوہ سول آرمڈ فورسز کے 3 ونگز بھی ہوں گے۔

(3) 53- بریگیڈ' کمانڈر ریزرو' ٹاسک فورس چارلی' اریچہ میں واقع 53 بریگیڈ کو کسی بھی سیکٹر میں دفاع یا جارحانہ کارروائی کے لئے روانہ کیا جائے گا۔ چٹاگانگ سیکٹر: چٹاگانگ میں موجود دستے دفاع کریں گے۔

(c) باغیوں کے خلاف کارروائی:

(1) باغیوں کے خلاف موجودہ کارروائی جاری رہے گی اس کے لئے سول آرمڈ فورسز (WPR اور EPCAF, FC) کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے گا اور ریگولر دستوں کو آرام و تربیت دینے اور منظم کرنے کی غرض سے واپس بلا لیا جائے گا۔

(2) ریگولر دستے BOP بڑھائیں گے اور جہاں ضرورت پڑی وہاں سول آرمڈ فرسز کے ذریعے مدد فراہم کریں گے۔

(3) جنگ کے واضح خطرے کی صورت میں مواصلاتی نظام کو باغیوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے فرائض مجاہدین' پولیس اور رضاکار انجام دیں گے۔

"گروپ بندی اور ذمہ داریوں کی تفویض:-

23- ڈویژن:-

(a) گروپنگ انیکس A

(1) ذمہ داری کے علاقے کا دفاع:

(2) کھلنا' جیسور' جھنید اور کشتیا کی قلعہ بندی کرنا:

درسنا (Q O 60) اور گلانڈو (9Q P 72) کو مضبوط مقامات بنایا جائے گا:-

(3) دریائے کمار اور گنگا کے درمیان' راہداری کو کمانڈر ریزرو کی سرگرمیوں کے لئے کھلا رکھا جائے گا۔

(e) جارحانہ حملے کی ذمہ داریاں۔

(f) جنگ شروع ہونے پر عسکری اہمیت کے حامل علاقے پر تیزی سے آگے بڑھنے کی پالیسی کے تحت قبضہ کرنا۔

(2) درج ذیل علاقوں پر قبضے کا منصوبہ۔

(a) چواغاچا کی گھاٹی (QT 96) دریائے اجامتی تک (Qt 69)

(b) بصیرہاٹ (Qy 79)

(c) کرشن نگر' راناگھاٹ (QT 46) دریائے جالنگی تک (QT 39)

(3) تیار رہا جائے۔

(a) اگر آپ کے علاقے سے ٹاسک فورسوں کا آغاز کیا جائے تو کمانڈ ٹاسک فورس کی کمان سنبھال لیں:

(b) کسی اور مقام پر کمانڈ ٹاسک کے لئے ایک بٹالین کو کم کر دیا جائے۔

14 ڈویژن:

24 گروپ بندی کے تحت قبضہ A

(b) دفائی کام کی تفویض

(1) سونپے گئے علاقے کا دفاع کرنا

(2) ڈھاکہ' جمال پور' میمن سنگھ' برہمن باڑیا (RM25' کومیلا (PR 39) فنی (R 53) چاند پور اور داؤد کنری کے شہروں کی قلعہ بندی کرنا:

(3) بہادر آباد گھاٹ (QK 69) جگن ناتھ گنج گھاٹ) (QK 73) اور اریچا کو مضبوط مقامات بنانا ار دریائے جمنا میں آنے والے کسی بھی دشمن سے ان کا دفاع کرنا۔

(4) ڈھاکہ کو کسی بھی قیمت پر دشمن کے حوالے نہ کرنا: اس مقصد کے لئے اسٹیشن کمانڈر ڈھاکہ کی 14 ویں کمان ڈویژن کے تحت تمام گریژن دستوں کے ہمراہ تعیناتی۔

(5) جنگ شروع ہونے سے قبل میمن سنگھ کے علاقے کا مشرقی پاکستان سول آرمڈ کی

فورسز ایک بٹالین، ایکس۔ 27 بریگیڈ۔ (ایکس میمن سنگھ) (ٹاسکفورس الفا) کے ہمراہ دفاع کرنا ایک بٹالین کو مدھوور سے جمال پور تک کے علاقے میں دیگر مقامات پر کمانڈ ٹاسک کے لئے تعینات کرنا۔

(6) (ٹاسک فورس براوو) ایک بٹالین کم 313 بریگیڈ (ایکس سلہٹ) کوتری پورہ کے خلاف جارحانہ کارروائی کے لئے مولوی بازارے علاقے میں تعینات کرنا۔

(7) مذکورہ بالا دونوں ٹاسک فورسیں ایسٹرن کمانڈ کے ہیڈکوارٹر کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار رہیں گی۔ ان کو بغیر اجازت استعمال نہیں کیا جائے گا۔

(8) بھیرب اور اشوگنج (RM 16) کو مضبوط مقامات کے طور پر ترقی دینا اور بھیرب پل کا ہر قیمت پر دفاع کرنا اس کے علاوہ اسے ضرورت پڑنے پر گرانے کے لئے بھی تیاری کرے رکھنا۔

(2) جارحانہ کاموں کی تفویض:

(1) جنگ شروع ہونے پر تیزی سے آگے بڑھ کر عمل کرنے کی پالیسی کے تحت عسکری اہمیت والے علاقوں پر قبضہ اور ان کا تحفظ کرنا۔

(2) گارو ہلز کی طرف آنے اور جمال پور میمن سنگھ کی طرف جانے والے تمام راستوں پر 27 بریگیڈ (ٹاسک فورس الفا کے بغیر کی مدد سے قبضہ کرنا۔

(3) کرشن گنج (LX -71) میں ملی گڑی، بلرام پور) (Ly 24) اسلام پور اور ڈھلیاں (QH 74) کے بالمقابل نواب گنج (QJ 03) ارجنگی پور (QH 81) میں دشمن کی مواصلاتی لائن میں رکاوٹ ڈالنے کی منصوبہ بندی کرنا۔

(4) درج ذیل مقاصد کے حصول کی غرض سے مکمل تیاری کی حالت:

(a) اگر آپ کے علاقے سے ان ٹاسک فورسوں میں سے ایک ٹاسک فورس کا آغاز ہو تو کمانڈ ٹاسک فورس کی کمان سنبھالنے کے لے تیار رہا جائے۔

چٹاگانگ سیکٹر:-

26(a) گروپ ضمیمہ "الف"

(b) تفویض کردہ ذمے داریاں:

(1) ذمہ لگائے گئے علاقے کا تحفظ کرنا:

(2) رام گڑھ (PR 93) کریرہاٹ، (PR 72)، سیتا کنڈ (RW 89) کپتائی (RX 57) اور رانگامائی) (RX 59) کو مضبوط مورچوں میں تبدیل کرنا،

(3) چٹاگانگ کی قلعہ بندی کرنا:

(4) ذمہ لگائے گئے علاقوں میں کمانڈوز اور میزوس کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنا اور ہدایات دینا۔

سلہٹ سیکٹر:-

(a) گروپ ضمیمہ "الف"

(b) تفویض کردہ کام

(1) ذمہ لگائے گے علاقے کا دفاع کرنا

(2) سلہٹ کی قلعہ بندی کرنا

(3) شیر پور فیری (RG83) کو مضبوط مورچے کی شکل دینا۔

:a ٹاسک فورس الفا:-

(1) دستے، 27 بریگیڈ گروپ، بٹالین گروپنگ ضمیمہ الف

(2) مقام: علاقہ مدھوپور کے جنگلات، جمال پور

(3) تفویض کردہ کام

(a) میمن سنگھ کے مشال میں مہندرا گنج، برنگا پاڑ اور بھگ ماڑا کی گھاٹیوں پر احکامات ملنے کے بعد 14 ویں ڈویژن کے ذریعے قبضہ کرنا۔

(b) گھاٹیوں پر قبضے کے بعد مغربی پاکستان رینجرز ٹاسک فورس کو دفاع کردے گی پھر اسے مدھوپور، جمال پور میں تعینات کیا جائے گا۔

(c) کمانڈ ہیڈکوارٹر کو ترجیحی بنیادوں پر ڈویژنل ذمے داریاں تفویض کی جائیں گی۔

(d) احکامات ملنے پر کمانڈ ٹاسکس پر عملدرآمد کے لئے تیار رہا جائے یا کمانڈ ریزرو کو تفویض کردہ کام انجام دیا جائے (پیرا28 ذیل)

(e) کسی بھی سیکٹر کو تفویض کردہ کام کے لئے ضروری کمک پہنچانے کے لئے تیار رہا جائے۔

(f) فی الحال میمن سنگھ کے علاقے میں باغیوں کے خلاف آپریشن جاری رہیں گے۔

d: ٹاسک فورس BRAVO

(1) دستے 313 بریگیڈ گروپ

(2) تعیناتی کا مقام مولوی بازار

(3) تفویض کردہ کام:

(a) جنگ شروع ہونے کے بعد 14 ویں ڈویژن کی کمان میں تری پورہ کے علاقے پر قبضہ کرنا۔

(b) کوئی بھی ترجیحی کال کمانڈ ہیڈکوارٹر کے علم میں لا کر ڈویژنل ٹاسک کے ذمے لگائی جائیں گی۔

(c) احکامات ملنے پر کمانڈ ٹاسکس پر عملدرآمد کے لئے تیار رہا جائے۔

(d) کسی بھی سیکٹر کو اس کے تفویض کردہ کام میں مدد دینے کے سلسلے میں کمک فراہم کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

فی الحال سلہٹ' مولوی بازار کے علاقوں میں باغیوں کے خلاف آپریشن جاری رہیں گے:۔

e- ٹاسک فورس چارلی CHARLIE

(1) دستے: 53 بریگیڈ گروپ گروپنگ ضمیمہ "الف"

(2) مقام تعیناتی ارسچا کا علاقہ:

(3) تفویض کردہ ذمے داریاں:

(a) جوابی حملہ' درج ذیل علاقوں میں دشمن کے گھس آنے پر جوابی حملوں کے لئے تیار رہا جائے۔

(i) جیسور سیکٹر' بالمقابل جھیندا اور جیسور

(ii) بوگرا سیکٹر' پالس باڑی (QE 31)

(iii) ڈھاکہ سیکٹر' چاند پور' داؤدکنڈی اور اشوگنج

(b) جوابی طور پر دشمن کے علاقوں میں سرایت۔

(i) دریائے مدھومتی کے ساتھ ساتھ۔

(ii) ٹنگیل (QP 99)

(iii) بھیرب

(iv) رائے پاز افیری

(c) جارحانہ حملے درج ذیل جارحانہ ذمے داریوں کے لئے تیار رہا جائے۔

(i) بہرام پور پر قبضہ کیا جائے (QO 07)

(ii) کرشن نگر' راناگھاٹ یا باراسات میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن سے کلکتے کے لئے خطرات پیدا ہوں۔

(iii) رام گڑھ بھیرب بازار کی سمت سے تری پورہ سلہٹ کے علاقے پر قبضہ کیا جائے۔

(d) احکامات ملنے پر کسی بھی سیکٹر کو کمک پہنچانے کے لئے تیار رہا جائے۔

(e) فی الحال فنی اور نواکھلی (PR 21) میں آپریشن کے لئے ایک بٹالین کو چھوڑا جائے گا اور باقی بریگیڈ کو باغیوں کے خلاف جارحانہ کارروائی کے لئے چٹاگانگ سیکٹر بھیجا جائے گا۔

(f) جنگ شروع ہونے پر ارسچا کے علاقے کی طرف حرکت:۔

کمانڈوز:

:a کمانڈوز براہ راست مشرقی کمان کے ہیڈکوارٹر کے تحت اپنے فرائض انجام دیں گے۔

.b احکامات ملنے پر ڈویژن یا ٹاسک فورسز کو مکمل مدد فراہم کریں گے۔

.c علیحدہ علیحدہ طور پر تیار کئے جانے والے منصوبوں کے تحت عسکری اہداف کے خلاف آپریشن کریں گے۔

.d چٹاگانگ کے پہاڑیوں والے علاقے میں آپریشنز کے لئے ایک کمپنی کو تعینات کرنا۔ دیگر علاقوں میں تفویض کردہ کاموں کے لئے ایک بٹالین کو ڈھاکہ میں مرکوز کیا جائے گا۔

آرمی ایوی ایشن:

.a کمانڈ ہیڈکوارٹر مشرقی کمان کے تحت کام کرے گی۔

b. کمانڈوز اور فارمیشن کمانڈرز کو مدد فراہم کرے گی۔

آرٹلری:

a. گروپ ضمیمہ "الف"

b. مام فارمیشنز کو مستقل طور پر آرٹلری کی مدد فراہم کرے گی۔

c. درج ذیل کو طیارہ شکن توپوں کے ذریعے تحفظ دیا جائے گا۔

1-ڈھاکہ' کرمی ٹولہ ایئر فیلڈز۔

2-پاکسی اور بھیرب بازار کے پل:

3-چٹاگانگ

4- گھاٹ جیٹی

(a)اریچا

(b)گولنڈو

(c)نگر باڑی

(d)جگن ناتھ گنج:

(e)ساج گنج:

(f)بہادر آباد:

(g)ٹنگاکھ:

انجینئرز: رکاوٹیں اور ڈینائل پلان:-

a: رکاوٹیں' قدرتی رکاوٹوں کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے گا جہاں ضرورت پڑی قدرتی رکاوٹوں کو' بارودی سرنگوں کے علاقوں: انہدام' گڑھوں اور نہروں جیسی مصنوعی رکاوٹوں سے مربوط کیا جائے گا۔

b . ڈینائل پلان: 18 جون 71ء کو جاری ہونے والے خط نمبر 011/2/GS/(OPS) میں درج ڈینائل پالیسی کے حوالے سے:-

(1) ریلویز: بھارتی سرحد کے ساتھ 2 میل اندر تک ریلوے لائنوں اور سلیپرز کو نکال

دیا جائے گا۔

(2) اسی طرح اہم سڑکوں اور راستوں پر بارودی سرنگیں بچھادی جائیں گی۔

(3) دریا: 3 فٹ یا زیادہ گہرائی والے' ان دریائی راستوں کو خصوصاً بلاک کر دیا جائے گا یا پھر ان میں بارودی سرنگیں بچھادی جائیں گی جن کے بارے میں خطرہ ہوگا کہ دشمن انہیں استعمال کرسکتا ہے۔

بارودی سرنگیں بچھانا:

a: بارودی سرنگیں بچھائے جانے والے علاقوں کی گہرائی اور کثافت' محاذ کے ہر گز پر ایک ٹینک شکن اور 3 سرنگیں بچھائی جائیں گی۔

b. ٹینک شکن بارودی سرنگوں کا گچھ: ملی جلی بارودی سرنگوں والے علاقے میں خالصتاً ٹینک شکن سرنگیں نہیں بچھائی جائیں گی۔

c. ٹینک شکن ہتھیار: ٹینک شکن ہتھیاروں کے ذریعے کسی بھی بارودی سرنگوں والے علاقے میں کم سے کم 5 فیصد اور زیادہ سے زیادہ 10 فیصد ٹینک شکن سرنگیں بچھائی جائیں گی۔

مواصلات کی تعمیر اور مرمت:

a: گھاٹ کی کشتیاں: آپریشنز کے دوران گھاٹ کی کشتیوں کی دیکھ بھال' تعمیر اور مرمت:

b. جیٹیاں۔ درج ذیل مقامات پر فاضل جیٹیاں بنائی جائیں گی۔

(1)اریچا

(2)گولنڈو

(3)نگر باڑی

(4)بہادر آباد

(5)ٹنگاکھ

(6)سراج گنج گھاٹ

(7)جگن ناتھ گنج گھاٹ

سول آرمڈفورسز:

a: مختلف سیکٹرو میں واقع ول آرمڈفورسز کے یونٹ بالترتیب آپریشنز کے لئے مخصوص کمانڈ کے تحت ہوں گی۔

b. تفویض کردہ ذمے داریاں:

(1) ڈائریکٹر جنرل ایسٹ پاکستان سول آرمڈفورسز: ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسز کے انتظامی امورانجام دیتا رہے گا۔

(2) ایک بریگیڈ سے زیادہ فورس ہونے کی صورت میں وہ تھیٹر ریزرو کی کمان لینے کے لئے تیار رہے گا۔

(3) ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل ایسٹ پاکستان' سول آرمڈفورسز' چٹاگانگ سیکٹر میں واقع تمام دستوں کی کمان سنبھالے گا۔

بحریہ:-

پاکستانی بحریہ درج ذیل امور کی ذمہ دار ہوگی۔

(a) چٹاگانگ اور چالنا کی بندرگاہ کا سمندری دفاع۔

(b) دشمن کے دریائی آپریشنز کو ناکام بنانے کے لئے اہم دریاؤں کی کڑی نگرانی۔

(c) دریائی راستوں سے گزرتے وقت کمانڈر یزرو یا ٹاسک فورسز کو تحفظ فراہم کرنا۔

فضائیہ:

پاکستانی فضائیہ سے امید کی جاتی ہے کہ وہ مشرقی پاکستان کے فضائی دفاع کی ذمہ دار ہوگی۔ لہٰذا اس کی مدد کو منصوبہ بندی کا مفروضہ نہیں سمجھنا چاہئے۔

مربوط کارروائیوں کی ہدایات:

a: انٹرڈویژن سیکٹر باؤنڈریز انیکس p

b. عسکری سرگرمیوں سے متعلق پلان یکم اگست 1971ء تک جمع کرادیے جائیں گے۔

c. رکاوٹوں اور ڈیناکل پلان کے منصوبوں کو اگست 71 کے پہلے ہفتے میں کمانڈ ہیڈ

کوارٹر میں پیش کرتے ہوئے ان پر بحث کی جائے گی۔

d. دفاعی سرگرمیوں اور ذخیرہ بندی کی ضروریات کی تفصیلات یکم اگست 17 تک جمع کرادی جائیں گی۔

فوجی نقل وحمل اور رسل ورسائل کی علاقائی تنصیبات انیکس Q

ذخیرے کی پالیسی:

a: اہم اڈے کے اسٹاک:-

(1) گولہ بارود: 15 دن کے لئے' ہر طرح کی جنگ کے لئے تمام اقسام کا۔

(2) راشن...... 90 دن کے لئے۔

(3) POL-30 روز کے لئے۔

b. سیکٹر میں اسٹاک:

(1) گولہ بارود 30 روز کے لئے ہر قسم کا۔

(2) راشن۔ 30 روز کا

(3) POL -60 روز کا۔

c. دوبارہ بھرے انے والے پوائنٹس۔ اسٹاکس' 7 دن کا راشن POL اور گولہ بارود' رانگ پور کے علاوہ سب کے لئے 15 روز تک اسٹاک کیا جائے گا۔

d. ذخیرے۔

(1) اشوردی' ای انفنٹری بریگیڈ گروپ کے لئے۔

(a) گولہ بارود۔ 3ex- second line lifts

(b) راشن۔ متبادل کے ساتھ 3 روز اک

(c) POL-100 میل

(2) سلہٹ۔

ایک انفنٹری بریگیڈ گروپ کے لئے POL' راشن اور 20 روز کے لئے گولہ بارود کا ذخیرہ۔

چٹاگانگ کی دیکھ بھال:

چٹاگانگ میں درج ذیل ہر طرح کا اسلحہ موجود تھا۔

a. گولہ بارود۔ ہر قسم کا 45 روز کے لئے

b. راشن۔ 120 کے لئے

c.POL۔ 90 روز کے لئے

جارحانہ کارروائی کے لے فوجی نقل وحمل اور قیام و رسد میں مدد۔ 42 :a جارحانہ کارروائی شروع کرنے سے قبل ابتدائی ری فلنگ کے لئے اشوردی میں ذخیرہ گاہوں یک تعمیر جن میں 40 یا اس سے زیادہ دنوں کے لئے ذخیرہ ہو سکے۔

b. دوبارہ بھرائی: علاقے کے ری فلنگ مقامات سے
تفصیلی انتظامی ہدایات کا علیحدہ علیحدہ اجرا کرنا:

کمان اور سگنلز:

مقام: کمان ہیڈکوارٹرز۔ ڈھاکہ

b. ایک بریگیڈ سے زیادہ کی کمان: ریزرو کی کمان سنبھالنے کے دوران ڈائریکٹر جنرل ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فرسز کو ان کے اپنے ہی وسائل سے ہیڈکوارٹرز سگنلز ایسٹرن کمانڈ اور اسٹاف جو صرف اسی کام کے لئے رکھے گیے ہیں۔ مواصلاتی سہولیات فراہم کریں گے۔

e. چٹاگانگ میں ڈپٹی ڈائریکٹ ایسٹ پاکستان سول آمرڈ فورسز کی ایکس یسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسز کے تحت اپنی کمان اور اسٹاف ہوگا۔

e. سگنلز پر مشتمل ہدایات تفصیلی طور پر علیحدہ علیحدہ جاری کی جائیں گی۔
کوڈ الفاظ انیکس B وصول پائے۔

دستخط

لیفٹیننٹ جنرل

اے۔اے۔کے۔نیازی

کمانڈر

پانچ کاپیوں کی کاپی نمبر 4 ہیڈکوارٹرز ایسٹرن کمانڈ ڈھاکہ کنٹونمنٹ 15 جولائی

1971ء۔

انیکسز

انیکس (A) گروپنگ

انیکس (B) کوڈ ورڈز

انیکس (P) باؤنڈری

انیکس (Q) لاجسٹک ایریا

تنصیبات

تقسیم: کاپی نمبر

(1) میجر جنرل محمد حسین انصاری، جنرل آفیسر، کمانڈنگ 9 ڈویژن

(2) میجر جنرل قاضی عبداللہ، بدخان، awe,psc, جنرل آفیسر، کمانڈنگ 14 ڈویژن

(3) میجر جنرل نذر حسین شاہ، PSL جنرل آفیسر کمانڈنگ 16 ڈویژن

(4) جنرل ہیڈکوارٹرز (جنرل اسٹاف برانچ ملٹری آپریشنز ڈائریکٹوریٹ) راولپنڈی

(5) آفس کاپی۔

✿✿✿

ضمیمہ ''الف''

ایسٹرن کمانڈ
آپریشنل ہدایت
نمبر71 /3
گروپنگ

1-اے آرٹی وائی'9 ڈویژن 49 ایف ڈی رجمنٹ'55 ایف ڈی رجمنٹ 2- آر اینڈ ایس 27 بلوچ'6 پنجاب 3-57 بی ڈی ای۔

پنجاب 18 بلوچ 4-107 بی ڈی ای'25 بلوچ'22 ایف ایف'38 ایف ایف 5۔ ای پی سی اے ایف' سیکٹر ہیڈ کوارٹر جیسور'4 ونگ (چواڈ نگا) 5 ونگ (کھلنا) 15 ونگز (جیسور) 6 مجاہد 3× بی این ایس 6×14 'ڈویژن 7-1اے آرٹی وائی 53 جی ڈی رجمنٹ 83 ایم او آر بی ٹی وائی 88 ایم او آر بی ٹی وائی 8 آر اینڈ ایس (نوآر اینڈ ایس بی این آر کیسنگ سے 14 ڈویژن) 9-27 بی ڈی ای 33 پنجاب (ٹاسک فورس الفا گروپنگ بھی دیکھیں) 31 بلوچ'33 بلوچ 10-117 بی ڈی ای 33 بلوچ 39 بلوچ 12 ایف ایف 11۔313 بی ڈی ای' 31 پنجاب (ٹاسک فورس' براوو' کی گروپ بندی دیکھیں) 22 بلوچ 30 ایف ایف 12 ڈبلیو پی آر (50 ونگ 61 ونگ) میمن سنگھ 70 ونگب) 13۔ ای پی سی اے ایف 1× سیک (کومیلا) 1× ونگ (کومیلا) 12 ونگ (فینی) 14 مجاہد 4× پی این ایس 8× سی او وائی ایس'16 ڈویژن 15 آرم 29 سی 16 اے آرٹی وائی۔

ایف ڈی رجمنٹ'117 ایم اور آر بی ٹی وائی'2117 ایم او آر بی ٹی وائی 17۔ آر اینڈ ایس 34 پنجاب 18۔23 بی ڈی ای 25 پنجاب'48 پنجاب 26 ایف ایف 19۔34 بی ڈی ای۔

12 پنجاب 32 پنجاب 13 ایف ایف 20۔205 بی صی ای 8 بلوچ 15 بلوچ 4 ایف ایف 21۔ ای پی سی اے ایف a.1× سیک (راجشاہی) 6 ونگ (نوگاؤں) 7 ونگ (نواب گنج) b.1× سیکس (دیناج پور) 8 ونگ (دیناج پور) 9 ونگ (ٹھاکرگاؤں) 10 سی او

وائی ایس' ڈھاکہ سیکٹر: 23 ای پی سی اے ایف a.1× سیک 13 ونگ 16 ونگ 17 ونگ
c. گیریژن ٹروپس' چٹاگانگ سیکٹر:

24 ایف ایف' سی او وائی 2 سی ڈی او بی این۔ 171 ایم او آر بی ٹی وائی۔ 71 ونگ ڈبلیو پی پی۔ 2 ونگ ای پی سی اے ایف۔ 11 ونگ ای پی سی اے ایف۔ 14 ونگ ای پی سی اے ایف۔ 1× جی اے آر بی این۔ ٹی سی ایس لاگ بیس 1× ایم جے ڈی بی این 4× اڈیپ ایم جے ڈی سی او وائی ایس۔ سلہٹ سیکٹر: 25۔ ٹی پی 88 ایم او آر بی ٹی وائی 1× انف بی این ایکس 313 بی ڈی ای۔ 3× ونگ ایف سی۔ 1× ایم جے ڈی بی این 3× ایم جے ڈی سی او وائی ایس' ٹاسک فورس الفا (ایکس 14 ڈویژن) 26-27 بی ڈ ای۔ ایک انف بی ای این کم۔ 183 ایم او آر بی ٹی وائی ٹی بی کے بغیر سی او وائی انجینئرز کے بغیر پی ایل ایس اینڈ ٹی سی او وائی ڈی ای ٹی کم۔ ایف ڈی ایمب اے ڈی ایس کم۔ انف ورکشاب سی او وائی ڈی ای ٹی کم۔ ٹاسک فورس براوو۔ (ایکس 14 ڈویں ن) 27 131 بی ڈی ای۔ ایک انف بی این کم 188 ایم او آر بی ٹی وائی ٹی بی کم۔ کوائے انجینئرز پی ایل کم۔ ایس اینڈ ٹی کوائے ڈی ای ٹی کم۔ ایف ڈی ایمب اے ڈی ایس کم۔ انف ورکشاب کوائے ڈی ای ٹی کم۔ ٹاسک فورس چارلی۔) سی او ایم ڈی ریس) 53 28 بی ڈی ای۔ آرمڈ اسکواڈرن ایکس جی ایس ایس۔ 31 ایف ڈی رجمنٹ۔ ایف ڈی کوائے انجینئرز 32 بلوچ 44 ایف ایف-25 ایف ایف۔

✪✪✪

ضمیمہ ''ب''

ایسٹرن کمانڈ
آپریشنل ہدایات
نمبر 71 /3

مولوی بازار اور بیلونیا (پی آر 66) کی سمت سے تری پورہ سیلینٹ پر (ٹاسک فورس براوو کے بغیر) 313 بریگیڈ کے ذریعے حملے کرنا۔

کمان: اپنے علاقوں سے ٹاسک فورسز کی کمانڈ کرتا 16 ڈویژن:۔

a: گروپنگ انیکس A

b. دفاعی کاموں کی تفویض

(1) ذمہ لگائے گئے علاقے کا دفاع کرنا

(2) دیناج پور (QD 55) سید پور (QD 87) رنگ پور (QE 17) اور راجشاہی (QJ 40) کے علاقوں کی قلعہ بندی کرنا اور دہلی کو مضبوط پوائنٹ بنانا۔

(3) پاکسی اور ٹیسٹا پل (QE 37) کو مضبوط پوائنٹس بنانا اور ہر قیمت پر ان کو اپنے پاس رکھنا۔ دونوں پلوں کو ریزروا نہدام کے طور پر تیار رکھا جائے گا۔

(4) میٹا کھ گھاٹ (QK 59) سراج گنج گھاٹ (QK 16) اور نگر باڑی گھاٹ کو مضبوط پوائنٹ کے طور پر ترجیح دینا اور دریائے جمنا میں آنے والے کسی بھی دشمن سے اس کو محفوظ رکھنا۔

کوڈ الفاظ کی لسٹ

I ابتدائی مرحلہ

1- ارتکاز والے علاقوں میں پیش رفت کے لئے 24 گھنٹے تیار رہنے کے نوٹس پر رہنا۔ (خنجر)

b. وائرلیس کی خاموشی کا نفاذ۔ (خنجر)

2- آگے کے ارتکاز والے علاقوں میں پیش قدمی کے لئے (ترکش)
4 گھنٹے کے نوٹس پر تیار رہنے کی حالت میں رہنا

3- ارتکاز والے علاقوں کی طرف پیش قدمی کا اختتام (بختیار)

4- جنگی پوزیشنوں پر قبضہ: (حیدر)

II جنگی مرحلہ:

5- مسلح جارحیت ہوگئی: (شمشیر)

6- بھارت کے ساتھ جنگی جارحیت ختم ہوگئی (ٹیپو)

7- لائف وائرلیس کی خاموشی: (شیر شاہ)

نوٹ:- یہ کوڈ ورڈز اس ہدایت کے سوا کسی اور جگہ کسی مقاصد کے وقت استعمال نہیں ہوں گے۔

(پرسنل نوٹ):-
کاپی نمبر 4 (انیکس P)
INSTR 3/ 74 کی ایسٹرن کمان کے لئے
مشرقی پاکستان کا نقشہ جس میں مواصلات کو دکھایا گیا ہے۔
کاپی نمبر 4 (انیکس Q)
OP INSTR 3/ 71 کی ایسٹرن کمان کے لئے

✿✿✿

بھارتی خطرے کا اندازہ

ہم نے اپنی اصل رپورٹ میں اس موضوع کا کسی حد تک تذکرہ کیا تھا اور نشاندہی کی تھی کہ مغربی پاکستان میں اعلیٰ کمان نے دشمن کے خطرے کا صحیح اندازہ لگانے میں کس المناک طریقے سے فاش غلطی کا ارتکاب کیا تھا' اس حقیقت کے باوجود کہ ہمیں بھارتی عزائم اور منصوبوں کی بھرپور تفصیلات کا پیشگی علم بھی ہو چکا تھا ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس اپنے اخذ کردہ نتائج میں کسی بھی ترمیم کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ہم اس میں صرف یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے روبرو پیش کی جانے والی شہادتوں سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ بدقسمتی سے مشرقی کمان بھی اسی طرح کے مغالطوں میں مبتلا تھی۔

باقاعدہ دشمن افواج کے خلاف' دفاع کا کوئی بندوبست نہیں تھا

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مشرقی کمان کی سوچ بھی یہی تھی کہ بھارت مشرقی پاکستان میں اس وقت تک مکمل جارحیت یا جنگ سے گریز کرے گا تاوقتیکہ مغربی پاکستان میں دوسرا محاذ کھول کر اسے ایسا کرنے کا جواز فراہم نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اصل جنگ اس تصور کے تحت مغربی پاکستان میں لڑی جائے گی کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مشرقی کمان' مشرقی پاکستان میں بھارت کے ساتھ کسی بڑی جنگ میں کبھی ملوث نہیں ہوگی بلکہ اس کا کام صرف بھارتی افواج کو وہاں مسلسل معروف رکھنا ہوگا' تاکہ انہیں مغربی پاکستان کی سرحدوں پر منتقل نہ کیا جا سکے۔ اسی لئے مشرقی کمان کے کمانڈر اور ان کے اسٹاف نے آگے بڑھ کر دفاع کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے ڈھاکہ کے دفاع کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔ کسی بھی صورت میں یہ کوئی مناسب دفاعی طریقہ نہیں تھا کیونکہ اس کے نتیجے میں دشمن کو ایک بڑے علاقے سے اپنی وہ فوجیں ہٹانے کے لئے خاصا وقت مل گیا جنہیں اس وقت تک کوئی

ذمے داری تفویض نہیں کی گئی تھی۔

حتیٰ کہ ڈھاکہ کے دفاع کی غرض سے بعد میں قائم کی جانے والی ایڈہاک 36 ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل جمشید نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ "ڈھاکہ میں باغیوں اور شورش پسندوں سے نمٹنے کے لئے تمام تیاریاں کر لی گئی تھیں تاہم باقاعدہ دشمن افواج کے خلاف' دفاع کا کوئی بندوبست نہیں تھا" کیونکہ مشرقی کمان کے کمانڈر کا یہ خیال تھا کہ اگلے دفاعی محاذوں پر فوجی دستوں کی تعیناتی کے ذریعے دشمن کو ڈھاکہ ٹرائی اینگل کے علاقے میں داخل ہونے سے روکا جا سکے گا۔ ان کا مزید یہ کہنا ہے کہ "جنگ کے نصف مرحلے پر پہنچنے کے بعد بھی فوجی دستوں کو اگلے دفاعی محاذوں سے واپس بلا کر ڈھاکہ کے دفاع کی غرض سے تعیناتی کے معاملے پر کوئی غور نہیں کیا گیا تاہم اس وقت تک کافی تاخیر بھی ہو چکی تھی کیونکہ بیشتر محاذوں سے پسپائی اختیار کرنے کے نتیجے میں فوجی صورتحال انتہائی سنگین ہو چکی تھی۔

جنرل فرمان علی کے اندازے کے مطابق 7 دسمبر 1971ء کے بعد بھی ان فوجی جھڑپوں کو جاری رکھا جا سکتا تھا' لیکن ہماری کمان نے شکست تسلیم کر لی تھی کیونکہ بھارت کے عزائم سے متعلق مشرقی کمان کے ذہن میں موجود مغالطوں کے نتیجے میں مشرقی کمان کسی ایسی حکمت عملی کی منصوبہ بندی میں بری طرح ناکام ہو گئی تھی جس کے تحت اگلے مورچوں سے فوجی دستوں کو واپس لا کر ڈھاکہ ٹرائی اینگل کے دفاع کی غرض سے تعینات کیا جا سکتا تھا۔ اس ناکامی کا نتیجہ ہماری رائے میں یہ برآمد ہوا کہ 21 نومبر 1971ء کے لگ بھگ بڑے خطرے کی وارننگ کے باوجود انہوں نے بدترین غفلت کا مظاہرہ کیا۔

لیفٹیننٹ جنرل نیازی کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اس خطرے کو فوری نوٹس لیتے ہوئے میجر جنرل جمشید کے ماتحت ایک ایڈہاک ڈویژن قائم کر دی تھی۔ تاہم جنرل جمشید کا کہنا ہے کہ وسط نومبر میں ان کی جی ایچ کی روانگی سے قبل ایڈہاک 36 ڈویژن کے تحت فقط ایک ہی بریگیڈ ڈھاکہ میں تعینات تھی' اور منصوبے کے مطابق ایک اور بریگیڈ کا اضافہ کرتے ہوئے ڈھاکہ کے دفاع کی غرض سے اسے مزید مستحکم بنانا مقصود تھا۔ تاہم جب وہ ڈھاکہ واپس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ڈھاکہ میں موجود واحد بریگیڈ کو بھی شہر سے باہر منتقل کر دیا گیا ہے چنانچہ 36 ڈویژن محض کاغذی سطح تک ہی محدود تھا جو فقط میمن سنگھ (93) بریگیڈ پر مشتمل تھا اور ڈھاکہ سے سو میل کے فاصلے پر تعینات تھی لہٰذا جنرل کا یہ دعویٰ بلا جواز ہے چنانچہ ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے

اگر وہ بھارتی خطرے کا درست اندازہ لگا لیتے یا اپنے چیف آف اسٹاف کے توسط سے جی ایچ کیو کی جانب سے دی جانے والی پیشگی وارننگ کو سمجھ لیتے تو وہ ایسی فاش غلطی کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔

یہ بات ہمارے لئے ناقابل فہم ہے کہ کوئی جنرل کس طرح یہ یقین کر سکتا ہے کہ ایک ایسا دشمن جیسا کہ ہم گزشتہ باب میں نشاندہی کر چکے ہیں جو اس کے علم کے مطابق اکتوبر 1971ء کے بعد سے تقریباً 9 ڈویژن کی تین کور (جنہیں تین آرمرڈ رجمنٹس کی سپورٹ حاصل تھی) دو اضافی علیحدہ بریگیڈز ایک پیراشوٹ بریگیڈ بطور کمان ریزرو متعدد آرٹلری بریگیڈز اور بارڈر سیکورٹی فورسز کی 35 بٹالین (جن کی مدد کے لئے ایئرفورس کے 11 اسکواڈرن موجود تھے) اور نیول فورس میں دو سب میرین ایک ایئرکرافٹ کیریئر لینڈنگ کرافٹ (جن میں ایک بٹالین فوج کو زمین پر اتارنے کی صلاحیت تھی اور انہیں ٹینکوں کی مدد بھی حاصل تھی اور تقریباً 25 سے 30 پیٹرول کرافٹس، کچھ فریگیٹس اور تباہ کن جہاز شامل تھے، صرف اس مقصد سے جمع کر رہا ہے کہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پراکسی جنگ لڑ سکے؟

اس نوعیت کی وسیع پیمانے پر کی جانے والی فوجی تیاریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حقیقت کی جانب سے نہ صرف آنکھیں بند کر لی گئیں بلکہ ایک ایسی غفلت کا مظاہرہ کیا گیا جسے شرمناک کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

اس غلطی کی مدافعت میں انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ اگر ان کی منصوبہ بندی میں کوئی نقص تھا تو جی ایچ کیو یا اعلیٰ کمان اسکی اصلاح کر سکتی تھی یا پھر ان کی بجائے باصلاحیت اور ماہر شخص کو متعین کیا جا سکتا تھا۔ تاہم یہ کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ حالانکہ ہم اعلیٰ کمان کو مکمل طور بری الذمہ قرار نہیں دے رہے تاہم یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کی خاموشی کا سبب یہ تھا کہ مشرقی کمان نے جو جنگی حکمت عملی اختیار کی تھی وہ جی ایچ کیو کی منصوبہ بندی کے عین مطابق تھی جیسا کہ ہم اپنی اصل رپورٹ میں پہلے بھی نشاندہی کر چکے ہیں کہ جی ایچ کیو کے کرتا دھرتا افراد کا نقطۂ نظر یہ ہوگا کہ مغربی محاذ پر بھارت کے ساتھ حساب کتاب طے کرنے کا ایسا موقع دوبارہ نہیں ملے گا جہاں دونوں افواج کے مابین یکساں پوزیشن موجود تھی، چنانچہ اس صورتحال کا پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے خواہ اس کے عوض مشرقی پاکستان سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونا پڑیں۔ لہٰذا ہمیں اس بات کا اعادہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس نظریے کی غیر اخلاقی کجروی کی شدید مذمت کی

جائے، جس نے ہمیں سکتے میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ اسی سبب سے ہم نے اس لیڈرشپ پر مقدمہ چلانے کی سفارش کی ہے جس کے ہاتھوں میں بدقسمتی سے اس وقت ملک کی باگ ڈور تھی۔

۞۞۞

مسلح افواج کی تیاری کی حالت

ہم نے اپنی اصل رپورٹ میں کسی حد تک اس موضوع کا عمومی طور پر جائزہ لیا ہے اور پاکستان آرمی کی ساز و سامان اور تربیت دونوں پہلوؤں سے تیاری کے سوال پر غور کیا ہے۔ بہر کیف! جہاں تک مشرقی محاذ کا تعلق ہے تو اس حوالے سے اس کی ایک بے حد تاسف انگیز اور تاریک تصویر اب ابھر کر سامنے آئی ہے۔

25 مارچ 1971ء سے قبل اگرچہ مشرقی محاذ کو ''مشرقی کمان کا درجہ دیتے ہوئے اسے لیفٹیننٹ جنرل کے رینک کے کور کمانڈر کے ماتحت دے دیا گیا تھا' جو فقط ایک ڈویژن پر مشتمل تھی' تاہم بعد میں سیلون کے فضائی راستے سے فوجی دستوں کی منتقلی کے ذریعے تیزی کے ساتھ اس قوت میں اضافے اور استحکام کی کوشش کی گئی چنانچہ ایک ہی مہینے کے اندر اندر یہ تعداد بڑھ کر تین ڈویژنوں تک پہنچ گئی۔ جو بجائے خود ایک بڑا قابل ذکر واقعہ تھا بہر کیف اس طرح وہاں پہنچنے والے فوجی دستے بھاری اسلحہ اور ساز و سامان اپنے ہمراہ نہ لا سکے۔ بعد میں درمیانی درجے کے بھاری ہتھیاروں کو سمندری راستے کے ذریعے منتقل کیا گیا جس کے بعد یہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔

25 مارچ 1971ء سے پہلے فوجی دستوں کی پوزیشن حسب ذیل تھی۔

(1) ہیڈ کوارٹر مشرقی کمان

(2)14 ڈویژن ہیڈ کوارٹر

(3)4 بریگیڈ ہیڈ کوارٹرز

(4)12 انفنٹری بٹالین

(5) ایک آرمرڈ رجمنٹ (جو مغربی اور مشرقی پاکستان کے فوجیوں پر مشتمل تھی۔ اس رجمنٹ کے پاس ایم 24 ٹینک تھے' جو فرسودہ حالت میں تھے)

(6) دو کمپنیوں پر مشتمل ایک کمانڈو بٹالین (اس میں مغربی اور مشرقی پاکستانی دونوں شامل تھے)

(7)5 آرٹلری رجمنٹس (مغربی اور مشرقی پاکستان دونوں شامل تھے)۔

(8) ایک لائٹ اینٹی ایئر کرافٹ رجمنٹ (اس میں مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں شامل تھے۔

(9)2 مارٹر بٹالین (مشرقی اور مغربی پاکستانی دونوں شامل تھے)۔

جس کے باعث وہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کے خلاف کوئی جوابی کارروائی تک
نہیں کر سکتے تھے۔ عوامی لیگ کی جانب سے ٹھیکیداروں کو کنٹونمنٹ کے علاقوں میں داخل ہونے
سے روکے جانے کے نتیجے میں ان کے لئے تازہ راشن کی سپلائی بھی منقطع ہو چکی تھی جسے بعد میں
مغربی پاکستان سے ہوائی جہازوں کے ذریعے فراہم کیا گیا۔ گواہ نمبر 233 جنرل انصاری گواہ
نمبر 113 جنرل ٹکا خان اور گواہ نمبر 284 جنرل فرمان علی کی شہادتوں کے حوالے سے) لوگوں
کے یہ ہجوم بلا کسی خوف و خطر کے جس طرز عمل کا مظاہرہ کر رہے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے
بخوبی لگایا جا سکتا ہے' جو ڈھاکہ کے مضافات میں جوئے دیو پور بازار کے قریب 14 مارچ
1971ء کو پیش آیا۔ جہاں راستے کو بند کر کے ایک فوجی ٹرک میں سوار فوجیوں پر فائرنگ کی گئی
تاکہ وہاں سے گاڑیوں کی آمد و رفت کو روکا جا سکے۔ (جنرل ٹکا خان گواہ نمبر 13 کی شہادت کے
حوالے سے اس موقع پر فوجیوں کو بھی اپنے دفاع کے لئے مجبوراً فائرنگ کرنا پڑی۔ شیخ مجیب
الرحمٰن نے اس واقعہ کو بھی اعلیٰ فوجی کمانڈ کی عہد شکنی سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فوجی کمانڈ فوجیوں کو بیرکوں
میں واپس بھیجنے کا وعدہ کر چکی تھی۔ ہم اپنی اصل رپورٹ میں مذاکرات کے سلسلے میں ہونے والی
پیرفت کا تذکرہ کر چکے ہیں چنانچہ ہم اس میں مزید کوئی اضافہ نہیں کریں گے' سوائے اس بات کی
نشاندہی کے جب شیخ مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ کے نمائندے مذاکرات کے لئے آئے تو بنگلہ
دیش کا پرچم' ان کی کاروں پر لہرا رہا تھا۔ 23 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ شہر میں ایوان صدر وہ واحد
عامرت تھی جس پر پاکستانی پرچم بلند تھا' جبکہ دیگر تمام عمارتوں پر بنگلہ دیش کے پرچم نظر آ رہے
تھے۔ ہم اس بات کی تفصیل میں نہیں پڑنا چاہیے کہ کیا اس تمام عرصے کے دوران فوجی حکام کی
جانب سے بے عملی کا مظاہرہ' پہلے سے طے شدہ تھا؟ حالانکہ اس کمیشن کے روبرو فوج سے تعلق
رکھنے والے بعض گواہان یہ کہہ چکے ہیں کہ بے عملی کا دیدہ و دانستہ مظاہرہ اس غلط فہمی کی بنیاد پر کیا
گیا کہ امن و امان کی صورتحال انتہائی ابتر ہو جانے کے بعد عوامی لیگ کے قابو سے بھی باہر
ہو جائے گی۔ جس کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن' امن و ایمان کی بحالی کے لئے مجبوراً فوج کی مدد

حاصل کرنے کے خواہاں ہوں گے۔ بریگیڈیئر سعد اللہ (گواہ نمبر 253) نے اس سلسلے میں بتایا کہ "ڈی ایم آئی کے مطابق مرکزی حکومت یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ شیخ مجیب الرحمٰن بذات خود حکومت نہیں چلا سکیں گے۔ چنانچہ ایک منصوبے کے تحت فوجی ایکشن کا جواز پیدا کرنے کے لئے ان حالات کو جنم دیا گیا۔"

ایک سیاسی معرکہ فوجی فتح میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا تھا: جنرل نیازی

تاہم ایسا نہیں ہوا۔ دوسری جانب فوج کی اس بے عملی کے سبب حکومتی کنٹرول مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا جس کے نتیجے عوامی لیگ کی پوزیشن مزید مضبوط ہو گئی۔ جس نے مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سول ملازمین اور فوجی و نیم فوجی اہلکاروں کی وفاداریوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

جنرل نیازی نے اپنے بیان میں دعویٰ کیا ہے کہ ہیڈ کوارٹر ایم ایل اے زون "بی" نے 12 فوجیوں ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس کی وفاداریاں مشکوک ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اب یہ عناصر عوامی لیگ کی حمایت مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے فوجیوں کی تعداد میں اضافہ نہیں کیا گیا۔ (اور نہ ہی فوجیوں کو اس بات سے خبردار کیا گیا کہ سیاسی مذاکرات ناکام ہونے اور عوامی لیگ کے خلاف سنگین کارروائی کی صورت میں انہیں اپنی حفاظت خود ہی کرنا ہوگی۔

عوامی لیگ کی غیر معمولی دہشت گردی کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے جس کا بین الاقوامی جیورسٹ کمیشن کی تیار کردہ "بنگلہ دیش اسٹڈیز" میں بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ 25 مارچ 1971ء سے بھی پہلے مشرقی پاکستان سے بڑے پیمانے پر غیر بنگالیوں کا انخلاء شروع ہو گیا تھا اور وہ عوامی لیگ کے رضاکاروں کی جانب سے قائم کی گئی چیک پوسٹوں پر اپنی قیمتی اشیاء سے ہاتھ دھونے کے بعد کنٹونمنٹ اور ڈھاکہ ایئر پورٹ کے علاقوں میں ہزاروں کی تعداد میں پناہ گزینوں کی حیثیت سے اکٹھے ہو رہے تھے۔

اس پس منظر جنرل یحییٰ خان ڈھاکہ میں جاری نام نہاد سیاسی مذاکرات سے کس قسم کی کامیابی حاصل کرنے کی توقع کر رہے تھے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر ہم اپنی رائے کا اظہار پہلے ہی کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اس بات کی از سر نو تصدیق ضروری ہے کہ جب تک یحییٰ

خان اور ان کی فوجی جنتا عوامی لیگ کی جانب سے خارجہ پالیسی غیر ملکی امداد کرنسی اور ریزرو بینک کے معاملات میں معمول رعایتیں دینے کے علاوہ اس کے ڈھیروں مطالبات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہو جاتی اس وقت تک یہ مذاکرات کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے تھے۔ فروری میں وہ راولپنڈی میں ہی سب کچھ نہ کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کر چکے تھے اور اب اس کا جواز تلاش کیا جا رہا تھا۔ گویا بالفاظ دیگر شیخ مجیب الرحمٰن کی وفاداری کا امتحان مقصود تھا۔

فوج نے بغاوت کی آگ بجھانے کی بجائے اسے مزید ہوا دی

جہاں تک سیاسی مذاکرات کا تعلق ہے تو ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ ان کی ناکامی کا سرکاری طور پر کبھی اعلان نہیں کیا گیا تاہم وہ اس وقت تک مسلسل جاری رہے جب تک جنرل یحییٰ خان عوامی لیگ یا پیپلز پارٹی میں سے کسی ایک کو بھی مطلع کئے بغیر خفیہ طور پر ڈھاکہ سے روانہ نہیں ہو گئے حالانکہ یہ مذاکرات ناکام ہو چکے تھے۔ سرکاری طور پر پیپلز پارٹی کے نمائندوں کو صرف یہ بتایا گیا کہ صدر مشرقی کمانڈ کی جانب سے کھانے کی دعوت پر جا رہے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ کراچی روانہ ہونے سے قبل وہ یہ ہدایت کر گے تھے کہ جوں ہی ان کا جہاز کراچی کی حدود میں پہنچے مشرقی پاکستان میں ملٹری ایکشن شروع کر دیا جائے۔ چانچہ 25 اور 26 مارچ کی درمیانی شب کو فوجی دستے حکومت کی اتھارٹی کو بحال کرانے کی غرض سے ڈھاکہ کنٹونمنٹ سے باہر نکل آئے اور بدنام زمانہ ملٹری ایکشن شروع کر دیا گیا۔

اس ضمنی رپورٹ کے ایک اور حصے میں ہم نے یہ خیال ظاہر کا ہے کہ مشرقی پاکستان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے پیش نظر حکومت کی اتھارٹی کو بحال کرنے کے لئے بعض انتہائی سخت اقدامات ناگزیر ہوں گے۔ تاہم ان کا مقصد مضبوط حیثیت کے ساتھ کسی سیاسی تصفیے کا حصول ہونا چاہئے۔ کیونکہ مارشل لاء حکومت بدقسمتی سے اس وقت نسبتاً کمزور پوزیشن کی حامل تھی۔ جنرل نیازی نے اپنے بیان میں اس امر کی واضح طور پر نشاندہی کی ہے کہ "ایک سیاسی معرکہ فوجی فتح میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا تھا" لیکن بدقسمتی سے ان اقدامات کا مقصد یہی تھا۔ اس مقصد کے لئے ہنگامی منصوبے جسے "آپریشن بلٹز" کے نام سے لیفٹیننٹ جنرل یعقوب نے تیار کیا تھا پہلے موجود تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 25 مارچ 1971ء کو کیا جانے والا فوجی ایکشن اس منصوبے کی بنیاد پر نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ سب کچھ انٹیلی جنس کی یہ رپورٹ ملنے کے بعد انتہائی

مجلت میں کیا گیا تھا کہ عوامی لیگ 26 مارچ 1971ء کی صبح تین بجے فوج ایکشن شروع کرنے کی منصوبہ بندی کر چکی ہے۔ ہمارے روبرو پیش کی جانے والی شہادتوں سے اس انٹیلی جنس رپورٹ کی تصدیق ہوتی ہے کہ جب فوج کنٹونمنٹ سے باہر آئی تو فارم گیٹ سے آگے شاہراؤں کو جگہ جگہ بڑے بڑے خطرناک انداز سے بلاک کر کے اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ بعض فوجی گواہوں نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ صرف ڈھاکہ میں نصف شب سے پہلے ہی 23 مقامات پر روڈ بلاک کئے گئے تھے جو عوامی لیگ کی طرف سے کی جانے والی کارروائی کا واضح اشارہ تھا۔ جبکہ دوسری جانب سویلین گواہوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے چونکہ ملٹری ایکشن کا راز طشت از بام ہو چکا تھا لہٰذا عوامی لیگ' فوج کی پیش قدمی کو روکنے کی تیاری کر رہی تھی۔ جیسا کہ ایک فوجی گواہ کرنل منصور الحق (گواہ نمبر 260) نے کہا ہے کہ "فوج نے بغاوت کی آگ بجھانے کی بجائے اسے مزید ہوا دی۔"

ایس ایم نواب (گواہ نمبر 220) نے ہمیں بتایا کہ 25 مارچ کو صبح 9 بجے تک پورے ڈھاکہ شہر کو یہ علم کچھ نہ کچھ ضرور ہونے والا ہے۔ تقریباً اس وقت کچھ بنگالیوں نے روڈ بلاک کرنے شروع کر دیئے تھے اور ریلوے لائنوں پر ویگنیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔

جنرل فرمان علی کی گواہی سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ 16 مارچ 1971ء کو جنرل یحییٰ خان کی ڈھاکہ آمد کے فوراً بعد ہی فوجی ایکشن کے امکان پر غور کر لیا گیا تھا چنانچہ 23 مارچ 1971ء کو اس سلسلے میں حتمی ہدایات بھی جاری کر دی گئی تھیں۔ موجودہ چیف آف دی آرمی اسٹاف جنرل ٹکا خان نے 1972ء میں کی جانے والی جرح کے جواب میں کہا تھا کہ 23 مارچ کی دوپہر کو مجھ سے 24 مارچ کو مختصر نوٹس پر فوجی ایکشن کا منصوبہ تیار کرنے کے لئے کہا گیا تھا چنانچہ ڈھاکہ میں کئے جانے والے ایکشن کی صدر اور چیف آف دی آرمی اسٹاف سے مکمل وضاحت کر دی گئی تھی۔

جنرل فرمان علی نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ 23 مارچ کو ان سے ایک ہنگامی منصوبہ تیار کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ جنرل فرمان علی کے مطابق جنرل ٹکان خان اور جنرل خادم حسین رضا بھی ان کے ساتھ منصوبہ بندی میں شریک تھے ان کی مکمل فہرست اس منصوبے کے تحت بریگیڈیئر 57 کے کمانڈر بریگیڈیئر جہاں زیب ارباب کے سپرد کر دی گئی تھی۔ جنہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ بریگیڈیئر سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ ان لوگوں کے

گھروں کا پتہ لگانے کی غرض سے لوگوں کو بھیجیں' جنہیں گرفتار کیا جانا تھا'۔ تاہم جنرل فرمان علی کے بیان کے مطابق تقریباً شام سات بجے' عوامی لیگ کے لیڈروں کو خبر مل چکی تھی کہ صدر واپس جا رہے ہیں' چنانچہ سب فوری طور پر غائب ہو گئے۔ ان میں سے صرف ایک شخص اپنی رہائش گاہ پر موجود تھا یہ لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں پر چلے گئے تھے۔ جب کہ خوندکر مشتاق احمد' پٹیاں باندھ کر اسپتال پہنچ گے تھے۔

جنرل ٹکا خان نے ہمیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ انہوں نے مشرقی پاکستان میں تعینات اپنے سینئر فوجی افسروں کو ڈھاکہ میں جمع کر کے اس فوجی ایکشن کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ بہرحال نہ تو اس دعوے کی کسی دوسرے آفیسر نے تصدیق کی ہے اور نہ ہی بعد میں رونما ہونے والے واقعات سے اس سلسلے میں کوئی مدد ملتی ہے۔ ڈھاکہ میں موجود لوجسٹک کے انچارج ایک سینئر آفیسر نے کہا کہ اسے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں بتایا گیا تھا۔ (حوالہ میجر جنرل انصاری' گواہ نمبر 233 اگر ایسا کر لیا جاتا تو غداروں کے ہاتھوں مغربی پاکستانی آفیسرز اور ان کے اہل خانہ کو قتل ہونے سے بچایا جا سکتا تھا۔

جنرل فرمان علی کے مطابق اس امکانی منصوبے سے انہیں حسب ذیل نتائج کی توقع تھی۔ ان کا کہنا ہے "میرا خیال یہ تھا کہ ہمیں ممکنہ طور پر ایک بھرپور قسم کی کارروائی کرتے ہوئے تمام اہم علاقوں کو کنٹرول کرنا ہوگا۔ ہمیں لوگوں کو ٹیلی فون ایکس چینجوں میں بھیج کر' مواصلاتی لائنوں کو عارضی طور پر منقطع کرنا پڑے گا۔" تاہم جنرل نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "جب فوج یہ تیاریاں کر رہی تھی تو عوامی لیگ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی تھی وہ بھی اس ہنگامی یا ایسی ہی کسی امکانی مصورت حال سے نمٹنے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ان کا ملٹری ونگ جنرل عثمانی کی قیادت میں کام کر رہا تھا (جو اس وقت ایک ریٹائرڈ کرنل تھے (انہوں نے ای پی آر بٹالینوں کے مشرقی بنگال یونٹوں کے کمانڈروں مجاہدین اور رضا کاروں کے ساتھ ملاقاتوں کے نتیجے میں ایک ایسا منصوبہ تیار کر رکھا تھا جس میں پاکستانی فوج کے خلاف فوجی اقدام کا تصور پیش کیا گیا تھا۔ بہرحال انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ یہ اطلاع ملٹری ایکشن شروع ہونے کے بعد ان تک پہنچی تھی' تاہم جنرل فرمان علی کی رائے کے مطابق "سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کئے جانے کے باعث خاموشی کے ساتھ کیا جانے والا یہ حملہ ڈھکا چھپا نہ رہ سکا چنانچہ ایسٹ پاکستان رائفلز کے مسلح افراد کو جیل خانہ اور مسلح پولیس کو ان کی بیرکوں میں جمع کر کے

انہیں غیر مسلح ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ ای پی آر ہیڈ کوارٹر میں اس آپریشن کی کارروائی بغیر کسی جانی نقصان کے آسانی کے ساتھ مکمل کر لی گئی جس کے دوران صرف ایک مغربی پاکستان میجر زخمی ہوا۔ تاہم پولیس کے بیرکس اور یونیورسٹی کے علاقے میں جہاں ٹریننگ سینٹرز قائم تھے جانی نقصان نسبتاً زیادہ ہوا کیونکہ یہاں فوجی دستوں پر پہلے ہی فائرنگ شروع کر دی گئی تھی۔

جنرل فرمان علی کے مطابق جو روڈ بلاک اور رکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں ان میں بعض مقامات پر 5 فٹ اونچی دیواریں اور بعض مقامات پر درختوں کے بڑے بڑے تنے اور ہر قسم کی ناکارہ گاڑیاں بھی شامل تھیں چنانچہ ضروری احتیاط کے پیش نظر ان رکاوٹوں پر فائرنگ کی گئی کیونکہ خدشہ تھا کہ رکاوٹیں کھڑی کرنے والے افرادان کی مسلح حفاظت کے لئے ضرور موجود ہوں گے بہرکیف جنرل نے زور دیتے ہوئے کہا ''کسی بھی شخص کے خلاف براہ راست کوئی فائرنگ نہیں کی گئی۔''

جہاں تک یونیورسٹی کے علاقے کا تعلق ہے۔ انہوں نے ایک بار پھر اس خیال کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہاں بھرپور طاقت استعمال کی گئی تھی۔ ان کے مطابق یونیورسٹی کو بند ہوئے دو ماہ سے زائد عرصہ گزر چکا تھا جس کے نتیجے میں بجا طور پر یہ توقع تھی کہ تمام ہاسٹلز طلبا سے خالی ہو چکے ہوں گے۔ چنانچہ جب فوج یونیورسٹی کے علاقے کی طرف بڑھی تو اس پر چار گھنٹے تک فائرنگ کی گئی۔ لہٰذا ہماری بٹالین نے کسی کو جانی نقصان پہنچانے کے ارادے سے نہیں بلکہ محض خوف زدہ کرنے کی غرض سے راکٹ لانچر کا ایک سنگل راؤنڈ فائر کیا اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ اندر موجود افراد کو پیشگی وارننگ دی جا چکی تھی کہ وہ باہر نکل آئیں اور اپنے اپنے ہتھیار پھینک دیں۔

ان کے مطابق ڈھاکہ میں کی جانے والی اس کارروائی کے نتیجے میں مجموعی طور پر 139 افراد ہلاک و زخمی ہوئے جن میں سے 60 کو ہسپتال لے جایا گیا جب کہ مقابلتاً مشین گن اور رائفل سے کی جانے والی فائرنگ کے نتیجے میں فوج کے ایک افسر سمیت چار جوان زخمی ہوئے۔ شہریوں کے جانی نقصان کے تعلق سے انہوں نے کہا کہ جن 139 افراد کا ذکر انہوں نے کیا ہے وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے تھے تاہم جو لوگ زخمی ہوئے تھے وہ ان کی تعداد بتانے سے قاصر ہیں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ایک اور گواہ ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر ڈھاکہ محمد

اشرف (گواہ 275) نے ہمیں بتایا کہ ڈھاکہ اور اس کے مضافاتی علاقوں میں فوجی ایکشن کے نتیجے میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد پانچ سو سے ایک ہزار افراد کے لگ بھگ تھی۔

اس ملٹری ایکشن میں شریک بریگیڈئر قاسم (گواہ نمبر 267) نے بتایا کہ 25 مارچ کو ڈھاکہ میں کوئی منظم جنگ نہیں لڑی گئی بلکہ فوجی اہلکار انتقام اور اشتعال کی آگ میں اندھے ہو چکے تھے چانچہ اس کے زیر اثر انہوں نے طاقت کا اندھا دھند استعمال کیا۔

بہرکیف جنرل نے ان تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اس بات کو ماننے سے بھی انکار کیا کہ فوج کی فائرنگ سے ہلاک ہونے والوں کو اجتماعی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔

جب جنرل سے خاص طور پر یہ پوچھا گیا کہ فوجی ایکشن کے آغاز کے لئے مخصوص تاریخ اور وقت کا تعین کیا گیا جب کہ خود ان کے بقول اس بات کی کوئی پیشگی اطلاع نہیں تھی کہ عوامی لیگ بھی اپنا فوجی ایکشن شروع کرنے والی ہے تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ''اگر کوئی یہ کہتا ہے تو بالکل غلط کہتا ہے کہ چونکہ عوامی لیگ کارروائی کرنے والی تھی لہٰذا ہم نے بھی کارروائی شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہمیں یہ بات فوجی ایکشن شروع ہونے کے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد معلوم ہوئی تھی۔ جب ہم نے ایک بار پھر یہ سوال کیا کہ تاریخ کا تعین کیسے ہوا تھا تو جنرل نے اس کا یہ جواب دیا ''ہمیں بتایا گیا تھا کہ صدر باہر جا رہے ہیں اور مشرقی کمانڈ کے کمانڈر کی رہائش گاہ پر 25 مارچ کو ایک اجلاس ہونے والا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ اجلاس ہوا تو ضرور تاہم حیرت انگیز طور پر مجھے اس اجلاس میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی۔ دراصل جنرل ٹکا خان نے ایک عشائیہ دیا تھا جس میں میرے علاوہ جنرل خادم حسین کو بھی مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ اسی اجلاس میں حتمی فیصلہ کیا گیا جس کے بعد صدر مغربی پاکستان روانہ ہو گئے تاہم طے شدہ منصوبے کے مطابق ایسی کسی بھی کارروائی کے آغاز کے لئے ایک بجے نصف شب کا وقت پہلے ہی مقرر کیا جا چکا تھا۔ اس کے بعد جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا واقعی وہاں کسی عشائیے کا اہتمام کیا گیا تھا تو جنرل نے کہا کہ ''میرے خیال میں کہا تو یہی گیا تھا کہ صدر کسی عشائیے میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں' تاہم 7 بجے شام تو عشائیے کا وقت ہو نہیں سکتا لہٰذا عین ممکن ہے کہ انہوں نے ایوان صدر میں اپنے اسٹاف سے کہہ دیا ہو کہ وہ عشائیے میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں''۔ جنرل کی یہ بات بھی کافی دلچسپ ہے کہ ان کی رائے میں ملٹری ایکشن بہت پہلے ہی ہو جانا چاہیے تھا

کیونکہ انہیں اطلاع مل چکی تھی کہ عوامی لیگ کے تمام رہنما رات 9 بجے شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائش گاہ پر جمع ہونے والے تھے۔ بہر کیف انہیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ "ملٹری ایکشن اس وقت تک شروع نہیں کیا جا سکتا جب تک صدر کا طیارہ کراچی سے چالیس میل کے فاصلے پر نہ پہنچ جائے کیونکہ اس سے پہلے فوجی ایکشن کئے جانے کے نتیجے میں یہ خدشات کئے جاتے تھے کہ بھارت ان کے طیارے کو گرانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ بہر حال صبح تک ڈھاکہ میں کیا جانے والا فوجی ایکشن اپنے اختتام کو پہنچ گیا جس کے بعد فوجی دستوں نے ایک ٹینک کے ساتھ نارائن گنج کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جنرل فرمان علی کے مطابق نارائن گنج کا بڑی خوبی کے ساتھ دفاع کیا گیا۔ فوجی دستوں پر چھوٹے ہتھیاروں اور مولوٹوف کاک ٹیل سے فائرنگ کی گئی چنانچہ اس مزاحمت کے پیش نظر مزید فوج نارائن گنج بھیجی گئی جس کے بعد اس علاقے سے ایک دو روز کے اندر شورش پسندوں کا خاتمہ کر دیا گیا جس کی قیادت طالب علم رہنما کر رہے تھے۔

27 مارچ 1971ء کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ سیکنڈ ای پی آر بٹالین نے جوئے دیو پور میں بغاوت کر دی ہے چنانچہ فوری طور پر وہاں فوج روانہ کر دی گئی' وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ مشرقی پاکستان کے باغی فوج دستوں نے مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے جونیئر کمانڈنگ آفیسر کے تمام اہل خانہ کو قتل کر دیا ہے۔ اس واقعے کے نتیجے میں مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے فوجیوں میں شدید اشتعال پیدا ہونا غیر فطری نہیں تھا جیسا کہ لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان (گواہ نمبر 276) نے بتایا ہے کہ "بریگیڈیئر ارباب نے مجھ سے کہا کہ جوئے دیو پور میں تمام گھروں کو تباہ و برباد کر دیا جائے چنانچہ میں نے کافی حد تک اس حکم کی تعمیل کی"۔

جہاں تک چٹاگانگ کا تعلق ہے میجر جنرل ایم ایچ انصاری (گواہ نمبر 233) (جو اس وقت مشرقی پاکستان میں حمل و رسد کے انچارج تھے) کا کہنا ہے کہ انہیں 24 مارچ 1971ء کو جنرل خادم حسین راجہ اور جنرل مٹھا کے ہمراہ بحری جہاز ایس ایس سوات سے سامان اتارنے میں مدد دینے کی غرض سے چٹاگانگ بھیجا گیا' یہ جہاز پاکستان آرمی کے لئے ایمونیشن لے کر آیا تھا۔ عوامی لیگ جہاز سے ایمونیشن اتارنے میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی اس کے باوجود اس مرحلے پر بھی انہیں 25 اور 26 مارچ کو کئے جانے والے فوجی ایکشن کے بارے میں کئی اطلاع نہیں دی گئی۔ بہر ال 25 مارچ کو شام چار بجے جنرل ٹکا نے ٹیلی فون پر ان سے کہا کہ 20 ویں بلوچ کے فوجی دستوں کو جنہیں جہاز سے سامان اتارنے کے لئے مقرر کیا گیا

تھا جتنی جلد ممکن ہو سکے چٹاگانگ کنٹونمنٹ بھیج دیا جائے۔ رات تقریباً دو بجے انہیں ٹیلیفون کے ذریعے اطلاع ملی کہ رجمنٹل سینٹر میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی چنانچہ صورتحال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بحریہ کے اہلکاروں کی مدد سے چٹاگانگ ائرپورٹ کے علاقے کا از خود تحفظ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ 26 مارچ کی دوپہر جنرل مٹھا دوبارہ چٹاگانگ آئے اور ان کی جانب سے کئے گئے اس فیصلے کی تعریف کی۔

بہر کیف 23 مارچ 1971ء کو جنرل ٹکا کان کی جانب سے اگر کوئی بریفنگ دی گئی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ اس میں شامل نہیں تھے۔ حالانکہ ان کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ کسی بھی آپریشن کی منصوبہ بندی میں انہیں ضرور شریک کیا گیا ہوگا۔

چٹاگانگ کے ایسٹ پاکستان رجمنٹل سینٹر کو غیر مسلح کرنے کی ذمہ داری 20 بلوچ کے سپرد کی گئی تھی تاہم جوں ہی وہ وہاں پہنچے ان پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ رجمنٹل سینٹر پہلے ہی سے اس صورتحال کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھا اور اس مقصد سے اہم مقامات پر خندقیں بنا کر پوزیشنیں سنبھال لی گئی تھیں۔ وہاں تمام رات اور دوسرے روز بھی دن بھر اس وقت تک فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا جب تک باغی اہلکاروں نے کالی گھاٹ کی طرف جا کر پوزیشنیں نہیں سنبھال لیں۔

شہر کے دیگر علاقوں میں بھی غیر بنگالیوں کے قتل عام زنا اور لوٹ مار کے واقعات کا سلسلہ بدستور جاری تھا چنانچہ 27 اور 28 مارچ کی رات ایک اور بٹالین 25 ویں فرنٹیئر فورس کو چٹاگانگ روانہ کیا گیا اور اس طرح 29 مارچ 1971ء کو صورتحال پر قابو پا لیا گیا جس کے بعد انہوں نے یکم اپریل 1971ء کو چارج بریگیڈیئر حسن کے چٹاگانگ پہنچنے پر ان کے حوالے کر دیا۔

مذکورہ بالا شواہد سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جہاں بیشتر فوجی افسران نے اس وقت کے مروجہ حالات کے پیش نظر فوجی ایکشن کے دوران طاقت کے استعمال کو حق بجانب قرار دیا ہے وہیں جنرل نیازی سمیت بہت سے افسران ایسے بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ مارچ 1971ء میں درپیش صورتحال کے مدنظر فوجیوں پر نہایت منفی قسم کے نفسیاتی اثرات مرتب ہو چکے تھے چنانچہ جب کبھی وہ ملٹری ایکشن کی غرض سے باہر نکلتے تھے تو ان کے سر پر بدلے اور انتقام کا بھوت سوار ہوتا تھا۔ یہ صورتحال اس وقت مزید ابتر ہو جایا کرتی تھی جب کبھی یہ اطلاع ملتی کہ

باغی اہلکاروں نے مغربی پاکستان کے فوجی افسران کی ایک بڑی تعداد کو ان کے افراد خانہ سمیت قتل کر دیا ہے۔

جمہوری نظام کی بحالی کا یہ نام نہاد منصوبہ دھوکے اور فریب کے سوا کچھ بھی نہ تھا

ملٹری ایکشن کی اطلاعات بہت جلد پورے ملک اور تقریباً تمام سرحدی چوکیوں پر تعینات ای پی آر کے اہلکاروں تک پہنچ گئیں۔ چونکہ ان سرحدی چوکیوں پر پاکستانی فوجی دستے اس وقت تک نہیں پہنچ پائے تھے لہٰذا ان اہلکاروں نے اپنے ہتھیاروں سمیت بغاوت کر دی۔ دوسری چھاؤنیوں میں بھی مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے فوجیوں کو غیر مسلح کئے جانے کی کوششوں نے اس بغاوت کو زیادہ ہوا دی۔ تاہم غیر مسلح کرنے کا یہ عمل جیسور، کومیلا اور رنگ پور کے سوا بیشتر مقامات پر کم و بیش کامیابی کے ساتھ مکمل کر لیا گیا۔ یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ کومیلا میں لوگوں کو غیر مسلح کرنے کے بعد انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح رنگ پور میں بھی 29 ویں کیولری رجمنٹ کے اہلکاروں کو غیر مسلح کر کے انہیں ختم کر دیا گیا تھا۔ تاہم ان مظالم کا تذکرہ کسی اور باب میں کیا جائے گا۔

ایسا لگتا ہے کہ جیسور میں مشرقی پاکستانی فوجی اپنے ہتھیار پھینکنے کے بعد ای پی آر کی سرحدی چوکیوں پر تعینات باغی اہلکاروں کی شہ پا کر بغاوت پر آمادہ ہو رہے تھے چنانچہ انہوں نے کوٹ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی جہاں بڑی مقدار میں ہتھیار جمع تھے جس پر وہاں لڑائی شروع ہو گئی اور فریقین کے جانی نقصان کے بعد صورتحال خود بخود قابو میں آ گئی۔

ان شواہد سے ایک نیا نکتہ ابھر کر سامنے آیا ہے کہ فوجی ایکشن اس لئے شروع نہیں کیا گیا تھا (جیسا کہ اس سے قبل 1972ء میں ہمیں یقین دلایا گیا تھا (کہ عوامی لیگ بھی 26 مارچ 1971ء کو فوجی ایکشن کا منصوبہ بنا چکی تھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عوامی لیگ کے پاس ایسا کوئی ہنگامی منصوبہ سرے سے موجود نہیں تھا بہرحال ہم جنرل فرمان علی کی اس رائے سے اتفاق کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ ملٹری ایکشن عوامی لیگ کی جانب سے کسی فوجی ایکشن کی منصوبہ بندی کو ناکام بنانے کی غرض سے شروع نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ جنرل فرمان علی نے اپنے بیان میں کہا ہے "میرے خیال میں یہ دونوں موقف بالکل غلط ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم تیار نہیں تھے غلط ہے

اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ وہ لوگ بغاوت پر کمربستہ تھے" بہرکیف جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ آخر ملٹری ایکشن کی کیا ضرورت تھی؟ تو جنرل نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ "صدر یحییٰ خان پر فوج کے ان جنگجو عناصر کا غلبہ تھا جو ایک سیاسی سیٹ اپ میں مشرقی پاکستان کی بالادست حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ جن میں جنرل عمر جنرل مٹھا، جنرل حمید اور جنرل اکبر کے نام شامل ہیں۔

اس بات سے ہمارے ان نتائج کی تصدیق ہوتی ہے کہ جنرل یحییٰ خان اور ان کی ملٹری جنتا بدستور اقتدار سے چمٹی رہنا چاہتی تھی چنانچہ جمہوری نظام کی بحالی کا یہ نام نہاد منصوبہ دھوکے اور فریب کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو دبانے کا فیصلہ فروری کے مہینے میں ہی کیا جا چکا تھا جس کے بارے میں اب جنرل فرمان علی نے انکشاف کیا ہے چنانچہ ان مذاکرات کی حیثیت محض کیموفلاج کی سی تھی تا کہ یحییٰ خان کی جنتا کو ملٹری ایکشن کے لئے جواز فراہم ہو سکے۔ جنرل فرمان علی کی جانب سے پیش کیا گیا خلاصہ اس قابل ہے کہ یہاں اس کا اعادہ کیا جائے انہوں نے ان خیالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے" یہ بات بالکل واضح تھی کہ اگر آپ جمہوری طرز عمل اختیار کرتے ہیں تو تمام تر سیاسی قوت اور اقتدار مشرقی پاکستان کو منتقل کرنا پڑے گا جب کہ مغربی پاکستان کا تمام تر انحصار صرف فوج پر تھا اس سلسلے میں سب ہی کو مورد الزام سمجھتا ہوں۔ صرف فوج ہی کو نہیں پورے مغربی پاکستان کا رویہ یہی تھا۔ وہ مشرقی پاکستان کے سیاسی تسلط کو بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

✿✿✿

متعدد افسران کا اعتراف کہ گولی کا جواب وہ راکٹ لانچرز اور مارٹرز سے دیتے تھے

جیسا کہ ہم اپنی اصل رپورٹ میں نشاندہی کر چکے ہیں فوجی ایکشن شروع ہو جانے کے بعد فضائی راستے سے فوجی دستوں کو مشرقی پاکستان لانے کا کام شروع ہوا۔ چنانچہ جوں جوں یہ فوجی دستے اپنے چھوٹے ہتھیاروں کے ساتھ وہاں پہنچے انہیں صفایا کرنے والے آپریشنز کے لئے ڈھاکہ شہر سے مختلف علاقوں کو روانہ کر دیا جاتا تھا' تاکہ وہ اندرونی علاقوں کا سرحدوں تک صفایا کر سکیں۔ تاہم کمیشن کے روبرو پیش کئے گئے تازہ ترین شواہد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آپریشنز کی بھی مناسب منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی اور انہیں یقینی طور پر رسد وحمل کے مطلوبہ ذرائع بھی میسر نہیں تھے۔ جس کا ایک بنیادی سبب زمین کو اجنبی سمجھنا بھی تھا۔

مشرقی پاکستان پہنچنے والے ان فوجی اہلکاروں نے عوامی لیگ کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم کی داستانیں سن رکھی تھیں۔ جن کے نتیجے میں ان کے بعض رشتے داروں اور ساتھی افسران کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر یہ حقیقت قابل فہم ہے کہ جب وہ کسی مشن پر روانہ کئے جاتے تھے' تو ان کے سینوں میں غصے اور انتقام کی آگ دہک رہی ہوتی تھی۔ چنانچہ اس قسم کے حالات کے پس منظر میں یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ان میں سے بعض افسران اور اہلکاروں نے انتہائی بہیمت کا مظاہرہ کیا ہو' تاہم اسی کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہ کی جائے کہ جس صورتحال میں انہیں طلب کیا گیا تھا' اس کے حوالے سے طاقت کی مقدار کا تعین کرنا خاصا دشوار کام تھا۔

اس بات کا اعتراف بھی متعدد افسران نے کیا ہے کہ اگر کسی گاؤں سے ان پر گولی چلائی جاتی تھی تو اس کا جواب وہ راکٹ لانچرز اور مارٹرز سے دیتے تھے جس کے نتیجے میں جھونپڑیوں پر مشتمل پورے کے پورے گاؤں جل کر خاکستر میں تبدیل ہو جاتے تھے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ گاؤں میں موجود مبینہ طور پر مشکوک افراد کو اپنی موجودگی کی وضاحت کا موقع دینے سے قبل ہی گولی ماردی جاتی ہو۔ بہرکیف عام تاثر یہی تھا کہ عوامی لیگ کی وسیع پیمانے پر حمایت کرنے والے ہندو درحقیقت بھارت میں اپنے ہم مذہبوں کے زیر اثر مغربی پاکستانیوں کے خلاف چلائی جانے والی نفرت انگیز مہم کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ جس نے ہمارے فوجیوں کے

رویے اور کردار کو یقیناً متاثر کیا ہوگا۔

جس چیز کی بھی ضرورت ہے زبردستی چھین لو: جنرل نیازی

ان آپریشنز کے دوران مطلوبہ رسد وحمل کی سہولتوں کی فراہمی میں ناکامی سے بھی اس یقین کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے کہ اعلیٰ کمانڈ میں موجود افراد بھی اسے ایک فوجی مہم تصور کرتے تھے اور دیگر فوجی اہلکاروں سے بھی یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ دشمن کے علاقے میں فوجی مہم جیسا رویہ اور کردار ادا کریں۔ بدقسمتی سے جنرل فرمان علی کے پیش کردہ شواہد سے بھی اس حقیقت کی کسی حد تک تصدیق ہوتی ہے۔ جنرل فرمان علی نے بتایا کہ جنرل نیازی نے چارج سنبھالا تو پہلے ہی روز انہیں یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ''یہ میں راشن کی کمی کے بارے میں کیا سن رہا ہوں؟ جس چیز کی بھی ضرورت ہے زبردستی چھین لو۔ برما میں ہم یہی کیا کرتے تھے۔''

بعض افسران نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ہندوؤں کی جانب فوجیوں کے نسبتاً زیادہ انتقامی رویے کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ سینئر افسران بالعموم ایک دوسرے سے از راہ مذاق یہ پوچھا کرتے تھے۔ ''تم نے کتنے ہندوؤں کو ہلاک کیا ہے''۔

تاہم یہ بات بھی خارج از امکان نہیں کہ محض باغی ہونے کے شبے میں غلط فہمی کی بنیاد پر بھی لوگوں کو قتل کر دیا گیا ہو۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام افسران اور اہلکاروں نے اسی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا' کیونکہ ہمارے روبرو پیش کی جانے والی اکثر شہادتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جہاں کہیں کسی کمپنی یا بٹالین کے کمانڈنگ آفیسرز نے سمجھداری سے کام لیا وہاں چند معمولی نقصانات کے عوض بنیادی مقاصد کر لئے گئے تھے۔

اس کی بہترین مثال لیفٹیننٹ کرنل حنیف ملک (گواہ نمبر 279) کے ضلع باریسال کے قصبے' پٹوا کھالی پر دوبارہ قبضے سے پیش کی جا سکتی ہے جس کے دوران ایک بھی گولی چلائے بغیر مقصد حاصل کر لیا گیا جس کے بعد انہوں نے از خود ہی عام معافی کا اعلان بھی کر دیا۔

تاہم حقائق کچھ بھی ہوں فوج نے سرحدوں تک پہنچ کر جون کے آخر تک اس بغاوت کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اور تقریباً تمام سرحدی چوکیوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا تھا حتیٰ کہ شورش پسندوں میں جن کی قیادت مشرقی پاکستان کے منحرف فوجی افسر کر رہے تھے ہمارے ریگولر

فوجیوں کا سامنا کرنے کا بھی حوصلہ نہ تھا چنانچہ جانی نقصان ہونے کی صورت میں وہ مقابلے سے راہ فرار اختیار کر لیتے اور خاکی وردی میں ملبوس کسی پلاٹون کو دیکھتے ہی اچانک غائب ہو جایا کرتے تھے۔

بیشتر افسران نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ اس وقت تک حکومت کی اتھارٹی کم و بیش پورے صوبے میں بحال ہو چکی تھی اور کسی سیاسی تصفیے کے لئے کوششیں شروع کرنے کا یہ انتہائی مناسب وقت تھا' کیونکہ فوجی حل بھی کسی حتمی حل کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ صرف کسی سیاسی حل کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ یہ سیاسی تصفیہ جس کا ہم اپنی اصل رپورٹ میں بھی ذکر کر چکے ہیں' اپنے مقامی کمانڈروں کے متواتر مشوروں کے باوجود جنرل یحیٰی خان نے مسترد کر دیا تھا۔ جنرل یحیٰی خان اور ان کے جنگ جو ساتھی اس بات پر مصر تھے کہ غداروں سے کسی صورت مذاکرات نہیں کئے جا سکتے۔

تاہم صفایا کرنے والے آپریشنز کے دوران فوج کی جانب سے بلا امتیاز انتہائی سخت انتقامی کارروائی کے نتیجے میں نہ صرف شورش پسند افراد پار چلے گئے۔ (26 اور 27 مارچ کے بھارت کے اعلان کے مطابق اس نے بنگالیوں کو آنے کی اجازت دے دی تھی) بلکہ مشرقی پاکستان کی ہندو آبادی کا بڑا حصہ بھی بھارت چلا گیا تھا۔ جس نے بھارتی حکومت کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ عالمی رائے عامہ کو پاکستان کے خلاف ہموار کر سکے۔ خود ہمارے اپنے وائٹ پیپر میں اس بات کا اعتراف موجود ہے کہ 20 لاکھ سے زائد افراد سرحد پار کر کے بھارت چلے گئے تھے تاہم بھارت نے ان اعداد و شمار کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔

✪✪✪

فوج نے ذہنی دباؤ کی مسلسل کیفیت میں خارجی محاذ پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا

چونکہ ہمارا اس سوال سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ہم نے سرحد پار جانے والے ان افراد کی صحیح تعداد کا تعین کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تاہم یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ ہمارے فوجی اپنی سرحدوں کا کامیابی سے تحفظ کرنے کے بعد انہیں مکمل طور پر بند رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے چنانچہ جو شورش پسند افراد بھارت چلے گئے تھے انہوں نے دوبارہ گروہ بندی شروع کر دی تھی اور سرحد کے ساتھ 33 مقامات پر بھارت کی جانب سے قائم کئے گئے تربیتی مراکز میں ایک اور پھر منظم بھی ہو رہے تھے جس کے بعد مشرقی پاکستان واپس آ کر انہوں نے بالخصوص اندرونی علاقوں میں مواصلاتی لائنوں میں گڑبڑ کرنے بجلی اور قدرتی گیس کی تنصیبات کو اڑانے اور تھانوں پر حملے کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ تاکہ بچی کھچی شہری آبادی میں خوف و ہراس پھیلا جا سکے۔ بعض مقامات پر ہمارے فوجیوں پر گھات لگا کر حملے بھی کئے جا رہے تھے۔ ان گوریلا ہتھکنڈوں کے سبب ہماری فوج اندرون ملک شورش کو کچلنے کی کارروائیوں میں الجھ گئی۔ چنانچہ مئی' جون 1971ء سے اکتوبر' نومبر 1971ء تک کے تقریباً تمام عرصے میں وہ ان ہی کارروائیوں میں الجھی رہی۔ جبکہ دوسری جانب وہ اگلے محاذ پر بھی موجودگی کو بدستور برقرار رکھے ہوئے تھی تاکہ زمین کے کسی بھی ایسے ٹکڑے پر قبضے کو روکا جا سکے جسے بنگلہ دیش کے قیام کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہو۔

ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ کامیابی کے ساتھ اس دہرے کردار کو ادا کرے کا ہمارا کریڈٹ ہماری فوج کو جاتا ہے جس نے ذہنی دباؤ کی اس مسلسل کیفیت میں خارجی محاذ پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اس قسم کی صورتحال میں جب ہماری فوج چھوٹے چھوٹے گروپوں کی صورت میں

کارروائی کر رہی ہو اور بعض اوقات تو فقط جونیئر کمانڈنگ آفیسرز اس کی قیادت کر رہے ہوں تو ایسی صورت میں ڈسپلن کا ٹوٹ جانا باعث حیرت نہیں ہے جس کے نتیجے میں کس حد تک لائن آف کمانڈ کٹ جایا کرتی تھی۔ جس کا اعتراف بریگیڈیئر منظور احمد (گواہ نمبر 232) نے بھی کیا ہے۔ جنرل رحیم (گواہ نمبر 114) جنرل انصاری (گواہ نمبر 233) اور جنرل فرمان علی (گواہ نمبر 284) نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ان صفایا کرنے والے آپریشنز کے دوران زیادتیوں کا ارتکاب کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں غیر ضروری طور پر جانی اور مالی تباہی ہوئی۔

ان صفایا کرنے والے آپریشنز کے ابتدائی مرحلے میں ہماری فوج نے مشرقی پاکستان سے ایک ''اجنبی سرزمین'' کا سا جو سلوک کیا تھا اس کے اثرات دیگر رینکس پر بھی مرتب ہوئے تھے چنانچہ جو شے بھی انہیں اپنے راستے میں دکھائی دیتی وہ اسے حاصل کر لیتے تھے۔ تاہم اس طرز عمل کی تفتیش کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے ان سے پتہ چلا کہ متعدد فوجی فارمیشنز لوٹ مار کے معاملات میں ملوث تھیں۔ کرنل اورنگزیب (گواہ نمبر 264) نے یہ انکشاف کیا کہ ''ڈھاکہ میں سگنل بٹالین کی تحویل میں ایک ایسا کمرہ بھی تو جہاں نہایت عمدہ اور قیمتی سامان موجود تھا۔ جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ سامان 18 پنجاب رجمنٹ نے وہاں لا کر جمع کیا تھا۔ جو چیزیں جمع کی گئی تھیں ان میں ٹی وی سیٹ ریفریجریٹرز اور ٹائپ رائٹرز وغیرہ شامل تھے''۔

متعدد دیگر افسران نے بھی اس واقع کی تصدیق کی ہے۔ بہرحال جنرل نیازی اور کئی دیگر سینئر کمانڈروں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جب بھی ان کی توجہ اس قسم کے واقعات کی جانب مبذول کرائی گئی تو وہ وقتاً فوقتاً اس قسم کی سرگرمیوں سے باز رہنے کی ہدایات جاری کرتے رہے اور فارمیشن کو بھی خبردار کیا کہ وہ چھوٹے گروپوں کو کسی ایسی کارروائی کی اجازت نہ دیں جن سے کمانڈر اور کنٹرول کے نظام کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

گزشتہ بار اس قسم کی متعدد ہدایات اس کمیشن کے روبرو پیش کی گئی تھیں تاہم جیسا کہ ہم پہلے بھی نشاندہی کر چکے ہیں کہ اس نوعیت کی ہدایات جاری کرنا ہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مجموعی طور پر یہ تمام الزامات بے بنیاد نہیں تھے۔ پروپیگنڈا بھارت اور بنگلہ دیش نے کیا ہے اس کے باوجود ہم اس سلسلے میں اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس قسم کے واقعات کنٹرول اور کمانڈ کی غفلت کے نتیجے میں رونما ہوئے تھے۔ چنانچہ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ آبادی کا وہ حصہ جو واضح طور پر عوامی لیگ یا شورش پسندوں کا حامی نہیں تھا ہم سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہ گیا۔

مشرقی پاکستان میں حکومت کی اتھارٹی قائم کرنے کے لئے یہ کارروائیاں کم و بیش کامیابی سے مکمل ہو گئیں۔ تاہم جیسا کہ ایک سینئر آفیسر جنرل جمشید (گاواہ نمبر 246) نے اعتراف کیا ہے کہ معمولات زندگی کو مکمل طور پر بحال نہیں کیا جا سکا تھا نہ ہی جیسا کہ جنرل مجید گواہ نمبر 254 نے اعتراف کیا ہے مزاحمت کے مختلف مراکز کو ختم کیا جا سکا تھا۔ کیونکہ سبوتاژ مواصلاتی لائنوں میں گڑبڑ اور گھات لگا کر حملہ کرنے کے واقعات بدستور جاری تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باغی افراد بھارت کی مدد سے مسلسل سرگرم عمل تھے اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ان کی سرگرمیوں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔

20 نومبر سے پہلے بھارت کی مداخلت

اگرچہ ہم پہلے بھی اس امر کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ بھارت بہت پہلے سے مداخلت کرتا آ رہا تھا۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارت نے پناہ گزینوں کے مسئلے کو بڑی کامیابی سے استعمال کر کے عالمی رائے عامہ کو پاکستان کے خلاف ہموار کرنے کے بعد زیادہ مؤثر انداز سے اپنا عمل دخل بڑھانے کی منصوبہ بندی کی اور مشرقی پاکستان کے منحرف فوجی یونٹوں کے اہلکاروں کو از سر نو منظم کرنے کے علاوہ مکتی باہنی کے گوریلوں کو بھی ضروری تربیت فراہم کی۔ مکتی باہنی مشرقی پاکستان سے بھاگ کر جانے والے ان تعلیم یافتہ نوجوانوں پر مشتمل تھی جنہوں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ان کے تربیتی کیمپ پوری سرحد کے ساتھ ساتھ قائم تھے۔ مون سون کے موسم میں مختصر لیکن زبردست تربیت کے بعد مکتی باہنی کے یہ گوریلے جون جولائی کے دوران مشرقی پاکستان میں دوبارہ داخل ہوئے۔

جیسا کہ جنرل انصاری (گواہ نمبر 233) نے وضاحت کی ہے کہ وہ عام طور پر دس افراد کے گروپ کی شکل میں کارروائی کرتے تھے ہر گروپ کا لیڈر یا ڈپٹی لیڈر ایک ہندو افسر ہوتا تھا جب کہ بقیہ گروپ میں 60 سے 70 فیصد مسلمان اور 20 سے 30 فیصد ہندو ہوتے تھے جو ہمارے فوجیوں کو مکمل نقل و حرکت میں مصروف رکھتے تھے تاہم جولائی کے اوائل سے بھارتی فوج نے توپوں کے گولے داغ کر ہماری فوج میں خوف و ہراس پھیلانا شروع کر دیا۔ چنانچہ اگست تک اس میں کافی حد تک اضافہ ہو گیا دوسری جانب ستمبر کے دوران مکتی باہنی نے بھی اپنی سرگرمیوں میں بڑی حد تک اضافہ کر دیا تھا۔ مشرقی بنگال یونٹس نے جواب باقاعدہ طور پر منظم اور

مسلح ہو چکے تھے پوری سرحد کے ساتھ ہمارے فوجیوں سے جھڑپیں شروع کر دیں۔

اسی طرح' جنرل نیازی نے بھی انکشاف کیا ہے کہ 'مکتی باہنی بھارت کی مدد اور حمیت سے منظم ہوتی تھی۔ ای پی آر اور ای بی آر کے باغی افسران نے انہیں قیادت فراہم کی تھی اور ضروری تربیت بھی دی تھی چنانچہ نومبر 1971ء تک ہمیں ایک ایسی طاقت سے مقابلہ درپیش تھا جو نہ صرف نظریاتی طور پر پوری طرح تیار کی گئی تھی بلکہ جسے بھارت نے جدید ترین اسلحے اور ہتھیاروں سے لیس بھی کیا تھا۔ اسے ایک اہم اور بنیادی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ نہ صرف بھارتی فوج کو بھرپور مدد فراہم کرتے تھے بلکہ انہیں تفصیل کے ساتھ' انٹیلی جنس اور اطلاعات فراہم کرنے کے ساتھ ہماری پوزیشنوں کے عقب میں بھارتی فوج کی رہنمائی بھی کرتے تھے۔

جنرل عبدالمجید (گواہ نمبر 254) نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ وہ اس عرصے کے دوران' بھارتی فوجی' بارڈر سیکورٹی فورس کے ہمراہ' آرٹلری کی مدد سے ایسٹ بنگال رجمنٹ اور مکتی باہنی کے ساتھ مل کر پاکستانی علاقے میں داخل ہونے لگے تھے۔ ایسٹ بنگال رجمنٹ اور مکتی باہنی' بھارتی آرٹلری کی مدد سے سرحدی چوکیوں پر حملے کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ حملے بھارت کی باقاعدہ فوج کی جانب سے بھی کئے جاتے تھے۔

میجر جنرل نذر حسین شاہ (گواہ نمبر 242) نے اس سلسلے میں انکشاف کیا ہے کہ

''اگست 1971ء میں باھرتی آرٹلری کی مدد سے ہمارے علاقوں میں مکتی باہنی کی سرگرمیوں میں کافی شدت آ گئی تھی چنانچہ انہوں نے سرحد کے ساتھ واقع ہماری فوجی چوکیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ لال منیر ہاٹ سیکٹر میں انہیں کچھ حد تک کامیابی حاصل ہو گی۔ جس کے نتیجے میں بھورنگا ماڑی کی پوزیشن پر مکتی باہنی کا قبضہ ہو گیا جس کے بعد 15 نومبر کو مکتی باہنی اور بھارتی فوجی دستوں نے بھورنگا ماڑی سیلیٹ میں کمپنی 25 پنجاب کو گھیرے میں لے لیا۔ ہماری فوج' بھاری جانی نقصانات کے بعد نگیش واڑی کی سمت پسپا ہو گئی......

ہمارے روبرو پیش کی جانے والی شہادتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ 9 اکتوبر کے بعد سے بھارتی سرگرمیاں اسوقت شدت اختیار کر گئیں جب اس نے ڈھکے چھپے طریقے چھوڑ کر' براہ راست مداخلت شروع کر دی۔ غالباً اس بات کا ادراک ہو چکا تھا کہ مکتی باہنی ہماری ریگولر فوج کا تن تنہا مقابلہ کرتے ہوئے کبھی پیش رفت نہیں کر سکتی۔

چنانچہ بھارت نے رنگ پور سیکٹر میں امر خانہ بڑا کھاتہ' اور مغل بہاٹ پر حملے سے اس کا

آغاز کر دیا۔ 13 اکتوبر کو بھارتی طیارے نے لال منیر ہاٹ کے علاقے میں پرواز کی' اور مغل ہاٹ میں واقع پوزیشنوں کو فائرنگ کا نشانہ بنایا 15 اکتوبر کو بھارتی کے جیٹ فائٹر طیاروں نے ایک بار پھر اسی ضلع کے دو علاقوں' ررانی اسکاٹل اور الی گنج پر' پرواز کی۔ 21 اکتوبر کو 16 ویں ڈویژن کے علاقے میں مکتی باہنی نے بھارتی فوجیوں کی مدد سے تیتولیا کے' بیرونی حصے پر قبضہ کر لیا اور آخر تک اپنا یہ قبضہ برقرار رکھا۔

27 اکتوبر کو بھارت نے کیمیکل ہتھیاروں کا تجربہ کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ میمن سنگھ کی سرحدی چوکی' بندر کاٹا پر' گیس مارٹر شیل کے ساتھ راؤنڈ فائر کئے......

3 نومبر 1971ء تک بھارت کی جانب سے جنگ کے دائرے کو پھیلانے کے عزائم واضح ہو چکے تھے اس مقصد سے اس نے بارڈر آؤٹ پوسٹوں پر ریگولر فوجیوں کی مدد سے حملے کرتے ہوئے باغیوں کو' آرٹلری کی مدد فراہم کرنا شروع کر دی' جس کے نتیجے میں صورتحال میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ 7 اور 9 نومبر کے درمیان بھارتی فوجیوں اور باغیوں نے فنی سیکٹر میں بیلونیا کے بیرونی حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے بھارتی ریگولر فوجیوں نے پہلے بارڈر آؤٹ پوسٹوں پر قبضہ کیا جس کے بعد باغیوں کے حوالے کر دیا گیا۔

16 نومبر کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بھارت عید کے روز حملہ کرنے والا ہے۔ 19 نومبر 1971ء سے بھارتی آرٹلری نے تمام سیکٹرز پر گولہ باری شروع کر دی تاہم جیسوز رنگ پور' برہمن باڑیہ ار کمیٹی کے علاقے میں اس کی شدت زیادہ تھی۔ اسی دن بھارت کے ریگولر فوجیوں نے محمد پور اور برہمن باڑیہ میں سالدا ندی کی سرحد پر واقع چوکیوں پر قبضہ کر لیا۔

بھارتی طیارے شمال میں دیناج پور اور ٹھاکر گاؤں پر پرواز کر رہے تھے اور دو دن قبل شروع کی جانے والی پیش رفت کے مطابق کیالوگ کھل کے ساتھ' چٹا گانگ کے پہاڑی علاقے رانگاماٹی کی جانب' بدستور' آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

مذکورہ بالا صورتحال سے' بھارت کے ارادے پہلے سے زیادہ واضح ہو چکے تھے۔ تقریباً تمام سیکٹرز منظم انداز سے بڑھتے ہوئے حملوں کے باوجود' مشرقی کمانڈ بدستور اپنے اس موقف پر قائم رہی کہ بھارت مشرقی پاکستان میں مکمل جنگ شروع نہیں کرے گا تاوقتیکہ 3 دسمبر 1971ء تک مغربی پاکستان میں دوسرا محاذ نہ کھول دیا جائے چنانچہ یہ بات حیران کن نہیں کہ کمانڈ مکمل طور پر حالات کے رحم وکرم پر تھی جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے۔

”20 نومبر سے 3 دسمبر 1971ء تک مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات“

لیفٹیننٹ جنرل نیازی‘ ان کے چیف آف اسٹاف اور ان کی فارمیشن کے بعض کمانڈروں نے‘ اس دور کو محدود جنگ کا دور قرار دیا ہے کیونکہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کے ذہن پر یہی خیال مسلط تھا کہ بھارت مشرقی پاکستان میں دوسرا محاذ کھولے جانے تک مشرقی پاکستان میں مکمل جنگ شروع نہیں کرے گا۔ جنرل نیازی‘ مسلسل اس موقف پر قائم تھے کہ بھارت 3 دسمبر تک ایک غیر اعلانیہ جنگ لڑ رہا تھا کیونکہ وہ مشرقی پاکستان میں کافی اندر تک گھس کر نہیں آیا تھا“ بہرحال ہم اس عرصے کے دوران پیش آنے والے واقعات کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کریں گے‘ تاکہ مشرقی کمانڈ کی مغالطہ آمیز سوچ کی مزید واضح کیا جا سکے کیونکہ اس دن کے بعد سے مشرقی پاکستان میں لڑی جانے والی جنگ کی تمام تر تفصیلات اب اس کمیشن کے علم میں آ چکی ہیں۔

ہم اس سے قبل بھی اس بات کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں بھارت کے آپریشنل پلان کی تفصیلات سمیت اس کے دیگر عزائم سے متعلق تمام تر معلومات خوش قسمتی سے ہمارے علم میں آ چکی تھی اور اکتوبر میں مشرقی کمانڈر کو بھارت کے ان منصوبوں کی مکمل تفصیلات سے بھی آگاہ کر دیا گیا تھا جیسا کہ جنرل جیلانی (گواہ نمبر 72) نے بتایا ہے ان کے چیف آف اسٹاف کو بھی جی ایچ کیو بلایا گیا اور اس سلسلے میں بھرپور انداز سے آگاہ کیا گیا اس

کے باوجود مشرقی کمانڈ نے اپنے منصوبوں میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں کی حالانکہ انہیں اس حقیقت کا بخوبی علم بھی تھا کہ ستمبر 1971ء کے اختتام تک بھارت مشرقی پاکستان کی سرحد کے ساتھ اپنی افواج کو بڑے پیمانے پر جمع کر چکا تھا جس کے بعد اکتوبر 1971ء کے دوسرے ہفتے میں اس نے اپنی سرگرمیوں کو مزید آگے بڑھایا جس کا ذکر ہم سابقہ باب میں بھی کر چکے ہیں۔

دشمن کے خطرے سے متعلق‘ جنرل کی معلومات جی ایچ کیو کی جانب سے انہیں پیش کئے گئے ان اندازوں پر مبنی تھیں جن کی رو سے بھارت کی جانب سے بڑے حملے کا امکان بوگرہ سیکٹر میں پہاڑی علاقوں کے ساتھ ساتھ جس کے بعد متبادل کوشش کے طور پر بھیرب۔ داؤد کنڈی۔ چٹاگانگ کے علاقے پر بھی حملہ کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس سبب سے مشرقی کمانڈ نے 16 ویں ڈویژن قائم کی تھی جو بوگرا رنگ پور سیکٹر کے دفاع کی ذمہ دار تھی۔ یہ انتہائی طاقتور ڈویژن تین بریگیڈ لائٹ ایم 24 شیفی ٹینکوں کی ایک کیولری رجمنٹ اور ای پی سی اے ایف کے 5 ونگز پر مشتمل تھی۔ آرمر کے اعتبار سے مشرقی پاکستان میں کوئی ڈویژن اس کی ہم پلہ نہیں تھی۔

✡✡✡

دشمن کومکتی باہنی کے ذریعے حاصل ہونے والی رپورٹس ان کی اپنی انٹیلی جنس سے بدرجہا بہتر ہوتی تھیں

تاہم آگے چل کر یہ اندازہ لگایا گیا کہ بھیرب۔داؤدکنڈی اور چاند پور پر اگرتلہ کی جانب سے حملہ ہوسکتا ہے جس کے ساتھ ساتھ جیسور کی جانب سے بھی ایک ضمنی کوشش ہوسکتی ہے تاکہ ڈھاکہ پر بھرپور حملے کے ذریعے قبضہ کیا جاسکے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دشمن کی تمام تر کارروائی توقع کے عین مطابق جاری تھی۔ بہرحال' مشرقی کمانڈ کی جانب سے فوج کی تعیناتی میں موجود تمام تر خامیوں سے بھارت بخوبی آگاہ تھا' چنانچہ اس نے تمام سرحد پر حملوں کا سلسلہ شروع کردیا تاکہ مشرقی کمان کے تحت' پوری فوجی طاقت' سامنے آجائے اور اس طرح اس کے پسپا ہونے کی صلاحیت میں کمی کے ساتھ ساتھ کسی بھی محاذ پر مزاحمت کے امکان کو بھی کم کیا جاسکے۔

مشرقی کمانڈ نے اپنے موجودہ منصوبوں میں' نئی صورتحال سے نمٹنے کے لئے صرف ایک تبدیلی کی میجر جنرل ایم رحیم خان کی قیادت میں 19 نومبر 1971ء کو ایک ایڈہاک کے ڈویژن قائم کی گئی جسے A-31 ڈویژن کا نام دیا گیا اسے 14 ویں ڈویژن کے سابقہ ذمہ داری کے علاقے کو تقسیم کرکے قائم کیا گیا تھا۔ چٹاگانگ کے پہاڑی سلسلے سمیت کومیلا سے چٹاگانگ تک کا پورا علاقہ اس نئی ڈویژن کی ذمہ داری میں دیا گیا۔اس سارے علاقے کا دفاع کرنے کے لئے اس ڈویژن کو ریگولر بریگیڈز' دو ایڈہاک بریگیڈز پرانے ایم 24 لائٹ ٹینکوں کا ایک دستہ دو فیلڈ بیٹریز اور ایک مارٹر بیٹری دی گئی تھی۔

ہم ایڈہاک A-36 ڈویژن کا ذکر نہیں کر رہے جو ستمبر 1971ء میں قائم کی گئی تھی کیونکہ اس کے بی او سی' جنرل جمشید کے مطابق 20 نومبر 1971ء کو اس کا وجود محض کاغذ پر ہی تھا جس میں صرف ایک ایڈہاک بریگیڈ' اے 93 شامل تھی جو سو میل کے فاصلے پر تعینات تھی۔ اگر جنرل نیازی یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان عارضی انتظامات سے دشمن کو کسی طرح گمراہ کرسکیں گے تو ایک بار پھر وہ خود کو دھوکہ دے رہے تھے کیونکہ دشمن کو مکتی باہنی کے ذریعے حاصل ہونے والی

انٹیلی جنس رپورٹس ان کی اپنی انٹیلی جنس سے بدرجہا بہتر ہوتی تھیں اور دشمن کے پاس ان کی طاقت اور اجتماع کے بارے میں یقیناً درست معلومات موجود ہوں گی۔

ان ابتدائی تبصروں کے بعد اب ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ اس عرصے کے دوران فوجی صورتحال میں کس طرح پیشرفت ہوئی۔ 19 نومبر سے تمام علاقوں میں شدید شیلنگ کے بعد درحقیقت بھارتیوں نے ہمارے پیشگی اندازوں کے مطابق جیسورے رنگ پر' میمن سنگھ اور برہمن باڑیہ کے علاقوں میں کسی امکانی حملے کے لئے اپنے ریگولر فوجیوں کو بھیجنا شروع کردیا جنہیں ٹینکوں کی مدد بھی حاصل تھی۔ برہمن باڑیہ کے علاقے میں دو سرحدی چوکیوں پر 19 نومبر کو ہی قبضہ کرلیا گیا تھا۔ بھارتی فوجیوں نے 14 نومبر 1971ء سے کسالونگ کھل کے ساتھ چٹاگانگ کے علاقے میں بھی پیش قدمی شروع کردی تھی۔

(جیسور سیکٹر)

اس سیکٹر میں بھارت کے دو ڈویژن تعینات تھے۔ کرشن نگر میں واقع ان کی 11 کور کے زیر کمانڈ پر ڈویژن تین بریگیڈز پر مشتمل تھا۔اسے بیرک پور میں واقع پیرا بریگیڈ ایک پی ٹی 76 اور پی ٹی 55 ٹینکوں کی کیولری۔

......رجمنٹ اور بارڈر سیکورٹی فورس کی' پانچ بٹالین کی مدد بھی حاصل تھی۔

......یہ سیکٹر کھلنا' سول ڈویژن سمیت ضلع فرید پور پر مشتمل تھا۔

......یہ 9 ویں ڈویژن کی ذمہ داری کا علاقہ تھا۔اس ڈویژن کی کمانڈ میجر جنرل ایم۔ ایچ انصاری (گواہ نمبر 233) کے پاس تھی۔

ان کے پاس' دو ریگولر بریگیڈ اور ایک ایڈہاک بریگیڈ بھی تھی۔

اسے ایک اہم 24 شیفی ٹنکوں کے انڈی پینڈنٹ آرمڈ اسکوڈرن اور ای پی سی اے ایف کے تین ونگز کی مدد حاصل تھی اس اک ہیڈکوارٹر' جیور میں واقع تھا۔یہ ہر طرح سے ایک مکمل کنٹونمنٹ تھی۔ جس کے ساتھ ایک ائیر فیلڈ بھی تھا جہاں جیٹ طیارے اتارے جاسکتے تھے۔

یہ شہر قلعہ بندی کی غرض سے بخوبی استعمال کیا جاسکتا تھا' اور یہاں ایمونیشن اور دیگر اشیاء کا بھی وافر ذخیرہ تھا اس کے علاوہ دریائے مدھومتی کی مغربی سمت میں مگورا کے مقام پر ایک

متبادل ہیڈکوارٹر بھی قائم کیا گیا تھا۔ جسے جیسور سے ملانے کے لئے ایک مختصر سا متبادل راستہ بھی تیار کیا گیا تھا۔

فوجی نقطہ نظر سے جیسور سیکٹر کا شمالی علاقہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے نہایت اہم تھا کیونکہ یہ ان راستوں کا احاطہ کرتا تھا جن سے گزر کر بھارت کی فوجیں براہ راست ڈھاکہ شہر میں داخل ہو سکتی تھیں۔

بھارت کے شہر کلکتہ سے ایک پختہ سڑک' جیسور کو جاتی ہے

دو بڑی ریلوے لائنیں جو کلکتہ سے شروع ہوتی تھیں وہ بھی اس ضلع میں درشنا اور بیناپول کے ذریعے پاکستانی علاقے میں داخل ہو جاتی تھیں۔ پہلی ریلوے لائن پاکسے کے مقام' ہارڈنگ برج سے گزرتی ہوئی نارتھ بنگال جبکہ دوسری کھلنا کی طرف جاتی تھی......؟

تاہم یہ ڈیلٹائی علاقہ' بیشتر ان ندی نالوں پر مشتمل تھا' جو دریائے گنگا اور دریائے جمنا سے نکل کر' مغربی میں' بھارتی سرحد کے پورے علاقے میں پھیلتے ہوئے شمال اور مشرق میں' بڑے دریاؤں سے مل جاتے ہیں' اس لئے اس علاقے کے پار' ہر سات سے دس میل کے فاصلے پر واقع آبی رکاوٹوں پر قابو پانے کے لئے فوجی نقل وحرکت ضروری تھی۔

اس علاقے کا جنوبی حصہ کھلنا کے اضلاع بشمول سندر بن کے جنگلات باریسال اور پٹوا کھالی پر مشتمل تھا' جو بیشتر دریائی علاقہ ہے۔ تاہم شمال اور اس سے ملحقہ علاقوں میں رکاوٹوں کا بہترین نیٹ ورک بھی موجود تھا۔ اس علاقے میں جیسور' جھیڈ اور مگورا کی تکون پر مشتمل بہت اہم تھا۔ کیونکہ یہ مشرق اور فرید پور اور ڈھاکہ کی سمتوں کی جانب' تمام نقل وحرکت کو کنٹرول کرتا تھا۔

اس علاقے کے دفاع کے لئے محاذ کو دو ریگولر بریگیڈز کے درمیان تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک 57 بریگیڈ' بریگیڈیئر منظور احمد کی قیادت میں اور دوسری 107 بریگیڈ' بریگیڈیر محمد حیات کی قیادت میں قائم کی گئی تھی۔ پہلی بریگیڈ کو شمال کی لائن میں جھیڈا' کالی گنگ کا علاقہ جبکہ دوسری کو اس کا جنوبی علاقہ دیا گیا تھا۔

19 اور 20 نومبر کی درمیانی شب کو' بھارت نے بوئرا کے بیرونی حصے کی جانب سے حملہ کیا' جو بریگیڈیئر حیات کی ذمہ داری کا علاقہ تھا' بھارتی فوج نے آرٹلری سے بھرپور شیلنگ کی جسے ٹینکوں کے اسکواڈران اور ائیرفورس کی مدد بھی حاصل تھی' جس کے نتیجے میں شہزاد پر مسلیا اور

چارہ باڑی کی سرحدی چوکیوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ دشمن غریب پور تک بھی پہنچ گیا تھا تاہم اسے غریب پور اور چواگاچہ کے سامنے" دریائے کوباڈک کے کنارے پر ہی روک دیا گیا۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جب ان سرحدی چوکیوں پر دشمن نے قبضہ کیا' تو بریگیڈ یر کمانڈر' دریائے کوباڈک کے کنارے کی جانب چواگاچہ کے مقام پر اپنی فوجوں کو اہم پوزیشنوں پر واپس لے آئے تھے۔

یہ واپسی رات کے دوران ہوئی' تاہم دشمن کی بریگیڈ نے ان کا تعاقب کیا اور اگلے روز' دوپہر میں دشمن نے اپنے ٹینکوں اور آرٹلری سے ان اہم پوزیشنوں پر حملہ کر دیا۔

بریگیڈ یر کمانڈر کے مطابق اسی رات دشمن کی ایک فورس چواگاچہ کے جنوب کے نشیبی علاقے میں تقریباً 8 میل اندر تک دریائے کوباڈک کے پار پہنچ گئی۔ سابقہ تجزیے کے مطابق اس علاقے کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ ٹینکوں کے لئے موزوں نہیں ہے۔

تاہم بریگیڈ کمانڈر کو اس وقت' شدید حیرت ہوئی جب 21 تاریخ کو انہیں یہ پتہ چلا کہ دشمن کی ایک بڑی فورس جو تقریباً ایک بریگیڈ پر مشتمل تھی علاقے کے اس پار چلی گئی ہے۔ بریگیڈ کمانڈر کو یہ اطلاع بیناپول سے ذرا پہلے سرسا کے مقام پر ملی تھی۔ 38 ایف ایف کے بریگیڈ میجر اور کرنل ان کمانڈرز نے انہیں بتایا کہ دشمن کی فوج جو چواگاچہ کے جنوبی حصے اس پار چلی گئی تھی' وہ اب مشرق کی جانب بڑھ رہی ہے۔ جس سے چواگاچہ کی مواصلاتی لائنوں کی تباہی کا خطرہ ہے' جس پر انہوں نے اکلی گنج میں موجود 6 ویں پنجاب کی دو کمپنیوں' اور 24,11 ایم ٹینکوں پر مشتمل ٹینکوں کے ایک اسکواڈران کو' دشمن کی فوج کو پیچھے کی طرف دھکیلنے کے احکامات جاری کئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک انفنٹری بٹالین نے ہی حملہ کیا ہوگا۔ بہرکیف جوابی حملہ صبح ساڑھے چھ بجے کیا گیا بریگیڈر کمانڈر اسے خود کنٹرول کر رہے تھے۔ انہیں وقفے وقفے سے یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ حملہ بہت ٹھیک ٹھاک طریقے سے جاری ہے۔ اور ان کی دو کمپنیوں نے گاؤں غریب پور پر قبضہ کر لیا ہے۔ بہرکیف اس مرحلے پر دشمن نے چاروں طرف سے فائر کھول دیا جس کے نتیجے میں ساڑھے سات یا پونے آٹھ بجے' مجبوراً یہ جوابی حملہ روکنا پڑا۔ دشمن نے ہمارے دو ٹینکوں کو تباہ کر دیا جبکہ ایک دلدل میں پھنس گیا۔ ساڑھے نو بجے تک ہمارے جن ٹینکوں کو نقصان پہنچا' ان کی تعداد بڑھ کر سات ہو گئی جبکہ دشمن کے صرف پانچ ٹینکوں کو نقصان پہنچا تھا۔ کرنل کے کے آفریدی نے' جوابی حملے کے بارے میں بتایا کہ مناسب

جاسوسی اور تیاری کے بغیر کیا گیا تھا جس کی وجہ سے حملہ ناکام ہونا ہی تھا۔ جو فوج کے حوصلے پست کرنے کا موجب بن گیا۔

دشمن کے پی ٹی 76 ٹینک خشکی اور پانی دونوں میں چلنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور ان میں ایسے آلات نصب تھے جن کی مدد سے رات کے اندھیرے میں بھی دیکھا جا سکتا تھا اس کے علاوہ دشمن کے پاس ٹی 55 ٹینکوں کا ایک مکمل اسکواڈرن بھی موجود تھا۔

بریگیڈ کمانڈر نے دشمن کی پیش قدمی روکنے کے لئے ایک اور کمپنی کو روانہ کیا رات کے دوران ایک اور بٹالین بھیج کر اس کی طاقت میں مزید اضافہ کیا گیا۔ جس کی وجہ سے دشمن کو پیش قدمی روکنا پڑی' تاہم اس کے عوض ہمیں بڑے پیمانے پر جانی نقصان ہوا اور ہمارے سات ٹینک بھی تباہ ہو گئے۔ اس مرحلے پر تقریباً ساڑھے دس بجے' اپنے ٹینکوں پر دوبارہ قبضے کے لئے کوششیں کی گئیں تاہم صرف دو ٹینکوں کو واپس لایا جا سکا۔

اسی اثناء میں دشمن کی جو بریگیڈ چواگاچہ میں تعینات تھی اس نے 38 بھی حملہ کر دیا لہٰذا بریگیڈ کمانڈر تیزی کے ساتھ چواگاچہ پہنچے اور وہاں موجود اپنی دو کمپنیوں کی مدد سے دشمن کو ہٹانے کی کوشش کی چنانچہ دشمن بھاگ کر سرحد پار چلا گیا جس کے بعد انہوں نے چواگاچہ کی جانب سے اپنی دو کمپنیوں کے ہمراہ ایک اور حملہ کر دیا اس حملے میں وہ دشمن کو مار بھگانے میں تو کامیاب نہ ہو سکے تاہم دشمن کی پیش قدمی کو روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہاں دشمن مکمل جنگ چھڑنے تک ہماری فوجوں سے مقابلے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔

غریب پور میں ہونے والی اس جھڑپ کے دوران مقامی جنگ بھی شروع ہو گئی' جس میں ہمارے دو ایف 86 جیٹ طیارے تباہ ہو گئے اور ہم نے بھی دشمن کا ایک طیارہ مار گرایا۔ بھارت نے ہماری تین ٹینکوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور انہیں بوئرا لے گئے تاکہ اپنے اس دعوے کو درست ثابت کر سکیں کہ یہ پاکستانی فوجیں بھی تھیں۔ جو بوئرا آئی تھیں۔ جنہیں بھارتی فوجوں نے پیچھے کی جانب دھکیل دیا' گروپ کیپٹن ایم اے مجید (گواہ نمبر 277) نے بتایا کہ اس کے بعد فضائی دفاع کے لئے طیارے بدستور فضا میں پرواز کرتے رہے اور محدود پیمانے پر بری فوج کو مدد بھی فراہم کرتے رہے۔ تاہم اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملی۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ فضائیہ نے بری فوج کی مدد کے لئے کوئی کردار ادا کیا تھا۔

چواگاچہ میں' صورتحال انتہائی حساس ہوتی جا رہی تھی اور دشمن نے مزید پیش قدمی کے

لئے تیاری کے طور پر جیسور ائر فیلڈ پر گولہ باری بھی شروع کر دی تھی۔ چواگاچہ انتہائی اہم مقام تھا۔ لیکن اس کو دشمن کے دباؤ کی وجہ سے خالی کرنا پڑا اور افواج کو وہاں سے ہٹا کر افرالے جایا گیا۔

22-23 سے 27 نومبر 1971ء تک دشمن کو جہاں کہیں کوئی خلاء بظاہر کم تعداد میں فوج دکھائی دیئے اس نے ان پوزیشنوں پر' آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے یہ خلا موجود تھا۔ جیسا کہ بریگیڈ کمانڈر نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔

اس وقت تک' ان کے تمام فوجی دستے معروف ہو چکے تھے۔ اس کے سب پنجاب کی دو کمپنیوں (جو ریزرو کمانڈ کا حصہ تھیں) اور تھرڈ انڈی پینڈنٹ آرمڈ اسکواڈرن ان کی مدد سے غریب پور پر جوابی کیا گیا چنانچہ انہوں نے اس خلا کو پر کرنے اور دشمن کو جیسور کی جانب مزید اندر گھسنے سے روکنے کے لئے مزید کمک کی درخواست کی' اسی دوران 22 ایف ایف بٹالین کو جو بیناپول سے چواگاچہ تک موجود تھی وہاں سے ہٹا کر سرسا اور نبرن کے اگلے محاذوں پر تعینات کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس وقت کوئی اضافی فوج دستیاب نہیں تھی۔ محاذ کی کمانڈ کے تمام ریزرو دستوں کو فرائض سونپنے کے بعد کسی بھی علاقے میں جنگ پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی تھی۔ دشمن غریب پور کے علاقے میں بیٹھا اس بٹالین کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر 21 پنجاب نے اس کی اس کارروائی کو ناکام بنا دیا۔ چنانچہ دشمن نے دو ٹینکوں کی تباہی اور بڑی تعداد میں اپنے فوجیوں کے جانی نقصان کے بعد پسپائی اختیار کر لی بعد میں ان ٹینکوں کو غیر ملکی صحافیوں کو بھی دکھایا گیا تاکہ انہیں یہ باور کرایا جا سکے کہ بھارت کی جانب سے جارحیت کا آغاز ہو چکا ہے۔

7 بریگیڈ جس مایوس کن صورتحال سے دوچار تھی اس کے پیش نظر' مشرقی کمانڈ اپنی ریزرو کمانڈ 12 پنجاب کو پاکسی برج کے راستے بوگرا سے جیور بھیجنے پر رضامند ہو گئی۔ یہ بٹالین 25 نومبر کو 107 بریگیڈ کے علاقے میں پہنچی تو اس کو دفاع کا خلا پر کرنے کی غرض سے فوری طور پر جیسور سے آگے کی طرف بڑھا دیا گیا حالانکہ جیسور کی قلعہ بندی کو لاحق خطرہ اس علاقے کی کمان پر پہلے سے بھی زیادہ واضح ہو چکا تھا۔

دشمن نے 25 نومبر کو آرٹلری اور ٹینکوں کی مدد سے جیاگر پر حملہ کر دیا۔ وہاں جو کمپنی تعینات تھی وہ کوئی مزاحمت کئے بغیر اپنی پوریشن چھوڑ کر چلی گئی جس کے نتیجے میں دشمن درسنا اور

کوٹ چاند پور کی جانب مزید پیش قدمی کے قابل ہو گیا جس سے جھینداا اور جیسور کی درمیانی شاہراہ کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا۔

جہاں تک بریگیڈ 57 کے علاقے کا تعلق ہے تو ایسا لگتا ہے کہ دشمن کی 4th ماؤنٹین ڈویژن جس نے جیسا نگر آنے کے بعد بوڑا کے بیرونی حصے پر حملہ کیا تھا از خود تقسیم ہو گئی تھی ایک بریگیڈ چوا گاچہ کوٹ چاند پور' اور آندل باڑیہ کی جنوبی سمت کے متوازی' آگے کی جانب بڑھتی رہی' بریگیڈ کمانڈر 57 بریگیڈیر منظور احمد (گواہ نمبر 232) نے اپنی 18 پنجاب بٹالین کو اس انداز سے تعینات کیا تھا۔ ایک ریزرو کمپنی کو جھینداا میں اور دیگر 3 کمپنیوں کو مہر پور' نھوڑاا اور درسنا میں تعینات کیا گیا۔ ان پوزیشنوں کے درمیان 8 سے 15 میل کا خلا موجود تھا' لہٰذا دشمن کی بٹالین ان میں سے کسی ایک خلا کے درمیان سے گزر سکتی تھی۔

29 بلوچ کی' چار کمپنیوں پر مشتمل ایک اور بٹالین تھی جن کی دو کمپنیاں ڈنگ پڑا گرکر میں تھیں اور دو کمپنیوں کی بریگیڈ ریزرو کے طور پر رکھا گیا تھا۔

جیبا نگر میں دشمن کی فوج کے تقسیم ہونے کے بعد 25 نومبر 1971ء کو اس علاقے پر حملہ کیا گیا۔ دشمن کی ایک بریگیڈ نے آندل باڈیہ اور کوٹ چاند پور اور دوسری بریگیڈ کے درسنا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ 25 نومبر 1971ء کو جیبا نگر پر قبضے کے بعد درسنا پر حملے کے عزائم پہلے ہی واضح ہو چکے تھے۔

اس کے بعد 30 نومبر 1971ء کو انعامی پر قبضہ کر لیا گیا اور درسنا کا مکمل گھیراؤ کر لیا گیا' کوٹ چاند پور کو 2 دسمبر 1971ء کے بعد سے ویسے ہی خطرہ لاحق تھا۔

پتہ چلا گیا کہ یہ بریگیڈ اس علاقے میں دشمن کی پیش قدمی روکنے کی اہل نہیں تھی چنانچہ مشرقی کمان کی جانب سے 9 ویں ڈویژن کو کمک کے طور پر 50 پنجاب کی دو کمپنیاں روانہ کی گئیں۔ جنہیں 57 بریگیڈ کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ ایک نئی بٹالین تھی۔ جو 25 سے 27 نومبر کے درمیان ڈھاکہ پہنچی تھی۔

اس کے باوجود' بریگیڈ کمانڈر نے ان کمپنیوں کو اتھالی کے شمال کی جانب دشمن کی' پیش قدمی روکنے کے لئے فوری طور پر تعینات کر دیا۔

بریگیڈ 107 کو دی جانے والی دو کمپنیوں کو بھی کوٹ چاند پور کے جنوب میں آندل باڈیہ کے مقام پر دشمن کو روکنے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

38 ایف ایف کی ایک کمپنی جو جیبا نگر سے 25 نومبر کو واپس بلائی گئی تھی وہ بھی اس علاقے میں موجود تھی یہاں ایک ٹاسک فورس' جسے آفریدی فورس'' کا نام دیا گیا تھا اور جو 38 ایف ایف میں (ایک کمپنی کم) اور پنجاب 50 دو کمپنی کم) پر مشتمل تھی۔ بے حد عجلت میں قائم کر دی گئی اور اسے بھی اتھالی میں 57 بریگیڈ کے ماتحت تعینات کر دیا گیا اس کے باوجود 30 نومبر کو 1971ء کو دشمن نے یہ علاقہ ہم سے چھین لیا۔

بریگیڈ کمانڈر' اپنے ٹیکنیکل ہیڈ کوارٹر کے ہمراہ جنگ کی نگرانی کے لئے درسنا چلے گئے۔ اور جھیندا میں اپنے اصل بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو پیچھے چھوڑ دیا۔ تاہم اتھارلی پر قبضے کے بعد بڑھتے ہوئے خطرے نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ چنانچہ دشمن نے درسنا کا گھیراؤ کرنے کے بعد 2 دسمبر 1971ء کو کوٹ چاند پور کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔

راجشاہی۔ دیناج پور' رنگ پور اور بوگرا کا علاقہ

یہ علاقہ 16 ویں ڈویژن کی ذمہ داری تھا جو دیناج پور' رنگ پور' بوگرا اور پبنا کے' سول اضلاع پر مشتمل تھا۔ اور جو دریائے برہم پترا (جسے جمنا بھی کہا جاتا ہے) کے تمام شمالی علاقے کا احاطہ کرتا تھا۔ یہ بنیادی طور پر زرعی علاقہ تھا اور مون سون کے موسم کے بعد جلد ہی خشک ہو جاتا تھا۔ یہ علاقہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے خاص طور پر فوجی کارروائیوں کے لئے انتاہی موروں تھا جیسا کہ پنجاب ہے۔

جن دو بڑے دریاؤں کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے ان کے علاوہ' اس علاقے میں تین چھوٹے دریا تیتا' کارٹویا اور اترائی بھی بہتے تھے۔ یہاں سے ایک بڑی سڑک گزرتی ہے۔ جو پورے ضلعی ہیڈ کوارٹر کو آپس میں مربوط کرتی تھی۔ صوبے کے دیگر علاقوں میں آمدورفت کے لیے دریائے جمنا میں پھول باڑی' سراج گنج' نگر باڑی' گھاٹا اور پاکے کے مقامات نے فیری چلا کرتی تھیں۔

بھارتی علاقے سے بالرٹ گھاٹ کے بیرونی حصے میں واقع انگلش بازار کے ذریعے اس علاقے تک رسائی ممکن تھی۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے مشرقی پاکستان میں سب سے زیادہ طاقتور ڈویژن 16 ویں ڈویژن تھی۔ جسے پوری آرمڈ رجمنٹ اور تین مکمل بریگیڈ کی مدد حاصل تھی۔ اس کا مقابلہ کلی

گری میں تعینات' بھارت یک 33 کور سے تھا۔ جس کے پاس دو ماؤنٹین ڈویژن ایک انڈی پینڈنٹ ماؤنٹین بریگیڈ دو کیولری رجمنٹس تھیں۔ کیولری' رجمنٹس پی ٹی 76 اور چھوٹی 55 ٹینکوں سے لیس تھی۔

16 ویں ڈویژن کے کمانڈر نے اس علاقے کو تین سیکٹرز میں تقسیم کیا تھا اور ہر سیکٹر میں ایک بریگیڈ تعینات تھی۔ جن میں سے 23 بریگیڈ سب سے زیادہ طاقتور تھی' جو پانچ انفنٹری' بٹالینوں اور ایک آرمڈ اسکواڈرن پر مشتمل تھی۔ اسے دیناج پور اور رنگ پور کے اضلاع پر مشتمل علاقے کے دفاع کے لئے شمال کی جانب تعینات کیا گیا تھا۔ سینٹرل سیکٹر جہاں سے بھارت کا بڑا حملہ متوقع تھا 205 بریگیڈ کو سونپا گیا تھا جو تین بٹالینوں اور ٹینکوں کے ایک اسکواڈرن پر مشتمل تھی جبکہ تیسری بریگیڈ کو ڈویژنل ریزرو کے طور پر رکھا گیا تھا۔

مشرقی کمانڈر کے احکامات کے تحت اس پوزیشن پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ جو بہرحال ناکام ہوگئی۔ اور جس کے نتیجے میں 25 پنجاب کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے بعد کوری گرام علی پور اور چل ماڑی شدید دباؤ میں آ گئے اور دریائے تیتا کے پار' مشرق کا علاقہ غیر مستحکم ہوگیا اور خانہ اور بڑا کھاتہ 23 نومبر 1991ء کو خالی کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بھارت نے اپنی افواج کو دوبارہ مجتمع کرنے اور اس میں اضافے کی غرض سے عارضی طور پر حملے روک دیئے تاکہ اس کے بعد بڑا حملہ شروع کیا جا سکے۔

21 اور 22 نومبر 1971ء کو بھارت نے پاچا گڑھ پر حملہ کیا گیا جس کے بعد بھارتی فوجوں نے مورچہ بندی ختم کر کے ٹھاگر گاؤں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی جہاں 24 نومبر 1971ء کو ہماری فوج کی ان سے جھڑپ ہوئی۔ دشمن شدید نقصان کے باوجود 34 پنجاب کی پوزیشنوں پر مسلسل دباؤ بڑھاتا رہا جس کے نتیجے میں وہ 29 اور 30 نومبر کے درمیان لڑے بغیر ہی ٹھاکر گاؤں چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ اب جو مشرقی کمانڈ کے کمانڈر کے لئے مزید جھنجھلاہٹ کا باعث تھا اس غفلت کی وجہ سے بریگیڈ 23 کے کمانڈر کو کمان سے فارغ کر دیا گیا جس کے بعد مشرقی کمانڈ نے ایک حکم جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ جب تک 70 فیصد جانی نقصان نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی پوزیشن نہ چھوڑی جائے۔ (بحوالہ گواہی جنرل نذر حسین شاہ' گواہ نمبر 242)۔

دریائے تیتا کے مشرق میں صورتحال مزید ابتر ہو چکی تھی' آخرکار ہمارے فوجی دستوں

کو 30 نومبر کو مغربی کنارے کے پیچھے کی جانب ہٹنا پڑا جس کے بعد انہیں ڈویژن کے کرنل اسٹاف کی کمانڈ میں دریائے تیتا اور دریائے اترائی کے درمیانی علاقے میں تعینات کر دیا گیا۔

جمال پور میمن سنگھ اور ڈھاکہ سیکٹر

یہ وہ علاقہ ہے جہاں ایک پیالے یا تکون کی شکل میں ڈھاکہ شہر واقع ہے (جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے) جو ڈھاکہ کے دفاع کا ایک قدرتی علاقہ ہے۔

اس کے باوجود مئی 1971ء کے بعد اگست 1971ء تک کوئی باقاعدہ مسلح فارمیشن ڈھاکہ میں موجود نہیں تھی چنانچہ باغیوں نے سے اپنی سرگرمیوں کا خاص نشانہ بنا لیا تھا۔

درحقیقت یہ علاقہ 14 ویں ڈویژن کی ذمہ داری کا علاقہ تھا' جسے چٹاگانگ اور ڈھاکہ کے بیشتر سول ڈویژن کی داخلی سلامتی کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی تاہم صفایا کرنے والے آپریشنز کے دوران اسے سرحدوں کی جاب بھیج دیا گیا اور یہ میمن سنگھ سے چٹاگانگ کے پہاڑی سلسلے تک پھیل گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں ایک خلا پیدا ہوگیا' جو نہ صرف 14 ویں ڈویژن بلکہ مشرقی کمانڈ اور صوبائی حکومت کا ہیڈکوارٹر بھی تھا۔

مکتی باہنی نے اس خلا کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی سرگرمیوں میں مزید شدت پیدا کر دی۔ لاقانونیت میں بھی تیزی سے اضافہ ہونے لگا جن سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ فوج اس سیکٹر میں مکمل طور پر کنٹرول کھو چکی ہے۔۔ غیر ملکی پریس کی مخالفانہ رپورٹنگ کی وجہ سے اس کے داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر سیاسی لحاظ سے انتہائی ناموافق اثرات مرتب ہوئے۔ چنانچہ مشرقی کمانڈ نے جی ایچ کیو کی ہدایت پر 53 بریگیڈ (جو صرف دو بٹالین پر مشتمل تھی) کو چٹاگانگ سے ڈھاکہ بلا کر اگست 1971ء میں اسے اپنی ریزرو فورس کی حیثیت دے دی۔ جس کے بعد ستمبر 1971ء میں ایک اور ایڈہاک ڈویژن 36 اے میجر جنرل جمشید کی کمانڈ میں قائم کی گئی۔ ان کا ہیڈکوارٹر ڈھاکہ میں تھا۔ انہیں ای پی سی اے ایف کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے اپنے فرائض کے ساتھ اس کمانڈ کی اضافی ذمہ داری بھی دی گئی تھی۔

ان کے اضافی + ہیڈکوارٹر کا ساز و سامان اور عملہ بھی ای پی سی اے ایف کے ریزرو سے لیا گیا تھا۔

ان حالات میں 14 ویں ڈویژن کی ذمہ داری کے علاقے میں ضروری ردوبدل کیا

گیااور میمن سنگھ اور ڈھاکہ کے اضلاع کی ذمہ داری اس سے لے کر 136 اے کے سپرد کردی گئی مشرق میں دریائے میگھنا شمال اور مغرب میں دریائے جمنا ابرہم پترا اور جنوب مغرب میں گنگا یا پدما اس علاقے کے بہترین حصے کا احاطہ کرتے تھے۔ اور یہ ایک طرح کی تکون بناتے تھے جس کا سرا جمال پور کے شمال میں' میگھنا اور پدما کا سنگم تھا۔ اس لئے فوجی نقطہ نظر سے شمال میں حسین پور سے 15 میل کے ٹکڑے کو چھوڑ کر بڑی دریائی رکاوٹوں کے خلاف تحفظ فراہم کرتا تھا یہاں تک کہ حسین پور کیساتھ' پرانا برہم پترا دریا' بہادر آباد سے بھیرب تک ایک اچھی رکاوٹ کا کام دیتا تھا تاہم موسم سرما میں یہ دریا پایاب ہوجایا کرتا تھا۔

اس کے علاوہ اندرونی علاقوں میں چھوٹے دریا بہتے ہیں' ڈھاکہ سے ذرا باہر' مغرب میں' بوڑھی گنگا کے علاوہ دریائے سیتا لکھیا' نارائن گنج کے پاس کشور گنج سے بہتا ہوا میگھنا میں شامل ہوجاتا ہے۔ یہ دونوں دریا جہاز رانی کے قابل' اور بہت بڑی رکاوٹ کا کام دیتے تھے۔ ان قدرتی رکاوٹوں کے پیش نظر اس علاقے میں داخل ہونے کا بڑا زمینی راستہ مشرق میں بھیرب بازار ریلوے برج کے ذریعے تھا اس کے علاوہ اس علاقے میں داخل ہونے کا کوئی اور زمینی راستہ نہیں تھا۔

چنانچہ اس علاقے میں داخل ہونے کے لئے بڑے دریاؤں کو پار کرنا پڑتا تھا۔ جگن ناتھ گنج۔ بہادر آباد سے تیز رفتار فیری کے ذریعے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اور گوالینڈو' نارائن گنج سے پہنچنے میں فیری کو پانچ گھنٹے سے زائد لگتے تھے۔

اس علاقے میں دیگر ذرائع مواصلات نہ ہونے کے برابر تھے۔ صرف ایک شاہراہ ہے جو ڈھاکہ کو ٹنگائل اور میمن سنگھ سے ملاتے ہوئے مدھو پور کے مقام پر تقسیم ہوجاتی ہے اور آگے جاکر جمال پور سے مل جاتی ہے۔ جمال پور کے شمال میں چھوٹی سڑکوں کے سلسلے میں سرحدی علاقوں میں مزید شمال تک چلے جاتے ہیں۔

ایک اور نو تعمیر شدہ شاہراہ ڈھاکہ کو میر پور اور مانک گنج کے راستے میں مغرب میں آریچار گھاٹ سے ملاتی ہے آریچار گھاٹ تک ضلع راجشاہی میں نگر باڑی سے یا ضلع فرید پور میں، گوالنڈی گھاٹ سے پدما کو پار کرنے کے بعد پہنچایا جاسکتا ہے۔

نارائن گنج کو مغرب میں براستہ ڈھاکہ اور میمن سنگھار چھوٹی ریلوے لائن، بہادر آباد گھاٹ سے ملاتی) ہے، جو مشرق میں ڈھاکہ کو بھیرب بازار، سلہٹ کومیلا، چاند پور اور چٹا گانگ

سے ملادیتی ہے۔ ایک اور ریلوے لائن میمن سنگھ بھیرب بازار کے درمیان بھی واقع ہے۔

ڈھاکہ' صوبائی دارالحکومت' مشرقی کمانڈ کا ہیڈ کوارٹر اور ایسٹ پاکستان گریژن کا لاجسٹک بیس تھا یہاں صرف ایک ائر پورٹ تھا۔ جہاں بوئنگ اور جیٹ طیارے اتر سکتے تھے۔ اس کی فوجی اور سیاسی اعتبار سے خصوصی اہمیت تھی۔ لہٰذا کوئی فوجی منظوم ساز اس کی فوجی اہمیت سے نہ تو لاعلم رہ سکتا تھا اور نہ ہی اس بات کا اندازہ لگانے میں ناکام ہوسکتا تھا کہ واضح طور پر یہ دشمن کا آخری ہدف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ یہ بات بے حد حیران کن ہے کہ مئی اور اگست 1971ء کے درمیان یہاں باقاعدہ فوجی دستوں کو تعینات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ بہر حال اس کے بعد جنرل ہیڈ کوارٹر کی ہدایات کے مطابق ایک بریگیڈ کو چٹاگانگ سے ہٹا کر کمانڈ ریزرو کی حیثیت سے یہاں تعینات کردیا گیا اور ستمبر 1971ء میں اس بریگیڈ کے ساتھ ایک ایڈہاک ڈویژن بھی قائم کردی گئی۔

اس کے علاوہ دو بٹالین پر مشتمل ایک اور ایڈہاک بریگیڈ A-93 بریگیڈیئر عبدالقادر کی سربراہی میں قائم کی گئی۔

یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اسی علاقے میں ڈھاکہ کنٹونمنٹ بھی واقع تھا جبکہ تیج گاؤں میں اس کا سول ائر پورٹ تھا جو پی اے ایف کے لئے واحد ہوائی اڈے کا کام بھی دیتا تھا۔ چند میل کے فاصلے پر کری ٹولہ کے مقام پر ایک متبادل ہوائی اڈہ ابھی زیر تعمیر تھا۔ جو اس وقت استعمال کے قابل نہیں تھا۔

فلیگ فیسر کمانڈنگ کی نگرانی میں نیول ہیڈ کوارٹر جون 1971ء میں ڈھاکہ میں قائم کردیا گیا تھا۔

مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان تیز ترین مواصلاتی رابطہ ہوائی جہازوں کے ذریعے ہی قائم تھا۔ چنانچہ 25 ,20 مارچ 1971ء بعد مشرقی کمانڈ کو بیشتر کمک فضائی رستے سے ڈھاکہ پہنچا گئی۔

اس ایڈہاک ڈویژن کو دو ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔ یعنی آسام کے ساتھ ضلع میمن کی شمالی سرحدوں کے دفاع کے علاوہ بیرونی دفاع پوزیشنوں کے کمزور ہونے کی صورت میں ڈھاکہ شہر کا دفاع کرنا۔

پہلے ٹاسک کے لئے اسے 21-93 بریگیڈ دی گئی جو پرانے برہم پترا کے اس پار

جمال پور اور میمن سنگھ کے علاقے میں تعینات تھی۔ تاہم دوسرے ٹاسک کے لئے نہ تو ریگولر فوجی دستے موجود تھے اور نہ کوئی ایسی منصوبہ بندی ہی کی گئی تھی کہ ڈھاکہ کو خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں کسی اور سیکٹر سے فوجی دستے فراہم کردیئے جائیں۔ 53 بریگیڈ محض کمانڈر ریزرو تھی اور اسے ڈھاکہ دفاع کے سلسلے میں کوئی ٹاسک تفویض نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بریگیڈ 19 نومبر 1971ء کو اس وقت فنی چلائی گئی تھی جب ایک اور ایڈہاک ڈویژن 21-39 کے نام سے قائم کر دی گئی تھی اور جیسا کہ بعد میں جنرل جمشید نے خود بتایا کہ 36 ڈویژن کا وجود محض کاغذ کی حد تک ہی تھا جس کا ایک بریگیڈ و میل کے فاصلے پر تعینات تھا"۔

اس قسم کی صورتحال میں جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں دشمن نے 127 کتوبر 1971ء کو بندر کاٹا کی بارڈر آؤٹ پوسٹ' کو نشانہ بناتے ہوئے وار گیس مارٹر شیل کے 60 راؤنڈ تجرباتی اقدام کے طور پر فائر کئے۔ جس کے بعد مدھو پور کے جنگلات کے علاقے میں بڑے پیمانے پر مکتی باہنی کو داخل کر دیا گیا جو ڈھاکہ اور میمن سنگھ کے درمیان مواصلاتی لائن کے ساتھ واقع گوریلا جنگ کے لئے ایک آئیڈیل مقام تھا۔ 21-93 بریگیڈ ابھی ان گوریلا سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے میں مصروف تھی کہ 3 نومبر 1971ء کو بھارت نے بارڈر آؤٹ پوسٹ (آر اے 2713) علی الصباح حملہ کر دیا جسے ناکام بنا دیا گیا۔ تاہم شدید بمباری کے بعد دوبارہ حملہ کیا گیا۔ 33 پنجاب کی ایک کمپنی نے پھر جوابی حملہ کرتے ہوئے اس پوزیشن کو دوبارہ حاصل کر لیا۔

اے 93 بریگیڈ کو اس کی ذمہ داری کے علاقے میں بارڈر آؤٹ پوسٹوں کے دفاع کا ٹاسک دیا گیا تھا تقریباً ایک میل سے زائد علاقے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ جس کے بعد انہیں اپنی تیار شدہ پوزیشنوں پر یعنی جمال پور اور میمن سنگھ کی قلعہ بندیوں کیطرف واپس آ کر آخر تک ان علاقوں کا دفاع کرتے رہنا تھا۔ اس مقصد کے لئے بریگیڈ کو دو بٹالین 33 پنجاب اور 31 بلوچ ایک مارٹر بیٹری' فیلڈ انجینئروں کی ایک کمپنی مغربی پاکستان رینجرز کے تین ونگ مجاہدین کی پانچ کمپنیاں اور ایڈمنسٹریشن کے سب یونٹوں کے متفرق فوجی اور وہ رضا کار دیئے گئے تھے جنہیں اس علاقے سے بھرتی کیا گیا تھا تاہم انہیں جمال پور میمن سنگھ کے عقب میں کافی گہرائی تک کوئی پوزیشن فراہم کرنے یا کوئی برج ریزرو بنانے کے لئے ضروری وسائل دستیاب نہیں تھے۔

ان کے مدمقابل' بھارتی فوجیں دو بریگیڈز پر مشتمل تھیں جن میں سے ہر ایک میں

تین بٹالین تھیں۔ جن میں تیسری بریگیڈ کا بھی اضافہ کر دیا گیا یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ 50 انڈین پیرا بریگیڈ جو کلکتہ کے پاس بیرکس پور میں تعینات تھی ممکنہ طور پر ٹینگائل کے جنوب میں اترنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

"رپورٹ 21"

20 نومبر تک دشمن کا 6 ماؤنٹین ڈویژن بھی اس علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ 20 اور 21 نومبر کی درمیانی رات کو مکتی باہنی نے بھارتی انجینئروں کی مدد سے ٹینگائل اور کاتھلیا کے درمیان واقع تمام پلوں کو تباہ کر کے میمن سنگھ اور ڈھاکہ کے درمیان گاڑیوں کی آمد و رفت کو ناممکن بنا دیا تھا چنانچہ 93 بریگیڈ ڈھاکہ سے بالکل کٹ کر رہ گئی تھی۔ لہٰذا دونوں جانب' سے مواصلاتی لائنوں کی بحالی' اور دشمن سے نمٹنے کی کوششیں ضروری تھیں۔ 23 نومبر 1971ء تک مزید کوئی خاص واقعہ اس وقت تک رونما نہیں ہوا جب تک دشمن نے شدید گولہ باری کے بعد کمال پور کی بارڈر آؤٹ پوسٹ پر حملہ تہیں کر دیا' ایک دن میں چار ہزار راؤنڈ فائر کئے گئے۔ بہرکیف ہمارے فوجی شدید نقصان کے باوجود اپنی پوزیشنوں پر ڈٹے رہے۔ کمال پور کے دفاع کو مزید مؤثر بنانے کی غرض سے بخشی گنج میں بھی دفاعی پوزیشن قائم کر لی گئیں' دشمن نے یہ دیکھتے ہوئے 30 نومبر 1971ء کو دوسرا حملہ کر دیا جسے 31 بلوچ کے ایک چھوٹے دستے نے مغربی پاکستان رینجرز کی مدد سے ایک بار پھر ناکام بنا دیا بہر حال دشمن بدستور اپنی جگہ جگہ ڈٹا رہا اور اس نے 3/4 دسمبر 1971ء کی رات بارڈر پوسٹ کو دو بریگیڈرز کی مدد سے گھیرنے کے بعد تیسرا حملہ شروع کر دیا۔ ہمارے فوجی اپنی پوزیشنوں پر اس وقت تک ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ جب تک ان کا تمام گولہ بارود ختم نہیں ہو گیا جس کے بعد دشمن نے لڑائی میں زندہ بچ جانے والے فوجیوں کو گرفتار کر لیا۔

اس سلسلے میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس صورتحال کے باوجود کمانڈنگ آفیسر کی جانب سے عقبی دفاعی پوزیشنوں پر فوج کو واپس لے جانے کی درخواست۔ مشرقی کمانڈ کی تمام سرحدی چوکیوں پر قبضہ برقرار رکھنے کی بے جا ضد کے پیش نظر مسترد کر دی گئی۔

درحقیقت 3 دسمبر 1971ء کو مشرقی کمانڈ نے ایک حکم جاری کیا تھا جس کے مطابق کسی بھی پوزیشن کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک 75 فیصد جانی نقصان نہ ہو جائے۔

جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے کہ دشمن نے 4 ستمبر 1971ء کو بخشی گنج پر اس وقت قبضہ کرلیا جب 31 بلوچ کا شیر پور فیری کی جانب پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے عقبی علاقے سے رابطہ مکمل طور پر منقطع ہوگیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی دیگر سرحدی چوکیوں کو خالی کرنے کی اجازت دی گئی، جس کے بعد دشمن کے دباؤ کے تحت ہمارے فوجی دستے حلوا گھاٹ اور جاریا جھن جیل کی جانب آنے پر مجبور ہوگئے۔ اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا تذکرہ اگلے صفحات میں کیا جائے گا۔

✿✿✿
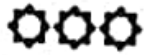
حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ

بنگالیوں کا احساسِ محرومی • سقوط ڈھاکا کی دستاویزات • مجیب الرحمٰن کے چھ نکات • حمود الرحمٰن کمیشن کا قیام • حکمرانوں اور سیاستدانوں کے حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے بیانات • ڈھاکہ میں آخری کمشنر کا انٹرویو • حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ پر جرنیلوں کا ردعمل • بھٹو کا موقف • اسلامی تاریخ کا بدترین المیہ • یحییٰ خان کا خفیہ سیاسی مشیر • شکست کے ذمہ دار کون؟ • چھ نکات کا تخلیق کنندہ کون تھا؟ • ایوان صدر چکلہ بن گیا تھا • کمیشن کا پہلا اجلاس • برطانوی سامراج کی شازشیں • ملکی دولت 22 خاندانوں میں • ہوس ناکی کی داستانیں • شراب اور عورتیں شکست کا فوجی پہلو ہماری فوجی حکمت میں ایک بڑا خلا • مشرقی پاکستان کا جنگی احوال • ہتھیار ڈالنے کا مشورہ • جنرل نیازی نے سنہری موقع کھو دیا • ناقص قیادت، غلط معلومات • پاکستان ایئر فورس کے حملہ مشن کی تفصیلات • جنرل کا قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح تینوں فوجوں کے درمیان منصوبہ بندی کا فقدان • فوج کی اعلیٰ کمان کی غلط فہمی • شکست کے اخلاقی پہلو • امریکی حکومت کا رویہ • جرنیلوں کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے • یحییٰ خاں کی ہٹ دھرمی • مشرقی پاکستان کے خلاف دشمن کی استعداد کا اندازہ۔

Rs:1600

Design 0333-4349801

37-مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان
فون: 042-7239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com